شیعہ سُنّی اختلافات اور صراطِ مستقیم

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

مکتبہ لدھیانوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۚ
ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ
اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ الفتح

ترجمہ

محمد رسول اللہ کا۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں۔ زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں۔ تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدے میں، ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی۔ نشانی ان کی ان کے منہ پر ہے، سجدہ کے اثر سے۔ یہ شان ہے ان کی توراۃ میں، اور مثال ان کی انجیل میں۔ جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا۔ پھر اس کی کمر مضبوط کی۔ پھر موٹا ہوا۔ پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر۔ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو، تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو یقین لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام، معافی کا اور بڑے ثواب کا۔

ترجمہ از شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں اور دارالخلافہ کوفہ میں خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ لوگو! سنو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ اور اگر میں تیسرے کا نام لینا چاہوں تو لے سکتا ہوں۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ منبر سے اترتے ہوئے فرمایا: پھر عثمانؓ، پھر عثمانؓ۔"

(البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۳)

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ، ونعوذ باللہ من شرور أنفسنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضلل فلا ھادی لہ، ونشھد أن لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد أن سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ، أرسلہ اللہ تعالی إلی کافۃ الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللہ بإذنہ وسراجا منیرا، صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وأصحابہ وسلم تسلیما کثیرا۔

أما بعد:

کمترین خلائق بندہ محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ و عافاہ برادران اسلام کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ اس ناکارہ نے ۱۳۹۹ھ میں ایک سوال کے جواب میں رسالہ "اختلاف امت اور صراط مستقیم" لکھا تھا، جس میں ایک مختصر سا نوٹ "شیعہ سنی اختلاف" پر بھی تھا۔ اس میں شیعہ مذہب کے ان تین بنیادی عقائد کا ذکر تھا جو زبان زد عام و خاص ہیں، اور جو شیعہ مذہب کے مسلمات اور اصول موضوعہ کی حیثیت رکھتے

ہیں۔ یہ رسالہ شائع ہوا تو جناب مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی مرحوم نے یہ حصہ ماہنامہ "الرشید" ساہیوال میں شائع کر دیا، اس پر حضرات شیعہ نے ساہیوال کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ فاضل رشیدی مرحوم نے مقدمہ کی نقل اور پیشی کی تاریخ اس ناکارہ کو بھجوائی، راقم الحروف نے شیعہ کتب کے حوالے جمع کر کے مقررہ تاریخ پر عدالت میں پیش کر دیئے، عدالت نے حوالہ جات کو ملاحظہ کرنے کے بعد دعویٰ خارج کر دیا اور معاملہ رفت و گزشت ہوا۔

تجھ چودہ سال بعد میرے محسن جناب محترم سید محمد محسن الاجتہادی صاحب نے اسی مختصر نوٹ پر ایک طویل عنایت نامہ راقم الحروف کے نام رقم فرمایا، جس میں بندہ کی تحریر پر بہت سے مناقشات فرمائے۔ ان مناقشات کا مختصر سا جواب دیا جا سکتا تھا، لیکن خیال ہوا کہ موصوف کے پیش کردہ نکات پر بقدر ضرورت تفصیلی گفتگو ہو جائے، اس لئے متعلقہ کتب دوبارہ فراہم کی گئیں۔ اور چند مہینے کے "علمی اعتکاف" کے بعد یہ مقالہ مرتب ہوا۔ اسے احباب کی خدمت میں بطور ارمغان پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب مکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اطہار اور اصحاب اخیار (رضی اللہ عنہم) کے صدقے اس بضاعت مزجات کو شرف قبول سے مشرف فرمائیں، اور اہل دانش و علم سے التجا کرتا ہوں کہ اس کو بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں جہاں اس کوتاہ قلم کے قلم سے لغزش ہوئی ہو اس کی اصلاح سے دریغ نہ فرمائیں۔

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾۔

مقصود شروع کرنے سے پہلے چند امور کا بطور تقریب سخن گوش گزار کرنا مناسب ہوگا۔

۱: شیعہ سنی اختلاف کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور دونوں طرف سے اس پر بڑے بڑے دفاتر مرتب و مدون کئے جا چکے ہیں۔ لیکن راقم الحروف نے "اختلاف امت اور

صراط مستقیم" کے محولہ بالا نوٹ میں بنیادی طور پر تین مسائل سے تعرض کیا تھا، یعنی عقیدۂ امامت، صحابہ کرامؓ، اور قرآن کریم۔ زیر قلم مقالہ میں بھی محور سخن یہی تین موضوع رہے۔ البتہ بعض ضمنی مباحث، جو جناب اجتہادی صاحب نے چھیڑے۔ ان سے بھی تعرض ناگزیر ہوا۔ اس لئے اس رسالہ کو چار ابواب پر تقسیم کرنا پڑا۔

باب اول: مباحث امامت

باب دوم: مباحث متعلقہ صحابہ کرامؓ

باب سوم: مباحث متعلقہ قرآن کریم

باب چہارم: متفرقات

۲...... اوپر عرض کیا گیا کہ فریقین کے اختلاف کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اور دونوں کے متنازع فیہ مسائل حد شمار سے باہر ہیں۔ لیکن ان میں بنیادی امور صرف تین ہیں۔ جن پر "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں مختصر سا نوٹ لکھا گیا تھا۔ اگر اس دائرۂ اختلاف کو مزید سمیٹا جائے تو بنیادی مسئلہ صرف ایک رہ جاتا ہے، اور وہ یہ کہ آیا صحابہ کرامؓ من حیث الجماعت لائق اعتماد ہیں یا نہیں؟ اگر اس نکتہ کا تصفیہ ہو جائے تو اختلافات کے غیر محدود فاصلے آن واحد میں سمٹ سکتے ہیں، اور دونوں فریق متفق و متحد ہو سکتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس نکتہ کی وضاحت کے لئے اپنی "آپ بیتی" کا ایک واقعہ درج کر دوں:

غالباً ۱۹۴۹ء کا قصہ ہے، یہ ناکارہ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر میں ہدایہ اخیرین کے درجہ کا طالب علم تھا، سن و سال یہی کوئی ۱۸۔۱۹ کے درمیان رہا ہوگا۔ اچانک بیمار ہوا، جس سے نظام ہضم میں خلل آگیا۔ والد مرحوم کو تشویش ہوئی۔ حق تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں۔

دعویٰ پدرم شاد کہ یہ گفت بامن
فرزند مرا عشق بیاموز و دگر ہیچ

انہوں نے فرمایا کہ میاں حسن شاہ صاحب اچھے طبیب ہیں، ان سے مشورہ کر لیا جائے۔ یہ ہمارے علاقے کے ایک اثنا عشری بزرگ تھے، ہمارے گاؤں سے چند میل کے فاصلے پر ہمارے عزیزوں کا ایک گاؤں تھا، میاں صاحب نے اس گاؤں کو مرکز تبلیغ بنا رکھا تھا۔ چونکہ سید بادشاہ تھے اس لئے بلا تفریق مسلک و مشرب بھی لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ اور موصوف اپنی وجاہت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیہاتی عوام میں (جو مذہب کے اصول و فروع سے عموماً واقف نہیں ہوتے) اپنے مسلک کی خوب تبلیغ و اشاعت فرماتے۔ حق تعالیٰ شانہ نے زبان و بیان اور افہام و تفہیم کا اچھا ملکہ عطا فرمایا تھا، قدح صحابہؓ ان کا سب سے لذیذ اور دل کش موضوع رہا کرتا تھا، اور وہ صحابہؓ کے عیوب و نقائص بیان کر کے عوام کے قلوب کی زمین شیعہ مذہب کے لئے تیار کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

میاں صاحب والد مرحوم سے واقف تھے، لیکن اس ناکارہ کو شاہ صاحب کی زیارت و لقا کا شرف حاصل نہیں تھا۔ اس لئے والد مرحوم نے میرے پھوپھی زاد بھائی جناب مولانا حکیم محمد حسین مرحوم کو میرے ساتھ کر دیا اور چلتے ہوئے بطور خاص ہدایت فرمائی کہ میاں صاحب بڑے جہاندیدہ بزرگ ہیں، اور تم ابھی بچے ہو۔ دیکھو! ان سے مذہبی گفتگو نہ کرنا۔ والد مرحوم کو اندیشہ تھا کہ اگر میاں صاحب نے اس بچے کو مذہبی گفتگو میں بند کر دیا تو عزیزوں میں ہماری سبکی ہوگی۔

بالغرض ہم دونوں میاں صاحب کے مستقر پر پہنچے۔ محفل آراستہ تھی، اور میاں صاحب اس کے صدر نشین تھے۔ علیک سلیک کے بعد تعارف کرایا، اور حاضری کا مدعا عرض کیا۔ میاں صاحب نے حاضری پر اظہار مسرت فرمایا۔ لیکن ہمارے معروضہ پر توجہ فرمانے کے بجائے مذہبی بحث چھیڑ دی، اور بڑے معصومانہ انداز میں فرمایا کہ اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ ہم تحقیقی آدمی ہیں، تعصبی آدمی نہیں۔ امت کو اختلافات نے غارت کر دیا ہے، تباہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کا حل نکلنا چاہئے۔ وہ دیر تک اسی نوعیت کی گفتگو فرماتے رہے، اور بار بار یہی فقرہ دہراتے رہے کہ ہم تحقیقی آدمی ہیں، تعصبی آدمی نہیں، اختلافات کو ختم ہونا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ ناکارہ

والد مرحوم کی فہمائش کے مطابق میں جب رہا۔ جب خاصی دیر ہو گئی تو میں نے محسوس کیا کہ شاہ صاحب کی نصیحت و انقلاص کا سلسلہ شب ہجر اور زلف محبوب کی طرح دراز ہوا جاتا ہے، اس لئے مناسب ہو گا کہ موضوع گفتگو کو بدلا جائے۔ چنانچہ عرض کیا کہ میاں صاحب! آپ کس اختلاف کی بات کر رہے ہیں؟ میرے خیال میں تو ہم میں اور آپ میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ نہیں بھئی! اختلاف تو ہے۔ اب یہ ناکارہ اصرار کر رہا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اور میاں صاحب بار بار دہرا رہے ہیں کہ اختلاف تو ہے۔ اس تکرار و اصرار کو سن کر تمام حاضرین ہنسنے لگے کہ اس بچے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان دونوں فریقوں کے درمیان اختلاف ہے۔ چند لمحے یہ تکرار و اصرار جاری رہا۔ تو میں نے کہا، "ہاں! ذرا سا اختلاف دونوں کے درمیان ضرور ہے، بس ذرا سا اختلاف۔" میاں صاحب نے چونک کر فرمایا، وہ کیا؟

عرض کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں؟

فرمایا، بے شک۔

عرض کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کے لائے ہوئے دین کو، آپ کی لائی ہوئی کتاب کو اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو قیامت تک قائم و دائم رہنا ہے؟

فرمایا، بے شک!

عرض کیا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف بس یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۳ سال کی محنت و جانفشانی سے جو جماعت تیار کی، آپ اپنے دین، اپنی کتاب اور اپنی لائی ہوئی ہدایت کو جس جماعت کے سپرد کر کے دنیا سے تشریف لے گئے، اور آپ کی تیار کی ہوئی جس جماعت کو آپ کے درمیان اور بعد میں آنے والی قیامت تک کی امت کے درمیان اولین واسطہ بنایا گیا، ہم کہتے ہیں کہ یہ جماعت لائق اعتماد ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی یہ جماعت لائق اعتماد نہیں۔ اب اگر یہ جماعت لائق اعتماد ہے

جیسا کہ ہمارا موقف ہے تو ان حضرات نے جو کچھ بھی کیا وہ صحیح ہے، اور ان پر اعتراض اور تنقید بھی فضول ہے۔ لیجئے! اسی سے خلافت کا جھگڑا بھی طے ہو گیا، اور باغ فدک کا قضیہ اور دیگر تمام اختلافی مسائل بھی حل ہو گئے۔

اور اگر یہ جماعت لائق اعتماد نہیں تھی، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں، تو اس کے نتیجے کے طور پر ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ:

الف: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ محنت (نعوذ باللہ) رائیگاں گئی۔

ب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (نعوذ باللہ) بے فضول ٹھہری۔

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی (نعوذ باللہ) دین اسلام کا خاتمہ ہو گیا، دین اسلام آپؐ کے ساتھ ہی دفن ہو گیا، وہ آپؐ کے بعد ایک دن کیا ایک لمحہ بھی آگے نہیں چلا۔

د: اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی جماعت لائق اعتماد نہیں تھی تو اس ناقابل اعتماد جماعت کے ذریعے ہمیں جو قرآن پہنچا وہ بھی لائق اعتماد نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی لائق اعتماد نہ رہی۔ اور دین اسلام کی کسی چیز پر بھی اعتماد ممکن نہ رہا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب آپؐ کی نبوت اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کی ایک ایک چیز ہمیں اسی جماعت کے ذریعہ ملی ہے۔

یہ تقریر معقول تھی اس لئے سامعین اس سے متاثر ہوئے، اور میاں صاحب نے اس پر جرح وقدح نہیں فرمائی۔ اس کے بعد کچھ مزید گفتگو بھی ہوئی، جو بڑی دلچسپ تھی۔ اور جس نے بالآخر شاہ صاحب قبلہ کو موضوع گفتگو بدلنے پر آمادہ کر دیا۔ مگر اس کا یہاں نقل کرنا غیر متعلق ہو گا، اس لئے اسے قلم زد کرتا ہوں۔

۳ بعض اوقات کسی بڑی چیز کی بنیاد نہایت معمولی ہوتی ہے، لیکن آگے و نتائج بڑے دور رس ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً برگد کے درخت کو دیکھو کہ کیسا تناور اور کتنا بڑا ہے۔ اور اس کی شاخیں کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر اس کے بیج کو دیکھو تو وہ رائی کے دانے سے بھی شرمندہ نظر آئے گا۔ یہی مثال اختلاف کی ہے۔ اس کا نقطہ آغاز نہایت معمولی بلکہ غیر مرئی ہوا کرتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ اختلاف کی خلیج

وسیع سے وسیع تر ہوتی رہتی ہے۔ یہی قصہ "شیعہ سنی اختلاف" کو پیش آیا۔ بونے والوں نے امت کے قلوب میں قدح صحابہؓ کا غیر مرئی بیج بو دیا، رفتہ رفتہ اس کی شاخیں پھوٹنے لگیں، اور بڑھتے بڑھتے اس نے ایک ایسے جنگل کی شکل اختیار کر لی جس کے کاٹنے کے لئے شاید عمرِ نوحؑ بھی کافی نہ ہوگی۔ بہی خواہانِ ملت اس ناپسندیدہ اختلاف اور اس ناخوشگوار فرقہ واریت سے پریشان وملال اور متفکر نظر آتے ہیں، اس کے خلاف ہر طرف سے صدائے "الاتحاد! الاتحاد!" بلند ہوتی ہوئی سنائی دیتی ہے، لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس اختلاف کا کیا حل نکالا جائے؟ اور اس درد بے درماں کا کیا علاج کیا جائے؟ یہ ذرۂ بے مقدار بہی خواہانِ ملت اور دردمندانِ قوم کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ اس عقدۂ لاینحل کا حل یہی ہے کہ اس ناخوشگوار اختلاف کی جڑوں کو امت کے قلوب سے اکھاڑ پھینکا جائے، اور اس جماعت کو، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ محنت اور فیضانِ تربیت سے تیار ہوئی، لائق اعتماد باور کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مقدس میں اسی جماعت کے بارے میں بار بار اعلان فرمایا ہے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

یعنی: "راضی ہوا اللہ ان سے، اور وہ راضی ہوئے اللہ سے"۔

یہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے "دو طرفہ رضامندی" کا اعلان ہے۔ اسی اعلان کا اثر ہے کہ عام طور سے اہل ایمان جب کسی صحابیؓ کا نام لیتے ہیں تو بے ساختہ "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ ان کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کے اس اعلانِ رضامندی کے بعد کسی شخص کو، جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو، صحابہ کرامؓ سے ناراضی کا حق نہیں رہتا۔ اور جو شخص اس کے بعد بھی ناراض ہو وہ گویا اعلانِ خداوندی پر ایمان نہیں رکھتا۔

"..... شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی" نے "الاصابہ" کے دیباچہ میں امام ابوزرعہ رازی کا قول نقل کیا ہے:۔

إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول الله

ﷺ فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول حق، والقرآن حق، وما جاء به حق، وإنما أدى إلينا ذلك كله الصحابة، وهؤلاء يريدون أن يجرحوا شهودنا، ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، وهم زنادقة. (الإصابة: ص ۱۱، ج ۱)

ترجمہ..... "جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور جو دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے، وہ برحق ہے۔ اور یہ ساری چیزیں ہم تک صحابہؓ نے پہنچائی ہیں، لہٰذا صحابہؓ ہمارے لئے رسالت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کے گواہ ہیں اور یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح کر کے کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ خود لائق جرح ہیں، اور یہ بددین زندیق ہیں"۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا دین حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے نازل ہوا ہے اور چند واسطوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ دین پر اعتماد اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ہم تک لائق اعتماد واسطوں سے پہنچا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور بعد کی امت کے درمیان سب سے پہلا واسطہ صحابہ کرامؓ ہیں اگر وہ لائق اعتماد نہیں تو دین کی کوئی چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہتی۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کے اعتماد کو مجروح کرنا در حقیقت دین کے اعتماد کو مجروح کرنا ہے۔

۵..... حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کائنات میں سے منتخب فرمایا، اس لئے آپؐ زبدۂ کائنات ہیں، سید البشر، خیر البشر اور فخر اولادِ آدم ہیں۔ آپؐ کی کتاب خیر الکتب ہے، آپؐ کا دین خیر الادیان ہے، آپؐ کی امت خیر الامم ہے، اور آپؐ کا زمانہ خیر القرون ہے۔ لہٰذا آپؐ کے اصحاب بھی "خیر الاصحاب" ہیں

(رضی اللہ عنہم)۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں بسند صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے:

عن عويم بن ساعدة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: إن الله تبارك وتعالى اختارني، واختار لي أصحابا، فجعل لي منهم وزراء وأنصارا وأصهارا، فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه يوم القيامة صرف ولا عدل – هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، وقال الذهبي "صحيح"۔

(مستدرک حاکم: ص۶۳۲، ج۳)

ترجمہ: "حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے چن لیا، اور میرے لئے اصحاب کو چن لیا، پس ان میں بعض کو میرے وزیر، میرے مددگار اور میرے سسرالی رشتہ دار بنادیا۔ پس جو شخص ان کو برا کہتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور سارے انسانوں کی لعنت۔ قیامت کے دن نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا، نہ نفل۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد آدمؑ میں سے چھانٹ کر منتخب فرمایا اسی طرح لائق ترین افراد کو چھانٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس انتخاب خداوندی کے نتیجہ میں یہ حضرات، جن کو صحبت نبویؐ کے لئے چنا گیا، اپنی علو استعداد اور اپنے جوہری کمالات کے لحاظ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل تھے۔ اسی بنا پر ان کو اللہ تعالیٰ نے "خیر امت" کا خطاب دیا۔ پس اگر صحابہ کرامؓ سے بہتر و افضل کوئی اور انسان ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و صحبت کے لئے ان کو منتخب فرماتے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کی تنقیص صرف "صحبت نبویؐ" کی تنقیص

نہیں، بلکہ اس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کے انتخاب کی بھی توہین و تنقیص ہے۔ اور جو شخص صحبت نبوی ؐ کی تحقیر اور انتخاب خداوندی کی تنقیص کرتا ہو اس کے بارے میں شدید سے شدید وعید بھی قرین قیاس ہے۔

۱ ۔۔ صحبت نبوی ؐ کی عظمت تاثیر پر ایک دوسرے زاویے سے غور کیجئے۔ حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو "سراج منیر" بنا کر بھیجا، یعنی نبوت کا وہ آفتاب عالم تاب، جو مطلع انوار ہدایت پر تا قیامت درخشاں رہے گا۔ آپ ؐ سے پہلے پورا عالم کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ یکایک فاران کی چوٹیوں سے یہ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی کرنیں اطراف عالم کو محیط ہو گئیں، بزم عالم جگمگا اٹھی، اور سارا جہاں بقعۂ نور بن گیا۔ آپ ؐ کی ذات رسالت مآب نور کا کرہ تھی جس کی کشش ثقل نے سعید روحوں کو اپنی طرف اس طرح کھینچا، جس طرح مقناطیس آہن پاروں کو کھینچ لیتا ہے۔ پھر آپ ؐ کے اعجاز نبوت نے ان کے قلوب کو خرق العادت جلا و ضیا بخشی، اور ان ذروں کو آفتاب بنا دیا۔ انھوں نے جمال جہاں آرائے محبوب ؐ کو ایسا جذب کیا کہ ان کا سراپا حسن محبوب ؐ کا مرقع بن گیا، اور ان کے رگ و پے سے حسن محبوب ؐ کی خوشبوئیں بکھرنے لگیں، اور وہ زبان حال و مقال سے پکار اٹھے :

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشم مست ناز ساقی کا ہے مے خانہ
یہاں تک بڑھ گئی وارفتگی شوق نظارہ
تجلیات نظر سے پھوٹ نکلا حسن جانانہ

بہار حسن کو یوں جذب کرلوں دیدہ و دل میں
محبت میں مرا ذوق نظر معیار ہو جائے
مری آنکھوں میں چشم مست ساقی کا وہ عالم ہے
نظر بھر کر جسے بھی دیکھ لوں مے خوار ہو جائے

وہ آفتاب محمدیؐ، جس کی ضیا پاشیاں آج بھی امت کے عشاق کے دلوں کو گرما اور چمکا رہی ہیں، غور کیجئے کہ جن کے گھروں میں یہ آفتاب نبوت نور کی کرنیں بکھیرتا ہو گا ان کی نورانیت و تابانی کا کیا عالم ہو گا؟ سبحان اللہ! حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خوش بختی و سعادت کا کیا کہنا کہ وہ آج تک روضۂ مقدسہ میں خورشید جہاں تاب کے پہلو میں آرام فرما ہیں، اور قیامت تک اس دولت کبریٰ سے بہرہ اندوز رہیں گے۔

از پاک دامناں نہ کند حسن احتراز
با آفتاب خفتہ بیک بستر آئنہ

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما جن کے پہلو میں آج تک آفتاب نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) درخشاں ہے، اور قیامت تک فروزاں رہے گا، ان کی نورانیت و تابانی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ اور یہ سعادت، جس کے مقابلہ میں کونین کی نعمتیں بھی ہیچ ہیں، ان دونوں بزرگوں کے سوا کس فرد بشر کے حصہ میں آئی؟ فطوبیٰ لہما ثم طوبیٰ لہما۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ و مقدسہ میں مدفون ہیں، اور یہ روضۂ شریفہ و بقعۂ مقدسہ "رشک صد جنت" ہے۔ اور حضرات شیخین "اسی "رشک صد جنت" میں محو استراحت و آسودۂ خواب ہیں۔ اور جنت کی شان یہ ہے کہ جو شخص مرنے کے بعد اس میں ایک بار داخل ہو جائے اسے وہاں سے نکالا نہیں جاتا، پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اکابر کو مدت العمر اپنی معیت کا شرف عطا فرمایا، اور برزخ میں بھی ان کو اپنے پہلوئے مبارک میں جگہ دے کر بقعۂ مبارکہ اور روضۂ مقدسہ میں ان کو شرف معیت بخشا تو یقین ہے کہ فردائے قیامت اور جنت الفردوس میں بھی ان کو شرف معیت نصیب ہو گا۔

(ولو کرہ الکارہون۔)

آناں کہ بنظر خاک را کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ واتباعہ وبارک وسلم)

۷ ۔ .... شیعہ حضرات جن اکابر کو "ائمہ اہل بیت" کہتے ہیں ہمارے نزدیک وہ اہل سنت کے اکابر ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شمار خلفائے راشدین میں ہے اور عقیدہ اہل سنت کے مطابق حضرات خلفائے راشدینؓ ـــ علی الترتیب ـــ سب صحابہؓ سے افضل ہیں۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول اور جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں۔ لہٰذا ان دونوں سے (اور ان کے والدین ماجدینؓ سے) محبت رکھنا حبِّ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

من أحبَّ الحسن والحسين فقد أحبّني، ومن أبغضهما فقد أبغضني

ترجمہ..... "جس نے حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔"

ان کے بعد کے اکابر بھی اپنے اپنے دور کے اکابر و افاضل اہل سنت تھے۔ اہل سنت کے نزدیک ان تمام اکابر کی محبت جزو ایمان ہے۔ اس ناکارہ نے "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں "شیعہ سنی اختلاف" کی بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا :۔

"میں تمام آل و اصحاب کی محبت و عظمت کو جزو ایمان سمجھتا ہوں، اور ان میں سے کسی ایک بزرگ کی تنقیص کو، خواہ اشارے کنایے کے رنگ میں ہو، سلب ایمان کی علامت سمجھتا ہوں۔ یہ میرا عقیدہ ہے۔ اور میں اسی عقیدہ پر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں"

زیر قلم رسالہ میں شیعہ روایات پر گفتگو کرتے ہوئے اگر کوئی ایسا لفظ نظر پڑے جس سے ان اکابر کے حق میں ادنیٰ سوئے ادب بھی مترشح ہوتا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ گفتگو شیعہ روایات کے مطابق ہے۔ ورنہ یہ ناکارہ اس سے سو بار برأت کا اظہار کرتا ہے۔

۸ ... اس ناکارہ نے ہر بحث میں جناب محمد محسن الاجتہادی صاحب کے خط کے متعلقہ اقتباس درج کر دیئے تھے۔ اس کے باوجود مناسب سمجھا گیا کہ ان کے پورے خط کا عکس رسالہ کے شروع میں درج کر دیا جائے کیونکہ علمی امانت کا تقاضا ہے کہ جس شخص کی تحریر پر گفتگو کی جائے اس کی تحریر کا پورا متن قارئین کے سامنے آجائے۔ اس لئے پہلے آپ اجتہادی صاحب کے گرامی نامہ کا عکس ملاحظہ فرمائیں گے، اس کے بعد اس ناکارہ کی گذارشات ملاحظہ عالی سے گزرے گی۔

۹۔ اہل تشیع کی کتابوں کے اقتباسات نقل کرنے کے بجائے بیشتر اصل کتابوں کے فوٹو دیئے گئے ہیں، اس میں دو مصلحتیں پیش نظر تھیں، ایک یہ کہ اصل کتاب کا فوٹو قاری کے لئے زیادہ اطمینان بخش ثابت ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ طویل عربی عبارتوں کی تصحیح بڑا مشکل کام ہے، اصل کتاب کا فوٹو دینے سے تصحیح کے جھنجھٹ سے نجات مل جاتی ہے۔

۱۰۔ حق تعالیٰ شانہ محض اپنے لطف سے اس تحفہ کو قبول فرمائیں اور اپنی رضا و محبت اور اپنے محبوب و مقبول بندوں کی رفاقت و معیت نصیب فرما کر اپنے اس ارشاد کا مصداق بنا دیں :-

﴿ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ، وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴾ .

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى إخوانه من النبيين ، وعلى آله وأصحابه الطيبين الطاهرين .

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

فہرست

باب اوّل

عقیدۂ امامت

باب سوم

باب چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

بعالی خدمت جناب سید محمد محسن الاشتہاردی صاحب، نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ

بعد از تحیات مسنونہ و دعوات صالحہ معروض آنکہ آنجناب کے گرامی نامہ نے معزز و مفتخر فرمایا۔ یہ ناکارہ ایک عرصہ تک مختلف عوارض میں صاحب فراش رہا، جب ذرا آنے جانے کے لائق ہوا تو ہجوم مشاغل سے گراں بار رہا، آنجناب کے گرامی نامہ کو اٹھا کر دیکھنے کی بھی مہلت نہ ملی، بہرحال دوسرے مشاغل کو چھوڑ کر آج (بتاریخ یکم ربیع الثانی) آپ کا خط لے کر بیٹھ گیا ہوں، دیکھئے کب تک اس سے فراغ میسر آتا ہے۔

آنجناب نے اس ناکارہ کے اور اس کے رسالہ "اختلافِ امت" کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ان پر ممنون ہوں، ہر شخص کو اپنے فہم و ادراک کے مطابق تبصرے کا حق ہے۔ تاہم آنجناب نے چونکہ اس ناکارہ کو جواب کے لئے مخاطب فرمایا ہے اس لئے آپ کے گرامی نامہ کے مندرجات کے بارے میں چند گزارشات کی اجازت چاہوں گا۔

میں ان گزارشات کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔

حصہ اول: عقیدۂ امامت۔ اور اس سے متعلقہ مباحث، جن پر آنجناب نے گفتگو فرمائی ہے۔

حصہ دوم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ و مقام اور ان کے بارے میں سنی اور شیعہ نقطۂ نظر۔

حصہ سوم: تحریف قرآن کے بارے میں شیعہ عقیدہ اور آنجناب کی تحریر پر گفتگو۔

حصہ چہارم: آنجناب کے چند متفرق سوالات کا جواب۔

آنجناب کے اخلاق کریمانہ سے توقع رکھتا ہوں کہ اس ہیچ میچ تحریر کو بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں گے، اگر کوئی بات صحیح نظر آئے تو اس کو قبول کرنے سے دریغ نہیں فرمائیں گے، اور اگر کہیں غلطی ہوئی ہو تو اس کی اصلاح فرمائیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

باب اوّل

عقیدۂ امامت

اس باب میں گیارہ مباحث ہیں :

پہلی بحث : عقیدۂ امامت، شیعیت کی اصل بنیاد ہے۔
دوسری بحث : عقیدۂ امامت کا موجد اول عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔
تیسری بحث : عقیدۂ امامت ختم نبوت کے منافی ہے۔
چوتھی بحث : ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات۔
پانچویں بحث : ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے؟
چھٹی بحث : امامت، نیابت نبوت ہے یا نبوت سے بالاتر؟
ساتویں بحث : امامت میں الوہیت کی جھلکیاں۔
آٹھویں بحث : کیا عقیدۂ امامت دین و ملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا؟
نویں بحث : خلافت راشدہ واقعی امامت دین کا ذریعہ ثابت ہوئی۔
دسویں بحث : امام غائب کے نظریہ پر ایک نظر۔
گیارہویں بحث : عقیدۂ امامت پر تقیہ کا شامیانہ۔

پہلی بحث: عقیدۂ امامت، شیعیت کی اصل بنیاد ہے

اس ناکارہ نے عقیدۂ امامت کو شیعیت کی بنیاد اور شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دیا تھا۔ اس پر آنجناب کو اعتراض ہے کہ:

"شیعہ عقائد کی کتابوں میں عقیدۂ امامت کا نمبر پانچواں ہے۔ جس کی ترتیب یہ ہے۔ (۱) توحید (۲) نبوت (۳) معاد (۴) عدل (۵) امامت۔ عدل سے مراد عدل خداوندی ہے۔"

جواباً گزارش ہے کہ اس ناکارہ نے عقیدۂ امامت کو شیعیت کا اصل الاصول قرار دینے کی جو گستاخی کی ہے، اس کی چند وجوہ ہیں:

عقیدۂ امامت خود شیعہ کی نظر میں، پہلی وجہ:

اگرچہ حضرات شیعہ، عقائد کی ترتیب میں اس کو پانچویں نمبر پر بیان کرتے ہیں، لیکن ان کی تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اسی عقیدہ کو اپنے مذہب کی اصل بنیاد سمجھتے ہیں۔ شیخ حلی جن کی تحریر کا آنجناب نے حوالہ زیب رقم کیا ہے، وہ اپنے رسالہ "منہاج الکرامہ" کا آغاز ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

"أما بعد فهذه رسالة شريفة، ومقالة لطيفة، اشتملت على أهم المطالب في أحكام الدين، وأشرف مسائل المسلمين، وهي مسئلة الإمامة، التي يحصل بسبب ادراكها نيل درجة الكرامة، وهي أحد أركان الإيمان، المستحق بسببه الخلود في الجنان، والتخلص من غضب الرحمن، فقد قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من مات ولم يعرف إمام زمانه مات ميتة جاهلية"

(بحواله منهاج السنة، ص:۶۱ج:۱)

اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے :

"یہ رسالہ جس مسئلہ پر مشتمل ہے، یعنی مسئلہ امامت، وہ دین کے احکام میں سب سے اہم چیز ہے۔ اور اسلامی مسائل میں سب سے اشرف ہے۔ اسی پر سعادت اخروی اور دائمی جنت کے حصول کا مدار ہے۔ نیز اس کی معرفت کے بغیر مرنا، حدیث نبوی کے مطابق جاہلیت کی موت ہے۔"

انصاف فرمایئے کہ جو مسئلہ شیخ حلی کے بقول احکام دین میں سب سے اہم اور اسلامی مسائل میں سب سے اشرف ہو، جس کا اقرار دائمی جنت کا موجب ہو اور جس کی معرفت کے بغیر مرنا جاہلیت کی موت ہو، اگر اس ناکارہ نے اس کو "اصل الاصول" کہہ دیا تو کیا برا کیا؟

بلکہ شیخ حلی کی عبارت کے بین السطور کا بغور مطالعہ بتاتا ہے کہ توحید و عدل اور نبوت کے مباحث بھی شاید عقیدۂ امامت ہی کی تمہید تھے۔ ملاحظہ فرمایئے :

"الفصل الأول فی نقل المذاهب فی هذه المسألة ، ذهبت الإمامية إلى أن الله عدل حكيم ، لايفعل قبيحا ولا يخل بواجب ، وأن أفعاله إنما تقع لغرض صحيح وحكمة ، وأنه لا يفعل الظلم ولا العبث ، وأنه رؤوف رحيم بالعباد ، يفعل بهم ماهو الأصلح لهم والأنفع ، وأنه تعالى كلفهم تخييرا لا إجبارا ، ووعدهم الثواب وتوعدهم العقاب على لسان أنبيائه ورسله المعصومين بحيث لا يجوز عليهم الخطأ ولا النسيان ولا المعاصي ، وإلا لم يبق وثوق بأقوالهم وأفعالهم ، فتنتفي فائدة البعثة ، ثم أردف الرسالة بعد موت الرسول بالإمامة ، فنصب أولياء معصومين منصوصين ليأمن الناس من غلطهم وسهوهم وخطئهم ، فينقادون إلى أوامرهم ، لئلا يخلي الله العالم من لطفه ورحمته" (منهاج السنة ، ص ۳۰ ، ج ۱)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"چونکہ خدا عادل و حکیم ہے، لطف اس کے ذمہ لازم و ضروری ہے اور بندوں کے حق میں جو چیز انفع و اصلح ہو وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ (یہ عدل خداوندی کی تفسیر ہوئی) لہٰذا ناممکن تھا کہ خدا تعالیٰ کی زمین معصوموں سے خالی ہوتی، ورنہ ظلم و جور لازم آتا اور خدا غیر عادل ٹھہرتا۔ لامحالہ اللہ تعالیٰ کو سلسلہ نبوت جاری کرنا پڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ سلسلہ نبوت بند کر دیا گیا، لامحالہ اللہ تعالیٰ کو سلسلہ امامت کا جاری کرنا ناگزیر ہوا۔"

گویا لطف و عدل کا عقیدہ، تمہید نبوت ہے اور نبوت، تمہید امامت۔ ان تمام مطالب میں اہم المطالب بس امامت ہے۔

عقیدۂ امامت پر تمام انبیاء سے عہد لیا گیا

شیعہ راویوں نے ان بزرگوں سے، جن کو "امام معصوم" کہا جاتا ہے، اس مضمون کی روایت بھی بڑی فراوانی سے نقل کی ہیں کہ عقیدۂ امامت پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا۔ یہ روایات شیعہ تفسیروں کے علاوہ "بحار الانوار" میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں بطور مثال "بحار الانوار" سے ایک روایت نقل کرتا ہوں جسے بحار الانوار، کتاب الامامۃ "باب تفضیلہم علی الانبیاء" میں کراجکی کی کنز الفوائد سے نقل کیا ہے:

۴۴ ــ کنز: الحسن بن أبي الحسن الدّيلمي بإسناده عن فرج بن أبي شيبة قال: سمعت أبا عبدالله عليه السلام وقد تلا هذه الآية: «و إذ أخذ الله ميثاق النبيّين لما آتيتكم من كتاب و حكمة ثمّ جاءكم رسولٌ مصدّقٌ لما معكم لتؤمننّ به» يعني رسول الله صلّى الله عليه و آله «و لتنصرنّه» يعني وصيّه أمير المؤمنين عليه السلام، و لم يبعث الله نبيّاً ولا رسولاً إلّا و أخذ عليه الميثاق لمحمّد صلّى الله عليه و آله بالنبوّة و لعليّ عليه السلام بالإمامة[1].

(بحار الانوار ص ۲۰۲ جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام جعفرؒ نے سورۂ آل عمران کی آیت ۸۱ کی تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ "لتؤمنن بہ" سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کو حکم ہوا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ اور " ولتنصرنه " کا مطلب
یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی یعنی حضرت علیؓ کی مدد
کریں۔ امام جعفرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس رسول اور نبی کو بھی بھیجا اس
سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اور علیؓ کی امامت کا عہد لیا۔"

انسان بس عقیدۂ امامت ہی کے مکلّف ہیں

اور "معصوم اماموں" سے اس مضمون کی روایات بھی نقل کی ہیں کہ لوگ بس امام کو پہچاننے اور اس کی ماننے ہی کے مکلّف ہیں۔ چنانچہ علامہ کلینی نے اصول کافی کتاب الحجہ " باب التسلیم و فضل المسلمین " میں اس مضمون کی سات روایات نقل کی ہیں۔ یہاں پہلی روایت درج کی جاتی ہے۔

❁ (التسليم و فضل المسلمين) ❁

١ـ عدّة من أصحابنا، عن أحمد بن محمّد بن عيسى، عن ابن سنان، عن ابن مسكان عن سدير قال: قلت لأبي جعفر عليه السلام: إنّي تركت مواليك مختلفين يتبرّأ بعضهم من بعض قال: فقال: وما أنت وذاك، إنّما كلّف النّاس ثلاثة: معرفة الأئمّة، والتسليم لهم فيما ورد عليهم، والرّدّ إليهم فيما اختلفوا فيه.

(اصول کافی .. صفحہ ٣٩٠ جلد ١)

ترجمہ: "سدیر کہتے ہیں کہ میں نے امام باقرؒ سے عرض کیا کہ میں نے آپ کے شیعوں کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر تبرا کرتے ہیں۔ فرمایا، تجھے اس سے کیا پڑی، لوگ صرف تین باتوں کے مکلّف ہیں۔

(١) اماموں کو پہچانیں۔
(٢) انہوں کی طرف سے جو حکم ہو اس کو مانیں۔
(٣) اور جس بات میں ان کا اختلاف ہو اسے اماموں کی طرف لوٹائیں۔"

جس عقیدہ کے بغیر خدا... نعوذ باللہ، عدل و لطف کی صفات سے محروم ہو جاتا

ہو، جس عقیدہ کا تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے، تمام فرشتوں سے اور تمام انسانوں سے عہد لیا گیا ہو اور تمام امتوں کو بس اسی ایک عقیدہ کا مکلف بنایا گیا ہو، اگر اس ناکارہ نے اس عظیم ترین عقیدہ کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دے دیا تو انصاف فرمایئے کہ کیا میں نے بے جا بات کہی؟ نہیں، بلکہ آنجناب کے مذہب کی صحیح ترجمانی کی۔

شیعہ سنی افتراق کا نقطۂ آغاز مسئلۂ امامت ہے، دوسری وجہ:

اس ناکارہ نے جو عقیدۂ امامت کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دیا اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں فریقوں (شیعہ اور سنی) کے درمیان اختلاف و افتراق کی ایک طویل و عریض خلیج واقع ہے اور حضرات شیعہ نے کلمہ، نماز اور حج و زکوٰۃ وغیرہ تمام اصول و فروع میں اپنا الگ تشخص قائم کرلیا ہے، لیکن اگر غور و تأمل سے اس افتراق کا منبع تلاش کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں کے درمیان افتراق کا نقطۂ آغاز مسئلۂ امامت ہے۔ اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی قیادت و سربراہی کا فریضہ علی الترتیب چار بزرگوں نے انجام دیا جن کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے، رضی اللہ عنہم۔ شیعہ مذہب نے اپنے مذہب کی بسم اللہ یہاں سے کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، خلافت بلافصل انہی کا حق تھا، صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے انحراف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت و نیابت اور اپنے بعد امت کی امامت کے لئے جس شخصیت کو نامزد کیا تھا، صحابہ کرامؓ نے اس کو چھوڑ کر ایک اور بزرگ کو خلیفہ بنالیا، ان کے بعد پھر ایک اور کو، ان کے بعد پھر ایک اور کو، تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نامزد کردہ شخصیت کو چوتھے نمبر پر ڈال دیا۔ افسوس کہ اس کے بعد بھی امت ان کی امامت پر مجتمع نہ ہوسکی۔

الغرض شیعیت کی ابتدا "نظریہ امامت" سے ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ علی منتجب الکرامہ میں اسی نقطہ آغاز کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأنه لما بعث الله محمدا ﷺ قام بثقل الرسالة

وتص على أن الخليفة بعده علي بن أبي طالب عليه السلام ، ثم من بعده على ولده الحسن الزكي ، ثم على ولده الحسين الشهيد ، ثم على علي بن الحسين زين العابدين ، ثم على محمد بن علي الباقر ، ثم على جعفر بن محمد الصادق ، ثم على موسى بن جعفر الكاظم ، ثم على علي بن موسى الرضا ، ثم على محمد بن علي الجواد ، ثم على علي بن محمد الهادي ، ثم على الحسن بن علي العسكري ، ثم على الخلف الحجة محمد بن الحسن المهدي عليهم الصلاة والسلام ، وأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يمت إلا عن وصية بالإمامة ، قال وأهل السنة ذهبوا إلى خلاف ذلك كله ......وأن الإمام بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أبو بكر بن أبي قحافة بمبايعة عمر بن الخطاب له برضا أربعة: أبي عبيدة بن الجراح وسالم مولى أبي حذيفة وأسيد بن حضير وبشير بن سعد بن عبادة ، ثم من بعده عمر بن الخطاب بنص أبي بكر عليه ، ثم عثمان بن عفان بنص عمر على ستة هو أحدهم ، فاختاره بعضهم ، ثم علي بن أبي طالب لمبايعة الخلق له"

(منهاج السنة ، ص: ۳۰ ج ۱) ۔

حاصل ترجمہ یہ کہ: "شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اور ان کے بعد علی الترتیب گیارہ اماموں کو۔ لیکن اہل سنت کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ تھے۔ ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمانؓ، ان کے بعد حضرت علیؓ۔"

پس چونکہ شیعیت کا نقطۂ آغاز مسئلۂ امامت و ولایت ہے، اس لئے اس نا کردہ نے اس کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول اور سنگ بنیاد قرار دیا۔

شیعیت کے تمام اصول و فروع کا مدار "امامت" پر ہے، تیسری وجہ:

نظریۂ امامت کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دینے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ شیعہ مذہب کے تمام اصول و فروع کا مدار "عقیدۂ امامت" پر ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ادلۂ احکام علی الترتیب چار ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ

۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ اجماع امت

۴۔ مجتہدین امت کا اجتہاد و قیاس (جو ان تین دلائل میں سے کسی ایک پر مبنی ہو)

لیکن حضرات شیعہ کے نزدیک شرع کے دلائل صرف تین ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ

۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ ائمہ معصومین کے اقوال و ارشادات

ان کے نزدیک امام معصوم کے بغیر اجماع باطل ہے، تا بہ قیاس چہ رسد؟ یہ تو ایک ظاہری اصول ہے۔ اگر ذرا گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ شیعہ کے نزدیک ان تین دلائل کا مرجع اور خلاصہ بھی صرف ایک ہے، یعنی قول امام۔ چنانچہ کتاب اللہ کی فلاں آیت کا قول خداوندی ہونا ان کے نزدیک قول امام سے معلوم ہو گا۔ اگر امام معصوم یہ ارشاد فرمائیں کہ یہ آیت یوں نہیں، یوں ہے تو شیعہ کے نزدیک قول معصوم کی بنا پر اس آیت کو اسی طرح ماننا ضروری ہے جس طرح امام نے فرمایا (اس کی تفصیل انشاء اللہ تیسرے باب میں آئے گی)۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کلام الٰہی ہے، مگر قرآن کریم کی کسی آیت کا قول خداوندی اور کلام وحی ہونا شیعہ کے نزدیک امام معصوم کی تصدیق و تصویب پر موقوف ہے۔

جہاں تک ارشاداتِ نبویہ اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال ہے، شیعہ کے نزدیک وہ بھی صرف اس صورت میں معتبر ہیں جبکہ وہ ائمہ معصومین کے ذریعے پہنچی ہوں یا اقوالِ ائمہ کے موافق ہوں ورنہ چونکہ ان کے نزدیک صحابہ کرامؓ عادل و ثقہ نہیں، اس لئے ان کی ایسی روایات جو ائمہ معصومین کے ذریعے نہ پہنچی ہوں یا قولِ معصوم ان کی تائید نہ کرتا ہو، وہ شیعہ کے نزدیک ساقط الاعتبار ہوں گی۔ چنانچہ شیعوں کے محدثِ اعظم علامہ باقر مجلسی کی کتاب "بحار الانوار" جزو دوم (طبع جدید) کتاب العلم میں باب (۲۸) کا عنوان ہے:

﴿ما رويه العامة من أخبار الرسول صلى الله عليه و آله ، و أن الصحيح من ذلك﴾
﴿عندهم عليهم السلام ، والنهي عن الرجوع الى أخبار المخالفين﴾
﴿وفيه ذكر الكذابين﴾

(بحار الانوار ... صفحہ ۲۱۴ جلد ۲)

ترجمہ: "جو احادیث غیر شیعہ کی روایت سے ہوں ان میں سے صحیح وہ ہیں جو ائمہ کے پاس ہوں اور مخالفین کی روایت کردہ کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے۔ اور اس باب میں جھوٹی روایتیں کرنے والوں کا بھی ذکر ہے۔"

اس باب میں اس مضمون کی ۱۴ روایات نقل کی ہیں کہ امام کی تائید و تصدیق کے بغیر دوسروں کی روایت کا اعتبار نہیں۔ اسی باب کی روایت (۱۱) میں امام جعفرؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

۱۱ ـ ل : الطالقاني ، عن الجلودي ، عن محمد بن زكريا ، عن جعفر بن محمد بن عمارة قال : سمعت جعفر بن محمد عليه السلام يقول : ثلاثة كانوا يكذبون على رسول الله ﷺ أبو هريرة ، وأنس بن مالك ، وامرأة .

بيان : يعني عائشة .

(بحار الانوار ... صفحہ ۲۱۷ جلد ۲)

ترجمہ: "تین شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے تھے۔ ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ اور ایک عورت" (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ نعوذ باللہ)

اور اس سے اگلے صفحہ پر روایت ۱۳ امام باقرؒ سے نقل کی ہے:

۱۴ ـ الاول: وجدت في كتاب سليم بن قيس الهلالي من أبان بن أبي عياش راوي الكتاب قال: قال أبو جعفر الباقر عليه السلام: لم نزل أهل البيت منذ قبض رسول الله صلى الله عليه وآله نذل ونقصى ونحرم ونقتل ونطرد، ووجد الكذابون لكذبهم موضعاً يتقربون إلى أوليائهم وقضاتهم وعمالهم في كل بلدة يحدثون عدونا وولاتهم الماضين بالأحاديث الكاذبة الباطلة، ويحدثون ويروون عنا ما لم نقل، تهجيناً منهم لنا، وكذباً منهم علينا، وتقرباً إلى ولاتهم وقضاتهم بالزور والكذب.

(بحارالانوار ..... صفحہ ۲۱۸ جلد ۲)

ترجمہ: "جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، ہم اہل بیت کو ہمیشہ ذلیل کیا جاتا رہا، دور کیا جاتا رہا، محروم کیا جاتا رہا، قتل کیا جاتا رہا اور دھتکارا جاتا رہا۔ اور جھوٹوں نے اپنے جھوٹ کے لئے یہ موقع پاکر وہ اپنے دوستوں، قاضیوں اور حاکموں کا ہر شہر میں تقرب حاصل کریں، وہ ہمارے دشمنوں اور ان کے گزشتہ دوستوں کے پاس باطل اور جعلی احادیث بیان کرتے اور ہماری جانب سے ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جو ہم نے نہیں کہیں۔ جس سے ان کا مقصد ہماری توہین کرنا، ہم پر جھوٹ باندھنا اور جھوٹ طوفان کے ذریعہ اپنے دوستوں اور قاضیوں کا تقرب حاصل کرنا ہے۔"

ائمہ معصومین کے ان گرانقدر ارشادات کو پڑھنے کے بعد کون عقلمند ہوگا جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی نقل کردہ احادیث پر اعتماد کرے گا؟ الغرض کسی آیت کا ارشادِ خداوندی ہونا اور کسی حدیث کا ارشادِ نبویؐ ہونا شیعہ کے نزدیک قولِ امام پر منحصر ہے۔ لہٰذا اصل الاصول وہی "مسئلۂ امامت" ٹھہرا۔

شیعہ کا لقب "امامیہ"، چوتھی وجہ:

ان تمام امور سے قطع نظر کیجئے تو شیعہ کا لقب "امامیہ" خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس فرقہ کا امتیازی نشان عقیدۂ امامت ہے۔ کیونکہ ہر فرقہ اپنے آپ کو ایسے لقب سے

منسوب کیا کرتا ہے جو اس کے اعتقادی و نظریاتی تشخص کا پتہ دے۔ "اہل السنت و الجماعت" کا لقب بتاتا ہے کہ ان کے معتقدات کا قطب "ما انا علیہ واصحابی" ہے اور ان کا اعتقادی، عملی، اخلاقی اور تفسیقی نظام سنت نبوی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام اور سنت صحابہؓ کے مدار پر گردش کرتا ہے۔ معتزلہ اپنے آپ کو "اصحاب التوحید والعدل" کہتے تھے، کیونکہ ان کے خیال میں ان کا اعتقادی فلسفہ توحید و عدل کے گرد گھومتا تھا (ان کے یہاں توحید و عدل کی جو بھی تفسیر ہو)۔ اسی طرح حضرات شیعہ اپنے آپ کو "امامیہ" اور "اثنا عشریہ" کے لقب سے منسوب کرتے ہیں تو اس سے ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے اصول و فروع اور اعمال و اخلاق کی چکی قطب امامت کے گرد گھومتی ہے۔ باوجودیکہ توحید و عدل کی بعض تعبیرات میں شیعہ اور معتزلہ کے درمیان اتفاق ہے لیکن شیعہ معتزلہ کی طرح اپنے کو "ارباب العدل والتوحید" نہیں کہلاتے۔ کیونکہ عقیدۂ امامت ان کے نزدیک توحید و عدل کی ان تعبیرات سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دوسری بحث: عقیدۂ امامت کا موجد اول عبداللہ بن سبا یہودی تھا

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"صفحہ ۲۰ پر آپ نے یہ تاثر قائم کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا نامی یہودی جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا وہ فرقہ شیعہ کا موجد ہے۔ یہ وہ رٹی رٹائی بات ہے جو عرصے سے کہی جا رہی ہے، حالانکہ محققین علمائے اہل سنت نے عبداللہ بن سبا کے وجود ہی کا انکار کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس کے عقائد و نظریات نہ کسی کتاب میں منقول ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ تحریک محض سیاسی تھی، شرح عقائد اور بیان مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ آپ جیسے فاضل کے لئے میرے خیال میں یہ روا نہیں کہ وہ اس قسم کی بے تکی باتیں نقل کرتا رہے۔ شیعہ مذہب عقائد و نظریات اور فقہی مسائل کا مستقل مکتب ہے جس میں نہ عبداللہ بن سبا کا کوئی وجود ہے نہ ہی اس کے نظریات کو بیان کر کے انہیں بطور حجت پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا محترم آپ اس بات کو تو تسلیم کریں گے کہ معتقد علیہ علماء کے بیانات سے استدلال کرنا اس کسی فرقے کی کتب کا پتہ دیتا ہے، اور عالم کا مکتب فکر طے کرتا ہے۔ اگر شیعہ فرقے میں عبداللہ بن سبا کو موجد کی حیثیت حاصل ہوتی تو ان کی کتابوں میں اس ملعون کے نظریات سے استدلال کیا جاتا جبکہ اس مردود کا کسی کتاب میں حوالہ نہیں ملتا۔ آپ کے علم میں ایسی کوئی کتاب ہو تو حقیر کو ضرور مطلع فرمائیے گا۔ آپ یقیناً ایسا نہ کر سکیں گے۔"

اس ناکارہ نے نظریہ "ولایت علیؓ" کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا کہ حضرت علیؓ

کی امامت و ولایت اور وصایت کے جو نظریات شیعہ مذہب کا نقطۂ آغاز ہیں:

"ان عقائد و نظریات کے اولین موجد وہ یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء) جو اسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب ہو گئے تھے ....."

آنجناب نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ "یہ رٹی رٹائی بات ہے جو عرصہ سے کہی جارہی ہے۔"

جواباً گزارش ہے کہ یہ اگر "رٹی رٹائی بات" ہے تو معاف کیجئے! یہ آپ ہی کے گھر سے رٹائی گئی ہے: چنانچہ علامہ مامقانی "تنقیح المقال" میں اور علامہ مجلسی "بحار الانوار" میں "رجال کشی" سے نقل کرتے ہیں:

وذكر [۱] بعض أهل العلم أن عبد الله بن سبا كان يهودياً فأسلم ووالى علياً عليه السلام وكان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن نون وصي موسى بالغلو فقال في إسلامه بعد وفاة رسول الله ﷺ في علي ؑ مثل ذلك.

وكان أول [۲] من أشهر بالقول بفرض إمامة علي ؑ وأظهر البراءة من أعدائه وكاشف مخالفيه وأكفرهم [۴]. فمن هنا قال من خالف الشيعة: أصل التشيع والرفض مأخوذ من اليهودية. [۵]

(بحار الانوار ... صفحہ ۲۸۷ جلد ۲۵)

ترجمہ: "بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا، پس اسلام لے آیا اور حضرت علیؓ کی "ولایت" کا قائل ہوا۔ یہ اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون علیہ السلام کے بارے میں غلو کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہیں، پس اسلام لانے کے بعد اسی قسم کی بات وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنے لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ آپ کے وصی تھے۔

"یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے یہ مشہور کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا قائل ہونا فرض ہے اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمنوں پر (جس سے اس ملعون کی مراد خلفاء راشدینؓ تھے) اعلانیہ تبرا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو واشگاف کیا اور ان کو کافر کہا۔

"یہیں سے وہ لوگ جو شیعہ کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رافضیت، یہودیت کا چربہ ہے۔"

علامہ کشی چوتھی صدی کے اکابر شیعہ میں تھے اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شیعہ اسماء الرجال پر قلم اٹھایا "رجال کشی" اور "رجال نجاشی" جن سے علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار میں استفادہ کیا ہے، ان دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

و کتابا الرجال علیهما مدار العلماء الأخیار فی الأعصار والأمصار .

(بحار الانوار صفحہ ۳۳ جلد ۱)

ترجمہ: "رجال کی یہ دونوں کتابیں، انہی پر چیدہ علماء کا مدار ہے، تمام زمانوں میں اور تمام شہروں میں۔"

الغرض جو کتاب تمام اعصار و امصار میں علمائے اخیار کا مدار چلی آتی ہے، اسی میں یہ بتایا گیا ہے کہ نظریۂ امامت کا سب سے پہلا موجد و مبلغ عبداللہ بن سبا یہودی تھا جس کو امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقاء و زیارت کا شرف حاصل تھا۔ بعد میں جس کسی نے بھی "نظریۂ امامت" پیش کیا اس نے اپنے پیشوا ابن سبا یہودی کے رکھے کردہ سنگ بنیاد پر مسئلۂ امامت کی بلند و بالا عمارت تعمیر کی۔ اب اگر آپ اپنے ولی نعمت اور مرشد اول سے کفران نعمت فرمائیں تو اس کا کیا علاج ہے؟

کیا عبداللہ بن سبا کا وجود فرضی ہے؟

اور آنجناب نے جو یہ فرمایا ہے کہ:

"تحقیقاً علمائے اہل سنت نے عبداللہ بن سبا کے وجود ہی کا انکار کیا ہے۔"

گویا آپ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا تو محض ایک فرضی نام ہے، محققین اس کے وجود ہی کا انکار کر رہے ہیں، "شیعہ مذہب کا موجد" کہہ کر مفت میں اس غریب کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آنجناب نے کن علماء اہلسنت کی یہ تحقیق نقل فرمائی ہے اور یہ کہ ان کا علمی مرتبہ و مقام کیا ہے؟ جہاں تک اس ناکارہ کا علم ہے اکابر علماء اہلسنت نے وہی بات نقل کی ہے جو علامہ کشی نے کہی ہے اور جسے ابھی

علامہ مجلسی کی "بحار الانوار" اور علامہ مامقانی کی "تنقیح المقال" کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں۔
شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"ذكر غير واحد منهم أن أول من ابتدع الرفض والقول بالنص على علي وعصمته كان منافقا زنديقا، أراد فساد دين الإسلام، وأراد أن يصنع بالمسلمين ما صنع بولص بالنصارى، لكن لم يتأت له ما تأتى لبولص، لضعف دين النصارى وعقلهم، فإن المسيح ﷺ رفع ولم يتبعه خلق كثير يعلمون دينه ويقومون به علما وعملا، فلما ابتدع بولص ما ابتدعه من الغلو في المسيح اتبعه على ذلك طوائف، وأحبوا الغلو في المسيح، ودخلت معهم ملوك، فقام أهل الحق خالفوهم وأنكروا عليهم، فقتلت الملوك بعضهم، وداهن الملوك بعضهم، وبعضهم اعتزلوا في الصوامع والديارات — وهذه الأمة ولله الحمد لا يزال فيها طائفة ظاهرة على الحق فلا يتمكن ملحد ولا مبتدع من إفساده بغلو وانتصار على الحق، ولكن يضل من يتبعه على ضلالة". (منهاج السنة ص۲۱۹ ج۳)

ترجمہ: "اور شیعہ جو اہل سنت کے خلاف امام معصوم وغیرہ کے دعوے کرتے ہیں یہ دراصل ایک منافق زندیق کا اختراع ہے، چنانچہ بہت سے اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے رفض ایجاد کیا، اور سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و عصمت کا قائل ہوا وہ ایک منافق زندیق (عبداللہ بن سبا) تھا جس نے دین اسلام کو بگاڑنا چاہا اور اس نے مسلمانوں سے وہی کھیل کھیلنا چاہا جو پولس نے نصاریٰ سے کھیلا تھا، لیکن اس کے لئے وہ کچھ ممکن نہ ہوا جو پولس کے لئے ممکن ہوا، کیونکہ نصاریٰ میں دین بھی کمزور تھا اور عقل کی بھی کمی تھی، کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام (آسمان

پر) اٹھائے گئے، جبکہ ان کے پیرو زیادہ تھے جو لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دیتے اور ان کے علم و عمل کو لے کر کھڑے ہو جاتے، لہٰذا جب پولس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو اختیار کیا تو اس پر بہت سے گروہ اس کے پیرو ہو گئے اور وہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو کو پسند کرنے لگے اور ان غالیوں کے ساتھ بادشاہ بھی غلو میں داخل ہو گئے۔ اس وقت کے اہل حق کھڑے ہوئے، انہوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کے غلو پر نکیر کی، نتیجہ یہ کہ ان اہل حق میں سے بعض کو بادشاہوں نے قتل کر دیا، بعض نے مداہنت سے کام لیا اور ان کی بات میں ہاں ملائی، اور بعض گرجوں اور خلوت خانوں میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور امت مسلمہ، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہی، اس لئے کسی ملحد اور کسی بدعت ایجاد کرنے والے کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ امت کو غلو کی راہ پر ڈال دے اور حق پر غلبہ حاصل کر لے۔ ہاں! ایسے ملحد ان لوگوں کو ضرور گمراہ کر دیتے ہیں جو ان کی گمراہی میں ان کی پیروی اختیار کر لیں۔"

اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے بھی المنتقیٰ میں اسی کا خلاصہ درج کیا ہے۔

علامہ شہرستانی "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں:

"السبائية: أصحاب عبد الله بن سبأ الذي قال لعلي عليه السلام أنت أنت، يعني أنت الإله، فنفاه إلى المدائن، وزعموا أنه كان يهوديا فأسلم، وكان في اليهودية يقول في يوشع بن نون وصي موسى، مثل ما قال في علي عليه السلام، وهو أول من أظهر القول بالفرض بإمامة عليؓ".

(الملل والنحل ۔ صفحہ ۱۱، جلد ۲)

ترجمہ: "سبائیہ، عبداللہ بن سبا کے پیرو کہلاتے ہیں، جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ آپ ہیں، یعنی آپ ہی خدا ہیں۔ حضرت علیؓ نے اس کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ یہودی تھا،

اور اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون کو موسیٰ علیہ السلام کا وصی کہ کرتا تھا۔ جیسا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے اس عقیدے کا اظہار کیا کہ حضرت علیؓ کی امامت کا قائل ہونا فرض ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ "لسان المیزان" میں لکھتے ہیں:

"عن أبي الجلاس سمعت عليا يقول لعبد الله بن سبأ والله ما أفضى إلي بشيء كتمه أحدا من الناس، ولقد سمعته يقول: إن بين يدي الساعة ثلاثين كذابا وإنك لأحدهم. وقال أبو إسحاق الفزاري عن شعبة عن سلمة بن كهيل عن أبي الزعراء عن زيد بن وهب أن سويد بن غفلة دخل على علي في إمارته فقال إني مررت بنفر يذكرون أبا بكر، وعمر، يرون أنك تضمر لهما مثل ذلك، منهم عبد الله بن سبأ وكان عبد الله أول من أظهر ذلك، فقال علي: ما لي ولهذا الخبيث الأسود؟ ثم قال: معاذ الله أن أضمر لهما إلا الحسن الجميل، ثم أرسل إلى عبد الله بن سبأ فسيره إلى المدائن، وقال لا يساكنني في بلدة أبدا، ثم نهض إلى المنبر حتى اجتمع الناس فذكر القصة في ثنائه عليهما بطوله وفي آخره: ألا ولا يبلغني عن أحد يفضلني عليهما إلا جلدته حد المفتري. وأخبار عبد الله بن سبأ شهيرة في التواريخ، وليست له رواية، ولله الحمد، وله أتباع يقال لهم السبائية، معتقدون إلاهية علي بن أبي طالب، وقد أحرقهم علي بالنار في خلافته".

(لسان المیزان ص۲۹۰ ج۳)

ترجمہ: "ابو الجلاس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن سبا سے یہ کہتے ہوئے خود سنا ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایسی رمز کی کوئی بات نہیں بتائی جس کو کسی سے چھپایا ہو۔ اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خود سنا کہ "قیامت سے پہلے تیس جھوٹے ہوں گے" تو بھی ان میں سے ایک ہے۔

ابو اسحاق فزاری نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سوید بن غفلہ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس آپؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برائی سے یاد کر رہے تھے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ آپ بھی (یعنی حضرت علیؓ بھی) ان دونوں کے بارے میں یہی بات اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں جو وہ کہہ رہے ہیں۔ اس گروہ میں سے ایک عبداللہ بن سبا ہے۔ اور عبداللہ بن سبا سب سے پہلا شخص تھا جس نے اس کا (عداوت شیخینؓ کا) اظہار کیا۔ حضرت علیؓ نے میری بات سن کر فرمایا: مجھے اس کالے خبیث (عبداللہ بن سبا) سے کیا تعلق؟ پھر فرمایا کہ اللہ کی پناہ کہ میں شیخینؓ کے بارے میں بھلائی اور خوبی کے سوا کوئی اور بات اپنے دل میں چھپاؤں۔ پھر آپ نے عبداللہ بن سبا کو بلا بھیجا، پس اس کو مدائن کی طرف چلتا کیا اور فرمایا یہ میرے ساتھ ایک شہر میں نہیں رہ سکتا۔ پھر اٹھ کر منبر پر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے۔ یہاں راوی نے طویل قصہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخینؓ کی مدح و ثنا فرمائی، اس کے آخر میں حضرت علیؓ کے الفاظ یہ تھے:

"سن رکھو! جس شخص کے بارے میں بھی مجھے یہ خبر پہنچی کہ وہ مجھے شیخینؓ پر فضیلت دیتا ہے میں اس پر بہتان لگانے والے کی حد (اسی درے) جاری کروں گا۔"

عبداللہ بن سبا کے حالات تواریخ میں مشہور ہیں اور الحمدللہ کہ اس کی کوئی روایت نہیں، اس کے کچھ پیروکار ہیں جن کو سبائیہ کہا جاتا ہے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو آگ میں جلا دیا تھا۔"

ابن سبا کے نظریات اور اس کی تعلیمات

آنجناب مزید فرماتے ہیں:

"تجزیہ کہ اس کے (ابن سبا کے) عقائد و نظریات نہ کسی کتاب میں منقول

ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ تحریک محض سیاسی تھی، شرح عقائد اور بیان مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

اس ناکارہ کو یہ لکھتے ہوئے نہایت رنج ہوتا ہے کہ آنجناب کا دعویٰ غلط اور دلیل غیر منطقی ہے۔ شیعی سنی دونوں کتابوں میں ابن سبا کے عقائد مذکور ہیں۔ چنانچہ:

۱۔ اس ملعون نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ حضرت امیرؓ نے اس کو بلا کر سرزنش فرمائی، اس کو جلاوطن کر دیا اور بر سر منبر یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص آئندہ مجھے حضرات شیخینؓ پر فضیلت دے گا اس پر مفتری کی حد لگاؤں گا۔ علامہ مجلسی نے "رجال کشی" کے حوالے سے امام جعفر صادقؒ کا ایک طویل ارشاد نقل کیا ہے، جس کا ایک فقرہ یہ ہے:

وكان أمير المؤمنين عليه السلام أصدق من برأ الله من بعد رسول الله صلى الله عليه وآله وكان الذي يكذب عليه ويعمل في تكذيب صدقه بما يفتري عليه من الكذب عبدالله ابن سبا لعنه الله

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۷ جلد ۲)

ترجمہ: "امیر المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے سچے تھے، اور جو شخص آپ پر جھوٹ باندھتا تھا، اور جھوٹ باندھ باندھ کر آپ کے سچ کو جھوٹا ثابت کرتا تھا وہ عبداللہ بن سبا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔"

غالباً اس نے حضرت امیرؓ پر جو پے در پے جھوٹ باندھے ان میں سب سے پہلا جھوٹ یہی تھا کہ امیر المومنینؓ حضرات شیخینؓ سے افضل ہیں۔ اور اس کا یہی عقیدہ تھا جس کو سن کر امیر المومنینؓ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، اور اس ملعون کے اسی ملعون عقیدہ کا جب خیال آجاتا تھا تو امام زین العابدینؒ کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ مجلسی ہی نے "کشی" کے حوالے سے ان کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

لعن الله من كذب علينا، إني ذكرت عبد الله بن سبا فقامت كل شعرة في جسدي لقد ادعى أمراً عظيماً، ماله لعنه الله.

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۶، جلد ۲۵)

ترجمہ: "اللہ کی لعنت ہو ان پر جو ہم پر جھوٹ باندھتے ہیں، میں عبداللہ بن سبا کو یاد کرتا ہوں تو میرے بدن کے سارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس نے بہت بڑی بات کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کو کیا ہو گیا تھا! اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔"

۲۔ ابن سبا کا عقیدۂ ولایت بھی اوپر آ چکا ہے جس کی وہ لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرالمومنین ؓ کو پوشیدہ علوم سے آگاہی بخشی تھی، کیونکہ آپ وصی رسول ؐ تھے، چنانچہ خلافت و ولایت حضرت امیرالمومنین ؓ کا حق تھا اور یہ کہ ان سے پہلے کے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ان کا یہ حق غصب کر لیا تھا، لہٰذا ان سے تبرا ضروری ہے۔ "تنقیح المقال" اور "بحارالانوار" کی وہ روایت جو اوپر نقل کر چکا ہوں اور جس میں بتایا گیا ہے کہ وصیت و ولایت علی ؓ کا عقیدہ سب سے پہلے ابن سبا نے مشہور کیا تھا اور مخالفین پر تبرا سب سے پہلے اس نے شروع کیا۔ اس پر "بحارالانوار" کے فاضل محشی کا یہ حاشیہ بڑا معنی خیز ہے:

كان قبل ذلك يتقون و لا يجترئون علانية تلك الامور فظهر و ترك التقية واعلن القول بذلك (و) القول بكفر المخالفين من مختصات لعنه الله.

(بحارالانوار صفحہ ۲۸۷ جلد ۲۵)

ترجمہ: "عبداللہ بن سبا سے پہلے کے لوگ تقیہ سے کام لیتے تھے۔ اور ان امور کو (کہ حضرت علی ؓ وصی رسول ؐ ہیں، احق بالامامت ہیں، شیخین ؓ سے افضل ہیں) علانیہ نہیں کہتے تھے۔ لیکن اس ملعون نے تقیہ چھوڑ دیا اور ان باتوں کو علانیہ ذکر کرنا شروع کر دیا۔ (معلوم ہوا کہ جو لوگ تقیہ کو چھوڑ کر علانیہ حضرت علی ؓ کو وصی، احق بالامامت اور حضرات شیخین ؓ سے افضل کہتے ہیں وہ ابن سبا کے مقلد ہیں، اس سے پہلے کوئی شخص ان باتوں کا علانیہ اظہار نہیں کرتا تھا۔ ناقل) مخالفین امامت کو کافر کہنا بھی اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

۳۔ یہ بھی اوپر آ چکا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا تھا۔ "رجال کشی" میں حضرت صادق ؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

جداگانہ تعلیم دی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے "تحفہ" کے باب اول میں اس کی ان تدریجی تعلیمات و تلبیسات کو بہت تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ یہاں اس کی تلخیص کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

ترجمہ: "جب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہود و نصاریٰ، مجوس اور بت پرست کافروں کے ممالک، بہ عنایت خداوندی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاتھوں فتح ہوئے اور کفار کو نسلاً کو قتل کرنے، قید کرنے اور ان کے اموال کو غنیمت بنانے کا اتفاق ہوا اور ان کافروں کو کامل درجے کی ذلت و خواری لاحق ہوئی تو تاچار خلیفہ ثالثؓ کے دور میں انہوں نے ایک نیا حیلہ اختیار کیا اور مکر و فریب کی مضبوط رسی کو مضبوط تھاما، لہٰذا ان کی ایک بڑی جماعت نے اسلام کا کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کی فہرست میں داخل کر دیا اور مسلمانوں میں گھس کر نور اسلام کے بجھانے اور مسلمانوں کی جماعت میں فتنہ و فساد اور بغض و عناد ڈالنے کے درپے ہوئے، اور اس مقصد کے لئے حیلہ و تدبیر کرنے لگے۔

اس سازشی ٹولے کا سربراہ عبداللہ بن سبا یہودی یمنی صنعانی تھا، جس نے برسوں تک یہودیت میں تلبیس و اضلال کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ وہ دغا و فریب کی شطرنج کا تجربہ کار کھلاڑی تھا، فتنہ انگیزی کے سرد و گرم کو خوب چکھے ہوئے تھا، اور اس لق و دق میدان کے نشیب و فراز طے کر رکھے تھے، الغرض فتنہ پروری کا بہت ہی ماہر و تجربہ کار تھا۔ اس نے اہل فتنہ میں سے ہر ایک کو ایک الگ طریقہ سے فریب دینا شروع کیا اور ہر ایک کی استعداد کے مناسب گمراہی کا بیج بونے کی بنیاد رکھی۔

پہلے تو اس نے خانوادۂ نبویؐ سے کمال محبت و اخلاص کا اظہار کیا اور اہل بیت سے محبت رکھنے اور اس معاملہ میں خوب پختگی اختیار کرنے کی ترغیب دینی شروع کی، خلیفہ برحق کی جانب کو لازم پکڑنے، دوسروں پر اس کو ترجیح دینے اور اس کے مخالفوں کی طرف جھکاؤ نہ کرنے کو بیان کرنے لگا۔ اس کی یہ ترغیب ہر عام و خاص میں مقبول اور تمام اہل اسلام کے لئے مرغوب ہوئی اور اس سے لوگوں کو اس کی نصیحت و خیر خواہی کا اعتقاد ہوا۔ جب ایک جماعت کو اس دام فریب میں گرفتار کر لیا تو سب سے پہلے تو انہیں یہ القاء کرنا شروع

کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب سب سے زیادہ حاصل ہے، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی، برادر اور داماد ہیں۔

جب اس نے دیکھا کہ اس کے شاگرد حضرت علیؓ کی تمام صحابہؓ پر فضیلت کے قائل ہوگئے ہیں اور یہ بات ان کے ذہنوں میں خوب راسخ اور پختہ ہوگئی ہے تو اپنے خصوصی افرادوں اور چیدہ چیدہ دوستوں کو ایک نئے بھید کی تعلیم دی کہ حضرت مرتضیٰؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نص صریح کے ساتھ خلیفہ بنایا تھا۔ ان کی خلافت قرآن کریم کی آیت " انما ولیکم اللّٰہ و رسولہ " سے مستنبط ہوتی ہے۔ لیکن صحابہؓ نے جبر و مکر سے پیغمبر کی وصیت کو ضائع کر دیا۔ انہوں نے خدا اور رسولؐ کی اطاعت نہیں کی، حضرت مرتضیٰؓ کے حق کو غصب کر لیا اور سب کے سب طمع دنیا کی خاطر دین سے برگشتہ ہوگئے۔

اس کے اس وسوسے کی وجہ سے ان مسائل پر گفتگو شروع ہوگئی۔ حضرت امیرؓ کے لشکریوں میں خلفائے ثلاثہؓ پر سب و طعن کا سلسلہ جاری ہوگیا اور باہمی مناظروں اور مجادلوں کی نوبت آنے لگی، یہاں تک کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر خطبے ارشاد فرمائے اور اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور کچھ لوگوں کو وعید سنائی اور ان پر حد لگانے کی دھمکی دی۔

ابن سبا نے جب دیکھا کہ اس کا یہ تیر بھی نشانے پر بیٹھا اور اہل اسلام کے عقیدہ میں فتنہ و فساد راہ پانے لگا، چنانچہ مسلمان اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے آپس میں الجھتے ہیں اور ایک دوسرے کی آبرو ریزی کر رہے ہیں تو اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اپنے خاص الخاص شاگردوں کو چنا اور دوسروں سے خلوت میں لے جا کر پہلے ان سے عہد و پیمان لیا اور پھر ایک اور بھید جو زیادہ باریک اور زیادہ نازک تھا، ان کے سامنے کھولا۔ وہ یہ کہ حضرت علیؓ سے بہت سی ایسی چیزیں صادر ہوتی ہیں جو بشری قدرت میں نہیں ... یہ تمام چیزیں الوہیت کے خواص ہیں جو ان سے ظہور پذیر ہو رہی ہیں، اور ناسوت کے لباس میں لاہوت جلوہ فرما ہے، لہٰذا خوب سمجھ لو کہ علیؓ خود خدا ہیں ان کے سوا کوئی خدا نہیں ...

مثل مشہور ہے کہ "جو بھید دو آدمیوں سے گزر جائے وہ فاش ہو جاتا ہے" چنانچہ رفتہ رفتہ یہ قبیح نظریہ فاش ہو گیا اور حضرت مرتضیٰؓ تک پہنچا۔ آپ نے ان لوگوں کو ابن سبا کے ساتھ بلا کر آگ میں جلانے کی دھمکی دی۔ ان سے توبہ کرائی۔ اس کے بعد اسے مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا
پس حضرت امیرؓ کے اہل لشکر میں اس شیطان لعین کے وسوسے کے رد و قبول کے نتیجہ میں چار فریق ہو گئے۔

اول: شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین، جو اہلسنت و جماعت کے پیشوا ہیں۔ یہ حضرات حضرت مرتضیٰؓ کی روش پر قائم رہے کہ مشاجرات و مناقشات کے باوجود اصحاب کبارؓ اور ازواج مطہراتؓ کے حقوق کو پہچانتے تھے۔ ظاہر و باطن کے لحاظ سے ان اکابر کی عزت و حرمت کے معترف تھے۔ ان کا سینہ کینہ و نفاق سے پاک صاف تھا۔ ان حضرات کو شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کہتے ہیں۔ اور یہ گروہ بحکم "ان عبادی لیس لک علیہم سلطان" اس ابلیس پُر تلبیس کے شر سے بر حمت سے محفوظ رہا۔ اور ان کے دامن پاک پر اس خبیث (ابن سبا) کی نجاست کا کوئی داغ دھبا نہیں آیا۔ حضرت مرتضیٰؓ نے اپنے خطبوں میں ان حضرات کی مدح فرمائی اور ان کی روش کو پسند فرمایا۔

دوم: شیعہ تفضیلیہ، جو حضرت علی مرتضیٰؓ کو تمام اکابر صحابہؓ پر فضیلت دیتا تھا۔ یہ فرقہ اس لعین کے ادنیٰ شاگردوں میں سے تھا اور اس فرقہ نے اس ملعون کے وسوسے کا ایک حصہ قبول کر لیا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان کے بارے میں تہدید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آئندہ اگر میں نے کسی کے بارے میں سنا کہ وہ مجھے حضرات شیخینؓ پر فضیلت دیتا ہے اس مفتری پر (بہتان باندھنے والے کی) حد (اسی کوڑے) جاری کروں گا۔

سوم: شیعہ سبئیہ، جن کو تبرائیہ بھی کہا جاتا ہے، یہ لوگ تمام صحابہؓ کو ظالم و غاصب اور کافر و منافق جانتے ہیں۔ اور یہ گروہ اس خبیث (ابن سبا) کے درمیانے درجے کے شاگرد ہوئے۔ اور جب اس گروہ کے خیالات حضرت مرتضیٰؓ تک پہنچے تو آپ نے متعدد خطبے ارشاد فرمائے۔ ان لوگوں کی برائیاں بیان فرمائیں اور ان لوگوں سے اپنی برأت ظاہر فرمائی۔

چہارم: غالی شیعہ، جو اس خبیث (ابن سبا) کے اخبث تلامذہ اور اس کے خاص الخاص رازدار تھے، یہ لوگ حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائل ہوئے۔

یہ ہے شیعہ مذہب کے پیدا ہونے کا اصل سبب۔ اور یہیں سے معلوم ہوا کہ ارباب تشیع کے دراصل تین فرقے ہیں اور یہ سب ایک وقت میں پیدا ہوئے اور تینوں کا بانی مبانی وہی خبیث باطن خلق پیشہ یہودی ہے جس نے ہر ایک کو دوسرے رنگ میں فریب دیا اور دوسرے دام میں الجھایا۔"

(تحفہ صفحہ ۴، ۳، ۵، ۱، حصہ ز)

اور حضرت شاہ صاحب "باب سوم در ذکر اسلاف شیعہ" میں لکھتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ اسلاف شیعہ کے چند طبقے ہوئے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ لوگ جنھوں نے اس مذہب کو بلا واسطہ رئیس المضلین ابلیس لعین سے حاصل کیا، یہ منافقوں کا ٹولہ تھا جو اپنے دل میں اہل اسلام کی عداوت چھپائے ہوئے تھے، انھوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تاکہ اہل اسلام کے زمرہ میں داخل ہو کر، ان کو بہکانے اور ان کے درمیان مخالفت اور بغض و عناد پیدا کرنے کا راستہ نکل جائے۔ ان لوگوں کا مقتدا عبداللہ بن سبا یہودی صنعانی ہے، جس کا ابتدائی حال تاریخ طبری سے باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے۔ اس شخص نے اولاً: حضرت امیرؓ کو سب سے افضل جاننے کی لوگوں کو دعوت دی، ثانیاً: صحابہؓ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو کافر و مرتد قرار دینے کی بات کی۔ ثالثاً: حضرت علیؓ کے خدا ہونے کی لوگوں کو دعوت دی۔ اور اپنے پیروؤں میں سے ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق اغوا و اضلال کے جال میں پھنسایا، پس وہ علی الاطلاق رافضیوں کے تمام فرقوں کا مقتدا ہے کہ یہ تمام خباثتیں، ابلیس لعین کے سینہ سے نکل کر اہل زمین کے دلوں میں اسی کا ڈالا ہوا ہے۔ اگرچہ شیعوں میں سے بہت سے لوگ اس سے کفران نعمت کرتے ہیں اور اس کو برائی سے یاد کرتے ہیں اس بنا پر کہ وہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہو گیا تھا اس کو غالی شیعوں کا مقتدا جانتے ہیں، الخ بس.... لیکن در حقیقت تمام شیعہ اسی کے شاگرد ہیں اور اسی کے چشمہ فیض سے مستفیض ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام فرقوں میں

یہودیت کے معنی صاف نظر آتے ہیں اور یہود یانہ اخلاق ان میں مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنا، افتراء کرنا، بہتان لگانا، بزرگوں کو گالیاں دینا، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں پر طعن و تشنیع کرنا، کلام اللہ اور کلام رسولؐ کو غیر محمل پر ڈھالنا، اہل حق کی عداوت دل میں چھپانا، خوف اور طمع کے طور پر چاپلوسی اور تملق کا اظہار کرنا، نفاق کو پیشہ بنانا، تقیہ کو ارکان دین میں شمار کرنا، جعلی رقعے اور جعلی خطوط تصنیف کرنا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کی طرف منسوب کرنا، اپنی دنیوی اغراض فاسدہ کی خاطر حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنا۔ اور یہ جو کچھ ذکر کیا گیا بہت میں سے تھوڑا" اور "ڈھیر میں سے ایک نمونہ" ہے۔ اگر کسی کو تفصیلی اطلاع منظور ہو تو اسے چاہئے کہ سورۂ بقرہ سے سورۂ انفال تک کا غور و فکر سے مطالعہ کرے اور یہودیوں کے تذکرہ میں جو ان کی صفات اور ان کے اعمال و اخلاق ذکر کئے گئے ہیں ان کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھے، پھر اس فرقہ کی صفات اور اعمال و اخلاق کا یہودیوں کی صفات اور ان کے اعمال و اخلاق کے ساتھ موازنہ کرے، یقین ہے کہ اس بات کے صدق کا یقین اس کے دل میں اتر جائے گا اور بے ساختہ "طابق النعل بالنعل" کا نعرہ اس کی زبان سے نکلے گا۔ (یعنی دونوں ایک دوسرے سے ایسی مطابقت رکھتے ہیں جیسے ایک جوڑے کا جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے)۔"

(تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۶۰)

مندرجہ بالا تصریحات، خصوصاً ائمہ کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ ابن سبا کوئی مجہول یا غیر معروف شخصیت نہیں، بلکہ شیعہ عقائد کا موجد ہونے کے حیثیت سے وہ شیطان سے زیادہ مشہور ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عبداللہ بن سبا کے عقائد و نظریات نہ صرف مورخین اور ملل و نحل کے مصنفین نے تفصیلاً قلمبند کئے ہیں، بلکہ ائمہ معصومین کی زبان الہام ترجمان سے بھی اس ملعون کے عقائد کا خلاصہ بیان ہو چکا ہے۔ دیگر اہل علم کے بیانات گویا انہی ارشادات کی شرح و تفصیل ہے۔

بالغرض آنجناب کا یہ دعویٰ قطعی غلط ہے کہ ابن سبا کے عقائد کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ اہلسنت کی کتابوں کے علاوہ خود ان حضرات کے ارشادات میں، جن کو شیعہ "امام معصوم" کہتے ہیں، اس "ذات

شریف" کے اصول عقائد مذکور ہیں۔ اور یہی اصول عقائد بعد میں شیعہ کے مختلف فرقوں کے اصول عقائد قرار پائے۔

رہا آنجناب کا یہ استدلال کہ "ابن سبا کی تحریک محض سیاسی تھی، شرح عقائد اور بیان مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے" اول تو مذکورہ بالا حقائق کے بعد، جو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں، جناب کا یہ استدلال محض قیاس ہے اور نصوص کے مقابلہ میں قیاس باطل ہے، امام عالی مقام کا یہ ارشاد کہ اول من قاس ابلیس (اصول کافی صفحہ ۵۸، جلد ا۔ کتاب العلم باب البدع والرائی والقیاس روایت ۲۰) یعنی سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ جناب کے ذہن میں ہو گا، امام معصوم کے اس ارشاد کی روشنی میں آنجناب کی قیاس آرائی کی خود سوچئے کہ کیا قیمت رہ جاتی ہے؟ علاوہ ازیں عبداللہ بن سبا کی یہ تحریک اگرچہ سیاسی تھی (جیسا کہ آپ نے فرمایا) لیکن اس پر "حب اہل بیت" کا مذہبی خول چڑھایا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ "سیاسی تحریک" اسلام کے نظام خلافت بلکہ خود اسلام کے خلاف ایک بغاوت تھی اور اس مقدس دور میں جب تک اس سیاسی تحریک پر دجل و تلبیس اور کتمان و تقیہ کے دبیز غلاف نہ چڑھائے جاتے، اس کا پنپنا ممکن نہیں تھا، چنانچہ ایسے نو مسلم افراد، جو اسلام کی تعلیمات سے نا آشنا اور صحابہ" و تابعین" کے فیض صحبت سے محروم تھے، ان کو بطور خاص شکار کیا گیا، انہیں "حب اہل بیت" کے سحر سے مسحور کیا گیا اور انہیں تدریجاً "ولایت علی" سے لے کر "الوہیت علی" تک کے عقائد و نظریات کی خفیہ تعلیم دی گئی۔ الغرض آنجناب کا یہ کہنا توصحیح ہے کہ یہ نفاق پیشہ تحریک سیاسی تھی مگر یہ کہنا غلط ہے کہ اس سیاسی تحریک کا عقائد و نظریات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

آخر میں ایک لطیفہ، ایک شکوہ اور ایک شکریہ

نظریہ امامت و وصایت علی" کے موجد اول ــــ عبداللہ بن سبا ــــ کی بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک لطیفہ کا ذکر کرنا ضروری ہے جو ایک شکوہ اور ایک شکریہ کو متضمن ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس ناکارہ نے یہ ذکر کیا تھا کہ نظریہ امامت، شیعیت کا نقطہ آغاز ہے۔ اس کے بعد امامت، ولایت اور وصایت کے نظریات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس ناکارہ نے لکھا تھا:

"ان عقائد و نظریات کے اولین موجد وہ یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء) جو اسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب ہو گئے تھے۔ انہیں اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا رخ موڑنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ زہریلے نظریات کا بیج بو کر امت اسلامیہ کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔"

لیکن آنجناب نے میری اس عبارت کا مفہوم یوں نقل کیا:

"عبداللہ بن سبا یہودی، جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا، وہ فرقہ شیعہ کا موجد ہے۔"

ایک فقرہ میں تین تبدیلیاں:

میرے اصل فقرہ کا اور آنجناب نے اس کا جو مفہوم نقل کیا ہے اس کا ایک بار مقابلہ کر کے دیکھئے۔ آپ کو اصل اور نقل میں حسب ذیل طور پر تین تبدیلیاں نظر آئیں گی۔

اول: میں نے "نظریہ ولایت کے موجد" کا لفظ لکھا تھا اور آنجناب نے اس کو بدل کر "فرقہ شیعہ کا موجد" بنا دیا۔

دوم: میں نے منافقین کے ایک گروہ کا ذکر کیا تھا، جن کا رئیس عبداللہ بن سبا تھا۔ آنجناب نے گروہ منافقین کا ذکر حذف کر کے سارا بوجھ تنہا عبداللہ بن سبا پر ڈال دیا۔

سوم: حضرت عثمانؓ شہید کے مظلومانہ محاصرہ کا میں نے سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ نہ میری تحریر میں ان کی المناک شہادت کا تذکرہ ہی کہیں دور و نزدیک آیا۔ میری تحریر حضرت عثمانؓ کے محاصرہ اور ان کی شہادت کے ذکر سے یکسر خالی تھی۔ آنجناب نے یہ الفاظ "جس نے حضرت عثمانؓ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا" خود تصنیف کر کے انہیں میری طرف منسوب کر ڈالا۔

لطیفہ یہ کہ میری عبارت میں تین زبردست تبدیلیاں کر کے آنجناب اس تبدیل شدہ عبارت کو میری طرف منسوب کر کے خود میرے ہی سامنے پیش فرما رہے ہیں۔ اس جرات پر "دروغ گویم بروئے تو" کی مثل صادق آتی ہے۔ لیکن یہ ناکارہ ایسی گستاخی

نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ دوسرے کی عبارت پر تنقید کرنے کا تو حق ہے مگر ایسی "اصلاح" کا حق نہیں، جیسی آنجناب نے فرمائی ہے، یہ اصلاح و ترمیم اگر نادانستہ ہے تو آنجناب کے ملکۂ سخن شناسی کی دلیل ہے جس کی داد دینی چاہئے۔ اور اگر دانستہ ہے تو کیا عرض کروں؟

اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن اکابر کو شیعہ ائمہ معصومین سے ماخوذ کرتے ہیں ان کی طرف شیعہ لٹریچر میں ہزاروں بلکہ لاکھوں روایات کا جو طومار منسوب کیا گیا ہے اس میں شیعہ راویوں نے کیا کیا تصرفات نہ کئے ہوں گے اور کیا کیا گل نہ کھلائے ہوں گے؟

؎ "یہ چیں از گلستان من بہار مرا"

تاہم اس تبدیلی و تصرف پر آنجناب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ آنجناب نے میرے جملہ کی "اصلاح" فرما کر میری ذمہ داری کا کافی بوجھ ہلکا کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱۔ میں نے "نظریۂ ولایت کے موجد" لکھا تھا۔ آپ نے اس کی جگہ "فرقۂ شیعہ کا موجد" لکھ کر گویا تسلیم کر لیا کہ فرقۂ شیعہ کا سنگ بنیاد ہی نظریہ ولایت ہے۔ اور یہ کہ نظریہ ولایت اور شیعیت اگر ہم معنی نہیں تو کم سے کم لازم و ملزوم تو ضرور ہیں۔ اس سے اوپر کی ذکر کردہ بحث (نظریۂ امامت شیعہ مذہب کا اصل الاصول ہے) از خود ثابت ہو گئی اور مجھے اس پر کسی دلیل لانے کی ضرورت نہ رہی۔ "حق بر زباں شود جاری" کی کیسی اچھی مثال سامنے آئی۔

۲۔ "گروہ منافقین" کے بجائے صرف "عبداللہ بن سبا" کا ذکر کر کے آپ نے مجھے اس پورے گروہ کی تلاش و جستجو کی ذمہ داری سے فارغ کر دیا، صرف ایک شخص (عبداللہ بن سبا) کی نشاندہی میرے ذمہ رہ گئی، جس کو بخوبی ادا کر چکا ہوں۔ ورنہ اگر پورے گروہ کی تلاش و جستجو کی ذمہ داری مجھ پر ہوتی تو مجھے کتب رجال اور کتب ملل و نحل کی کافی ورق گردانی کرنا پڑتی۔ اس کے بعد ہی میں یہ بتا سکتا تھا کہ فلاں فلاں افراد و اصحاب عبداللہ بن سبا کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں کہ آپ نے بیک جنبش قلم مجھے اس زحمت سے بری کر دیا۔ (وکفی اللہ المومنین القتال)

۳۔ "نظریۂ ولایت و وصایت علی" کے موجدوں کو ایک سیاسی گروہ قرار دے کر آپ نے اس نظریہ کی تائید کر دی کہ شیعہ مذہب دراصل ایک "خفیہ سیاسی تحریک" تھی جو خفیہ سازش کے ذریعہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور انہیں "وَ کَانُوا شِیَعًا" کی بھٹی میں جھونکنے کے لئے گھڑی گئی۔ واقعتاً یہ مذہبی تحریک نہ اس وقت تھی، نہ اب ہے، یہ اول و آخر ایک سیاسی اور سازشی تحریک ہے۔

گویا جو بات میں نے نہیں کہی تھی، وہ آنجناب نے میری طرف سے خود کہہ دی۔ جزاک اللہ! مرحبا!

تیسری بحث : عقیدۂ امامت ختم نبوت کے منافی ہے

آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ :

" آپ کی (یعنی اس ناکارہ کی) تحریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ نظریہ امامت عقیدۂ ختم نبوت پر ایک ضرب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ (آمین، ثم آمین) ہمارے نزدیک نبی کریم محمد مصطفیٰ بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزمان یعنی خاتم النبیین تھے۔ اور جو بھی اس عقیدہ سے منحرف ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ "

اس کے بعد آنجناب نے عقیدۂ ختم نبوت پر علامہ طبرسی کی تفسیر "مجمع البیان"، آیت اللہ طباطبائی کی تفسیر "المیزان"، ملا فتح اللہ کاشانی کی تفسیر "منہج الصادقین" اور علامہ زنجانی کی کتاب "عقائد الامامیۃ الاثنی عشریہ" کے حوالے دے کر آخر میں لکھا ہے :

"کیا اہل سنت اس سے مختلف نظریہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رکھتے ہیں؟ یقیناً نہیں! پھر کیسے آپ نے یہ دعویٰ کر دیا کہ نظریۂ امامت عقیدۂ ختم نبوت پر ضرب لگانے کے لئے ابھارا گیا، جبکہ ہمارے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم الانبیاء ہیں اور اس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت اتنا واضح و مبرہن ہے کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں، ورنہ ہم اپنی کتب عقائد کے حوالوں کے انبار لگا دیتے۔ "

آنجناب کو اپنی کتابوں کے حوالوں کے انبار لگانے کی ضرورت نہیں تھی اور جو حوالے آنجناب نے زیب رقم فرمائے وہ بھی عبث کی زحمت بے جا فرمائی۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا، آنجناب نے اس کا نوٹس نہیں فرمایا۔ اور جو بات میں نے نہیں کہی تھی اس کی تردید پر حوالے جمع کر دیئے۔ لیجئے اب میں اپنے مدعا کی تشریح کئے دیتا ہوں۔

میں نے ائمہ کے بارے میں حضرات شیعہ کے چھ عقائد درج کئے تھے۔

۱۔ ان کا معصوم ہونا۔
۲۔ منصوص من اللہ ہونا۔
۳۔ مفترض الطاعۃ ہونا۔
۴۔ ان پر وحی نازل ہونا۔
۵۔ ان کو حلال و حرام کا اختیار ہونا۔
۶۔ اور یہ کہ وہ قرآن کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل بھی کر سکتے ہیں۔

ان چھ عقائد کے نتیجہ کے طور پر میں نے لکھا کہ: "جو مرتبہ ایک مستقل صاحب شریعت نبی کا ہے وہی مرتبہ شیعوں کے نزدیک "امام" کا ہے۔" اور اس نتیجہ پر تفریع کے طور پر میں نے لکھا کہ "شیعہ کا نظریۂ امامت ختم نبوت کے منافی ہے۔"

میری تحریر کے اس خلاصہ سے واضح ہے کہ میں نے آپ حضرات پر یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ خدانخواستہ ختم نبوت کے منکر اور اجرائے نبوت کے قائل ہیں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ بڑی شد و مد سے ختم نبوت کا اقرار و اعلان کیا کرتے ہیں۔ میرا الزام یہ ہے کہ آپ حضرات "امام" کے اوصاف میں ایسا مبالغہ کرتے ہیں جن سے امام کا "ہم رتبۂ نبی" ہونا لازم آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسی شخصیتوں کو تسلیم کرنا، جو کمالات نبوت کی وجہ سے "ہم رتبۂ نبی" ہوں، در حقیقت ختم نبوت کا انکار ہے۔ مختصراً یہ کہ آپ لفظاً ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور معناً انکار کرتے ہیں۔

اب اگر آنجناب کو میری ناچیز تحریر پر تنقید کرنا تھی تو اس کی صحیح صورت یا تو یہ تھی کہ آپ ان عقائد کا انکار کر دیتے اور یہ فرماتے کہ حاشا وکلا ہم لوگ "امام" کو نبی کی طرح معصوم، منصوص من اللہ اور مفترض الطاعۃ نہیں سمجھتے، نہ امام کو نبی کا مرتبہ دیتے ہیں۔ یا یہ ثابت کرتے کہ اگر کوئی نبی کا مرتبہ دینا معناً ختم نبوت کا انکار نہیں ہے۔ لیکن آنجناب نے نہ یہ کیا، نہ وہ کیا۔ اب خود ہی انصاف فرمایئے کہ آپ نے اس ناکارہ پر بے

موضوع حوالوں کا بوجھ لادنے کے سوا کیا تنقید فرمائی؟

جو عقائد میں نے حضرات امامیہ کی طرف منسوب کئے ہیں، آنجناب کے اطمینان کے لئے ہر ایک کا علی الترتیب ثبوت پیش کرتا ہوں۔

پہلا عقیدہ : امام انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہوتے ہیں

امامیوں کا یہ عقیدہ تو ہر امامی کی نوک زبان پر رہتا ہے۔ اس پر کسی حوالے کی ضرورت نہیں، تاہم اس سلسلہ میں بھی چند جملے پڑھ لیجئے

۱۔ اصول کافی کتاب الحجہ " باب نادر جامع فی فضل الامام و صفاته " میں امام رضا کا ایک طویل خطبہ نقل کیا گیا ہے، اس میں اماموں کے فضائل و خصائص بیان کرتے ہوئے فرمایا:

الامام المطهر من الذنوب والمبرأ عن العيوب ،

(اصول کافی ۔ صفحہ ۲۰۰، جلد ۱)

ترجمہ : "امام، گناہوں سے پاک اور عیوب سے بری ہوتا ہے۔"

۲۔ آگے اسی خطبہ میں ہے :

، فهو معصوم مؤيد موفق مسدد ، قد أمن من الخطايا والزلل والعثار ، يخصه الله بذلك ليكون حجته على عباده،

(اصول کافی ص ۲۰۳ ج ۱)

ترجمہ : "پس وہ معصوم ہے، اس کو تائید و توفیق حاصل ہے اور اسے سیدھی راہ پر رکھا جاتا ہے۔ اور وہ غلطی اور لغزش سے امن میں ہے۔ حق تعالیٰ اس کو یہ خصوصیت اس لئے عطا فرماتے ہیں کہ اس کے بندوں پر حجت ہو۔"

۳۔ علامہ باقر مجلسی کی بحار الانوار کتاب الامامت میں ایک باب کا عنوان ہے :

عصمتهم ولزوم عصمة الإمام عليهم السلام ،

"یعنی امام معصوم ہوتے ہیں۔ اور امام کو عصمت لازم ہے۔"

۴۔ اسی باب میں "عیون الاخبار" کے حوالے سے ایک مرفوع روایت نقل کی گئی ہے، جس کے آخر میں ہے :

٦ ـ ن: ماجيلويه و أحمد بن علي بن ابراهيم و ابن تاتانة جميعاً عن علي عن أبيه عن محمد بن علي التميمي قال: حدثني سيدي علي بن موسى الرضا عليه السلام عن آبائه [٢] عن علي عليهم السلام عن النبي صلى الله عليه وآله انه قال: من سره أن ينظر إلى القضيب الياقوت الأحمر الذي غرسه الله عز و جل بيده و يكون متمسكاً به فليتول علياً و الأئمة من ولده، فانهم خيرة الله عز وجل و صفوته و هم المعصومون من كل ذنب و خطيئة. [٣]

(بحار الانوار صفحہ ١٩٣ جلد ٢٥)

ترجمہ: "...اور وہ معصوم ہوتے ہیں ہر گناہ اور غلطی سے۔"

٥ ـ اسی میں امام صادقؑ کا قول نقل کیا ہے:

٨ ـ ل: في خبر الأعمش عن الصادق عليه السلام: الأنبياء و أوصياؤهم [٤] لا ذنوب لهم لأنهم معصومون مطهرون. [٥]

(بحار الانوار صفحہ ١٩٩، جلد ٢٥)

ترجمہ: "انبیاء و اوصیاء پر گناہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم اور پاک ہیں۔"

٦ ـ اسی باب میں مجلسی لکھتے ہیں:

اعلم أن الامامية رضي الله عنهم اتفقوا على عصمة الأئمة عليهم السلام من الذنوب صغيرها وكبيرها، فلا يقع منهم ذنب أصلاً لا عمداً ولا نسياناً ولا لخطأ في التأويل، ولا للإسهاء من الله سبحانه ولم يخالف فيه [٦] إلا الصدوق محمد بن بابويه وشيخه ابن الوليد رحمة الله عليهما، فإنهما جوزا الإسهاء من الله تعالى لمصلحة في غير ما يتعلق بالتبليغ و بيان الأحكام، لا السهو الذي يكون من الشيطان

(بحار الانوار صفحہ ٢٠٠ جلد ٢٥)

ترجمہ: "جاننا چاہئے کہ امامیہ اس پر متفق ہیں کہ امام تمام چھوٹے بڑے
گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان سے اصلاً کوئی گناہ نہیں ہو سکتا، نہ
عمداً، نہ بھول کر، نہ تاویل میں غلطی کی وجہ سے، نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے
ان کو بھلا دینے کی وجہ سے۔ اس نکتہ میں صرف شیخ صدوق محمد بن بابویہ نے
اور ان کے شیخ ابن الولید نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے
اس کو جائز رکھا ہے کہ ان پر کسی مصلحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھول

ڈال دی جائے۔ بشرطیکہ اس بھول کا تعلق تبلیغ اور بیان احکام سے نہ ہو۔
لیکن جو بھول شیطان کی طرف سے ہوتی ہے وہ ائمہ سے سرزد نہیں
ہو سکتی۔"

۷۔ اسی باب میں " اعتقادات الصدوق " سے نقل کیا ہے :

۱۴ ـ عد : اعتقادنا في الأنبياء و الرسل و الأئمة [۱] عليهم السلام أنّهم معصومون مطهّرون من كلّ دنس ، و أنّهم لايذنبون ذنباً صغيراً و لا كبيراً ، . . . . .

(بحار الانوار ...... صفحہ ۲۱۱ جلد ۲۵)

ترجمہ : "انبیاء و رسل اور ائمہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ
معصوم اور ہر گندگی سے پاک ہوتے ہیں۔ اور ان سے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ سرزد
نہیں ہو سکتا۔"

ائمہ کی بعض ایسی احادیث جن میں ائمہ نے صدور ذنب کی تصریح فرمائی ہے،
امامیہ ان کی تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد ترک اولیٰ ہے، جس پر ان کی شان عصمت
کے لحاظ سے گناہ کا اطلاق کیا گیا۔ مثلاً امام جعفر صادق کا ارشاد ہے :

۲۰ ـ ين : الجوهري عن حبيب الخثعمي قال : سمعت أبا عبدالله عليه السلام يقول : إنّا لنذنب و نسيء ثمّ نتوب إلى الله متاباً .

(بحار الانوار ...... صفحہ ۲۰۷ جلد ۲۵)

ترجمہ : " بے شک ہم گناہ کرتے ہیں اور برائی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔"

اور امام جعفر کے صاحب زادہ امام ابوالحسن موسیٰ کاظم سجدۂ شکر میں یہ دعا کیا
کرتے تھے :

۱۶ ـ كشف : فائدة سنيّة : كنت أرى الدعاء الّذي كان يقوله أبوالحسن [۱] عليه السّلام في سجدة الشكر و هو: ربّ عصيتك بلساني ولوشئت و عزّتك لأخرستني و عصيتك ببصري و لوشئت و عزّتك لأكمهتني [۲] و عصيتك بسمعي ولوشئت و عزّتك لأصممتني ، و عصيتك بيدي و لوشئت و عزّتك لكنعتني [۳] و عصيتك برجلي و

لو شئت وعزتك لأخرستنی، و حبیتک بریجلی و لو شئت و عزتک لبخطنتی، و حبیتک بجمیع جوارحی التی أنعمت بہا علی و لم یکن هذا جزائک منی.

(بحار الانوار ..... صفحہ ۲۰۳ جلد ۲۵)

ترجمہ: "اے پروردگار! میں نے اپنی زبان سے تیری تعریف کی۔ آپ کی عزت کی قسم! اگر آپ چاہتے تو مجھے گونگا کر دیتے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تیری تعریف کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے اندھا کر دیتے۔ اور میں نے اپنے کانوں سے تیری تعریف کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے بہرا کر دیتے۔ اور میں نے اپنے ہاتھوں سے تیری تعریف کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے لنجا کر دیتے۔ اور میں نے اپنی شرم گاہ کے ساتھ تیری تعریف کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے نامرد بنا دیتے۔ اور میں نے اپنے پاؤں سے آپ کی تعریف کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے اپاہج کر دیتے۔ اور میں نے اپنے تمام اعضا کے ساتھ، جن کا آپ نے مجھ پر انعام فرمایا، آپ کی تعریف کی، لیکن آپ نے مجھے یہ سزائیں نہیں دیں۔"

اسی طرح دیگر اکابر سے ان کی مناجاتیں اور دعائیں، جو انہیں مضامین کی منقول ہیں، امامیہ کے نزدیک سب "ماؤل" ہیں۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح ان کی عصمت قطعی ہے۔

دوسرا عقیدہ: امام، انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح منصوص من اللہ ہوتے ہیں

۱۔ امامیہ کا یہ عقیدہ بھی ہر ایک کو سورۂ فاتحہ کی طرح حفظ ہے۔ اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

«ما نص الله عزوجل و رسوله علی الائمة علیهم السلام واحداً فواحداً»

ترجمہ: "یعنی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اماموں پر یکے بعد دیگرے ایک ایک پر نص فرمائی ہے۔"

اس کے بعد صفحہ ۲۹۲ سے صفحہ ۳۲۸ تک بارہ اماموں کی نص کے الگ الگ باب

قائم کئے ہیں۔ امامیہ کی منطق یہ ہے کہ چونکہ امام معصوم ہوتا ہے اور چونکہ عصمت ایک معنوی چیز ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ امام منصوص من اللہ بھی ہو۔

۲۔ صدوق معانی الاخبار میں لکھتے ہیں:

و إنما وجب أن يكون معصوماً بحال أن يكون هو الأئمة لمايبّنا من اختلافها في تأويل القرآن و الأخبار و تنازعها في ذلك و من إكفار بعضها بعضاً . و إنما ثبت ذلك وجب أن يكون المعصوم هو الواحد الّذي ذكرناه وهو الامام ؛ و قد دللنا على أنّ الامام لا يكون إلّا معصوماً ، و أوضحنا أنّه إنما وجبت العصمة في الامام لم يمكن بعدها أن ينص النبيّ صلى الله عليه وآله عليه لأنّ العصمة ليست في ظاهر الخلقة فيعرفها الخلق بالمشاهدة فواجب[1] أن ينص عليها علّام الغيوب تبارك و تعالى على لسان نبيّه صلى الله عليه وآله ، و ذلك لأنّ الامام لا يكون إلّا منصوصاً عليه ، و قد صح أنّا النصّ بما بيّناه من الحجج و ما رويناه من الأخبار الصحيحة[2].

(بحار الانوار ..... صفحہ ۱۹۸ جلد ۲۵)

ترجمہ: "ہم بتا چکے ہیں کہ صرف معصوم ہی امام ہو سکتا ہے۔ اور جب امام کے لئے عصمت ضروری ہوئی تو یہ بھی لازم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نص فرمائیں، کیونکہ عصمت کوئی ظاہری اور محسوس چیز تو نہیں کہ مخلوق اس کو مشاہدہ سے پہچان لے۔ پس واجب ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس پر نص فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام کا منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے اور جو دلائل اور اخبار صحیحہ ہم بیان کر چکے ہیں ان کے ذریعہ ہمارے لئے نص صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے۔"

۳۔ اس مضمون کی ایک روایت بھی امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

۵ ـ مع : أحمد بن محمد بن عبد الرحمن المقري عن محمد بن جعفر المقري عن محمد بن الحسن الموصلي عن محمد بن عاصم الطريفي عن عبّاس بن يزيد بن الحسن الكحّال عن أبيه عن موسى بن جعفر عن أبيه عن جدّه عن علي بن الحسين عليهم السلام قال : الامام منّا لا يكون إلّا معصوماً ، و ليست العصمة في ظاهر الخلقة فيعرف بها ، فلذلك لا يكون إلّا منصوصاً .

(بحار الانوار ..... صفحہ ۱۹۴ جلد ۲۵)

ترجمہ:..... ہم میں سے امام صرف معصوم ہو سکتا ہے۔ اور عصمت ظاہری بناوٹ میں تو ہوتی نہیں کہ اس کو پہچانا جائے۔ پس امام کا منصوص ہونا ضروری ہوا۔"

تیسرا عقیدہ: انبیاء علیہم السلام کی طرح اماموں پر بھی ایمان لانا فرض ہے اور ان کا انکار کفر ہے

جو شخصیت حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے منصوص و مبعوث ہو ظاہر ہے کہ اس پر ایمان لانا فرض ہو گا اور اس کا انکار کفر ہو گا۔ چنانچہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا فرض ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے، اسی طرح بارہ اماموں پر ایمان لانا بھی فرض ہے اور ان میں سے کسی کا انکار بھی کفر ہے۔ ان کی کتابوں میں اس کی بے شمار تصریحات ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند حوالے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے:

أن الأئمة عليهم السلام نور الله عز وجل.

ترجمہ:..... "ائمہ علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا نور ہیں۔"

اس کے ذیل میں اپنی سند کے ساتھ ابو خالد کابلی کی روایت نقل کی ہے

الحسين بن محمد، عن معلى بن محمد، عن علي بن مرداس قال: حدثنا صفوان ابن يحيى والحسن بن محبوب، عن أبي أيوب، عن أبي خالد الكابلي قال: سألت أبا جعفر عليه السلام عن قول الله عز وجل: «فآمنوا بالله ورسوله والنور الذي أنزلنا»(1) فقال: يا أبا خالد النور والله الأئمة من آل محمد صلى الله عليه وآله إلى يوم القيامة، وهم والله نور الله الذي أنزل، وهم والله نور الله في السماوات وفي الأرض.

(اصول کافی صفحہ ۱۹۴ جلد ۱)

"میں نے امام ابو جعفر سے حق تعالیٰ کے ارشاد: فآمنوا بالله و رسوله والنور الذي انزلنا (پس ایمان لاؤ اللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا) کے بارے میں سوال کیا کہ (آیت شریفہ میں جس نور پر ایمان لانے کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟) تو امام نے فرمایا:

"اے ابو خالد! اللہ کی قسم! نور سے مراد وہ ائمہ ہیں جو قیامت تک آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں گے۔ اللہ کی قسم! یہی نور ہے جو اللہ نے نازل فرمایا۔ اللہ کی قسم یہی ائمہ اللہ کا نور ہیں، آسمانوں اور زمینوں میں۔"

۲۔ علامہ مجلسی کی بحار الانوار کتاب الامامۃ کے ایک باب کا عنوان ہے:

✿ (تأويل المؤمنين و الإيمان و المسلمين و الإسلام بهم و بولايتهم) ✿
✿ (عليهم السلام ، و الكفار و المشركين و الكفر و الشرك و الجبت) ✿
✿ (و الطاغوت و اللات و العزى و الأصنام بأعدائهم و مخالفيهم) ✿

(بحار الانوار صفحہ ۳۵۴ جلد ۲۳)

ترجمہ: "مومنین اور ایمان اور مسلمین اور اسلام کی تاویل ائمہ اور ان کی ولایت ہے۔ اور کفار و مشرکین، کفر و شرک، جبت و طاغوت، لات و عزیٰ اور اصنام (بتوں) سے مراد ان کے دشمن اور مخالف ہیں۔"

موصوف نے اس باب میں سو روایتیں نقل کی ہیں، جن میں قرآن کریم کی آیات کو مسخ کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایمان و اسلام "ولایت ائمہ" کا نام ہے۔ اس پر ایمان رکھنے والے مومن اور مسلمان ہیں۔ اور جو لوگ شیعوں کی اس اصطلاحی ولایت کے (جس کا موجد اول عبداللہ بن سبا تھا) قائل نہیں، ان کا نام لے لے کر ان کو چھٹ بھر کر کافر و مشرک، جبت و طاغوت، لات و عزیٰ اور اصنام کہا ہے۔

۳۔ اس باب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

تذنيب: اعلم أن إطلاق لفظ الشرك والكفر على من لم يعتقد إمامة أمير المؤمنين والأئمة من ولده عليهم السلام وفضّل عليهم غيرهم يدلّ على أنهم كفار مخلدون في النار، وقد مرّ الكلام فيه في أبواب [illegible] المعاد، وسيأتي في أبواب الإيمان والكفر إن شاء الله تعالى۔

(بحار الانوار صفحہ ۳۹۰ جلد ۲۳)

ترجمہ: "جاننا چاہئے کہ جو شخص امیر المومنین کی اور ان کی اولاد میں سے گیارہ اماموں کی امامت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اور دوسروں کو ان سے افضل کہتا ہو اس پر کفر و شرک کا لفظ بولنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سب کافر ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ یہ مسئلہ ابواب معاد میں بھی گزر چکا ہے۔ اور

ابواب الایمان والکفر میں بھی آ سکے گا ان شاء اللہ۔"

۴۔ شیخ مفید "کتاب المسائل" میں لکھتے ہیں کہ:

قال الشيخ المفيد قدّس الله روحه في كتاب المسائل: اتّفقت الإماميّة على أنّ من أنكر إمامة أحد من الأئمّة و جحد ما أوجبه الله تعالى له من فرض الطاعة فهو كافر ضالّ مستحقّ للخلود في النار.

(بحار الانوار ۔۔ صفحہ ۳۹۰، ج ۲۳)

ترجمہ: "امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص ائمہ میں سے کسی امام کی امامت کا منکر ہو اور حق تعالیٰ نے ان کی جو طاعت فرض کی ہے اس کا قائل نہ ہو وہ کافر ہے، گمراہ ہے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا مستحق ہے۔"

۵۔ شیخ مفید دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

وقال في موضع آخر: اتّفقت الإماميّة على أنّ أصحاب البدع كلّهم كفّار و أنّ على الإمام أن يستتيبهم عند التمكّن بعد الدعوة لهم، و إقامة البيّنات عليهم فإن تابوا من بدعهم وصاروا إلى الصواب و إلّا قتلهم لردّتهم عن الإيمان، و أنّ من مات منهم على ذلك فهو من أهل النار

(بحار الانوار ۔ صفحہ ۳۹۰، ج ۲۳)

ترجمہ: "امامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ تمام اہل بدعت کافر ہیں۔ امام پر لازم ہے کہ اگر وہ قابو میں آجائیں تو ان کو دعوت دینے اور ان پر حجت تمام کرنے کے بعد ان سے توبہ کروائے۔ اگر وہ اپنی بدعت سے توبہ کر لیں اور راہ راست پر آجائیں تو ٹھیک، ورنہ ان کو ایمان سے مرتد ہونے کی بنا پر قتل کر دے۔ اور یہ کہ جو عقیدۂ امامت کو چھوڑ کر مرے گا وہ جہنمی ہے۔"

چوتھا عقیدہ: ائمہ کی غیر مشروط اطاعت بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح فرض ہے:

جب شیعہ عقیدہ کے مطابق امام، معصوم اور منصوص من اللہ ٹھہرے اور جب ان پر ایمان لانے والے مسلمان اور ان کو منصوص من اللہ نہ ماننے والے کافر و مشرک اور جبت و طاغوت قرار پائے تو اس سے از خود نتیجہ بھی نکل آیا کہ جس طرح مسلمانوں کے

نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت فرض ہے، شیعوں کے نزدیک ٹھیک اسی طرح بارہ اماموں کی بھی غیر مشروط اطاعت فرض اور اس سے انحراف کفر ہے۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

باب فرض طاعة الأئمة یعنی "اس کا بیان کہ ائمہ کی طاعت فرض ہے"!

اس باب میں سترہ روایتیں درج کی ہیں۔ ان میں سے تین روایتیں ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ الحسين بن محمد الأشعري، عن معلى بن محمد، عن الحسن بن علي الوشاء، عن أبان بن عثمان، عن أبي الصباح قال: أشهد أني سمعت أبا عبدالله عليه السلام يقول: أشهد أن علياً إمام فرض الله طاعته وأن الحسن إمام فرض الله طاعته وأن الحسين إمام فرض الله طاعته وأن علي بن الحسين إمام فرض الله طاعته وأن محمد بن علي إمام فرض الله طاعته.

(اصول کافی ... صفحہ ۱۸۶ جلد ۱)

ترجمہ: "امام جعفرؒ فرماتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی بن حسین اور حضرت محمد بن علی (رضی اللہ عنہم) یہ سب امام مفترض الطاعۃ ہیں۔"

۲۔ عدة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد، عن محمد بن سنان، عن أبي خالد القماط عن أبي الحسن العطار قال: سمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول: أشرك بين الأوصياء والرسل في الطاعة.

(اصول کافی ... صفحہ ۱۸۶ جلد ۱)

ترجمہ: "امام جعفرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اوصیاء اور رسولوں کے درمیان طاعت میں شراکت رکھی ہے۔"

۳۔ علي بن إبراهيم، عن صالح بن السندي، عن جعفر بن بشير، عن أبي سلمة عن أبي عبدالله عليه السلام قال: سمعته يقول: نحن الذين فرض الله طاعتنا، لايسع الناس إلا معرفتنا ولايعذر الناس بجهالتنا، من عرفنا كان مؤمناً، ومن أنكرنا كان كافراً، ومن لم يعرفنا ولم ينكرنا كان ضالاً حتى يرجع إلى الهدى الذي افترض الله عليه من طاعتنا الواجبة فإن يمت على ضلالته يفعل الله به ما يشاء.

(اصول کافی ... صفحہ ۱۸۷ جلد ۱)

ترجمہ: "امام جعفرؒ فرماتے ہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ہماری طاعت فرض کی ہے۔ لوگوں کو ہماری معرفت کے بغیر چارہ نہیں اور ہم کو نہ جاننے کے بارے میں لوگ معذور نہیں۔ جس نے ہم کو پہچانا وہ مومن اور جو ہم سے منکر ہوا وہ کافر اور جس نے ہمارا حق نہ پہچانا اور منکر بھی نہ ہوا وہ گمراہ، یہاں تک کہ اس ہدایت کی طرف لوٹ آئے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے۔ یعنی ہماری اطاعت جو واجب ہے، اگر وہ اپنی گمراہی پر مرا تو اللہ تعالیٰ اس سے جو معاملہ چاہے کرے۔"

پانچواں عقیدہ: اماموں کے معجزے

انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات عطا کئے جاتے ہیں جو ان کی نبوت کی دلیل ہوا کرتے ہیں۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات دیئے جاتے ہیں اسی طرح اماموں کو بھی دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ بحار الانوار کتاب الامامت کے ایک باب کا عنوان ہے:

﴿انهم يقدرون على احياء الموتى وابراء الاكمه والابرص﴾
﴿وجميع معجزات الانبياء عليهم السلام﴾

ترجمہ: "یعنی ائمہ مردوں کو جلانے کی، مادر زاد اندھے اور مبروص کو چنگا کرنے کی اور انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزوں کی قدرت رکھتے ہیں۔"

اس باب کی ایک روایت ملاحظہ فرمایئے:

۲۔ ۱ ـ ير: أحمد بن محمد عن عمر بن عبد العزيز عن محمد بن الفضيل عن الثمالي عن عليّ بن الحسين ؑ قال: قلت له: أسألك جعلت فداك عن ثلاث خصال أنفي عنّي فيه [1] التقيّة. قال: فقال: ذلك لك. قلت: أسألك عن فلان و فلان، قال: فعليهما لعنة الله بلعناته كلّها، ماتا والله وهما كافرين مشركين [2] بالله العظيم.

ثمّ قلت: الأئمّة يحيون الموتى ويبرؤن الأكمه والأبرص ويمشون على الماء؟ قال: ما أعطى الله نبيّاً شيئاً قطّ إلّا وقد أعطاه محمّداً ﷺ، وأعطاه ما لم يكن عندهم. قلت: وكلّ ما كان عند رسول الله ﷺ فقد أعطاه أمير المؤمنين ؑ؟ فقال: نعم.

ثمّ الحسن والحسين ثمّ من بعد كلّ إمام إماماً إلى يوم القيامة ، مع الزيادة التي تحدث في كلّ سنة وفي كلّ شهر ، إي والله [٢] في كلّ ساعة [١]

(بحارالانوار صفحہ ۲۹ جلد ۲۶)

ترجمہ: "بصائرالدرجات میں ثمالی سے روایت ہے کہ میں نے امام زین العابدینؒ سے کہا کہ میں آپ سے تین باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ازراہ کرم! مجھ سے تقیہ نہ کیجئے۔ فرمایا، ٹھیک ہے۔ میں نے کہا، میں آپ سے فلاں اور فلاں (یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ فرمایا، ان پر اللہ کی تمام لعنتیں ہوں۔ اللہ کی قسم! وہ دونوں کافر و مشرک مرے۔

"پھر میں نے کہا، کیا امام مردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ اور مادرزاد اندھے اور مبروص کو چنگا کرتے ہیں؟ اور پانی پر چلتے ہیں؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کسی وقت جو معجزہ بھی دیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ معجزے بھی دیئے جو کسی نبی کو نہیں دیئے تھے۔ میں نے کہا، اور جتنے معجزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، وہ سب امیرالمومنین کو دے دیئے؟ فرمایا ہاں! پھر حسن کو۔ پھر حسین کو۔ پھر ان کے بعد ہر امام کو قیامت تک۔ مع ان زائد کمالات کے جو ہر سال میں، ہر مہینے میں، بلکہ اللہ کی قسم! ہر گھڑی میں ظاہر ہوتے ہیں۔"

۳۔ ایک باب کا عنوان ہے:

(ان عندهم الاسم الاعظم و به يظهر منهم الغرائب)

یعنی "ان کے پاس اسم اعظم ہوتا ہے جس سے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں۔"

اس باب کی پہلی روایت:

١ - محمّد بن يحيى وغيره ، عن أحمد بن محمّد ، عن عليّ بن الحكم ، عن محمّد بن الفضيل قال: أخبرني شريس الوابشي [٤] ، عن جابر ، عن أبي جعفر عليه السلام قال: إنّ اسم الله الأعظم على ثلاثة وسبعين حرفاً وإنّما كان عند آصف منها حرف واحد فتكلّم به فخسف بالأرض ما بينه وبين سرير بلقيس حتّى تناول السرير بيده ثمّ عادت الأرض كما كانت أسرع من طرفة عين ونحن عندنا من الاسم الأعظم اثنان وسبعون حرفاً ، وحرف واحد عند الله تعالى استأثر به في علم الغيب عنده ، ولا حول ولا قوّة إلّا بالله العليّ العظيم

ترجمہ: "جابر جعفی امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ۷۳ حروف ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا کے پاس اس کا صرف ایک حرف تھا۔ انہوں نے وہ ایک حرف پڑھا تو ان کے درمیان اور بلقیس کے تخت کے درمیان کی زمین سمٹ گئی، یہاں تک کہ انہوں نے تخت کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اور پھر زمین اپنی حالت پر ہوگئی۔ اور یہ سب کچھ (اسم اعظم کے ایک حرف کی بدولت) صرف آنکھ جھپکنے کے وقت میں ہوگیا اور ہمارے پاس اسم اعظم کے ۷۲ حروف ہیں۔ (اب ہماری مجموعی طاقت کا خود اندازہ کرلو) اور اسم اعظم کا ایک حرف اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس خزانہ غیب میں رکھا ہے۔"

اسی باب کی دوسری روایت:

۲ ــ محمد بن يحيى ، عن أحمد بن محمد ، عن الحسين بن سعيد ومحمد بن خالد ، عن زكريا بن عمران القمي ، عن هارون بن الجهم ، عن رجل من أصحاب أبي عبدالله عليه السلام لم أحفظ اسمه قال : سمعت أباعبدالله عليه السلام يقول : إن عيسى ابن مريم عليه السلام أعطي حرفين كان يعمل بهما وأعطي موسى أربعة أحرف ، وأعطي إبراهيم ثمانية أحرف ، وأعطي نوح خمسة عشر حرفاً ، وأعطي آدم خمسة وعشرين حرفاً ، وإن الله تعالى جمع ذلك كله لمحمد صلى الله عليه وآله وإن اسم الله الأعظم ثلاثة وسبعون حرفاً ، أعطى محمداً صلى الله عليه وآله اثنين وسبعين حرفاً وحجب عنه حرف واحد .

(اصول کافی صفحہ ۲۳۰، جلد ۱)

ترجمہ: "امام صادق فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اسم اعظم کے دو حرف دیئے گئے تھے۔ جن کو وہ کام میں لاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو چار حروف، ابراہیم علیہ السلام کو آٹھ حروف، نوح علیہ السلام کو پندرہ حروف اور آدم علیہ السلام کو پچیس حروف دیئے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ سارے حروف جمع کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ۷۳ حروف ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ۷۲ دیئے اور ایک حرف ان سے بھی پردے میں رکھا گیا۔"

۳ــ ایک باب کا عنوان ہے:

ترجمہ: "ائمہ کے لئے بادل مسخر تھے اور اسباب میسر تھے۔"

اس باب کی دوسری روایت ملاحظہ فرمایئے:

٤ ـ خص: ابن عيسى عن الحسين بن سعيد عن من عثمان بن عيسى عن سماعة او غيره عن أبي بصير عن أبي جعفر عليه السلام قال: إن علياً عليه السلام ملك مافوق الأرض وما تحتها ، فعرضت له سحابتان إحداهما الصعبة والأخرى الذلول ، وكان في الصعبة ملك ماتحت الأرض وفي الذلول ملك ما فوق الأرض ، فاختار الصعبة على الذلول فدارت به سبع أرضين فوجد ثلاثاً خراباً و أربعة عوامر [٣].

(بحار الانوار صفحہ ۳۳ جلد ۲۷)

ترجمہ: "ابو بصیر امام باقر سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ زمین کے اوپر کے اور نیچے کے مالک ہوئے تو آپ کے سامنے دو بادل پیش ہوئے۔ ایک دشوار دوسرا آسان۔ دشوار میں زمین کے نیچے کی حکومت تھی اور آسان میں زمین کے اوپر کی۔ پس آپ نے آسان کے بجائے دشوار کو اختیار کیا۔ پس وہ آپ کو لے کر سات زمینوں میں گھوما۔ پس آپ نے تین زمینوں کو بے آباد پایا اور چار کو آباد۔"

۵ ـ علاوہ ازیں ائمہ کے معجزات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کرتہ، موسیٰ علیہ السلام کا عصا، سلیمان علیہ السلام کی انگشتری، اور بنو اسرائیل کا تابوت سکینہ بھی رہتا ہے۔ (اصول کافی ص ۲۳۳ ج ۱)

۶ ـ علامہ مجلسی شیخ مفید سے نقل کرتے ہیں:

فائدة: قال الشيخ المفيد في كتاب المسائل: فأما ظهور المعجزات على الأئمة والأعلام فانه من الممكن الذي ليس بواجب عقلاً ولا ممتنع قياساً، وقد جاءت بكونه منهم عليهم السلام الأخبار على التظاهر و الانتشار، فقطعت عليه من جهة السمع و صحيح الآثار، ومعي في هذا الباب جمهور أهل الامامة، وبنو نوبخت تخالف فيه و تأباه . . .

(بحار الانوار صفحہ ۳۱ جلد ۲۷)

ترجمہ: "شیخ مفید کتاب المسائل میں لکھتے ہیں، رہا ائمہ کے ہاتھ پر معجزات کا ظاہر ہونا تو یہ چیز ممکن ہے کہ نہ عقل کی رو سے واجب ہے اور نہ قیاس کی رو سے ممتنع ہے۔ اور ائمہ سے معجزات کے ظہور میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لہٰذا میں بوجہ منقول کے اور صحیح آثار کے اس کا قطعی عقیدہ رکھتا

ہوں۔ اور میرے ساتھ اس مسئلہ میں جمہور امامیہ ہیں اور نوبختیہ اس کے خلاف ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں۔"

۷۔ علامہ مجلسی شیخ مفید کی عبارت نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ ان الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں:

والحق أن المعجزات الجارية على أيدي غير الأئمة عليهم السلام من أصحابهم وأبوابهم إنما هي معجزاتهم عليهم السلام تظهر على أيدي أولئك السفراء لبيان صدقهم. وكلامه رحمه الله أيضاً لا يأبى عن ذلك ومذهب النوبختية هنا في غاية السخافة والغرابة.

(بحار الانوار صفحہ ۳۱ جلد ۲۷)

ترجمہ: "اور حق یہ ہے کہ جو معجزات ائمہ کے علاوہ دوسرے لوگوں یعنی ان کے اصحاب اور نائبین کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں، وہ بھی ائمہ ہی کے معجزات ہیں، جو ان کے نمائندوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں ان کے صدق کو بیان کرنے کے لئے۔ اور شیخ مفید کا کلام بھی اس کی نفی نہیں کرتا۔ اور نوبختیوں کا مذہب اس مسئلہ میں نہایت سخیف اور غریب ہے۔"

چھٹا عقیدہ: ائمہ پر وحی کا نزول

امامیہ کا عقیدہ ہے کہ ائمہ میں "روح القدس" ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ عرش سے تحت الثریٰ تک کی ساری چیزیں جانتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ "باب فیہ ذکر الارواح التی فی الائمۃ علیہم السلام" میں جابر سے روایت ہے کہ:

"میں نے امام باقر سے عالم کے علم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: جابر! انبیاء و اوصیاء میں پانچ روحیں ہوتی ہیں۔
۱۔ روح النبوۃ ۲۔ روح الایمان ۳۔ روح الحیاۃ
۴۔ روح القوۃ ۵۔ روح القدس۔ پس اے جابر! روح القدس کے ذریعہ ماتحت العرش سے ماتحت الثریٰ تک سب کچھ جان لیتے ہیں۔ اور باقی چار روحوں کو حوادث لاحق ہو سکتے ہیں مگر روح القدس لہو ولعب کا شکار نہیں ہوتی۔"

(اصول کافی صفحہ ۲۷۲، جلد ۱)

اس کے بعد مفضل بن عمر کی روایت نقل کی ہے انھوں نے امام جعفرؑ سے کچھ سوال کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پانچ روحیں تھیں۔ مندرجہ بالا پانچ روحوں کا ذکر کرنے کے بعد روح القدس کے بارے میں فرمایا:

۳۔ الحسين بن محمد ، عن المعلى بن محمد ، عن عبدالله بن إدريس ، عن محمد بن سنان ، عن المفضل بن عمر ، عن أبي عبدالله عليه السلام قال : سألته عن علم الإمام بما في أقطار الأرض وهو في بيته مرخى عليه ستره ، فقال :
وروح القدس فبه حمل النبوة فاذا قبض النبي صلى الله عليه وآله انتقل روح القدس فصار إلى الامام ، و روح القدس لاينام ولايغفل ولايلهو ولايزهو[1] والأربعة الأرواح تنام و تغفل و تزهو و تلهو ، و روح القدس كان يرى به[2] .

(اصول کافی صفحہ ۲۷۲ جلد ۱)

ترجمہ: "اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روح القدس کی وجہ ہی سے حامل نبوت تھے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو روح القدس امام کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور روح القدس نہ سوتی ہے، نہ غافل ہوتی ہے نہ بھولتی ہے اور نہ غلطی میں پڑتی ہے۔ باقی چار روحیں ان چیزوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور روح القدس کی وجہ سے امام عرش سے فرش تک سب کچھ دیکھتا ہے۔"

اسی باب کے متصل ایک اور باب کا عنوان ہے۔ "الروح التي يسدد الله بها الائمة عليهم السلام" (یعنی اس روح کا ذکر جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ائمہ کو راہ راست پر رکھتے تھے) اس باب کی پہلی روایت میں ہے

۱۔ عدة من أصحابنا ، عن أحمد بن محمد ، عن الحسين بن سعيد ، عن النضر بن سويد ، عن يحيى الحلبي ، عن أبي الصباح الكناني ، عن أبي بصير قال : سألت أبا عبدالله عليه السلام عن قول الله تبارك وتعالى : « وكذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا ما كنت تدري ما الكتاب ولا الإيمان[1] » قال : خلق من خلق الله عز وجل أعظم من جبرئيل وميكائيل ، كان مع رسول الله صلى الله عليه وآله يخبره ويسدده وهو مع الأئمة من بعده .

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳ جلد ۱)

کہ ابو بصیر نے امام جعفر صادق سے ارشاد خداوندی "وكذلك اوحينا اليك روحا من امرنا ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان" کے بارے میں سوال کیا تو امام نے فرمایا:

"یہ روح ایک مخلوق ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بڑی ہے۔ یہ روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبریں دیتی تھی اور آپ کو درست رکھتی تھی۔ یہ روح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ کے ساتھ ہوتی ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

۲ـ محمد بن يحيى، عن محمد بن الحسين، عن عليّ بن أسباط، عن أسباط بن سالم قال: سأله رجلٌ من أهل هيت [1] ـ وأنا حاضر ـ عن قول الله عزّ وجلّ: «وكذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا» فقال: منذ أنزل الله عزّ وجلّ ذلك الرّوح على محمّد ﷺ ما صعد إلى السماء وإنّه لفينا.

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳ جلد ۱)

ترجمہ: "جب سے اللہ تعالیٰ نے اس روح کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا وہ کبھی آسمان پر نہیں چڑھی اور وہ ہم میں ہے۔"

تیسری روایت میں ہے:

۳ـ عليّ بن إبراهيم، عن محمد بن عيسى، عن يونس، عن ابن مسكان، عن أبي بصير قال: سألت أبا عبدالله ؑ عن قول الله عزّ وجلّ: «ويسألونك عن الرّوح قل الرّوح من أمر ربّي» [2] قال: خلق أعظم من جبرئيل وميكائيل، كان مع رسول الله ﷺ وهو مع الأئمّة، وهو من الملكوت.

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳ جلد ۱)

ترجمہ: "یہ روح ایک مخلوق ہے جو جبرئیل اور میکائیل سے بڑی ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتی تھی اور وہی ائمہ کے ساتھ رہا کرتی ہے اور وہ ملکوت سے ہے۔"

چوتھی روایت میں ہے:

قال: خلق أعظم من جبرئيل وميكائيل، لم يكن مع أحد ممّن مضى، غير محمّد ﷺ وهو مع الأئمّة يسدّدهم وليس كلّ ما طلب وُجد.

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳ جلد ۱)

ترجمہ: "یہ روح جو جبرئیل و میکائیل سے بڑی مخلوق ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا گذشتہ لوگوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں رہتی تھی اور یہ ائمہ

کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ ان کو راہِ راست پر رکھتی ہے اور ایسا نہیں کہ جو چیز
طلب کی ہو نہ ملی بھی ہو۔"

اصولِ کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

○ (أن الأئمة معدن العلم و شجرة النبوة ومختلف الملائكة) ○

(اصولِ کافی صفحہ ۲۲۱، جلد ۱)

ترجمہ: "ائمہ، علم کا معدن اور نبوت کا درخت ہیں اور ان کے پاس
فرشتوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔"

اس میں بھی جناب امیر المومنینؑ، امام علی بن حسینؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اقوال
اسی مضمون کے نقل کیے ہیں۔

مجلسی کی بحار الانوار میں اسی مضمون کا ایک باب ہے:

○ (ان الملائكة تأتيهم وتطأ فرشهم وانهم يرونهم) ○

○ (صلوات الله عليهم اجمعين) ○

(بحار الانوار صفحہ ۳۵۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: "ملائکہ ائمہ کے پاس آتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور
ائمہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔"

اس باب میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ دیگر
فرشتوں کے علاوہ جبرئیل علیہ السلام ائمہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

علامہ باقر مجلسی نے بحار الانوار کے باب "عجائب علومہم" اور دیگر ابواب میں بھی
بے شمار روایات اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ فرشتے ائمہ کو علوم القاء کرتے تھے۔ چند
روایات ملاحظہ ہوں:

۱۔ بصائر: الحسن بن علي عن عتبة عن إبراهيم بن محمد بن حمران عن
أبيه و محمد بن أبي حمزة عن سفيان بن السمط قال: حدثني أبو بصير[1] قال: قلت
لأبي عبدالله ﷺ إني سألت عبدالله بن الحسن فزعم أن ليس فيكم إمام فقال: بلى والله
يا ابن النعاس إن فينا من ينكت في قلبه و يوقر في أذنه و يصافحه الملائكة قال قلت:
فيكم؟ قال إي والله فينا اليوم إلي و الله فينا اليوم ثلاثة.[2]

(بحار الانوار صفحہ ۶۶، جلد ۲۶)

ترجمہ: "ابو الخیر کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ میں نے عبداللہ بن حسنؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم میں کوئی امام نہیں ہے۔ یہ سن کر امام صادقؑ نے فرمایا، کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! ہم میں ایسا شخص (یعنی امام) موجود ہے جس کے دل میں کلام القاء کیا جاتا ہے، جس کے کانوں میں کلام ڈالا جاتا ہے اور جس سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں۔ میں نے تعجب سے کہا، تم میں؟ فرمایا ہاں! اللہ کی قسم! ہم میں ایسا شخص آج بھی موجود ہے۔ تمہارے باپ کی بات دوسری۔"

۲۔ — بحر: إبراهيم بن هاشم عن محمد بن الفضيل أو عمن رواه عن محمد بن الفضيل قال: قلت لأبي الحسن عليه السلام: روينا عن أبي عبدالله عليه السلام أنه قال: إن علمنا غابر و مزبور و نكت في القلب و نقر في الأسماع قال: أما الغابر فما تقدم من علمنا، وأما المزبور فما يأتينا، و أما النكت في القلوب فإلهام، و أما النقر في الأسماع فإنه من الملك.[۱]

(بحار الانوار صفحہ ۲۰ جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام صادقؑ نے فرمایا: ہمارا علم چار قسم کا ہے۔ ایک گزشتہ، ایک لکھا ہوا، ایک دل میں القاء ہوا اور ایک کانوں میں ڈالا۔ گزشتہ سے مراد وہ علم ہے جو ہمیں پہلے حاصل ہو چکا، لکھے ہوئے سے مراد وہ علم ہے جو ہمارے پاس نیا تازہ آتا ہے، دل میں القاء سے مراد ہے الہام اور کانوں میں ڈالنے سے مراد ہے فرشتہ (جو ہمارے کانوں میں کلام القاء کرتا ہے)۔"

۳۔ — و روى زرارة مثل ذلك عن أبي عبدالله عليه السلام قال: قلت: كيف يعلم أنه كان الملك و لا يخاف أن يكون من الشيطان إذا كان لا يرى الشخص؟ قال: إنه يلقى عليه السكينة فيعلم أنه من الملك، ولو كان من الشيطان اعتراه فزع،[۲] و إن كان الشيطان — يا زرارة — لا يتعرض لصاحب هذا الأمر.[۳]

ترجمہ: "زرارہ کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے کہا کہ آپ لوگوں کو کیسے پتا چلتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے (جو آپ کے کان میں باتیں کرتا ہے) اس کا اندیشہ کیوں نہیں کہ وہ شیطان ہو؟ کیونکہ اس کی شخصیت تو نظر آتی نہیں۔ فرمایا: امام پر سکینت نازل ہوتی ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے، اگر شیطان آتا تو گھبراہٹ ہوتی۔ سنو زرارہ! امام کے پاس شیطان نہیں آ سکتا۔"

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر نبی کے کشف و الہام اور رؤیائے صادقہ کے اہل سنت بھی قائل ہیں، لیکن نبی اور غیر نبی کے کشف والہام اور خواب میں دو وجہ سے فرق ہے۔ اول یہ کہ نبی کا کشف والہام اور خواب وحی قطعی ہے۔ اس میں اشتباہ والتباس کی گنجائش نہیں۔ جبکہ غیر نبی کا کشف و الہام اور خواب قطعی نہیں، بلکہ ظنی ہے۔ اس میں اشتباہ والتباس کی بھی گنجائش ہے اور شیطان کی دخل اندازی کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے جب تک اسے میزان شریعت میں تول کر نہ دیکھا جائے، تب تک اس کا قبول کرنا اور اس پر اعتماد و وثوق کرنا جائز نہیں۔

دوم یہ کہ نبی کا کشف والہام بھی اور خواب بھی حجت ملزمہ ہے، اس پر ایمان لانا لازم ہے، اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ جبکہ غیر نبی کا کشف و الہام اور خواب حجت شرعیہ نہیں۔ نہ لوگ اس پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ بلکہ خود صاحب کشف و الہام کے لئے بھی اس پر عمل کرنا شرعاً فرض نہیں۔

حضرات امامیہ کے نزدیک ائمہ کو جو علوم، فرشتوں کے القاء، کشف و الہام اور خواب وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، ان کا درجہ وہ نہیں جو اہلسنت کے غیر نبی کے کشف والہام وغیرہ کا ہے، بلکہ ان کا درجہ بعینہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وحی مقدس کا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ائمہ سہو و نسیان اور غفلت و اشتباہ سے معصوم اور منزہ ہیں، اس لئے ان کی وحی انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کی طرح قطعی و یقینی اور ہر شک و شبہ سے پاک ہے۔ اور چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح واجب الاطاعت ہیں اس لئے ان کی وحی حجت قطعیہ بھی ہے اور حجت شرعیہ بھی۔ علامہ مجلسی کی ایک عبارت "عصمت" کے ذیل میں نقل کر چکا ہوں۔ اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔ ایک اور عبارت یہاں پیش کرتا ہوں۔ وہ بحار الانوار کتاب الامامة "باب نفی السہو عنہم علیہم السلام" کی روایت (۳) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

بیان: فمضى القول فی المجلد السادس فی عصمته ﷺ عن السهو والنسیان و جملة القول فیه أنّ أصحابنا الامامیّة أجمعوا علی عصمة الأنبیاء و الأئمّة صلوات الله علیهم من الذّنوب الصغیرة و الكبیرة عمداً و خطأً و نسیاناً قبل النبوّة و الامامة و

بعدهما بل من وقت ولادتهم إلى أن يلقوا الله تعالى، ولم يخالف في ذلك إلّا الصدوق محمد بن بابويه و شيخه ابن الوليد قدّس الله روحهما فإنّهما جوّزا الإسهاء من الله تعالى لا السهو الّذي يكون من الشيطان في غير ما يتعلّق بالتبليغ و بيان الأحكام وقالوا : إنّ خروجهما لا يخلّ بالإجماع لكونهما معروفي النسب

و أمّا السهو في غير ما يتعلّق بالواجبات و المحرّمات كالمباحات و المكروهات فظاهر أكثر أصحابنا أيضاً تحقّق الإجماع على عدم صدوره عنهم، و استدلّوا أيضاً بكونه سبباً لتنفّر الخلق منهم وعدم الاعتماد بأفعالهم و أقوالهم و هو ينافي اللطف، وبالآيات والأخبار الدالّة على أنّهم عليهم السلام لا يقولون ولا يفعلون شيئاً إلّا بوحي من الله تعالى

(بحارالانوار صفحہ ۳۵۰، ۳۵۱ جلد ۲۵)

ترجمہ: "ہمارے مشائخ امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ نبی اور امام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ نہ ان سے عمداً گناہ ہو سکتا ہے نہ خطاءً نہ سہواً اور یہ عصمت ان کو نبوت و امامت سے قبل بھی حاصل ہوتی ہے اور بعد میں بھی بلکہ ولادت سے وفات تک۔ اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے صدوق محمد بن بابویہ اور ان کے شیخ ابو الولید کے۔ ان دونوں بزرگوں نے کہا ہے کہ وہ بھول شیطان کی طرف سے ہو وہ تو نبی اور امام کو پیش نہیں آ سکتی لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھول ڈال دی جائے۔ مگر یہ بھول ایسے امور میں ہو سکتی ہے جن کا تعلق تبلیغ اور بیان احکام سے نہ ہو۔ مشائخ نے کہا کہ ان دونوں بزرگوں کا خروج اجماع میں خلل انداز نہیں، کیونکہ یہ دونوں معروف النسب ہیں۔ رہی یہ بات کہ واجبات و محرمات کے علاوہ چیزوں مثلاً مباحات و مکروہات میں بھول کا واقع ہونا تو ہمارے اکثر اصحاب کے قول سے یہ ظاہر ہے کہ اس کے صدور نہ ہونے پر بھی اجماع ہے۔ اور انہوں نے اس عدم صدور پر یہ استدلال بھی کیا ہے کہ یہ چیز ان سے مخلوق کی نفرت کا سبب ہوگی اور ان کے افعال و اقوال کا اعتبار نہیں رہے گا۔ اور یہ لطف کے منافی ہے۔ نیز انہوں نے ان آیات و احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حضرات وحی الٰہی کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے اور نہ کوئی کام کرتے ہیں۔"

الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حضرات امامیہ ائمہ پر وحی قطعی کے نزول کے قائل ہیں۔

ساتواں عقیدہ: ائمہ کو تحلیل و تحریم کے اختیارات

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿التفویض الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ والی الائمۃ﴾
﴿علیہم السلام فی أمر الدین﴾

(اصول کافی ۔ صفحہ ۲۶۵ جلد ۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے امور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ائمہ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں، جس چیز کو چاہیں حرام کہیں، جس کو چاہیں ایک حکم بتائیں اور دوسرے کو دوسرا حکم بتائیں، ان پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس عقیدہ کو علمائے شیعہ نے ائمہ کی بہت سی روایات سے ثابت کیا ہے۔ بطور نمونہ چند روایتیں ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ محمد بن یحیی، عن محمد بن الحسن، عن یعقوب بن یزید، عن الحسن بن زیاد، عن محمد بن الحسن المیثمی، عن أبي عبداللہ علیہ السلام قال: سمعتہ یقول: إن اللہ عزّ و جلّ أدّب رسولہ حتّی قوّمہ علی ما أراد، ثمّ فوّض إلیہ فقال عزّ ذکرہ: «وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا» فما فوّض اللہ إلی رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ فقد فوّضہ إلینا.
(اصول کافی صفحہ ۲۶۸ جلد ۱)

ترجمہ: "امام صادق کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ادب سکھایا، یہاں تک کہ اپنے ارادے کے مطابق آپ کو سیدھا کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملات کو آپ کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ رسول تمہیں جو کچھ دے دیا اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا وہ سب کچھ ہمارے سپرد کر دیا۔"

۲۔ الحسین بن محمد الأشعري، عن معلّی بن محمد، عن أبي الفضل عبداللہ بن إدریس، عن محمد بن سنان قال: کنت عند أبي جعفر الثاني علیہ السلام فأجریت اختلاف

الشیعة ، فقال : یا محمّد إنّ الله تبارك تعالی لم یزل متفرّداً بوحدانیّته ثمّ خلق محمّداً وعلیّاً وفاطمة ، فمکثوا ألف دهر ، ثمّ خلق جمیع الأشیاء ، فأشهدهم خلقها وأجری طاعتهم علیها وفوّض أمورها إلیهم ، فهم یحلّون ما یشاؤون ویحرّمون ما یشاؤون ولن یشاؤوا إلاّ أن یشاء الله

(اصول کافی ۔ صفحہ ۴۴۱ جلد ۱)

ترجمہ : "محمد بن سنان کہتا ہے کہ میں امام ابو جعفر ثانی کے پاس تھا، شیعوں کے اختلافات کا ذکر کیا تو امام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت کے ساتھ منفرد تھا۔ پھر اس نے محمد، علی اور فاطمہ کو پیدا کیا، پس وہ ہزار دہر تک ٹھہرے رہے۔ پھر تمام اشیاء کو پیدا کیا تو ان کو ان چیزوں کی تخلیق پر گواہ بنایا اور سب چیزوں کے ذمہ ان کی طاعت واجب کی اور تمام اشیاء کے اختیارات ان کے سپرد کر دیئے۔ پس یہ حضرات جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔ اور وہ نہیں چاہیں گے مگر وہی چیز جو اللہ تعالیٰ چاہے۔"

۳۰ ـ مختص ، یر : أحمد بن محمّد عن الأهوازيّ عن بعض أصحابنا عن ابن عمیر : عن الثمالي قال : سمعت أبا جعفر عليه السلام يقول : من أحللنا له شیئاً أصابه من أعمال الظالمین فهو له حلال لأنّ الأئمّة منّا مفوّض إلیهم ، فما أحلّوا فهو حلال وما حرّموا فهو حرام . [2]

(بحار الانوار ۔ صفحہ ۳۳۴ جلد ۲۵)

ترجمہ : "ثمالی کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے لئے ہم نے حلال کر دی وہ چیز جو اس نے ظالموں کے مناصب میں سے حاصل کی وہ اس کو حلال ہے۔ کیونکہ یہ امر ہمارے اماموں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ پس جس چیز کو وہ حلال قرار دیں وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام کر دیں وہ حرام ہے۔"

ثمّ قال : یا ابن أشیم إنّ الله فوّض إلی سلیمان بن داود عليه السلام فقال : « هذا عطاؤنا فامنن أو أمسك بغیر حساب » [1] وفوّض إلی نبیّه فقال : « ما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا » [2] فما فوّض إلی نبیّه فقد فوّض إلینا .

(بحار الانوار صفحہ ۳۳۴، ۳۳۳ جلد ۲۵)

ترجمہ : "امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے

سپرد کر دیا۔ چنانچہ فرمایا، یہ ہماری عطا ہے چاہو کسی کو دو، یا اپنے پاس رکھو تم سے کوئی حساب نہیں لیں گے۔ اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی سپرد فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے کہ: "رسول تم کو جو کچھ دے دیں لے لو اور جس چیز سے روک دیں رک جاؤ۔" پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا وہی ہمارے سپرد کر دیا۔"

۳۸ ـ بلد: ابن المتوكل عن الحميري عن ابن عيسى عن ابن محبوب عن عبد العزيز عن ابن أبي يعفور قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: إن الله واحد أحد متوحد بالوحدانية متفرد بأمره، خلق خلقا ففوض إليهم أمر دينه، فنحن هم يا ابن أبي يعفور.
(بحار الانوار۔ صفحہ ۱۶۰ جلد ۲۲)

ترجمہ: "ابن ابی یعفور امام صادقؒ سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ واحد ہے، یکتا ہے، وحدانیت کے ساتھ متفرد ہے، اپنے حکم میں متفرد ہے۔ اس نے ایک مخلوق کو پیدا کر کے اپنے دین کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا، سو ہم وہی مخلوق ہیں۔"

ان روایات سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے بعد ائمہ کو تحلیل و تحریم کا اختیار دیا گیا ہے اور اصول کافی کے مندرجہ بالا عنوان سے واضح ہے کہ امامیہ اپنے ائمہ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

آٹھواں عقیدہ: ائمہ کو احکام کے منسوخ کرنے کے اختیارات

اوپر کے عقیدہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی بعض احکام کو منسوخ فرما سکتے تھے، اسی طرح باذن الٰہی ائمہ کو بھی اختیار حاصل تھا کہ جب چاہیں کسی چیز کے حلال ہونے کا فتویٰ صادر فرمائیں۔ اور جب چاہیں اس کے حرام ہونے کا فتویٰ ارشاد فرمائیں۔ ائمہ وقتاً فوقتاً اپنے اس اختیار کو استعمال بھی کرتے تھے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال: قرآن کریم میں ہے کہ مرحوم شوہر جو کچھ بھی چھوڑ کر مرے اس میں بیوہ کا چوتھائی یا آٹھواں حصہ ہے، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ ۔ (النساء: ۱۲)

ترجمہ...... "اور ان بیبیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا وصیت نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ یا دین کے بعد۔" (ترجمہ... حضرت تھانویؒ)

لیکن امام کا فتویٰ یہ ہے کہ بیوہ کو شوہر کی غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ فروع کافی، کتاب المواریث "باب ان النساء لا یرثن من العقار شیئا" میں گیارہ روایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں۔ چنانچہ امام باقر کا قول نقل کیا ہے:

"النساء لا یرثن من الأرض ولا من العقار شیئا"

(فروع کافی، ص: ۱۲۷ ج: ۷)۔

ترجمہ: "عورتوں کو اراضی اور غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ نہیں ملے گا۔"

دوسری روایت میں ہے کہ:

"اس کو جائیداد اور حویلیوں میں سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ ہاں! ملبہ وغیرہ کی قیمت لگا کر اس میں سے اس کا حق دے دیا جائے گا۔"
(حوالہ بالا)

ایک اور روایت میں ہے کہ:

"امام جعفرؒ نے اس کی محرومی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دخیل ہے، نکاح کرے گی تو دوسرے لوگ آکر ان کی جائیداد کا ستیاناس کردیں گے۔"

امام کے اس فتویٰ سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول: یہ کہ قرآن کریم نے پورے ترکہ سے بیواؤں کا چوتھائی یا آٹھواں حصہ مقرر فرمایا۔ لیکن اماموں نے اپنے فتویٰ کے ذریعہ بیواؤں کو شوہر کے ترکہ سے محروم

کر دیا۔ بس گھر کے سامان وغیرہ میں ان کا حصہ ہے، اراضی، باغات، غیر منقولہ جائیداد، تحصیلوں اور پرگنوں میں ان کا کوئی حق نہیں۔ قرآن کریم کا حکم عام تھا، جسے اماموں نے منسوخ کر دیا۔

دوم: قرآن کریم کے حکم کے خلاف ان کو محروم قرار دینے کی امام نے عقلی وجہ بیان فرمائی کہ وہ اول تو پرائی ہوتی ہیں، پھر وہ دوسری جگہ نکاح کر کے دوسرے لوگوں کو جائیداد میں "دخل در معقولات" کا موقع دیں گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان کو غیر منقولہ جائیداد سے محروم کر کے یہ قضیہ ہی ختم کر دیا جائے۔ حالانکہ امام عقل کے تیر تکے نہیں چلایا کرتا۔ وہ بالہام خداوندی بولتا ہے۔ اگر امام معصوم بھی عقل و قیاس اور اجتہاد کے ساتھ فتوے دیا کریں تو ان کے درمیان اور اہل سنت کے امام ابو حنیفہ و امام شافعی کے درمیان کیا فرق رہے گا؟ اور امام ابو حنیفہؒ کو جو امامؑ نے تنبیہ فرمائی تھی کہ:

لا تقس فانّ اوّل من قاس ابلیس (اصول کافی ص ۳۸ ج ۱)
"قیاس نہ کیا کر، کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔"

اس ارشاد کا کیا مصرف رہے گا؟

سوم: پھر امام نے جو قیاس کیا، افسوس ہے کہ وہ بھی غلط، اس لئے کہ امام کی یہ دلیل بیٹیوں اور بہنوں میں بھی جاری ہوتی ہے۔ وہ بھی پرائے گھر جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے غیروں کو جائیداد میں دخل اندازی کا موقع ملے گا۔ الغرض جو دلیل امام نے غریب بیواؤں کو محروم کرنے کے لئے پیش کی وہی لڑکیوں اور بہنوں میں بھی جاری ہوتی ہے۔ ان کو بھی محروم ہونا چاہئے۔ اور انگریزی قانون پر عملدرآمد ہونا چاہئے کہ جائیداد لڑکوں کو ملتی ہے، لڑکیوں کو ملتی ہی نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

چہارم: یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمہ، بے کس و بے سہارا بیواؤں پر کیسے شفیق تھے کہ خود قرآن کی کیا مدد کرتے؟ ان بے چاری بیواؤں کو قرآن نے شوہر کی جائیداد سے جو حصہ دلایا تھا، اماموں نے اس چار دانگ کو بھی گوارا نہیں کیا۔

ان وجوہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ائمہ کے نام پر روایتیں تصنیف کرنے والے کیسے دانشمند تھے اور انہوں نے خرافات کے کیسے کیسے طومار ائمہ کی طرف منسوب کئے

ہیں۔ جن کو شیعہ وحی آسمانی سے کم نہیں سمجھتے۔

دوسری مثال: قرآن کریم میں قانون شہادت موجود ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے جو فروع کافی کتاب القضاء والاحکام "باب ان البینہ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ" میں نقل ہوا ہے:

﴿ أن البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه ﴾

"گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمے ہے اور قسم مدعا علیہ پر آتی ہے۔"

(فروع کافی صفحہ ۴۱۵، جلد ۷)

لیکن امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو قانون شہادت کو معطل فرما دیں گے۔

چنانچہ اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے "باب فی الائمۃ انہم اذا ظہر امرہم حکموا بحکم آل داود ولا یسألون البینۃ" (یعنی جب ائمہ کی حکومت ہوگی تو حکم آل داود کے موافق فیصلہ کریں گے، شہادت طلب نہیں کریں گے) اس میں امام جعفرؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

یا أبا عبیدۃ إذا قام قائم آل محمد ﷺ حکم بحکم داود وسلیمان لا یسأل بینۃ۔

(اصول کافی ... صفحہ ۳۹۷، جلد ۱)

"جب قائم آل محمدؐ ظاہر ہوں گے تو داؤد و سلیمان کے حکم کے مطابق فیصلے دیں گے، شہادت طلب نہیں کریں گے۔"

دوسری روایت میں ہے کہ عمار ساباطی نے امام جعفرؒ سے پوچھا کہ آپ حضرات جب فیصلہ کرتے ہیں تو کس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

بحکم اللہ و حکم داود فإذا ورد علینا الشیء الذی لیس عندنا تلقانا به روح القدس۔

(اصول کافی ... صفحہ ۳۹۸ جلد ۱)

"اللہ کے حکم اور داؤد کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا کرتے ہیں۔ اور جب ہمارے سامنے کوئی ایسا قضیہ پیش آتا ہے جس کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہوتا تو روح القدس ہمیں اس کا حکم بتا دیتا ہے۔"

تیسری روایت میں ہے کہ جعید ہمدانی نے یہی سوال امام زین العابدینؒ سے کیا تو انہوں نے فرمایا:

حكم آل داود، فإن أعيانا شيء تلقانا به روح القدس"

(اصول کافی ..... صفحہ ۳۹۸، جلد ۱)

"حکم آل داؤد کے مطابق فیصلہ کیا کرتے ہیں اور اگر ہمیں کسی قضیے میں مشکل پیش آ جائے تو روح القدس ہمیں بتا دیتا ہے۔"

(ایضاً ..... حوالہ بالا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ائمہ اپنے فیصلوں میں قرآن و حدیث کے قانون شہادت کے پابند نہیں تھے، بلکہ آل داؤد کے مطابق فیصلہ کے پابند تھے۔ اور روح القدس سے معلوم کر کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو قانون شہادت معطل ہو جائے گا، اس لئے وہ کسی مقدمہ میں شہادت طلب نہیں کریں گے۔

تیسری مثال: فروع کافی کتاب الصید "باب صید البزاۃ والصقور وغیر ذالک" میں روایت ہے:

- أبو علي الأشعري، عن محمد بن عبد الجبار؛ ومحمد بن إسماعيل، عن الفضل بن شاذان جميعاً، عن صفوان بن يحيى، عن ابن مسكان، عن الحلبي، قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: كان أبي عليه السلام يفتي وكان يتقي ونحن نخاف في صيد البزاة والصقور، وأما الآن فإنا لا نخاف ولا نحل صيدها إلا أن تدرك ذكاته، فإنه في كتاب علي عليه السلام أن الله عز وجل يقول: «وما علمتم من الجوارح مكلبين» في الكلاب[1].

(فروع کافی صفحہ ۲۰۷ جلد ۲)

روایت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ "کتاب علی" میں لکھا ہے کہ آیت شریفہ "وما علمتم من الجوارح مکلبین" میں صرف کتوں کے شکار کی اجازت ہے۔ باز اور شاہین کا شکار حرام ہے، الا یہ کہ وہ زندہ پکڑ لائیں اور شکار کو ذبح کر لیا جائے۔ امام جعفر فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد بطور تقیہ اس آیت کے خلاف باز اور شاہین کے شکار کی حلت کا فتویٰ دیتے تھے۔ لیکن اب چونکہ خوف اٹھ گیا ہے اس لئے میں فتویٰ دیتا ہوں کہ باز اور شاہین کا شکار حلال نہیں۔"

باپ اور بیٹے دونوں امام معصوم ہیں۔ ایک قرآن کریم کے حکم کے

خلاف باز اور شاہین کے شکار کی حلت کا فتویٰ دیتے ہیں اور دوسرے حرمت کا۔ معلوم ہوا کہ ائمہ کو اختیار ہے کہ جب چاہیں حرام کو حلال قرار دیں اور جب چاہیں حلال کو حرام ٹھہرائیں، جب چاہیں قرآن کے حکم کو منسوخ یا معطل کر دیں اور جب چاہیں اس کو جاری کر دیں۔ تقیہ کی آڑ میں ائمہ نے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے فتوے دیئے ہیں ان کی سینکڑوں مثالیں شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کی "تہذیب الاحکام" اور "الاستبصار" میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

چوتھی مثال: فروع کافی کتاب المواریث "باب میراث الولد" میں سلمہ بن محرز کی روایت ہے:

- علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن ابن أبي عمير؛ ومحمد بن يحيى، عن أحمد بن محمد، عن ابن أبي عمير، عن جميل بن دراج، عن سلمة بن محرز قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام: إن رجلا أرمانيا مات وأوصى إلي، فقال لي: وما الأرماني؟ قلت: نبطي من أنباط الجبال[2] مات وأوصى إلي بتركته وترك ابنته، قال: فقال لي: أعطها النصف، قال: فأخبرت زرارة بذلك، فقال لي: اتقاك، إنما المال لها، قال: فدخلت عليه بعد فقلت: أصلحك الله إن أصحابنا زعموا أنك اتقيتني، فقال: لا والله ما اتقيتك ولكني اتقيت عليك أن تضمن، فهل علم بذلك أحد؟ قلت: لا، قال: فأعطها ما بقي.

(فروع کافی صفحہ ۸۶، ۸۷ جلد ۳)

ترجمہ: "سلمہ بن محرز کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ ایک ارمانی شخص فوت ہوا اور اس نے مجھے اپنا وصی بنایا۔ امام نے فرمایا کہ ارمنی کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا ایک جنگلی پہاڑی آدمی مر گیا۔ اس نے اپنے ترکہ کا وصی مجھے بنایا۔ اس نے پیچھے ایک بچی چھوڑی۔ امام نے فرمایا، بچی کو آدھا مال دے دو۔ میں نے باہر نکل کر امام کا یہ فتویٰ زرارہ کو بتایا تو اس نے کہا کہ امام نے تجھ سے تقیہ کیا ہے، پورا مال بچی کا حق ہے۔ میں دوبارہ امام کے پاس گیا۔ میں نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے، ہمارے رفقاء کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے تقیہ کیا ہے۔ فرمایا، نہیں! اللہ کی قسم! تجھ سے تقیہ نہیں کیا، بلکہ تیری خاطر تقیہ کیا ہے کہ کہیں آدھے مال کا تاوان تجھ پر نہ پڑ جائے۔ کیا اس کا کسی کو علم تو نہیں ہوا؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا، تو پھر باقی آدھا بھی بچی کو دے دے۔"

پورا مال بیٹی کا حق تھا، لیکن امام نے آدھا مال دینے کا حکم فرمایا اور جب زرارہ نے امام کی غلطی پکڑی تو آپ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا اور باقی آدھا بھی بیٹی کو دینے کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ پہلے فتویٰ میں آپ نے قرآن کے حکم کو معطل کردیا تھا۔ خدانخواستہ وہ شخص امام کے فتویٰ کی زرارہ سے تصحیح نہ کراتا تو تین وبال اس کے سر لازم آتے۔

اول یہ کہ: "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ... فاولئک ھم الظالمون ... فاولئک ھم الفاسقون" کا مصداق ٹھہرتا۔ یعنی جو لوگ خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں ... ظالم ہیں ... فاسق ہیں۔

دوم یہ کہ: ایک یتیم بچی کا مال دوسروں کو کھلاتا، اور جہنم کی آگ سے پیٹ میں بھرنے کا وبال اپنے ذمہ لیتا۔

سوم یہ کہ: امام کے فتویٰ کے مطابق مال جن لوگوں کو دیا جاتا وہ حرام خور ہوتے۔

لطیفہ یہ کہ جس خوف کی بنا پر امام نے خلاف ما انزل اللہ فتویٰ دیا تھا وہ خوف اب بھی باقی تھا، زائل نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود امام کا فتویٰ بدل گیا۔ الغرض ان مثالوں سے واضح ہوا کہ امام جب چاہتے تھے قرآنی احکام کو منسوخ و معطل کردیتے تھے۔ تقیہ کا عذر ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہتا تھا۔

نواں عقیدہ: ائمہ کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے بالاتر ہے

اصول کافی کتاب الحجۃ کے ایک باب کا عنوان ہے: "ان الائمۃ ہم ارکان الارض" اس میں امام جعفرؒ سے نقل کیا ہے:

۱- أحمد بن مهران، عن محمد بن علي؛ ومحمد بن يحيى، عن أحمد بن محمد جميعاً، عن محمد بن سنان، عن المفضل بن عمر، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: ما جاء به علي عليه السلام آخذ به وما نهى عنه أنتهي عنه، جرى له من الفضل مثل ما جرى لمحمد صلى الله عليه وآله ولمحمد صلى الله عليه وآله الفضل على

جميع من خلق الله عزّ وجلّ ، المتعقّب عليه في شيء من أحكامه كالمتعقّب على الله وعلى رسوله[1] والرادّ عليه في صغيرة أو كبيرة على حدّ الشرك بالله ، كان أمير المؤمنين عليه السلام باب الله الذي لا يؤتى إلّا منه ، وسبيله الّذي من سلك بغيره هلك ، وكذلك يجري لأئمّة الهدى واحداً بعد واحد

(اصول کافی ... صفحہ ۱۹۶ جلد ۱)

ترجمہ: "مفضل بن عمر امام صادقؒ کا ارشاد نقل کرتا ہے کہ حضرت علیؓ جس چیز کو لے کر آئے ہیں میں اس کو لیتا ہوں اور جس چیز سے حضرت علیؓ نے منع فرمایا میں اس سے باز رہتا ہوں۔ علیؓ کے لئے وہی فضیلت ثابت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق پر فضیلت ہے، اور علیؓ کے کسی حکم پر نکتہ چینی کرنے والا ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرنے والا، اور علیؓ کی کسی چھوٹی بڑی بات کو رد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے کے حکم میں ہے۔ امیر المومنین اللہ تعالیٰ کا وہ دروازہ ہیں جس کے بغیر داخلہ ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ کا وہ راستہ ہیں کہ جو اس کو چھوڑ کر چلے وہ ہلاک ہو جائے، جو علیؓ کی فضیلت ہے وہی باقی گیارہ اماموں کی فضیلت ہے۔"

اسی باب میں دوسری روایت بھی امام جعفرؒ ہی سے منقول ہے:

٢ـ عليّ بن محمّد ومحمّد بن الحسن ، عن سهل بن زياد ، عن محمّد بن الوليد شباب الصيرفي قال : حدّثنا سعيد الأعرج قال : دخلت أنا وسليمان بن خالد على أبي عبدالله عليه السلام فابتدأنا فقال : يا سليمان ما جاء عن أمير المؤمنين عليه السلام يؤخذ به وما نهى عنه ينتهى عنه جرى له من الفضل ما جرى لرسول الله ﷺ ولرسول الله ﷺ الفضل على جميع من خلق الله ، المعيب[2] على أمير المؤمنين عليه السلام في شيء من أحكامه كالمعيب على الله عزّ وجلّ وعلى رسوله ﷺ والرادّ عليه في صغيرة أو كبيرة على حدّ الشرك بالله ، كان أمير المؤمنين صلوات الله عليه باب الله الّذي لا يؤتى إلّا منه ، وسبيله الّذي من سلك بغيره هلك ، وبذلك جرت الأئمّة عليهم السلام واحد بعد واحد

(اصول کافی ... صفحہ ۱۹۷ جلد ۱)

ترجمہ: "سعید اعرج سے روایت ہے کہ میں اور سلیمان بن خالد ابو عبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ ہمارے پوچھے بغیر فرمایا: اے سلیمان! جو

امیر المومنین علیہ السلام کی رسالت سے لائے ہوئے تحفے پر عمل اور جس سے آپ نے منع فرمایا رک جاؤ۔ آپ کی وہی فضیلت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی تمام مخلوق پر فضیلت عطا ہوئی۔ جو شخص کسی بھی حکم میں امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں عیب جوئی کا مرتکب ہوا وہ گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عیب جو ہے اور کسی بھی چھوٹے بڑے معاملے میں (امیر المومنین کی) حکم عدولی شرک باللہ کے مترادف ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام اللہ کا وہ دروازہ ہے کہ آپ سے وہیں تک پہنچا جا سکتا ہے اور آپ کی راہ سے جس نے اعراض کیا وہ ہلاک ہوا۔ اور یہی منصب یکے بعد دیگرے ہر امام تک جاری ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

٣ـ محمد بن يحيى وأحمد بن محمد جميعاً، عن محمد بن الحسن، عن عليّ بن حسّان قال: حدّثني أبو عبدالله الرياحيّ، عن أبي الصامت الحلواني، عن أبي جعفر عليه السلام قال: فضل أمير المؤمنين عليه السلام ما جاء به آخذ به وما نهى عنه أنتهي عنه، جرى له من الطاعة بعد رسول الله صلى الله عليه وآله ما لرسول الله صلى الله عليه وآله والفضل لمحمد صلى الله عليه وآله، المتقدّم بين يديه كالمتقدّم بين يدي الله ورسوله، والمتفضّل عليه كالمتفضّل على رسول الله صلى الله عليه وآله والرادّ عليه في صغيرة أو كبيرة على حدّ الشرك بالله، فإنّ رسول الله صلى الله عليه وآله باب الله الذي لا يؤتى إلّا منه وسبيله الذي من سلكه وصل إلى الله عزّ وجلّ، وكذلك كان أمير المؤمنين عليه السلام من بعده وجرى للأئمة عليهم السلام واحداً بعد واحد.

(اصول کافی صفحہ ۱۹۸ جلد ۱)

ترجمہ: "ابو الصامت حلوانی سے روایت ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا: امیر المومنین علیہ السلام کی فضیلت: جو کچھ انہوں نے دیا میں لے لیتا ہوں جس سے منع کریں رک جاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین کی اطاعت اسی طرح لازم ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آپ کی فضیلت ہے۔ امیر المومنین سے (اطاعت میں) متقدم ہونا ایسا ہی ہے جیسا اللہ

اور جس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی تھی (اپنی اطاعت کا دعویٰ)
مقدم ہے۔ اور آپ پر فضیلت کے دعویٰ کا حکم وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کے مدعی کا (ہونا چاہئے) اور کسی بھی چھوٹے بڑے
حکم میں امیر المومنین کی مخالفت شرک باللہ کا حکم رکھتی ہے۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اللہ کا وہ دروازہ ہے کہ جس کے سوا آنے کا نہیں راستہ تھا اور
آپ کا راستہ ہی حصول الی اللہ کا واحد راستہ ہے۔ اور آپ کے بعد یہی مقام
امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے بعد دیگرے ائمہ علیہم السلام کو حاصل
ہوا۔"

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان: "ان الائمة عليهم السلام محدثون مفهمون" اس میں امام جعفرؑ سے نقل کیا ہے:

٧ - عدة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد، عن الحسين بن سعيد، عن عبدالله بن بحر، عن ابن مسكان، عن عبدالرحمن بن أبي عبدالله، عن محمد بن مسلم قال: سمعت أبا عبدالله عليه السلام يقول: الأئمة بمنزلة رسول الله صلى الله عليه وآله إلا أنهم ليسوا بأنبياء ولا يحل لهم من النساء ما يحل للنبي صلى الله عليه وآله فأما ما خلا ذلك فهم فيه بمنزلة رسول الله صلى الله عليه وآله.

(اصول کافی ... صفحہ ٢٧٠ جلد ١)

ترجمہ: "محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ائمہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں، مگر وہ نبی نہیں۔ جتنی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال تھیں، اتنی ان کے لئے حلال نہیں۔ اس کے سوا باقی تمام باتوں میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں۔"

علامہ مجلسی امام جعفرؑ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بيان: يدل ظاهراً على اشتراكهم مع النبي صلى الله عليه وآله في سائر الخصائص سوى ما ذكر.

(بحار الانوار ... صفحہ ٥٦ جلد ٢٦)

ترجمہ: "امام کا یہ قول ظاہر دلالت کرتا ہے کہ ائمہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خصوصیتوں میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، بجز یہ کہ ان کو چار سے زیادہ بیویاں حلال نہیں۔"

علامہ مجلسی کی بحار الانوار کتاب امامت میں ایک باب کا عنوان " انہ جری لہم من الفضل والطاعۃ مثل ما جری لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانہم فی الفضل سواء۔ " اس باب میں ۳۳ روایتیں نقل کی ہیں۔ (جلد۲۵، صفحہ ۳۵۲ تا ۳۶۲) جن کا مضمون یہ ہے کہ ائمہ کا وہی مرتبہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

علامہ مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں:

"اکثر علماء شیعہ برآنند کہ حضرت امیر علیہ السلام و سایر ائمہ افضل اند از پیغمبران سوائی پیغمبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ از ائمہ خود دراین باب روایت کردہ اند۔"

(صفحہ ۷۰)

ترجمہ: "اکثر علمائے شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیرؓ اور باقی ائمہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی تمام پیغمبروں سے افضل ہیں، اور اس باب میں احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ ائمہ سے روایت کرتے ہیں۔"

الحمدللہ! کہ بندہ نے جتنے عقائد حضرات امامیہ کی طرف منسوب کئے تھے، ایک ایک کا باحوالہ ثبوت پیش کر دیا۔ اب آپ ہی انصاف فرمایئے کہ جب ائمہ کو معصوم بھی کہا جائے، منصوب من اللہ بھی، ان پر ایمان لانا نبیوں کی طرح فرض ہو اور ان کا انکار نبیوں کے انکار کی طرح کفر ہو، ان کی اطاعت ایسی ہی فرض ہو جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، وہ صاحب معجزات بھی ہوں، ان پر وحی قطعی بھی نازل ہوتی ہو جو ہر ایک کے لئے حجت ملزمہ ہو، وہ تحلیل و تحریم کا اختیار بھی رکھتے ہوں، ان کو قرآنی احکام کے منسوخ یا معطل کرنے کا بھی اختیار ہو اور ان کا درجہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام سے بالاتر ہو۔ اگر ان تمام امور سے میں یہ نتیجہ اخذ کروں کہ آں جناب امامت کو عقیدہ ختم نبوت کا منہ چڑانے کے لئے ایجاد کیا اور یہ کہ حضرات امامیہ، امامت کے پردہ میں ائمہ کی نبوت کے قائل ہیں تو ذرا یہ فرمایئے کہ کیا میرا یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

کسی کو معصوم، منصوب من اللہ اور مفترض الطاعۃ ماننا ہی درحقیقت ختم نبوت کا انکار ہے۔ خواہ ہزار بار قسمیں کھائیں کہ ہم ختم نبوت کے قائل ہیں۔

امامیہ، درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں، اس پر چار گواہ

میں نے امامیہ کے مندرجہ بالا عقائد سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امامیہ کا عقیدہ امامت ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت ہے، یہ گزشتہ سطور سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو فہم و انصاف سے بہرہ ور فرمایا ہو تو وہ اوپر کی بحث پڑھ کر اس کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا۔ تاہم جناب کے مزید اطمینان کے لئے میں اپنے اس اخذ کردہ نتیجہ پر بھی چار گواہ پیش کرتا ہوں۔ دو اکابر اہل سنت میں سے اور دو اکابر شیعہ میں سے۔

پہلی شہادت : شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے رسالہ "المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ و الوصیۃ" میں، جو ان کی کتاب تفہیمات الٰہیہ جلد دوم میں تفہیم (۲۴۶) کے عنوان سے شامل ہے، وصیت (۵) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> "این فقیر از روح پر فتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرد کہ حضرت چہ می فرمایند در باب شیعہ کہ مدعی محبت اہل بیت اند و صحابہ را بد میگویند؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوعی از کلام روحانی القاء فرمودند کہ مذہب ایشان باطل است و بطلان مذہب ایشان از لفظ امام معلوم می شود، چوں از آں حالت افاقت دست داد در لفظ امام تامل کردم معلوم شد کہ امام باصطلاح ایشان معصوم مفترض الطاعۃ منصوب للخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند، پس در حقیقت "ختم نبوت" را منکر اند، گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء می گفتہ باشند۔"
>
> (تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۲۹۴، جلد ۲)

ترجمہ: "اس فقیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے سوال کیا کہ حضرت شیعوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اہل بیت سے محبت کے مدعی ہیں اور صحابہ کو برا کہتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوع کے روحانی کلام کے ذریعہ القاء فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ "امام" سے معلوم ہوجاتا ہے۔ جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے لفظ "امام" میں غور کیا، معلوم ہوا کہ "امام" ان کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جس کی طاعت فرض ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ ہو، یہ لوگ "امام" کے حق میں "وحی باطنی" بھی تجویز کرتے ہیں۔ پس در حقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں، گرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہا کرتے ہیں۔"

اور اس سے اگلی تفہیم (۲۳۷) میں مبشرہ (۹) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"سألته ﷺ سؤالا روحانيا عن الشيعة فأوحى إلي أن مذهبهم باطل، وبطلان مذهبهم يعرف من لفظ الإمام، ولما أفقت عرفت أن الإمام عندهم هو المعصوم المفترض طاعته الموحى إليه وحيا باطنيا، وهذا هو معنى النبي، فمذهبهم يستلزم إنكار ختم النبوة قبحهم الله تعالى".

(تفهيمات إلاهية، ص: ۲۰۱ ج:۲)۔

ترجمہ: "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعوں کے بارے میں روحانی سوال کیا، تو مجھے القاء فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ "امام" سے معلوم ہوجاتا ہے۔ جب مجھے اس حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے غور کیا کہ ان کے نزدیک "امام" وہ شخص ہے جو معصوم ہو، مفترض الطاعۃ ہو اور جس کو باطنی وحی ہوتی ہو، اور یہی نبی کے معنی ہیں۔ پس ان کا مذہب ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے۔"

دوسری شہادت : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

حضرت شاہ صاحب تحفۂ اثنا عشریہ کے باب ششم " در بحث نبوت و ایمان
انبیاء علیہم الصلوت والسلام " میں " عقیدۂ دہم " کے ذیل میں لکھتے ہیں :

" و امامیہ ہر چند بظاہر ختم نبوت آنجناب اقرار کنند لکن در پردہ بہ نبوت ائمہ
قائل اند کہ ائمہ را معصوم و بزرگ تر از انبیاء شمارند، چنانچہ در ہمیں باب بہ تفصیل
گزشت، و تفویض امر تحلیل و تحریم کہ خاصۂ نبوت بلکہ بالاتر از نبوت است
برائے ائمہ اثبات نمایند۔ پس در معنی منکر ختم نبوت اند۔ "

(تحفہ ، صفحہ ۱۷۰)

ترجمہ : " اور امامیہ ہر چند کہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت
کا اقرار کرتے ہیں، لیکن در پردہ ائمہ کی نبوت کے قائل ہیں، کیونکہ ائمہ کو
انبیاء سے معصوم و بزرگ تر شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اسی باب میں تفصیل سے
گزرا۔ اور تحلیل و تحریم کا معاملہ ائمہ کے سپرد کرتے ہیں جو کہ خاصۂ نبوت،
بلکہ بالاتر از نبوت ہے۔ پس در حقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔ "

اور شیعہ کے عقیدۂ تفویض پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

" بالجملہ این اصل بدعت فاسدہ کہ مستلزم مفاسد بسیار است و معہذا مستلزم
انکار ختم نبوت است در حقیقت، و جمیع امامیہ بآں قائل اند۔ "

(تحفہ ، صفحہ ۱۷۱)

ترجمہ : " خلاصہ یہ کہ یہ اصول فاسدہ ہے جو کہ بہت سے مفاسد کو مستلزم
ہے۔ علاوہ بریں در حقیقت ختم نبوت کے انکار کو متضمن ہے۔ اور تمام
امامیہ اس کے قائل ہیں۔ "

تیسری شہادت : علامہ باقر مجلسی

شیعوں کے محدث و مجدد اعظم جناب علامہ محمد باقر مجلسی کی علمی عظمت سے تو
آنجناب واقف ہوں گے۔ آیت اللہ العظمیٰ روح اللہ خمینی نے ان کی کتابوں کے مطالعہ

کی شیعہ مومنین کو بطور خاص تلقین فرمائی ہے۔

جناب باقر مجلسی بحار الانوار کتاب الامامت "باب انہم محدثون مفہمون" میں ائمہ کی مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد روایت (۳۵) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

بیان: استنباط الفرق بین النبی والامام من تلک الأخبار لایخلو من إشکال وکذا الجمع بینها مشکل جداً

وبالجملة لابد لنا من الاذعان بعدم کونهم ﷺ أنبیاء و بأنهم أشرف وأفضل من غیر نبینا ﷺ من الأنبیاء والأوصیاء، ولا نعرف جهة لعدم اتصافهم بالنبوة إلا رعایة جلالة خاتم الأنبیاء۔ ولا یصل عقولنا إلی فرق بیّن بین النبوة والامامة۔ وما دلت علیه الأخبار فقد عرفته۔

(بحار الانوار صفحہ ۸۲ جلد ۲۶)

ترجمہ: "ان احادیث سے نبی اور امام کے درمیان فرق کا استنباط کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح ان احادیث کے درمیان جمع کرنا بھی نہایت مشکل ہے۔ مختصر یہ کہ یہ یقین تو لازم ہے کہ امام، نبی نہیں ہوتے اور یہ بھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر تمام انبیاء اوصیاء سے اشرف وافضل ہیں، انہیں ان کے موصوف بنبوۃ نہ ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں سوائے اس کے کہ خاتم الانبیاء کی جلالت کی رعایت ہو۔ اور ہماری عقلوں کو نبوت اور امامت کے درمیان واضح فرق تک رسائی حاصل نہیں ہو سکی۔ اخبار سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تم بیان کر چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے احوال کے حقائق کو بہتر جانتے ہیں۔"

چوتھی شہادت: شیخ مفید

علامہ مجلسی نے بحار الانوار کے مندرجہ بالا باب میں روایت (۳۱) کے ذیل میں شیخ مفید محمد بن نعمان (متوفی ۴۲۰ھ) کی "تصحیح الاعتقاد شرح عقائد صدوق" سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے۔ اس کے بقدر ضرورت حصے یہاں نقل کرتا ہوں:

وعندنا أن اللہ تعالی یسمع الحجج بعد نبینا ﷺ کلاماً یلقیه إلیهم أي الأوصیاء

فی علم ما یکون لکنہ لا یطلق علیہ اسم الوحی لما قدمناہ من إجماع المسلمین علی أنہ لا وحی لأحد بعد نبینا ﷺ و إنہ لا یقال فی شیء مما ذکرناہ : إنہ

وحی إلی أحد ۔ وللہ تعالی أن یبیح إطلاق الکلام أحیاناً و یحظرہ أحیاناً ۔ و یمنع السمات بشیء حیناً و یطلقہا حیناً ۔ فأما المعانی فإنہا لا تتغیر عن حقائقہا علی ما قدمناہ ۔ "(۱)

(بحار الانوار ..... صفحہ ۸۲،۸۳ جلد ۲۶)

ترجمہ: "اور ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اماموں کو ایسا کلام سناتا ہے جو ان کی طرف القاء کرتا ہے اس علم کے بارے میں جو آئندہ آنے والا ہو، لیکن اس پر وحی کا اطلاق نہیں کیا جاتا، کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو وحی نہیں ہوگی۔ اور یہ کہ جو چیزیں ہم نے ذکر کی ہیں، ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ کسی کی طرف وحی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ ایک وقت میں ایک لفظ کے بولنے کو جائز رکھے اور دوسرے وقت میں اس کو منع کر دے۔ اور ایک چیز کے ساتھ کسی چیز کو موسوم کرنا ایک وقت میں ممنوع قرار دے، اور دوسرے وقت میں اس کو جائز قرار دے۔ باقی رہے معانی! تو وہ اپنے حقائق سے نہیں بدلتے۔"

علامہ باقر مجلسی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت و امامت کے درمیان فرق ہماری عقل نارسا سے بالاتر ہے۔ بہرحال ہمارے ائمہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی تمام انبیاء علیہم السلام سے اشرف و افضل ہیں۔ لیکن ختم نبوت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو نبی نہیں کہا جاتا ورنہ نبوت اور امامت کے درمیان وجہ فرق ہمیں معلوم نہیں۔

شیخ مفید کا آخری فقرہ توجہ کا طالب ہے۔ فرماتے ہیں کہ: "حقائق تو نہیں بدلتے لیکن ایک وقت میں ایک لفظ کا بولنا صحیح ہوتا ہے، دوسرے وقت میں ممنوع" مطلب یہ کہ نبوت کی حقیقت جو انبیاء کرام کو حاصل تھی وہی ائمہ کو بھی حاصل تھی۔

وحی ان پر بھی نازل ہوتی تھی اور ان پر بھی، مگر اس حقیقت پر پچھلے زمانے میں نبی اور وحی کا لفظ بولنا جائز تھا، اب جائز نہیں رہا۔ ماشاء اللہ کیا عجب تحقیق ہے۔

اس پوری بحث کو بغور و تدبر پڑھئے اور پھر فرمایئے کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا کیا وہ بقول آپ کے محض سوءِ ظن کی بنا پر لکھا تھا اور محض تہمت تراشی کی تھی۔ یا آپ کے مذہب کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی تھی؟

ع "بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر"

چوتھی بحث: ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات

آنجناب نے آیت اللہ العظمیٰ جناب محمد جواد مغنیہ کی کتاب "الشیعة فی المیزان" (صفحہ ۳۳ تا ۳۵) سے طویل اقتباس نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ ائمہ، کتاب و سنت کے علوم کا الف سے یا تک کا کامل احاطہ رکھتے ہیں۔

۲۔ ان کے علوم کتاب و سنت تک محدود ہیں۔

۳۔ ان کا علم وہبی نہیں، کسبی ہے، اور جو شخص اس کے خلاف کہے وہ۔ بقول ان کے — جاہل ہے۔

۴۔ ائمہ کو علم غیب نہیں ہوتا، جن اخبار میں ان کی طرف علم غیب منسوب کیا گیا ہے وہ "باجماع مسلمین" مردود ہیں۔

ان میں سے پہلی بات تو شیعہ عقائد کے مطابق ہے، باقی سب غلط ہیں۔ مناسب ہے کہ پہلے ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات کے بارے میں حضرات امامیہ کا موقف ذکر کیا جائے۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ امامیہ کے نزدیک ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے؟ اس لئے ان دونوں نکتوں کو دو الگ بحثوں میں ذکر کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

ائمہ کے علمی کمالات کے بارے میں شیعی عقائد

پہلا عقیدہ

ائمہ، کتاب و سنت کے علوم کا الف سے یے تک ایسا کامل احاطہ رکھتے ہیں کہ ان کو قرآن و سنت کے کسی لفظ اور کسی حکم میں نہ کبھی اشتباہ ہوتا ہے، نہ سہو و نسیان ہوتا

ہے۔ تو انہیں غور و فکر اور اجتہاد رائے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

دوسرا عقیدہ

ان کو قرآن و حدیث کے علاوہ تورات، زبور اور دیگر کتب آسمانی و صحف ربانی کا بھی علم ہوتا ہے۔ وہ ہر کتاب کو اس کی اصل زبان میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ کے ایک باب کا عنوان ہے:

٭(ان الائمة عليهم السلام عندهم جميع الكتب التي نزلت من)٭
٭(عند الله عز وجل وانهم يعرفونها على اختلاف ألسنتها)٭

(اصول کافی صفحہ ۲۲۷ جلد ۱)

ترجمہ: "ائمہ کے پاس اللہ عز وجل کی نازل کردہ تمام کتب موجود ہوتی ہیں اور وہ جس زبان میں بھی ہوں یہ حضرات ان کو بخوبی جانتے ہیں۔"

اور علامہ مجلسی کی بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:

٭(آخر في أن عندهم صلوات الله عليهم كتب الأنبياء)٭
٭(عليهم السلام يقرؤنها على اختلاف لغاتها)٭

(بحار الانوار صفحہ ۱۸۰ جلد ۲۶)

ترجمہ: "یعنی ائمہ صلوات اللہ علیہم کے پاس تمام انبیاء کی کتب موجود ہیں خواہ وہ کسی زبان میں ہوں یہ حضرات ان کو پڑھ لیتے ہیں۔"

اس مدعا کے ثبوت میں علامہ مجلسی نے ۲۷ روایات ذکر کی ہیں۔ ایک مختصر روایت ملاحظہ فرمائیں:

٧ ـ يف: أبي عن أحمد بن إدريس و محمد العطار معاً عن الأشعري عن ابن هاشم عن محمد بن حماد عن الحسن بن إبراهيم عن يونس عن هشام بن الحكم في خبر طويل قال: جاء بريهة جاثليق[1] النصارى فقال لأبي الحسن عليه السلام: جعلت فداك أنى لكم التوراة والإنجيل و كتب الأنبياء؟ قال: هي عندنا وراثة من عندهم نقرأها كما قرأوها ونقولها كما قالوها، إن الله لا يجعل حجة في أرضه يسأل عن شيء فيقول: لا أدري الخبر[1]

(بحار الانوار صفحہ ۱۸۰ جلد ۲۶) (اصول کافی صفحہ ۲۲۷ جلد ۱)

ترجمہ: "ہشام بن حکم ایک طویل روایت میں ذکر کرتے ہیں کہ بریہہ جاثلیق العراقی ابوالحسن علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ آپ پر قربان، یہ تورات و انجیل اور دیگر کتب انبیاء آپ کے پاس کہاں سے آگئیں؟ فرمایا: ہمارے پاس یہ کتابیں انبیاء کی وراثت کے طور پر پہنچی ہیں۔ ہم ان کو اسی انداز سے پڑھ سکتے ہیں جیسے وہ حضرات پڑھتے تھے۔ اور ہم بھی انہی کی طرح ان کی تفسیر و تشریح پر قدرت رکھتے ہیں۔ (اور یہ اس بنا پر ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی ایسی شخصیت کو دنیا میں ثابت نہیں رہنے دیتا جس سے کچھ پوچھا جائے اور وہ کہہ دے کہ مجھے تو یہ معلوم نہیں۔"

تیسرا عقیدہ:

وہ تمام علوم جو انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کو الگ الگ دیئے گئے وہ سب کے سب ائمہ کو مجموعی طور پر عطا کئے گئے، اس لئے ائمہ انبیاء و ملائکہ کے علوم کے جامع ہیں۔

اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

(ان الائمة ورثوا علم النبي وجميع الانبياء والاوصياء
الذين من قبلهم)

(اصول کافی صفحہ ۲۲۳، جلد ۱)

ترجمہ: "ائمہ کرام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام گزشتہ انبیاء و اوصیاء کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔"

بحار الانوار کتاب الامامۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

(ان عندهم جميع علوم الملائكة والانبياء وانهم اعطوا ما اعطاه الله
الانبياء عليهم السلام، وان كل امام يعلم جميع علم الامام الذي
قبله ولا يبقى الارض بغير عالم)

(بحار الانوار صفحہ ۱۵۹، جلد ۲۶)

بحار الانوار ”باب جامع فی صفات الامام و شرائط الامامۃ“ میں حضرت رضا کی ایک طویل روایت نقل کی ہے، اس کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے:

علم الأنبياء في علمهم وسر الأوصياء في سرهم وعز الأولياء في عزهم كالقطرة في البحر والذرة في القفر، والسماوات والأرض عند الامام كيده من راحته يعرف ظاهرها من باطنها ويعلم برها من فاجرها ورطبها ويابسها، لأن الله علم نبيه علم ما كان وما يكون وورث ذلك السر المصون الأوصياء المنتجبون، ومن أنكر ذلك فهو شقي ملعون يلعنه الله ويلعنه اللاعنون۔

(بحار الانوار صفحہ ۱۷۴ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”ان ائمہ کے علم کے مقابلہ میں انبیاء کے علم کو، ان کے سر (بھید) کے مقابلے اوصیاء کے اسرار کو اور ان کے مرتبے کے مقابلے اولیاء کے مراتب کو وہی نسبت ہے جو سمندر سے قطرہ اور صحرا سے ایک ذرہ کو ہوتی ہے۔ آسمان و زمین امام کے نزدیک اس کے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہیں۔ وہ ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ، ان کے اچھے برے سے واقف اور ان کے خشک و تر کا عالم ہوتا ہے۔ اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ”ما کان وما یکون“ کا علم عطا کر دیا اور یہ منتخب اوصیاء اس محفوظ راز (بھید) کے وارث ہوتے ہیں۔ جس نے اس بات کا انکار کیا وہ شقی و ملعون ہے اللہ تعالیٰ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی اس پر لعنت ہے۔“

پانچواں عقیدہ

ائمہ ”ما کان وما یکون“ کا علم رکھتے ہیں، ان سے آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

”ان الائمۃ یعلمون علم ما کان وما یکون وانہ لا یخفی علیہم الشئی صلوات اللہ علیہم“ (صفحہ ۲۶۰ جلد ۱)

ترجمہ: یعنی ائمہ ”ما کان وما یکون“ کا علم رکھتے ہیں، اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔

بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے :

○(انہم علیہم السلام لایحجب عنہم علم السماء والارض والجنۃ والنار)○
○(وانہ عرض علیہم ملکوت السماوات والارض ویعلمون علم ماکان)○
○(وما یکون الی یوم القیامۃ .)○

(بحار الانوار ... صفحہ ۱۰۹ جلد ۲۶)

ترجمہ : "ان سے آسمان و زمین اور جنت و دوزخ کا علم پوشیدہ نہیں ہوتا۔
آسمان اور زمین کی پوری کائنات ان کے سامنے کر دی گئی ہے۔ وہ "ماکان
ومایکون" کا علم رکھتے ہیں۔ یعنی ابتداء سے اب تک جو کچھ ہو چکا اور جو قیامت
تک ہوگا وہ سب ان کو معلوم ہے۔"

اس باب کے تحت ۲۲ روایتیں درج کی ہیں، ایک روایت ملاحظہ فرمائیں :

٢٩ ـ مصباح الأنوار بإسناده إلى المفضّل قال : دخلت على الصادق عليه السلام ذات يوم فقال لي : يا مفضّل هل عرفت محمّداً و عليّاً و فاطمة و الحسن و الحسين عليهم السلام كنه معرفتهم ؛ قلت يا سيّدي وما كنه معرفتهم ؟ قال : يا مفضّل من عرفهم كنه معرفتهم كان مؤمناً في السّنام الأعلى .

قال : قلت : عرّفني ذلك يا سيّدي ، قال : يا مفضّل تعلم أنّهم علموا ما خلق الله عزّ وجلّ وذرأه وبرأه [٢] وأنّهم كلمة التّقوى وخزّان السّماوات والأرضين والجبال والرمال والبحار وعلموا كم في السّماء من نجم و ملك و وزن الجبال وكيل ماء البحار و أنهارها و عيونها و ما تسقط من ورقة إلّا علموها ولا حبّة في ظلمات الأرض ولا رطب ولا يابس إلّا في كتاب مبين وهو في علمهم وقد علموا ذلك .

فقلت : يا سيّدي قد علمت ذلك و أقررت به و آمنت . قال : نعم يا مفضّل . نعم يا مكرّم ، نعم يا محبور ، نعم يا طيّب طبت وطابت لك الجنّة ولكلّ مؤمن بها . [١]

(بحار الانوار صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۶ جلد ۲۶)

ترجمہ : "مفضل سے روایت ہے کہ ایک روز میں امام صادقؑ کی خدمت
میں حاضر ہوا، تو مجھ سے پوچھا : اے مفضل ! کیا تجھے محمد، علی، فاطمہ اور حسن و
حسین علیہم السلام کی معرفت کی گہرائی حاصل ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یا
سیدی ! ان کی معرفت کی گہرائی کیا ہے؟ فرمایا : جس شخص کو ان کی معرفت کی

گمراہی حاصل ہوگئی وہی اعلیٰ پائے کا مومن شمار ہوگا۔

میں نے عرض کیا: یا سیدی! تو مجھے یہ چیز بتا دیجئے۔ فرمایا: اے مفضل! تو پھر جان لے کہ ان کو اللہ عز و جل کی طرف سے اپنی پوری مخلوق کے بارے میں علم حاصل ہے۔ یہ حضرات کلمۃ التقویٰ ہیں اور آسمانوں اور زمین، پہاڑوں اور صحراؤں اور سمندروں کے خزانچی ہیں۔ ان کو یہ سب معلوم ہے کہ آسمان میں کتنے ستارے ہیں، کتنے فرشتے ہیں، پہاڑ کتنے وزنی ہیں، سمندروں، دریاؤں اور چشموں کے پانی کی کتنی مقدار ہے۔ جو پتہ بھی گرتا ہے ان کے علم میں ہوتا ہے۔ زمین کے اندھیروں میں کوئی ذرہ ایسا نہیں اور نہ کوئی خشک و تر ایسا ہو کتاب مبین میں درج نہ ہو۔ اور ان کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا: یا سیدی! مجھے اب یہ سب معلوم ہو گیا، میں اس کا اقرار کرتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔ فرمایا: مبارک ہو تجھے اے مفضل، مبارک ہو اے کریم! مبارک ہو اے خوش بخت! مبارک ہو اے پاکیزہ نفس! تجھے اور اس عقیدے پر ایمان لانے والے ہر شخص کو جنت مبارک ہو۔"

چھٹا عقیدہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ (اور اسی طرح دوسرے ائمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علم میں برابر کے شریک تھے۔ وہ تمام علوم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے، وہ سب حضرت علیؑ کو اور دیگر ائمہ کو بھی دیئے گئے۔ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"ان اللّٰہ عز و جل لم یعلم نبیہ علماً الا امرہ ان یعلمہ امیر المومنین علیہ السلام و انہ کان شریکہ فی العلم"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم بھی سکھایا اس کے بارے میں آپ کو حکم دیا کہ امیر المومنین علیہ السلام کو بھی سکھا دیں۔ اور امیر المومنین علم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔"

اسی میں حضرت صادقؒ سے نقل کیا ہے:

۱ ـ علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن ابن أبي عمير، عن ابن أذينة، عن عبدالله بن سليمان، عن حمران بن أعين، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: ــ ــ ــ ــ ــ لم يعلّم الله محمداً صلى الله عليه وآله علماً إلّا وأمره أن يعلّمه علياً عليه السلام

(اصول کافی صفحہ ۲۶۳، جلد ۱)

ترجمہ: "نہیں سکھایا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی علم مگر آپ کو حکم دیا کہ یہ علم علی علیہ السلام کو بھی سکھا دیں۔"

ایک دوسری روایت میں حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

۲ ـ محمد بن يحيى، عن محمد بن الحسين، عن محمد بن عبدالحميد، عن منصور بن يونس، عن ابن أذينة، عن محمد بن مسلم قال: ــ فلم يعلم والله رسول الله صلى الله عليه وآله حرفاً مما علّمه الله عزّ وجلّ إلّا وقد علّمه علياً ثمّ انتهى العلم إلينا، ... يعني

ترجمہ: "اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حرف بھی جو سکھایا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو سکھایا، پھر وہ علم ہم تک پہنچا۔"

ساتواں عقیدہ

ائمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور موت ان کے اختیار میں ہے۔

اصول کافی اور بحار الانوار کے ایک باب کا عنوان ہے:

○ { انهم يعلمون متى يموتون و أنه لا يقع ذلك إلا باختيارهم } ○

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۵ جلد ۲۷)

ترجمہ: "اماموں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کب مریں گے؟ اور ان کی موت ان کے اختیار کے بغیر نہیں ہوتی۔"

اس باب کی پہلی روایت:

۱ ـ الحسين بن محمد، عن أحمد بن محمد، عن إبراهيم، عن أبي محمود، عن بعض أصحابنا قال:

قلت للرضا عليه السلام : الإمام يعلم إذا مات ؟ قال : نعم يعلم بالتعليم حتى يتقدم في الأمر
قلت : علم أبو الحسن عليه السلام بالرطب والريحان المسمومين اللذين بعث إليه يحيى بن
خالد ؟ قال : نعم ، قلت : فأكله وهو يعلم ؟ فقال : أنساه لينفذ فيه الحكم [۱] .
(بحار الانوار صفحہ ۲۸۵، جلد ۲۷)

ترجمہ: "امام رضا سے عرض کیا گیا کہ امام کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا
ہے؟ فرمایا ہاں! اللہ کے بتانے سے جانتا ہے، تاکہ اس کی پیشگی تیاری
کرے۔ میں نے کہا کیا امام ابو الحسن ان رطب و ریحان کو جانتے تھے جن
میں زہر ملا کر یحییٰ بن خالد نے ان کے پاس بھیجا تھا۔ فرمایا ہاں! جانتے تھے۔
پھر انہوں نے جان بوجھ کر زہر کھایا (تو یہ تو خودکشی ہوئی)؟ فرمایا اللہ نے ان
پر بھول طاری کر دی تھی کہ ان کے بارے میں اپنا حکم جاری فرمائے۔"

تیسری بحث کے پہلے عقیدے کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ امامیہ کے نزدیک
امام، سہو و نسیان سے پاک اور معصوم ہوتا ہے۔ لیکن یہاں امام کی طرف نسیان کو
منسوب کر دیا گیا تاکہ امام پر خودکشی کا الزام نہ لگے۔ بہرحال "دروغ گو را حافظہ
نباشد" کا عذر موجود ہے۔

آٹھواں عقیدہ

اماموں کو ہر شخص کے ایمان و نفاق کی حقیقت معلوم ہے۔ ان کے پاس جنتیوں
اور دوزخیوں کے نام ایک رجسٹر میں لکھے رہتے ہیں۔

بحار الانوار کے ایک باب کا عنوان ہے:

○ (أنهم عليهم السلام يعرفون الناس بحقيقة الإيمان و بحقيقة النفاق) ○
○ (وعندهم كتاب فيه أسماء أهل الجنة و أسماء شيعتهم وأعدائهم) ○
○ (و أنه لا يزيلهم خبر مخبر عما يعلمون من أحوالهم) ○
(بحار الانوار صفحہ ۱۱۶ جلد ۲۶)

ترجمہ: "ائمہ، لوگوں کو حقیقت ایمان اور حقیقت نفاق کے ساتھ پہچانتے
ہیں اور ان کے پاس ایک کتاب ہوتی ہے جس میں سارے جنتیوں کے نام،

ان کے شیعوں کے نام اور ان کے دشمنوں کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ کسی خبر دینے والے کی خبر ان کو اس طرح سے نہیں ملتی جو لوگوں کے حالات کے بارے میں وہ رکھتے ہیں۔"

اس باب کی چالیس روایتوں میں سے ایک روایت، جو اصول کافی میں بھی موجود ہے، ملاحظہ فرمایئے:

۱ ـ علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن عبدالعزيز بن المهتدي، عن عبدالله بن جندب أنه كتب إليه الرضا عليه السلام:

وإنّ شيعتنا لمكتوبون بأسمائهم وأسماء آبائهم، أخذ الله علينا وعليهم الميثاق، يردون موردنا ويدخلون مدخلنا، ليس على ملّة الإسلام غيرنا وغيرهم.

(بحار الانوار صفحہ [illegible]، جلد ۲۶) (اصول کافی صفحہ ۲۲۳، جلد ۱)

ترجمہ: "عبداللہ بن جندب سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے ان کے نام اپنے مکتوب میں تحریر کیا کہ ہمارے شیعہ کے نام مع ولدیت لکھے ہوئے ہیں۔ اللہ نے ہم سے اور ان سے پکا عہد کیا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ رہیں گے اور ہمارے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ ہمارے اور ان کے سوا کوئی ملت اسلام پر نہیں۔"

نواں عقیدہ:

امام دلوں کے بھید تک جانتے ہیں، ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔

بحار الانوار کے ایک باب کا عنوان ہے:

○ (انه لا يحجب عنهم شيء من أحوال شيعتهم وما تحتاج إليه الأمة من جميع ○
○ العلوم، وأنهم يعلمون ما يصيبهم من البلايا ويصبرون عليها، ولو ○
○ دعوا الله في دفعها لأجيبوا، وأنهم يعلمون ما في الضمائر وعلم ○
○ المنايا والبلايا وفصل الخطاب والمواليد) ○

(بحار الانوار صفحہ [illegible]، جلد ۲۶)

ترجمہ: "ان سے شیعوں کے حالات میں سے اور جن علوم کی امت کو ضرورت ہے، ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ جو مصائب ان کو پہنچتے ہیں، وہ

ان کو جانتے ہیں ان پر صبر کرتے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کے ٹالنے کی دعا کرتے تو ان کی دعا قبول ہوتی۔ وہ لوگوں کے دلوں کے بھید جانتے ہیں، موتوں اور مصیبتوں کا علم رکھتے ہیں۔ ان کو فصل خطاب کا علم ہے اور وہ پیدائشوں کو جانتے ہیں۔"

اس باب کی باون روایتوں میں سے ایک روایت:

۷۶ - یر: عبد الله بن عامر عن ابن أبي نجران قال: كتب أبو الحسن الرضا عليه السلام رسالة وأقرأنيها قال: قال علي بن الحسين عليه السلام: إن محمداً صلى الله عليه وآله كان أمين الله في أرضه، فلما قبض محمد صلى الله عليه وآله كنا أهل البيت ورثته فنحن أمناء الله في أرضه، عندنا علم البلايا والمنايا وأنساب العرب ومولد الإسلام، وإنا لنعرف الرجل إذا رأيناه بحقيقة الإيمان وحقيقة النفاق، وإن شيعتنا لمكتوبون بأسمائهم وأسماء آبائهم أخذ الله علينا وعليهم الميثاق يردون موردنا ويدخلون مدخلنا.

(بحار الانوار صفحہ ۱۳۲ جلد ۲۶)

ترجمہ: "ابن ابی نجران سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے ایک خط لکھا اور مجھے پڑھوایا۔ اس میں لکھا تھا کہ: علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زمین میں اللہ کے امین تھے۔ پھر جب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اٹھا لئے گئے تو ہم اہل بیت آپ کے وارث ہوئے۔ چنانچہ زمین میں ہم اللہ کے امین ہیں، ہمیں مصائب و اموات کا بھی علم حاصل ہے اور انساب عرب و مولد اسلام کا بھی، ہم کسی شخص کو دیکھتے ہیں تو اس کے ایمان و نفاق کی حقیقت ہم پر عیاں ہو جاتی ہے۔ ہمارے شیعہ کے نام مع ولدیت لکھے ہوئے ہیں، اللہ نے ہم سے اور ہمارے شیعہ سے پکا وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ہمارے ہی ٹھکانے میں ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔"

دسواں عقیدہ

امام، تمام زبانیں اور دنیا بھر کی تمام بولیاں جانتے ہیں۔

بحار الانوار ایک باب کا عنوان ہے:

"انهم يعلمون جميع الألسن واللغات ويتكلمون بها"

ترجمہ: "امام دنیا کی ساری زبانیں اور ساری بولیاں جانتے ہیں اور تمام زبانوں میں گفتگو فرماتے ہیں۔"

اس سلسلہ کی ایک روایت:

۲ ـ حفص عن ابن يزيد عن ابن أبي عمير عن بعض رجاله عن أبي عبدالله عليه السلام قال: قال الحسن بن علي عليهما السلام: إنّ لله مدينتين: إحداهما بالمشرق، و الأخرى بالمغرب، عليهما سور من حديد، و على كلّ مدينة ألف ألف باب مصراعين من ذهب و فيها سبعون ألف ألف لغة يتكلم كلّ لغة بخلاف لغة صاحبتها وأنا أعرف جميع اللغات و ما فيهما و ما بينهما و ما عليهما حجة غيري و غير أخي الحسين.[1]

(بحار الانوار، صفحہ ۱۹۲، جلد ۲۲)

ترجمہ: "امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ امام حسنؑ نے فرمایا: اللہ کے دو شہر ہیں۔ ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں۔ ان کے گرد لوہے کی فصیل ہے۔ ہر شہر کے دس لاکھ دروازے ہیں، جن کے کواڑ سونے کے ہیں۔ ہر شہر میں سات کروڑ زبانیں بولی جاتی ہیں جو ایک دوسری سے بالکل مختلف ہیں۔ مجھے ان تمام زبانوں پر بھی عبور حاصل ہے اور ان شہروں کے اندر دونوں کے درمیان جو کچھ ہوتا ہے، میں اس کو بھی جانتا ہوں۔ ان دونوں شہروں پر صرف مجھے اور میرے بھائی حسینؑ کو ہی "حجت" بنایا گیا ہے۔"

شیخ مفید کی ایک عبارت نقل کر کے علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

أقول: أمّا كونهم عالمين باللغات فالأخبار فيه قريبة من حدّ التواتر و باجتماع الأخبار الخاصّة لا يبقى فيه مجال شكّ. و أمّا علمهم بالصّناعات فعمومات الأخبار المستفيضة دالّة عليه، حيث ورد فيها أنّ الحجة لا يكون جاهلاً في شيء يقول: لا أدري. مع ما ورد أنّ عندهم علم ما كان و ما يكون و أنّ علوم جميع الأنبياء وصلت إليهم، مع أنّ أكثر الصّناعات منسوبة إلى الأنبياء عليهم السلام. و قد فسّر تعليم الأسماء لآدم عليه السلام بما يشمل جميع الصناعات.

و بالجملة لا يبقى للمتتبع الشكّ في ذلك أيضاً.

(بحار الانوار، صفحہ ۱۴۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: "میں کہتا ہوں کہ یہ عقیدہ کہ ائمہ کو تمام زبانوں پر عبور حاصل تھا اس بارے میں روایات حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور اگر عامہ کی (بحث کی) سنت کی روایات کو بھی ان کے ساتھ ملالیں تو اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ روایت کہ ان کو مناجات کا بھی علم ہوتا ہے تو روایات مشہورہ و مستفیضہ کا عموم اس کی دلیل ہے۔ جیسا کہ یہ روایت کہ "حجت کسی چیز سے ناواقف نہیں ہوتا کہ یوں کہے "مجھے معلوم نہیں" اسی طرح اس مضمون کی روایات کہ ان کو ما کان وما یکون کا علم حاصل تھا اور یہ کہ تمام انبیاء کے علوم بھی ان کے پاس تھے۔ چونکہ اکثر مناجات انبیاء علیہم السلام ہی کی طرف منسوب ہیں، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کی جو تعلیم دی گئی اس کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے جو تمام مضمونوں کو شامل ہے۔ الغرض غور و فکر کرنے والے کو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

گیارہواں عقیدہ

امام، پرندوں اور چرندوں کی بولیاں بھی جانتے ہیں۔

ایک باب کا عنوان ہے:

○ (ما يحبهم عليهم السلام من الدواب والطيور) ○

○ (و ما كتب على جناح الهدهد من فضلهم) ○

○ (و انهم يعلمون منطق الطيور والبهائم) ○

(بحار الانوار صفحہ ۲۶۱ جلد ۷)

ترجمہ: "چوپائے اور پرندے ان سے محبت رکھتے ہیں، ہدہد کے پروں پر ان کی فضیلت لکھی ہے اور وہ پرندوں اور بہائم کی بولیاں جانتے ہیں۔"

بارہواں عقیدہ

پہلے امام کی زندگی کے آخری لمحے میں اس کے بعد والے امام کو تمام علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

۞ (وقت ما يعلم الإمام جميع علم الإمام الذي كان قبله عليهم جميعاً السلام) ۞

(صفحہ ۲۷۴ جلد ۱)

ترجمہ: "امام کو اس کے پہلے امام کے تمام علوم کس وقت حاصل ہوتے ہیں؟"

اس باب میں امام صادقؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

۲۔ محمدٌ، عن محمد بن الحسين، عن عليّ بن أسباط، عن الحكم بن مسكين، عن عبيد بن زرارة وجماعة معه قالوا: سمعنا أبا عبدالله ﷺ يقول: يعرف الّذي بعد الإمام علم من كان قبله في آخر دقيقة تبقى من روحه.

(صفحہ ۲۷۴ جلد ۱)

ترجمہ: "جو شخص امام کے بعد امام بنتا ہے وہ اپنے سے پہلے امام کی زندگی کے آخری منٹ میں اس کے تمام علوم کو جان لیتا ہے۔"

اگرچہ ائمہ کے علوم کے بارے میں حضرات امامیہ کے دیگر عقائد بھی ہیں، مگر میں بارہ اماموں کے بابرکت عدد کی مناسبت سے فی الحال انہی بارہ عقائد کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

پانچویں بحث : ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے

حضرات امامیہ نے ائمہ کے علوم کے بہت سے ذرائع ذکر کئے ہیں۔ یہاں ان ذرائع کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے :

پہلا ذریعہ : کتاب و سنت

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب و سنت کے علوم حاصل کئے، لیکن حضرات امامیہ کے نزدیک حضرات ائمہ، قرآن و سنت کے علوم میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں جو ان کے سوا امت میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ ان کی چند امتیازی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

اول : جیسا کہ جناب محمد جواد مغنیہ نے " الشیعۃ فی المیزان " میں لکھا ہے وہ الف سے یے تک قرآن و سنت کا علم محیط رکھتے ہیں۔ ہر آیت کی تنزیل و تاویل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل اور تقریر انہیں سورۂ فاتحہ کی طرح ہر وقت یاد رہتی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی آیت کی تنزیل و تاویل میں ان کا فہم چوک جائے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت ان کے حافظہ سے نکل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ امتیاز صرف انہی حضرات کو حاصل ہے، اس لئے ائمہ کو اجتہاد و قیاس کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور نہ ان کے کسی فتویٰ میں سہو و نسیان اور بھول چوک کا امکان ہے۔

دوم : امامیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم میں برابر کے شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی تھی کہ ان کو

من جانب اللہ جو بات بھی حاصل ہوئے وہ حضرت علیؓ کو ضرور بتاتے۔ ان کے علاوہ کسی کو بتانے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لئے علوم نبویؐ میں بہت سی باتیں صرف حضرت علیؓ کو معلوم تھیں، ان کے سوا دوسرا کوئی ان کو نہیں جانتا تھا۔ اور حضرت علیؓ کا پورا علم یکے بعد دیگرے ائمہ کو منتقل ہوتا رہا۔

سوم: قرآن و سنت سے متعلق ائمہ کے علوم اسی طرح قطعی و یقینی تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم قطعی تھے۔ اس لئے صرف انہی کا علم لائق اعتبار ہے، ان کے سوا کسی کا علم لائق اعتبار نہیں۔

یہاں اصول کافی کتاب الحجۃ کے چند عنوانات ملاحظہ فرمائیے:

الف: ﴿ انه لم یجمع القرآن کله الا الائمة علیهم السلام وانهم یعلمون علمه کله ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۲۸ جلد ۱)

ترجمہ: "پورے قرآن کو ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا اور ائمہ پورے قرآن کا علم رکھتے ہیں۔"

ب: ﴿ ان اهل الذکر الذین امر الله الخلق بسؤالهم هم الائمة علیهم السلام ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۱۰ جلد ۱)

ترجمہ: "قرآن کریم میں جن اہل ذکر سے سوال کرنے کا حکم آیا ہے، ان سے مراد ائمہ ہیں۔"

ج: ﴿ ان من وصفه الله تعالی فی کتابه بالعلم هم الائمة علیهم السلام ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۰۷ جلد ۱)

ترجمہ: "قرآن کریم میں جن کو "عالم" کہا گیا ہے، وہ صرف ائمہ ہیں۔"

د: ﴿ ان الراسخین فی العلم هم الائمة علیهم السلام ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۱۳ جلد ۱)

ترجمہ: "قرآن کریم میں جن کو راسخین کہا گیا ہے، وہ صرف ائمہ ہیں۔"

مختصر یہ کہ قرآن و سنت کا نزول صرف ائمہ کے لئے ہے، اور بس۔

دوسرا ذریعہ : کتب سابقہ

اوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم کے حامل تھے۔ ان کے پاس کتب سابقہ بھی موجود رہتی تھیں اور یہ حضرات ان کی تلاوت بھی فرماتے تھے۔ پس جس طرح ائمہ، کتاب و سنت کے علوم پر احاطہ کاملہ رکھتے تھے اسی طرح کتب سابقہ اور انبیائے سابقین علیہم السلام کے علوم پر بھی ان کا علم محیط تھا۔ اور آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب کا کوئی حرف ان سے غائب نہیں تھا۔

تیسرا ذریعہ : روح القدس

اوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ کی پانچ روحوں میں سے ایک کا نام "روح القدس" ہے۔ اسی روح القدس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حامل نبوت تھے۔ اور اسی روح کی وجہ سے ائمہ پر چودہ طبق روشن رہتے ہیں۔ اور وہ عرش سے فرش تک اور زمین سے تحت الثریٰ تک سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہیں۔

چوتھا ذریعہ : روح اعظم

اس کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے کہ جبریل و میکائیل اور ملائکہ سے عظیم تر ایک مخلوق کا نام "الروح" ہے اور وہ ہمیشہ ائمہ کے ساتھ رہتی ہے۔ اسی "روح اعظم" کے ذریعہ ائمہ کے علم و فہم کے تمام عقدے حل ہوتے ہیں۔

پانچواں ذریعہ : الصحیفۃ الجامعۃ

شیعہ روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں ایک صحیفہ املا کرایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بولتے جاتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھتے جاتے۔ یہاں تک کہ "ستر گز لمبی کتاب" تیار ہوگئی۔ اس میں تمام حلال و حرام درج تھے۔ اور وہ تمام احکام بھی جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے۔ حتیٰ کہ خراش کا تاوان تک اس میں درج تھا۔ اس کو "کتاب علی" بھی کہا جاتا ہے، "مصحف علی" بھی، "الصحیفہ" بھی اور "الجامعہ" بھی۔

چنانچہ اصول کافی "باب فیہ ذکر الصحیفۃ والجفر والجامعۃ ومصحف فاطمۃ علیہا السلام" میں حضرت صادقؑ کے خاص محرم راز جناب ابو بصیر کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ یہاں کوئی اور تو نہیں جو میری بات سنتا ہو؟ امام نے وہ پردہ اٹھایا جو ان کے اور دوسرے گھر کے درمیان تھا اور اندر دیکھ کر فرمایا کہ اب کوئی نہیں جو جی چاہے پوچھ سکتے ہو۔ میں نے کہا آپ کے شیعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو علم کا ایک باب سکھایا تھا جس سے ہزار باب کھلتے ہیں۔ فرمایا ٹھیک نہیں! بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ہزار باب سکھائے تھے کہ ہر باب سے ہزار باب کھلتے تھے۔ میں نے کہا واللہ! علم تو یہ ہے۔ امام تھوڑی دیر زمین کریدتے رہے، پھر فرمایا کہ یہ علم تو ہے لیکن کچھ ایسا علم نہیں۔"

پھر فرمایا:

قال: ثم قال: یا أبا محمد، وإنّ عندنا الجامعة وما یدریهم ما الجامعة؟ قال: قلت: جعلت فداك وما الجامعة؟ قال: صحیفة طولها سبعون ذراعاً بذراع رسول الله ﷺ وإملائه [۲] من فلق فیه وخطّ علیّ بیمینه، فیها كلّ حلال وحرام وكلّ شیء یحتاج الناس إلیه حتى الأرش فی الخدش

(اصول کافی صفحہ ۲۳۹ جلد ۱)

ترجمہ: "اور ہمارے پاس جامعہ ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا چیز ہے؟ پوچھنے پر فرمایا کہ یہ ایک صحیفہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی پیمائش سے ستر ہاتھ کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبان سے املا کراتے تھے اور حضرت علیؓ لکھتے جاتے تھے۔ اس میں حلال و حرام کی تمام چیزیں ہیں اور وہ تمام چیزیں جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے۔ حتیٰ کہ خراش کا تاوان بھی اس میں لکھا ہے۔"

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ واللہ علم تو یہ ہے۔ فرمایا یہ علم تو ہے مگر کچھ ایسا علم نہیں۔

چھٹا ذریعہ : علم جفر

مندرجہ بالا روایت میں آگے ہے کہ امام تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا:

ثم قال : وإن عندنا الجفر وما يدريهم ما الجفر؟ قال قلت :
وما الجفر ؟ قال : وعاء من أدم فيه علم النبيين والوصيين ، وعلم العلماء الذين مضوا
من بني إسرائيل

(اصول کافی صفحہ ۲۳۹ جلد ۱)

> ترجمہ: "اور ہمارے پاس جفر بھی ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جفر کیا چیز ہے؟ یہ چمڑے کا ایک برتن یا تھیلا ہے جس میں پہلے کے انبیاء اور اوصیاء کا علم ہے۔ اور بنو اسرائیل کے ان علماء کا علم ہے جو گزر چکے ہیں۔"

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ واللہ علم تو یہ ہے۔ فرمایا یہ علم تو ہے مگر کچھ ایسا علم نہیں۔

ساتواں ذریعہ : مصحف فاطمہ

اسی روایت میں آگے ہے کہ امام نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا:

قال : وإن عندنا لمصحف فاطمة عليها السلام وما يدريهم ما مصحف
فاطمة عليها السلام ؟ قال: قلت : وما مصحف فاطمة عليها السلام ؟ قال : مصحف فيه مثل قرآنكم
هذا ثلاث مرات ، والله ما فيه من قرآنكم حرف واحد .

(اصول کافی صفحہ ۲۳۹ جلد ۱)

> ترجمہ: "اور ہمارے پاس "مصحف فاطمہ" ہے اور لوگوں کو کیا خبر کہ "مصحف فاطمہ" کیا چیز ہے؟ میں نے پوچھا "مصحف فاطمہ" کیا چیز ہے؟ فرمایا، تمہارے اس قرآن سے تین گنا بڑا ہے۔ بخدا! اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں۔"

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ واللہ! علم تو یہ ہے۔ فرمایا یہ علم تو ہے، مگر کچھ ایسا علم نہیں۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ ہمارے پاس "ما کان وما یکون" کا علم ہے۔ میں نے کہا واللہ! علم تو یہ ہے، فرمایا یہ علم تو ہے مگر

کچھ ایسا علم نہیں، میں نے کہا پھر علم کیا ہے؟ فرمایا: قیامت تک جتنے امور اور جتنی چیزیں یکے بعد دیگرے وقوع میں آتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا علم۔

مصحف فاطمہ کیا چیز ہے

مندرجہ بالا روایت میں مصحف فاطمہؑ کا ذکر آیا ہے۔ اس کے بارے میں امام جعفر صادق ہی کا تفصیلی بیان "اصول کافی" کے اسی باب کی دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرما لیجئے! جناب ابوبصیر ہی کی روایت کے مطابق امام جعفر صادق نے اس سوال کے جواب میں کہ مصحف فاطمہ کیا ہے؟ (یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے) فرمایا کہ:

> ترجمہ: "اللہ نے جب اپنے نبی علیہ السلام کو اس دنیا سے اٹھا لیا اور آپ کی وفات ہو گئی تو فاطمہؓ کو ایسا رنج و غم ہوا، جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو اللہ نے ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا جو ان کے غم میں ان کو تسلی دے اور ان سے باتیں کیا کرے۔ فاطمہؓ نے امیر المومنینؑ کو یہ بات بتلائی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تم کو اس فرشتہ کی آمد کا احساس ہو اور اس کی آواز سنو تو مجھ کو بتا دو تو (اس کی آمد پر) میں نے ان کو بتا دیا تو امیر المومنین نے ایسا کیا کہ جو کچھ فرشتے سے سنتے اس کو لکھتے جاتے یہاں تک کہ انہوں نے اس سے ایک مصحف تیار کر لیا۔ (یہی مصحف فاطمہ ہے)۔"

(اصول کافی صفحہ ۲۴۰، جلد ۱)

آٹھواں ذریعہ: نور کا ستون

شیعی روایات کے مطابق امام کو نور کا ایک ستون عطا کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ امام اپنی جگہ بیٹھا پوری دنیا میں بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:

○ (ان اللہ تعالی یرفع للامام عمودا ینظر به الی اعمال العباد) ○

(بحار الانوار صفحہ ۱۳۲ جلد ۲۶)

> ترجمہ: "اللہ تعالی امام کے لئے ایک ستون بلند کرتے ہیں جس کے ذریعہ وہ بندوں کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔"

اس باب کی سولہ روایتوں میں سے امام باقرؑ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ماں کے پیٹ میں سب کچھ سنتا ہے۔ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کندھے پر آیت " وتمت کلمۃ ربک " لکھی ہوتی ہے۔

ثمّ یبعث أیضاً له عموداً من نور من تحت بطنان العرش إلى الأرض یری فیه أعمال الخلائق کلّها ثمّ یتشعّب له عمود آخر من عند الله إلى أذن الإمام کلّما احتاج إلى مزید أفرغ فیه إفراغاً ۔ [61] (بصائر الدرجات صفحہ ۱۲۳ جلد ۳۹)

ترجمہ: "پھر اس کے لئے نور کا ایک ستون عرش کے نیچے سے زمین تک بلند کیا جاتا ہے۔ جس میں وہ ساری مخلوق کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ پھر اس کے لئے ایک اور ستون نکلتا ہے جس کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے پاس اور دوسرا سرا امام کے کان کے پاس ہوتا ہے۔ امام کو جب کسی مزید چیز کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس ستون کے ذریعہ سے جناب الٰہ امام کے کان میں ڈال دی جاتی ہے۔"

فائدہ: یہ آٹھواں ذریعہ امام باقرؑ کی تصریح کے مطابق درحقیقت دو ذریعوں پر مشتمل ہے۔ ایک نور کا ستون، جس کے اندر سے امام کو تمام بندوں کے بلکہ تمام مخلوق کے اعمال اور ان کی تمام حرکات و سکنات نظر آتی ہیں۔ یہ تو گویا امام کے لئے نور کا خدائی ٹیلیویژن ہے۔ جس کی اسکرین پر امام کو پوری کائنات نظر آتی ہے۔ اور دوسرا ذریعہ وہ نورانی عمود ہے جس کا ایک سرا خدا کے پاس اور دوسرا امام کے کان کے پاس ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ نور کی ٹیلیفون لائن ہے جس کے ذریعہ ہمہ دم امام کا اللہ تعالیٰ سے مواصلاتی رابطہ رہتا ہے۔

نواں ذریعہ: فرشتوں سے بالمشافہ ملاقات

کبھی کبھی فرشتے ائمہ سے بالمشافہ ملاقات کرتے ہیں اور ان کے پاس خبریں لاتے ہیں۔ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

٥(أن الأئمة تدخل الملائكة بيوتهم و تطأ بسطهم و تأتيهم)٥
٥(بالأخبار عليهم السلام)٥

(اصول کافی صفحہ ۳۹۳ جلد ۱)

ترجمہ: "فرشتے ان کے گھروں میں آتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور ان کے پاس خبریں لاتے ہیں۔"

اس باب کی ایک روایت:

٤ـ محمّد، عن محمّد بن الحسن، عن محمّد بن أسلم، عن عليّ بن أبي حمزة، عن أبي الحسن عليه السلام قال: سمعته يقول: ما من ملك يهبطه الله في أمر مّا يهبطه إلاّ بدأ بالإمام، فعرض ذلك عليه، وإنّ مختلف الملائكة من عند الله تبارك و تعالى إلى صاحب هذا الأمر.

(صفحہ ۳۹۴، جلد ۱، روایت نمبر ۴)

ترجمہ: "امام ابوالحسنؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس فرشتے کو بھی کسی کام کے لئے بھیجتے ہیں وہ سیدھا سب سے پہلے امام کے پاس آتا ہے اور اس کام کو امام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور فرشتوں کی آمدورفت اللہ تعالیٰ کے پاس سے "صاحب امر" کی طرف ہوتی ہے۔"

بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:

☆(ان الملائكة تأتيهم وتطأ فرشهم وانهم يرونهم)☆
☆(صلوات الله عليهم اجمعين)☆

(بحار الانوار صفحہ ۳۵۱ جلد ۲۶)

ترجمہ: "فرشتے ائمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور وہ ان کو دیکھتے بھی ہیں۔"

اس مدعا کے ثبوت میں ۴۶ روایتیں پیش کی ہیں۔

دسواں ذریعہ: فرشتوں کی طرف سے الہام و القاء

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے، "جہات علوم الائمہ" یعنی "ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا تھا" اس میں امام صادق کا ارشاد نقل کیا ہے:

٣ـ عليّ بن إبراهيم، عن أبيه، عمّن حدّثه، عن المفضّل بن عمر قال: قلت لأبي الحسن عليه السلام: روينا عن أبي عبدالله عليه السلام أنّه قال: إنّ علمنا غابر ومزبور ونكت في القلوب ونقر في الأسماع، فقال: أمّا الغابر فما تقدّم من علمنا، وأمّا المزبور فما يأتينا، وأمّا النكت في القلوب فإلهام، وأمّا النقر في الأسماع فأمر الملك.

(اصول کافی صفحہ ۲۶۴ جلد ۱)

ترجمہ: "ہمارا علم کچھ تو وہ ہے جو گزر چکا، کچھ وہ ہے جو لکھا ہوا ہے، کچھ وہ ہے جو دلوں میں ڈالا جاتا ہے اور کانوں میں القاء کیا جاتا ہے۔ "جو گزر چکا" سے مراد وہ علم ہے جو پہلے حاصل ہو چکا۔ "جو لکھا ہوا ہے" سے مراد وہ علم ہے جو ہمارے پاس شب و روز آتا ہے۔ "جو دلوں میں ڈالا جاتا ہے" اس سے مراد الہام ہے۔ اور "جو کانوں میں القاء کیا جاتا ہے، وہ فرشتے کا کلام کرنا ہے۔"

بحار الانوار "کتاب الامامۃ" میں ایک باب کا عنوان ہے:

○(جہات علومہم علیہم السلام و ما عندھم من الکتب و انه)○

○(ینقر فی آذانہم و ینکت فی قلوبہم)○

(بحار الانوار ..... صفحہ ۱۸ جلد ۲۶)

ترجمہ: "ائمہ کو کن کن ذرائع سے علوم حاصل ہوتے ہیں؟ اور ان کے پاس کون کون سی کتابیں ہوتی ہیں۔ اور یہ کہ ان کے کانوں میں آوازیں آتی ہیں اور ان کے دلوں میں علوم القاء کئے جاتے ہیں۔"

اس باب میں حسب عادت ۱۴۹ روایات ذکر کی گئی ہیں۔ جن میں ان مضامین کو بصرار و تکرار دہرایا گیا ہے۔ نیز بحار الانوار "کتاب تاریخ امیر المومنین" میں ایک باب کا عنوان ہے:

"ان اللہ ناجاہ صلوات اللہ علیہ، وانّ الروح یلقی الیہ و جبریل املاہ"

(صفحہ ۱۵۱، جلد ۳۹)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے آپ سے مناجات کی، روح القدس آپ کو القاء کیا کرتا تھا اور جبریل نے آپ کو املا کرایا۔"

پھر اس مدعا کو ۱۹ روایات سے ثابت کیا ہے۔

گیارہواں ذریعہ: ہفتہ وار معراج

شیعی روایات کے مطابق ہر شب جمعہ میں ارواح ائمہ کو معراج ہوتی ہے، وہ عرش تک پہنچائے جاتے ہیں اور وہاں ان کو بے شمار علوم عطا ہوتے ہیں۔ اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے، باب فی ان الائمۃ یزدادون فی لیلۃ الجمعۃ یعنی "ہر شب جمعہ کو ائمہ کے علوم میں اضافہ ہوتا ہے" اور اس کے ذیل میں امام صادق سے نقل کیا ہے:

١ ـ حدّثني أحمد بن إدريس القمّي ومحمّد بن يحيى، عن الحسن بن عليّ الكوفي، عن موسى بن سعدان، عن عبدالله بن أيّوب، عن أبي يحيى الصنعاني، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: قال لي: يا أبا يحيى إنّ لنا في ليالي الجمعة لشأناً من الشأن، قال: قلت جعلت فداك وماذاك الشأن؟ قال: يؤذن لأرواح الأنبياء الموتى عليهم السلام وأرواح الأوصياء الموتى وروح الوصيّ الّذي بين ظهرانيكم، يعرج بها إلى السماء حتّى توافي عرش ربّها، فتطوف به أسبوعاً وتصلّي عند كلّ قائمة من قوائم العرش ركعتين، ثمّ تردّ إلى الأبدان الّتي كانت فيها فتصبح الأنبياء والأوصياء قد ملئوا سروراً ويصبح الوصيّ الّذي بين ظهرانيكم وقد زيد في علمه مثل جمّ الغفير.

(اصول کافی ۔ صفحہ ۲۵۳، ۲۵۴ جلد ۱)

ترجمہ: "ہمارے لئے جمعہ کی راتوں میں ایک عظیم شان ہوتی ہے۔ میں نے کہا، میں آپ پر فدا ہو جاؤں، وہ کیا شان ہے؟ فرمایا وفات یافتہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح اور اسی طرح وفات شدہ وصیوں کی روحوں کو اور اس زندہ وصی کی روح کو، جو تمہارے درمیان موجود ہوتا ہے، اجازت دی جاتی ہے، ان کو آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب عرش الٰہی تک پہنچ جاتی ہیں، وہاں پہنچ کر عرش کا سات دفعہ طواف کرتی ہیں، پھر عرش الٰہی کے ہر پائے کے پاس دو رکعت نماز پڑھتی ہیں، پھر ان سب روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹا دیا جاتا ہے، جن میں وہ پہلے تھیں، پھر یہ تمام نبی اور وصی اس حالت میں صبح کرتے ہیں کہ مسرت سے لبریز ہوتے ہیں اور وہ وصی جو تمہارے درمیان ہے اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے علم میں جم غفیر کے اضافہ ہو جاتا ہے۔"

بحار الانوار میں اسی مضمون کا عنوان ہے، "باب انہم یزدادون ... وان ارواحہم تعرج الی السماء فی لیلۃ الجمعۃ" اور اس مدعا کے ثبوت میں حسب عادت ۳ روایات نقل کی ہیں۔

بارہواں ذریعہ: شب قدر میں نازل ہونے والی کتاب

شیعہ عقیدہ کے مطابق ائمہ پر ہر سال کی شب قدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوتی ہے جس کو فرشتے اور "الروح" لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ اصول

کافی "کتاب الحجہ" میں ایک باب کا عنوان ہے :

باب فی شأن انا انزلناہ فی لیلۃ القدر و تفسیرھا

اس میں امام باقرؑ سے روایت نقل کی ہے :

۷ــ وعن أبي جعفر عليه السلام قال : لقد خلق الله جلّ ذكره ليلة القدر أوّل ما خلق الدنيا ولقد خلق فيها أوّل نبيّ يكون ، وأوّل وصيّ يكون ، ولقد قضى أن يكون في كلّ سنة ليلة يهبط فيها بتفسير الأمور إلى مثلها من السنة المقبلة .

(اصول کافی...... صفحہ ۲۵۰)

ترجمہ: "امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو پیدا کیا سب سے پہلے جب دنیا پیدا کی، اور اس میں سب سے پہلا نبی اور سب سے پہلا وصی پیدا کیا۔ اور بہ تحقیق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ہر سال میں ایک ایسی رات ہو جس میں ان تمام احکام کی تفسیر نازل کی جائے جو آئندہ سال کی اس رات تک پیش آنے والے ہیں۔"

اور اصول کافی کتاب التوحید "باب البداء" میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ :

"انہوں نے قرآن کریم کی آیت شریفہ " يمحوا الله ما يشاء و يثبت، و عنده علم الكتاب " کی تفسیر میں فرمایا کہ "وہی چیز مٹائی جاتی ہے جو پہلے ثابت ہو اور وہی چیز ثبت کی جاتی ہے جو پہلے نہ ہو۔"

(اصول کافی..... صفحہ ۱۴۶، جلد ۱۔ روایت نمبر ۲)

علامہ خلیل قزوینی "صافی شرح کافی" میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں :

"برائے ہر سالی کتابے علیحدہ است مراد کتابیست کہ درواں تفسیر احکام حوادث کہ محتاج الیہ امام است تا سال دیگر، نازل شود بآں کتاب ملائکہ و روح در شب قدر بر امام زمان، اللہ تعالیٰ باطل کند بآں کتاب آنچہ را کہ بخواہد از اعتقادات امام فلاں و اثبات می کند درو آنچہ کہ می خواہد از اعتقادات۔"

(صافی شرح کافی..... صفحہ ۲۲۷، جلد ۲)

ترجمہ: "ہر سال کے لئے ایک کتاب علیحدہ ہے، اس سے مراد وہ کتاب

ہے جس میں ان حوادث کی تفسیر ہوتی ہے جن کی حاجت امام کو دوسرے سال تک ہے۔ اس کتاب کو لے کر فرشتے اور روح شب قدر میں امام زمان پر نازل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے امام خلائق کے جن اعتقادات کو چاہتا ہے باطل کر دیتا ہے اور جن اعتقادات کو چاہتا ہے اس کتاب میں قائم کرتا ہے۔"

تیرھواں ذریعہ: علم نجوم

ائمہ علم نجوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے۔ روضہ کافی میں ابو عبداللہ مدائنی سے روایت ہے کہ امام صادق نے فرمایا:

۲۶۹۔ عدّةٌ من أصحابنا، عن سهل بن زياد، عن الحسن بن عليّ بن عثمان قال: حدّثني أبو عبدالله المدائنيّ، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: إنّ الله عزّ وجلّ خلق نجماً في الفلك السابع فخلقه من ماء بارد وسائر النّجوم السّتّة الجاريات من ماء حارّ وهو نجم الأنبياء والأوصياء وهو نجم أمير المؤمنين عليه السلام يأمر بالخروج من الدّنيا والزّهد فيها ويأمر بافتراش التراب وتوسّد اللّبن ولباس الخشن وأكل الجشب[۲] وما خلق الله نجماً أقرب إلى الله تعالى منه.

(روضہ کافی ... صفحہ ۲۵۷ جلد ۸)

ترجمہ: "اللہ نے فلک ہفتم پر ایک ستارہ پیدا کیا ہے، اس ستارے کو ٹھنڈے پانی سے پیدا کیا ہے، اور اس کے سوا اور جو چھ ستارے باقی چھ آسمانوں کے ہیں، ان کو گرم پانی سے پیدا کیا ہے، اور وہی ٹھنڈے پانی کا ستارہ انبیاء اور اوصیاء کا ستارہ ہے اور وہی امیر المومنین علیہ السلام کا ستارہ ہے۔ حکم کرتا ہے دنیا سے نکل جانے اور اس کو چھوڑ دینے کا، اور حکم کرتا ہے خاک پر سونے اور اینٹوں سے تکیہ بنانے اور موٹا کپڑا پہننے اور بد مزہ طعام کھانے کا، اور نہیں پیدا کیا ہے اللہ نے کوئی ستارہ جو اس ستارہ سے زیادہ اللہ کا مقرب ہو۔"

ائمہ ستاروں کی سعادت اور نحوست کے بھی قائل تھے۔ محمد بن حمران اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ امام صادق نے فرمایا:

"من سافر أو تزوّج والقمر في العقرب لم ير الحسنى"

(روضہ کافی ...... صفحہ ۲۷۵، جلد ۸)

ترجمہ: "جس نے سفر کیا یا نکاح کیا ایسے وقت میں کہ قمر در عقرب ہو وہ بھلائی نہ دیکھے گا۔"

اسی سے یہ بھی منقول ہے کہ علم نجوم کا ماہر ایک خاندان تو ہندوستان میں ہے اور ایک عرب میں۔ چنانچہ روضہ کافی میں معلیٰ بن خنیس سے مروی ہے:

۵۰۷ ـ محمد بن یحیی، عن سلمة بن الخطاب، وعدّة من أصحابنا، عن سهل بن زياد[1] جميعاً، عن علي بن حسّان، عن علي بن عطيّة الزيّات، عن معلّى بن خنيس قال: سألت أبا عبدالله عليه السلام عن النجوم أحقّ هي؟ فقال: نعم إنّ الله عزّ وجلّ بعث المشتري إلى الأرض في صورة رجل فأخذ رجلاً من العجم فعلّمه النجوم حتّى ظنّ أنّه قد بلغ ثمّ قال له: انظر أين المشتري؟ فقال: ما أراه في الفلك وما أدري أين هو، قال: فنحّاه وأخذ بيد رجل من الهند فعلّمه حتّى ظنّ أنّه قد بلغ وقال: انظر إلى المشتري أين هو؟ فقال: إنّ حسابي ليدلّ على أنّك أنت المشتري، قال: وشهق شهقة فمات وورث علمه أهله فالعلم هناك

(روضہ کافی ۔ صفحہ ۳۳۰ جلد ۸)

ترجمہ: "میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ نجوم حق ہے؟ انہوں نے کہا ہاں حق ہے۔ اللہ نے مشتری ستارے کو آدمی کی صورت بنا کر زمین پر بھیجا تھا۔ اس نے عجم کے ایک شخص کو شاگرد بنایا اور اس کو نجوم سکھائے، جب مشتری کو یہ گمان ہوا کہ یہ شخص نجوم سیکھ کر کامل ہو گیا تو اس سے پوچھا کہ بتا مشتری کہاں ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں اس کو آسمان پر نہیں دیکھتا اور کہا یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟ امام نے فرمایا کہ یہ سن کر مشتری نے اس کو جدا کر دیا اور ہند کے ایک شخص کا ہاتھ پکڑا اور اس کو نجوم سکھایا، جب مشتری نے جان لیا کہ وہ اس فن میں کامل ہو گیا تو اس سے پوچھا کہ مشتری کو دیکھ کہ اس وقت کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میرا حساب بتاتا ہے کہ تو مشتری ہے۔ یہ سن کر مشتری نے ایک نعرہ مارا اور مر گیا۔ اس کے بعد اس ہندی نے جس نے علم سیکھ لیا تھا اپنے خاندان کو اس علم کا وارث بنا دیا۔ پس یہ علم اسی ملک میں ہے۔"

اس کے بعد اسی کتاب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک دوسری روایت ہے کہ:

عن أبي عبداللہ علیہ السلام قال: سئل عن النجوم قال: ما يعلمها إلا أهل بيت من العرب وأهل بيت من الهند۔ (روضہ کافی صفحہ ۱۳۳ جلد ۸)

ترجمہ: "امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ان سے کسی نے نجوم کی حقیقت پوچھی تو انھوں نے فرمایا کہ نجوم کو کوئی نہیں جانتا مگر ایک خاندان عرب کا اور ایک خاندان ہند کا۔"

مولانا احتشام الدین مراد آبادی نصیحۃ الشیعۃ میں لکھتے ہیں:

"امام نے جو یہ فرمایا کہ نجوم کا جاننے والا ایک خاندان عرب میں ہے اور ایک خاندان ہند میں، تو عرب کے خاندان سے تو انھوں نے اپنا خاندان مراد لیا اور ہند میں پنڈتوں کا خاندان جوتش میں مشہور ہے۔ مشتری اسد ایک ہندی کو سکھایا گیا تھا، شاید عرب میں کسی طرح ہند سے یہ فن آیا ہوگا۔ "قمر در عقرب" کی نحوست کی بھی امام نے تصریح فرما دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ کا خواص نجوم پر بھی عمل تھا۔ نعوذ باللہ منہا۔"

علامہ مجلسی نے بحار الانوار "کتاب تاریخ امیر المومنین" کے باب ۹۳ میں بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ:

"امیر المومنین علیہ السلام تمام علوم مثلاً قرأت، تفسیر، فقہ، فرائض، روایت، کلام، نحو، خطابت، شعر، وعظ، فلسفہ، ہندسہ، علم نجوم، حساب، کیمیا، اور طب میں ساری دنیا کے امام تھے۔" (دیکھئے صفحہ ۱۲۷ تا ۱۵۹، جلد ۴۰)

وہ علم نجوم کی بدولت سعد و نحس اوقات کو بھی جانتے تھے اور دنوں کی نحوست کے بھی قائل تھے۔ چنانچہ ہر مہینے کے آخری بدھ کو بطور خاص منحوس جانتے تھے۔ علامہ مجلسی حیات القلوب جلد اول کے باب دوم کی فصل پنجم میں لکھتے ہیں:

"بہ سند معتبر امام رضاؑ سے منقول ہے کہ ایک مرد شامی نے حضرت امیر المومنینؑ سے قول خدا "یوم یفر المرء من اخیہ" (آیت ۳۴ سورہ عبس پ ۳۰) کہ "جس روز مرد اپنے بھائی سے بھاگے گا۔" کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ فرمایا کہ قابیل ہے جو اپنے بھائی ہابیل

سے بھاگے گا۔ پھر روز چہار شنبہ کی نحوست کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا کہ وہ آخر ماہ کا چہار شنبہ ہے جو تحت شعاع میں واقع ہوتا ہے، اسی روز قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔" (اردو ترجمہ حیات القلوب ص ۱۳۱ ج ۱)

علامہ مجلسی نے بحار الانوار کتاب السماء و العالم، "ابواب الازمنہ وانواعہا وسعاداتہا ونحوستہا" میں بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ ائمہ کے نزدیک سال کے کس مہینے کا کون سا دن اور کون سی گھڑی سعد اور نحس ہوتی ہے؟ اسی میں ہر مہینے کے آخری بدھ کی نحوست حضرت امیر المومنین ؓ سے بہت مفصل نقل کی ہے۔ (صفحہ ۳۱، جلد ۵۹) یہ بھی لکھا ہے کہ ذوالحجہ کی ۲۶ تاریخ بڑی مبارک ہے۔ اس میں روزہ رکھنے کا بڑا ثواب ہے کیونکہ اس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مجوسی کے دست جفا سے شہید ہوئے تھے:

ومن ذلك أن ابن إدريس ـ ره ـ في سرائره بعد ذكر فضيلة أيام ذي الحجة وما وقع فيها قال: وفي اليوم السادس والعشرين منه سنة ثلاث وعشرين من الهجرة طعن عمر بن الخطاب. فينبغي للإنسان أن يصوم هذه الأيام، فإن فيها فضلاً كثيراً وثواباً جزيلاً

(بحار الانوار ..... صفحہ ۹۷ جلد ۵۵)

> ترجمہ: "اور من جملہ اس کے یہ کہ ابن ادریس نے اپنی کتاب "سرائر" میں ذوالحجہ کے ایام کی فضیلت اور اس ماہ کے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے، پس آدمی کو چاہئے کہ ان دنوں کا روزہ رکھے، کیونکہ ان میں بڑی فضیلت اور بڑا ثواب ہے۔"

زہے سعادت! کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شہادت کے لئے ایسا بابرکت دن نصیب ہوا۔

عجائبات میں سے ہے کہ ائمہ، مجوسیوں کے مہینوں اور دنوں کی سعادت و نحوست بھی بیان فرماتے تھے۔ اور معلی بن خنیس کی روایت کے مطابق امام صادق نے

مجوسیوں کے "نوروز" کے بڑے فضائل بیان فرمائے۔

(بحار الانوار صفحہ ۹۲، جلد ۵۹)

ائمہ کے ان حیرت انگیز علمی کمالات اور ان کے وسیع علم کے ذرائع پر غور کیجئے، جن کا خلاصہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور پھر انصاف کیجئے کہ آپ کے آیت اللہ محمد جواد مغنیہ کا یہ کہنا کہ ائمہ کا علم قرآن و سنت تک محدود تھا اور یہ کہ ان کے علوم وہبی نہیں بلکہ کسبی تھے، کیا یہ ائمہ کے حق میں تقصیر بلکہ گستاخی نہیں؟ جناب مغنیہ صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ بارہویں امام تو چار پانچ سال کی عمر میں "لوازمات امامت" کے ساتھ روپوش ہو گئے تھے۔ انہوں نے کتاب و سنت کے علم کا اکتساب کس سے کیا تھا؟

چھٹی بحث: امامت، نیابت نبوت ہے یا نبوت سے بالاتر؟

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"ہماری کتب عقائد میں "امام" کی جو تعریف ہے وہ "نائب نبی" کی حیثیت سے ہے۔ ظاہر ہے کہ نائب منوب عنہ سے فروتر ہوتا ہے۔ فما لا یخفی علی اھل العلم۔"

اس کے بعد جناب نے علامہ نراقی کی "نعایۃ الموحدین"، روز بہان کی "کشف المطلب"، شیخ علی بحرانی کی "منار الہدی" اور شیخ علی کے رسالہ "عقائد" سے امامت کی تعریف نقل کر کے تحریر فرمایا ہے:

"موضوع عقائد پر شیعی کی کتابیں قدیم و جدید موجود ہیں۔ ان میں "امام" کو نائب رسول ہی مانا گیا ہے۔"

آنجناب کا یہ ارشاد سر آنکھوں پر کہ آپ کے عقائد کی کتابوں میں "امام" کو "نائب نبی" کہا گیا ہے اور یہ بھی صحیح کہ عقل سلیم کا فتوی یہ ہے کہ "نائب منوب عنہ سے فروتر ہوتا ہے۔" لیکن اس کا کیا علاج کہ اہل عقل سلیم کے علی الرغم انبیاء کرام علیہم السلام پر ائمہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور وہ ائمہ کی طرف منسوب کردہ جھوٹی سچی روایات کے مقابلہ میں نہ خدا اور رسول کی مانتے ہیں نہ عقل کی سنتے ہیں۔ ان کے محدث اکبر جناب باقر مجلسی نے یہ فتوی بھی صادر فرمایا کہ:

"امامت بالاتر از رتبہ پیغمبری است"

"امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔"

(حیات القلوب صفحہ ۱۰، جلد ۳)

اور بحار الانوار کتاب الامامۃ کے ایک باب کا عنوان ہے:

(تفضيلهم عليهم السلام على الأنبياء و على جميع الخلق و أخذ)
(ميثاقهم عنهم و عن الملائكة و عن سائر الخلق و أن أولي)
(العزم إنما صاروا أولي العزم بحبهم صلوات الله عليهم)

(بحار الانوار صفحہ ۲۶۷ جلد ۲۶)

یعنی: ۱۔ "آئمہ علیہم السلام تمام انبیاء سے اور تمام مخلوق سے افضل ہیں۔
۲۔ آئمہ کے بارے میں انبیاء کرام سے، ملائکہ سے اور ساری مخلوق سے عہد
لیا گیا۔ ۳۔ اولوالعزم انبیاء کرام صرف آئمہ سے محبت کی وجہ سے ہی
اولوالعزم بنے تھے۔"

اس باب میں روایات کا ڈھیر لگانے کے بعد "عقائد صدوق" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ـ عقد: يجب أن يعتقد أنّ الله عزّ وجلّ لم يخلق خلقاً أفضل من محمّد ﷺ والأئمّة عليهم السلام، وأنّهم أحبّ الخلق إلى الله عزّ وجلّ وأكرمهم وأوّلهم إقراراً به لمّا أخذ الله ميثاق النبيّين في الذرّ، وأنّ الله تعالى أعطى[3] كلّ نبيّ على قدر معرفته نبيّنا ﷺ وسبقه إلى الإقرار به، ويعتقد أنّ الله تعالى خلق جميع ما خلق[4] له ولأهل بيته عليهم السلام، وأنّه لولاهم ما خلق السماء ولا الأرض ولا الجنّة ولا النار ولا آدم ولا حوّاء ولا الملائكة ولا شيئاً ممّا خلق، صلوات الله عليهم أجمعين[5].

تأكيد وتأييد: اعلم أنّ ما ذكره رحمه الله من فضل نبيّنا وأئمّتنا صلوات الله عليهم على جميع المخلوقات وكون أئمّتنا عليهم السلام أفضل من سائر الأنبياء، هو الذي لا يرتاب فيه من تتبّع أخبارهم عليهم السلام على وجه الإذعان واليقين، والأخبار في ذلك أكثر من أن تحصى، وإنّما أوردنا في هذا الباب قليلاً منها، وهي متفرّقة في الأبواب لا سيّما باب صفات الأنبياء وأصنافهم عليهم السلام، وباب أنّهم عليهم السلام كلمة الله، وباب بدو أنوارهم، وباب أنّهم أعلم من الأنبياء، وأبواب فضائل أمير المؤمنين وفاطمة صلوات الله عليهما، وعليه عصبة الإماميّة، ولا يأبى ذلك إلّا جاهل بالأخبار.

قال الشيخ المفيد رحمه الله في كتاب المقالات: قد قطع قوم من أهل الإمامة بفضل الأئمّة من آل محمّد عليهم السلام على سائر من تقدّم من الرسل والأنبياء سوى نبيّنا محمّد ﷺ، وأوجب فريق منهم لهم الفضل على جميع الأنبياء سوى أولي العزم منهم عليهم السلام وأبى

القولين فريق منهم آخر وقطعوا بفضل الأنبياء كلهم على سائر الأئمة عليهم السلام.
وهذا باب ليس للعقول في إيجابه والمنع منه مجال، ولا على أحد الأقوال إجماع وقد جاءت آثار من النبي صلى الله عليه وآله في أمير المؤمنين عليه السلام وذريته من الأئمة عليهم السلام والأخبار عن الأئمة الصادقين عليهم السلام أيضاً من بعد، وفي القرآن مواضع تقوي العزم على ما قاله الفريق الأول في هذا المعنى، وأنا ناظر فيه وبالله أعتصم من الضلال انتهى[1].

(بحار الانوار صفحہ ۲۹۷ جلد ۲۶ روایت ۹۳)

ترجمہ: "یہ عقیدہ لازم ہے کہ اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ یہ حضرات اللہ عزوجل کے ہاں سب سے زیادہ محبوب و معزز ہیں اور عہد الست میں یہی حضرات اولین اقرار کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جو کچھ عطا کیا وہ اسی قدر عطا کیا جس قدر اس کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہوئی۔ اور جس قدر اس نے آپ کا اقرار کرنے کی طرف سبقت کی اور یہ اعتقاد بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع مخلوقات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کے سبب سے پیدا کیا۔ اور یہ کہ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو نہ آسمان و زمین کا وجود ہوتا، نہ جنت و دوزخ کا، نہ آدم و حوا کا اور نہ فرشتوں کا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کو پیدا نہ فرماتا۔"

تشریح مزید: معلوم ہوا کہ مصنف نے جو ذکر کیا ہے کہ ہمارے نبی اور ائمہ صلوات اللہ علیہم تمام مخلوقات پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ کہ ائمہ علیہم السلام، تمام انبیاء سے افضل ہیں، وہ ایسا عقیدہ ہے کہ اطمینان و یقین کے ساتھ اخبار کا تتبع کرنے والا کوئی بھی شخص اس میں شک و شبہ کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ اور اس بارے میں روایات شمار سے باہر ہیں۔ اس باب میں تو ہم نے تھوڑی سی روایات ذکر کی ہیں، باقی دیگر ابواب میں مذکور ہیں۔ خاص طور پر "باب صفات الانبیاء و اصنافهم علیهم السلام"، "باب انهم علیهم السلام کلمة الله"، "باب بدء انوارهم"، "باب انهم اعلم من الانبیاء"، "ابواب فضائل امیر المومنین و فاطمة صلوة الله علیهما" وغیرہ میں۔ اس عقیدہ پر امامیہ کے مذہب کی بنیاد ہے اور کوئی شخص اس

سے انکار نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جو روایات سے جاہل ہو۔"

شیخ مفید کتاب المقالات میں لکھتے ہیں کہ:

"(افضلیت ائمہ میں امامیہ کے تین گروہ ہو گئے) ایک گروہ قطعی طور پر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آل محمد میں سے ائمہ علیہم السلام ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا گزشتہ تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک اولوالعزم انبیاء کے علاوہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اور امامیہ میں سے ایک گروہ ان دونوں باتوں کا انکار کر کے تمام انبیاء کی تمام ائمہ پر فضیلت کا قائل ہو گیا۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس کے اقرار یا انکار میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ ان (تینوں) اقوال میں سے کسی ایک پر اجماع منعقد نہیں ہو سکا۔ البتہ امیرالمومنین اور آپ کی اولاد میں ہونے والے ائمہ علیہم السلام کی فضیلت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور بعد میں ائمہ صادقین علیہم السلام کی مرویات اور قرآن کے ارشادات اس مسئلہ میں فریق اول کے قول کی تائید و تثبیت کرتے ہیں۔ اور میں اس میں غور کر رہا ہوں۔ اللہ مجھے گمراہی سے بچائے۔ انتہٰی۔"

دور حاضر کے سب سے بڑے شیعہ رہنما آیت اللہ العظمیٰ جناب روح اللہ الخمینی اپنی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" میں الولایۃ التکوینیہ کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"وان من ضروریات مذہبنا ان لا ئمتنا مقاماً لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔" (الحکومۃ الاسلامیہ ..... صفحہ ۵۲)

ترجمہ: "یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے کہ نہ کوئی مقرب ترین فرشتہ وہاں تک پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کی وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔"

شیخ صدوق، شیخ مفید، علامہ مجلسی اور امام خمینی کی ان تصریحات کو بچشم عبرت ملاحظہ فرمایئے کہ شیعہ مذہب کے یہ اکابر واساطین آنجناب کے ذکر کردہ اصول، یعنی

"امام، نائب نبی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نائب منوب عنہ سے درجہ میں فروتر ہوتا ہے" کی کیسی مٹی پلید کر رہے ہیں؟ وہ اپنے ائمہ کو تمام انبیاء کرام سے بالاتر سمجھتے ہیں اور ائمہ کی روایات کے مقابلہ میں آپ کی عقل کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔

شیعہ مذہب کے غالیانہ عقائد اور حضرات خلفائے راشدینؓ کی کرامت

واقعہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب نے حضرات ائمہ کی مدح و ستائش کی قصیدہ خوانی حضرات خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے شروع کی تھی۔ گویا اس قصیدہ خوانی کا منشاء "حب علیؓ نہیں، بغض معاویہؓ" تھا۔ لیکن حضرات خلفائے راشدینؓ اور ائمہ اہل بیت کی کرامت دیکھئے کہ "بازی بازی، باریش بابا ہم بازی" کے مصداق شیعہ مذہب نے اس قصیدہ خوانی میں ایسا غلو کیا کہ ایمان بالانبیاء ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس غلو سے انبیاء کرام علیہم السلام کی صریح توہین و تحقیر لازم آئی اور اس پر "گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" کا مضمون صادق آیا۔

اکابر شیعہ کی مندرجہ بالا تصریحات کے بعد اس نکتہ کی مزید تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ لیکن مناسب ہوگا کہ ان کے "غلو کی وادی تیہ" میں بھٹکنے کا نظارہ کرنے کے لئے بطور نمونہ چند ایسی غالیانہ روایات ذکر کی جائیں جن کو شیعہ رواۃ و مصنفین نے خود تصنیف کرکے ائمہ طاہرین کے نام لگا دیا ہے اور صدوق، مفید اور مجلسی جیسے صنادید شیعہ نے جن پر اپنے مندرجہ بالا عقائد کا محل تعمیر کیا ہے۔

پہلا غلو: ائمہ، انبیاء کرام سے افضل ہیں

اہل عقل جانتے ہیں کہ انسانی مراتب میں سب سے بلند و بالا مرتبہ رسالت و نبوت کا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام نوع انسانی میں سب سے اکمل و افضل ہیں۔ لطف و عنایت اور قرب الٰہی کے جو مراتب عالیہ ان حضرات کو حاصل ہیں کوئی دوسرا ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کا ہمسر نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ افضل ہو۔ لیکن امامیہ کا عقیدہ اوپر گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اس سلسلہ میں جو

بہت سی روایات انہوں نے تصنیف کی ہیں ان میں سے چند ملاحظہ فرمایئے:

الف: محمد بن علی بن الشاہ عن أبي حامد عن أحمد بن خالد الخالدي عن محمد بن أحمد بن صالح التميمي عن أبيه عن محمد بن حاتم القطان عن حماد بن عمرو عن جعفر بن محمد عن أبيه عن جده عن علي بن أبي طالب عليه السلام عن النبي صلى الله عليه وآله أنه قال في وصيته له: يا علي إن الله عز وجل أشرف (۲) على الدنيا فاختارني منها على رجال العالمين، ثم اطلع الثانية فاختارك على رجال العالمين بعدي، ثم اطلع الثالثة فاختار الأئمة من ولدك على رجال العالمين بعدك، ثم اطلع الرابعة فاختار فاطمة على نساء العالمين (۱).

(بحار الانوار، صفحہ ۲۶۰ جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام جعفر صادق اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے علی! اللہ عز وجل نے روئے زمین پر نگاہ دوڑائی تو اس میں مجھے تمام کائنات کے انسانوں میں چن لیا۔ پھر دوبارہ نگاہ دوڑائی تو میرے بعد تمام کائنات کے انسانوں میں سے تجھے منتخب کر لیا۔ پھر تیسری مرتبہ نگاہ دوڑائی تو تیرے بعد تیری اولاد میں سے ائمہ کو تمام جہانوں کے انسانوں میں سے منتخب کر لیا۔ پھر چوتھی مرتبہ نگاہ دوڑائی تو تمام جہانوں کی عورتوں میں سے فاطمہ کو چن لیا۔"

ب ـ مناقب محمد بن أحمد بن شاذان القمي عن أبي معاوية عن الأعمش عن أبي وائل عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله: قال لي جبرئيل عليه السلام: يا محمد علي خير البشر من أبى فقد كفر.

(بحار الانوار، صفحہ ۳۰۶ جلد ۲۶)

ترجمہ: "مناقب قمی میں عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے بتایا ہے کہ اے محمدؐ! علی خیر البشر ہیں۔ جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہے۔"

ج ـ وبإسناده عن الرضا عن آبائه عليهم السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله لعلي بن أبي طالب عليه السلام: يا علي أنت خير البشر لا يشك فيه إلا كافر.

(ایضاً)

ترجمہ: "امام رضا اپنے آباء علیہم السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی بن ابی طالب علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! آپ خیر البشر ہیں۔ اس میں کفر کے سوا کوئی شک نہیں کر سکتا۔"

ه: – و عن أنس عن عائشة قالت: سمعت رسول الله ﷺ يقول: علي بن أبي طالب خير البشر من أبى فقد كفر. (ايضاً)

ترجمہ: "حضرت انس، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ علی بن ابی طالب خیر البشر ہے۔ جس نے اس سے انکار کیا وہ کفر ہو گیا۔"

و: – و منه نقلاً من الكتاب المذكور بحذف الاسناد عن أمير المؤمنين ؑ قال رسول الله ﷺ: أنا سيد الأولين و الآخرين، و أنت يا علي سيد الخلائق بعدي، أولنا كآخرنا و آخرنا كأولنا.

(بحار الانوار ...... صفحہ ۳۱۶ جلد ۳۹)

ترجمہ ..... "امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اولین و آخرین کا سردار ہوں۔ اور میرے بعد اے علی! تو ہی سید الخلائق ہے۔ ہمارا پہلا ہمارے پچھلے کی مانند ہے۔ اور ہمارا پچھلا ہمارے پہلے کی مانند ہے۔"

ز: – و منه نقلاً من كتاب الحسن بن كبش عن أبي ذر رضوان الله عليه قال: نظر النبي ﷺ إلى علي ؑ فقال: هذا خير الأولين و خير الآخرين من أهل السماوات و أهل الأرضين، هذا سيد الصديقين و سيد الوصيين[1] الخبر.

ترجمہ: "ابوذر رضوان اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: یہ شخصیت آسمانوں اور زمینوں کے اولین و آخرین میں سے سب سے افضل ہے۔ اور یہ تمام صدیقین اور اوصیاء کے سردار ہیں۔"

ح: – و منه قال: روي عن الصادق ؑ أنه قال: علمنا واحد و فضلنا واحد و نحن شيء واحد.[1]

(بحار الانوار ..... صفحہ ۳۱۶، ۳۱۸، جلد ۳۹)

ترجمہ: "امام جعفر صادق سے روایت ہے فرمایا: ہمارا (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کا) علم یکساں ہے۔ اور ہماری فضیلت ایک ہے اور (درحقیقت) ہم ایک ہی کچھ ہیں۔"

دوسرا غلو: ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں

شیعہ کا یہ عقیدہ اوپر بہت تفصیل سے گزر چکا ہے کہ امامیہ کے نزدیک انبیاء کرام کا علم ائمہ کے علم سے وہی نسبت رکھتا ہے جو قطرہ کو دریا سے اور ذرہ کو صحرا سے ہوتی ہے۔ اس باب میں ان کی تصنیف کردہ روایات جو ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں حد شمار سے باہر ہیں۔ جن میں سے چند روایات اوپر گزر چکی ہیں۔ یہاں علامہ باقر مجلسی کی بحار الانوار کتاب الامامت "باب انہم اعلم من الانبیاء علیہم السلام" (یعنی ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں) کی تین روایتیں مزید پڑھ لیجئے۔

الف: — یر: علیّ بن محمد بن سعید عن حمدان بن سلیمان [۱] عن عبداللہ بن محمد الیمانی عن مسلم بن الحجّاج عن یونس عن الحسین بن علوان عن أبی عبداللہ علیہ السلام قال: إنّ اللہ خلق [۲] أولی العزم من الرسل و فضّلهم بالعلم و أورثنا علمهم و فضّلنا علیهم فی علمهم، و علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ما لم یعلموا، و علّمنا علم الرسول و علمهم. [۳]

(بحار الانوار ... صفحہ ۱۹۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام صادق نے فرمایا: اللہ نے اولوالعزم انبیاء و رسل کو پیدا فرمایا اور ان کو علم عطا کر کے فضیلت بخشی۔ اور ان کے علم کا ہمیں وارث ٹھہرایا اور علم میں ہمیں ان پر فضیلت بخشی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علم عطا کیا جو اولوالعزم رسول کو بھی نہ دیا تھا۔ پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء اولوالعزم کا سارا علم عطا کر دیا۔"

ب: — یر: إسماعیل بن شعیب عن علیّ بن إسماعیل عن بعض رجاله قال: قال أبو عبداللہ علیہ السلام لرجل: تمصّون الثماد و تدعون النهر الأعظم [۲]. فقال الرجل: ما تعنی بهذا یا ابن رسول اللہ؟ فقال: علم النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ علم النبیّین بحذافیره، و أوحی اللہ

إلى محمد ﷺ فجعله كلّه عند علي عليه السلام .

فقال له الرجل : فعليّ أعلم أو بعض الأنبياء ؟ فنظر أبو عبدالله عليه السلام إلى بعض أصحابه فقال : إنّ الله يفتح مسامع من يشاء ، أقول له : إنّ رسول الله ﷺ جعل ذلك كلّه عند علي عليه السلام فيقول : علي عليه السلام أعلم أو بعض الأنبياء[۲] .

(بحار الانوار ... صفحہ ۱۹۵ ، جلد ۲۶)

ترجمہ : "امام صادقؑ نے ایک شخص کو تعجب سے فرمایا : (تعجب ہے) تم لوگ علم کے لئے پتھر کو چوستے ہو مگر بے پایاں دریا سے گریز کرتے ہو۔ اس شخص نے پوچھا : اے ابن رسول اللہ ! اس سے آپ کی کیا مراد ہے ؟ فرمایا : نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور تمام انبیاء کا مجموعی علم ، جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عطا کیا ، پھر وہ محمدؐ نے علی علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔

وہ شخص (حیرت کے ساتھ) آپ سے پوچھنے لگا کہ پھر علیؑ کا علم زیادہ تھا یا بعض انبیاء کا ؟ امامؑ نے (اپنے گرد بیٹھے ہوئے) اپنے بعض اصحاب کی طرف دیکھا اور (تعجب کے انداز میں) فرمایا ، اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے کان کھول دیتا ہے ، میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام کے تمام علوم علی علیہ السلام کے حوالے کر دیئے اور یہ پوچھتا ہے کہ "علی علیہ السلام کا علم زیادہ تھا یا بعض انبیاء کا ۔"

۲۲ ۔ یر : محمد بن الحسين عن أحمد بن بشير[۱] عن كثير عن أبي عمران قال : قال أبو جعفر عليه السلام : لقد سأل موسى العالم مسألة لم يكن عنده جوابها ولقد سأل العالم موسى مسألة لم يكن عنده جوابها ولو كنت بينهما لأخبرت كلّ واحد منهما بجواب مسئلته و لسألتهما عن مسألة لا يكون عندهما جوابها[۲] .

(بحار الانوار ... صفحہ ۱۹۵ ، جلد ۲۶)

ترجمہ : "امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ، موسیٰ نے ایک عالم سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا اس سے جواب نہ بن پڑا ۔ پھر اس عالم نے موسیٰ سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا ان سے جواب نہ بن پڑا ۔ اور اگر میں دونوں کے پاس میں موجود ہوتا تو دونوں کے اپنے اپنے مسئلے کا جواب دے دیتا ۔ پھر ان دونوں سے ایک ایسا مسئلہ پوچھتا کہ ان دونوں سے جواب نہ بن پڑتا ۔"

تیسرا غلو: انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر ساری مخلوق کی تخلیق ائمہ کی خاطر ہوئی

شیعہ مولفین نے اس مضمون کی روایت بھی ائمہ اطہار کی طرف بڑی فراخدلی سے منسوب کی ہیں کہ ائمہ ہی باعث تخلیق کائنات ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو نہ انبیاء کرام علیہم السلام کو وجود ملتا نہ کسی اور مخلوق کو۔ گویا ائمہ کی تخلیق ہی مقصود بالذات ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کا وجود محض طفیلی ہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسے کا یہ عقیدہ "اعتقادات صدوق" کے حوالہ سے اوپر نقل کرچکا ہوں۔ یہاں اس مضمون کی دو روایتیں ملاحظہ فرمائیے:

۱ - لك ، ن ، ع : الحسن بن محمد بن سعيد الهاشمي عن فرات بن إبراهيم عن محمد بن أحمد الهمداني عن العباس بن عبدالله البخاري عن محمد بن القاسم بن إبراهيم عن الهروي عن الرضا عن آبائه عن أمير المؤمنين عليه السلام قال : قال رسول الله صلى الله عليه وآله : ما خلق الله عز وجل خلقاً أفضل مني ولا أكرم عليه مني .

قال علي عليه السلام : فقلت : يا رسول الله فأنت أفضل أو جبرئيل ؟ فقال صلى الله عليه وآله : يا علي إن الله تبارك وتعالى فضل أنبياءه المرسلين على ملائكته المقربين ، وفضلني على جميع النبيين والمرسلين ، والفضل بعدي لك يا علي وللأئمة من بعدك ، وإن الملائكة لخدامنا وخدام محبينا ، يا علي الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمد ربهم ويستغفرون للذين آمنوا بولايتنا .

يا علي لولا نحن ما خلق [۱۹] آدم ولا حواء ولا الجنة ولا النار ولا السماء ولا الأرض .

(بحار الانوار ۔ صفحہ ۳۳۵، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امیر المومنین علیہ السلام نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ عزوجل نے مجھ سے افضل و اکرم کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی۔
علی علیہ السلام فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ افضل ہیں یا جبرئیل؟ اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے علی! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے انبیاء و مرسلین کو اپنے ملائکہ مقربین سے افضل بنایا ہے اور مجھے تمام انبیاء و مرسلین پر فضیلت عطا کی ہے اور میرے بعد یہ فضیلت، اے علی! تیرے لئے

اور تیرے بعد ائمہ کو حاصل ہوئی۔ ملائکہ ہمارے اور ہمارے محبین کے خادم ہیں۔ اے علی! عرش اٹھانے والے اور اس کے ارد گرد کے فرشتے اپنے رب کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں اور ہماری ولایت پر ایمان لانے والوں کے لئے استغفار میں مصروف رہتے ہیں۔

اے علی! اگر ہم نہ ہوتے تو نہ آدم و حوا پیدا ہوتے، نہ جنت و دوزخ بنائے جاتے اور نہ آسمان اور زمین وجود میں آتے۔"

۲۔ كتاب المحتضر للحسن بن سليمان من كتاب السيد الجليل حسن بن كبش بإسناده إلى المفيد رفعه إلى محمد بن الحنفية قال : قال أمير المؤمنين عليه السلام : سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله يقول : . . . . وأنا سيد الأنبياء وأنت سيد الأوصياء ، وأنا وأنت من شجرة واحدة لولانا لم يخلق الله الجنة ولا النار ولا الأنبياء ولا الملائكة .

(بحار الانوار ... صفحہ ۳۴۴، جلد ۲۶)

ترجمہ: "محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا . میں انبیاء کا سردار ہوں اور آپ اوصیاء کے سردار ہیں۔ میں اور آپ ایک ہی درخت سے ہیں، اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ نہ جنت و دوزخ پیدا کرتا اور نہ انبیاء و ملائکہ کو۔"

چوتھا غلو: انبیاء کرام علیہم السلام سے بارہ اماموں کی امامت کا عہد لیا گیا

حق تعالیٰ شانہ کی ربوبیت کا اولاد آدم سے عہد لیا جانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینا تو قرآن کریم میں منصوص ہے۔ لیکن امامیہ نے "ولایت کا درجہ نبوت سے بلند" کرنے کے لئے اس مضمون کی بے شمار روایتیں تصنیف کر کے ائمہ سے منسوب کر دیں کہ عہد الست میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی ربوبیت کا عہد لیا، وہاں انبیاء کرام اور ملائکہ علیہم السلام سے بارہ اماموں کی امامت کا عہد بھی لیا۔ نعوذ باللہ۔ اس مضمون کی چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

الف: جعفر بن محمد الأزدي، مسندا عن جابر الجعفي قال : قلت لأبي جعفر عليه السلام : لم سمي أمير المؤمنين ؟ [1] قال : قال لي : لو ما تقرأ القرآن ؟ قال :

قلت : بلى قال : فاقرأ قلت : وما أقرء قال : اقرأ : « وإذ أخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذرّيّتهم وأشهدهم على أنفسهم ألست [۲] بربكم » فقال لي : جب إلى أيش ؟ وقد رسولي وعلي أمير المؤمنين ، فثمّ سمّاه يا جابر أمير المؤمنين [۵] ۔

(بحار الانوار صفحہ ۳۷۸ ، جلد ۳۶)

ترجمہ : " جابر جعفی کہتا ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ "امیر المومنین" کا لقب (علیؑ کیلئے کب تجویز کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا ، کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے کہا ، پڑھتا ہوں ۔ فرمایا تو پڑھ ۔ میں نے پوچھا کیا پڑھوں؟ فرمایا : یہ پڑھ (ترجمہ) "اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب ۔ "

پھر فرمایا ، اسی میں یہ بھی شامل تھا کہ محمد میرے رسول ہوں گے اور علی امیر المومنین ۔ تو اسے جابر ! یوں (علیؑ کے لئے) امیر المومنین کا لقب تجویز کیا ۔ "

ب : أحمد بن محمد عن الحسن بن موسى عن علي بن حسّان عن عبد الرحمان بن كثير عن أبي عبد الله ﷺ في قوله عزّ وجلّ : « وإذ أخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذرّيّتهم وأشهدهم على أنفسهم ألست بربكم » [۲] قال : أخرج الله من ظهر آدم ذرّيّته إلى يوم القيامة كالذرّ فعرّفهم نفسه ، ولولا ذلك لم يعرف أحد ربه ، وقال : ألست بربكم ؟ قالوا : بلى ، وأنّ محمّداً رسول الله وعليّاً أمير المؤمنين [۲]

(بحار الانوار صفحہ ۲۶۰ ، جلد ۲۶)

ترجمہ : "امام صادقؑ نے ارشاد باری تعالیٰ (ترجمہ) "اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب" کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو مکھی چیونٹیوں کی صورت میں نکالا اور انہیں اپنی ذات کی معرفت عطا کی ۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی اپنے رب کو نہ پہچانتا ۔ اور پوچھا "کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب ۔ " (سب نے یک زبان) بولے ہاں ۔ "اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی ان کے وصی ہیں ۔ "

ج: أبن يزيد عن ابن محبوب عن محمد بن الفضيل عن أبي الحسن ﷺ قال: ولاية علي مكتوبة في جميع صحف الأنبياء، و لن يبعث الله نبياً إلا بنبوة محمد و وصيه[1] علي صلوات الله عليهما[2].

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام ابو الحسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ تمام آسمانی صحیفوں میں "ولایت علی" (پر ایمان کا حکم) درج ہے۔ اور اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر محمد کی نبوت اور آپ کے وصی علی صلوٰۃ اللہ علیہما کے ساتھ۔"

پانچواں غلو: انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت اقرار ولایت کی وجہ سے ملی

اس مضمون کی بھی بہت سی روایات تصنیف کی گئی ہیں کہ کسی نبی کو نبوت اس وقت تک نہیں ملی جب تک اس نے ائمہ کی ولایت کا اقرار نہیں کیا۔ اس سلسلے کی چند روایات ملاحظہ فرمائیے:

الف: أحمد بن محمد عن علي بن الحكم عن ابن عميرة عن الحضرمي عن حذيفة بن أسيد قال: قال رسول الله ﷺ: ما تكاملت النبوة لنبي في الأظلة حتى عرضت عليه ولايتي و ولاية أهل بيتي و مثلوا له فأقروا بطاعتهم و ولايتهم.[3]

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: "حذیفہ بن اسید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم ارواح میں کسی نبی کو اس وقت تک نبوت نہیں دی گئی جب تک اس کے سامنے میری اور میرے اہل بیت کی ولایت پیش نہیں کی گئی۔ اور یہ ائمہ ان کے سامنے پیش نہیں کئے گئے، پس انہوں نے ان کی ولایت و طاعت کا اقرار کیا، تب ان کو نبوت ملی۔"

(ب): السندي بن محمد عن يونس بن يعقوب عن عبد الأعلى قال: قال أبو عبد الله ﷺ: ما نبئ نبي قط إلا بمعرفة حقنا و بفضلنا على من سوانا.[4]

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام صادق نے فرمایا کہ کسی بھی نبی کو اس وقت تک نبوت نہیں ملی جب تک اس نے ہمارے حق (ولایت و امامت) کا اقرار نہیں کر لیا اور دیگر

سب لوگوں پر ہماری فضیلت کو تسلیم نہیں کر لیا۔ "

ج : محمد بن عيسى عن محمد بن سليمان عن يونس بن يعقوب عن أبي بصير عن أبي عبد الله عليه السلام قال : ما من نبي نبئ ولا من رسول أرسل إلّا بولايتنا و تفضيلنا على من سواها .[6]

(بحار الانوار ..... صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: "ابو بصیر نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا کہ اس وقت تک کسی نبی کو نہ نبی بنایا گیا نہ کسی رسول کو رسول، جب تک کہ اس نے ہماری ولایت اور سب پر فضیلت کا اقرار نہیں کر لیا۔ "

د : ابن يزيد عن يحيى بن المبارك عن ابن جبلة عن عبد بن شعيب عن جابر قال : قال أبو جعفر عليه السلام : ولايتنا ولاية الله التي لم يبعث نبياً قط إلّا بها[7].

(بحار الانوار . صفحہ ۲۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ: "جابر نے ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ : ہماری ولایت درحقیقت ولایت اللہ ہے، اس کا اقرار کئے بغیر کسی نبی کو بھی نہیں مبعوث کیا گیا۔ "

چھٹا غلو: اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایت ائمہ کا اقرار لیا

اس مضمون کی بھی متعدد روایات ائمہ کے نام نقل کی گئی ہیں کہ روز میثاق میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایت ائمہ کا اقرار لیا، جس نے اقرار ولایت کیا وہ سعید ہوا اور جس نے اقرار ولایت نہ کیا وہ شقی ہوا۔ اس سلسلہ کی دو روایتیں ملاحظہ ہوں :

الف : أحمد بن محمد عن البرقي عن ابن المغيرة عن أبي حفص عن أبي هارون العبدي عن أبي سعيد الخدري قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه و آله يقول[7] : يا علي ما بعث الله نبياً إلّا وقد دعاه إلى ولايتك طائعاً أو كارهاً[8]

(بحار الانوار ... صفحہ ۲۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ: "ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: اے علی! اللہ نے ہر نبی کو مبعوث کرنے سے پہلے طوعاً کرہاً تیری ولایت کا اس سے اقرار کرایا۔"

ب: المفید عن المظفر بن محمد عن محمد بن أحمد بن أبي الثلج عن محمد بن موسى الهاشمي عن محمد بن عبد الله البداري عن أبيه عن ابن محبوب عن أبي زكريا الموصلي عن جابر عن أبي جعفر عن أبيه عن جده عليهم السلام إن رسول الله صلى الله عليه وآله قال لعلي عليه السلام: أنت الذي احتج الله بك في ابتدائه الخلق حيث أقامهم أشباحاً فقال لهم: ألست بربكم؟ قالوا: بلى، قال: ومحمد رسولي؟ قالوا: بلى، قال: وعلي أمير المؤمنين؟ فأبى الخلق جميعاً إلا استكباراً وعتواً عن ولايتك إلا نفر قليل، وهم أقل الأقلين وهم أصحاب اليمين.[۲]

(بحار الانوار ... صفحہ ۲۷۲، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام باقر علیہ السلام اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم وہ ہستی ہو جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کے وقت سے "حجت" بنایا۔ وہ اس طرح کہ ان کو اجسام مثالی میں ظاہر کیا اور ان سے فرمایا: کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ بولے، ہاں ہے۔ پھر پوچھا: محمد میرے رسول ہیں؟ بولے، ہاں ہیں۔ پھر (اقرار لینا چاہا اور) کہا علی امیرالمومنین ہوں گے؟ مگر ایک مختصر گروہ کے سوا تمام مخلوق نے تکبر وحسد کی بنا پر تیری ولایت سے انکار کر دیا۔ یہ ولایت علی کا اقرار کرنے والے بہت تھوڑے سے لوگ تھے اور یہی اصحاب الیمین ہوں گے۔"

ج: اور علامہ مجلسی نے مناقب ابن شہر آشوب کے حوالے سے امام زین العابدین کی روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین حالت نبوت میں بھی حضرت یونس علیہ السلام کا ابا و استکبار جاری رہا، جس کی سزا میں ان کو بطن ماہی میں قید کیا گیا: ملاحظہ فرمایئے۔

۱۵۔ قب: الثمالي قال: دخل عبد الله بن عمر على زين العابدين عليه السلام وقال: يا ابن الحسين أنت الذي تقول: إن يونس بن متى إنما لقي من الحوت ما لقي لأنه

عرضت عليه ولاية جدّي فتوقّف عندها ؟ قال : بلى ، ثكلتك أمّك ، قال : فأرني آية
ذلك إن كنت من الصادقين ، [٣] فأمر بشدّ عينيه بعصابة و عيني بعصابة ، ثمّ أمر بعد
ساعة بفتح أعيننا ، فإذا نحن على شاطئ البحر تضرب أمواجه ، فقال ابن عمر : يا سيّدي
دمي في رقبتك ، الله الله في نفسي ، فقال : هيهوا ريه إن كنت من الصادقين . [٤]

ثمّ قال : يا أيّها الحوت ، قال : فأطلع الحوت رأسه من البحر مثل الجبل العظيم
وهو يقول . لبّيك لبّيك يا وليّ الله . فقال : من أنت ؟ قال : أنا حوت يونس يا سيّدي .
قال : أنبئنا بالخبر ، قال : يا سيّدي إنّ الله تعالى لم يبعث نبيّاً من آدم إلى أن صار جدّك
محمّد إلّا وقد عرض عليه ولايتكم أهل البيت ، فمن قبلها من الأنبياء سلم و تخلّص ، ومن
توقّف عنها وتتعتع في حملها [٥] لقي ما لقي آدم ﷺ من المعصية ، و ما لقي نوح ﷺ
من الغرق وما لقي إبراهيم ﷺ من النار ، وما لقي يوسف ﷺ من الجبّ ، وما لقي أيّوب ﷺ
من البلاء ، وما لقي داود ﷺ من الخطيئة إلى أن بعث الله يونس ﷺ ، فأوحى الله إليه :
أن يا يونس تولّ أمير المؤمنين عليّاً و الأئمّة الراشدين من صلبه في كلام له ، قال :
فكيف أتولّى من لم أره ولم أعرفه ، وذهب مغتاظاً ، [٦] فأوحى الله تعالى إليّ أن التقمي
يونس ولا توهني له عظماً ، فمكث في بطني أربعين صباحاً يطوف معي البحار في ظلمات
ثلاث ، ينادي : إنّه لا إله إلّا أنت سبحانك إنّي كنت من الظالمين ، قد قبلت ولاية عليّ
ابن أبي طالب والأئمّة الراشدين من ولده ، فلمّا أن آمن بولايتكم أمرني ربّي فقذفته
على ساحل البحر ، فقال زين العابدين ﷺ : ارجع أيّها الحوت إلى وكرك ، و استوى
الماء . [٧]

(بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۴۰۱ ـ ۴۰۲ روایت نمبر ۱۵)

ترجمہ : ”ثمالی کہتا ہے کہ ایک بار عبداللہ بن عمر امام زین العابدین علیہ
السلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت یونس
بن متی (علیہ السلام) کو مچھلی کے پیٹ میں اس بنا پر ڈالا گیا کہ ان کے
سامنے میرے والد امیرالمومنین کی امامت پیش کی گئی تو انہوں نے اس کے
قبول کرنے میں توقف کیا؟ امام نے فرمایا کہ ہاں! تجھ سے کہتا ہوں۔ تیری
ماں تجھ کو گم کرے یعنی تو مر جائے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ اگر تم سچے
ہو تو اپنی بات کی سچائی کی کوئی علامت دکھاؤ۔ امام نے حکم دیا کہ میری اور
عبداللہ بن عمر کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے۔ تھوڑی دیر بعد حکم دیا

کہ آنکھیں کھول دو، جب آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہم ایک دریا کے کنارے پر ہیں جس کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں، یہ منظر دیکھ کر ابن عمر نے کہا کہ اے سید! میرا خون آپ کی گردن پر ہے۔ (یعنی دریا کی موجیں مجھے بہا لے جائیں گی) امام نے فرمایا کہ ڈرو نہیں۔ میں ابھی تم کو اپنی راست گفتاری کی علامت دکھاتا ہوں۔

پھر امام نے فرمایا، اے مچھلی! امام کا پکارنا تھا کہ ایک مچھلی نے فوراً دریا سے سر نکالا، جو پہاڑ جیسی تھی، اور وہ کہہ رہی تھی لبیک! لبیک! اے ولی خدا! امام نے فرمایا، تو کون ہے؟ کہنے لگی، اے سید! میں وہی مچھلی ہوں جس نے یونس کو نگلا تھا، فرمایا، ہمیں بتاؤ کہ یونس علیہ السلام کا کیا قصہ ہوا تھا؟ کہنے لگی، اے سید! اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا، آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے دادا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک، مگر اس پر تم اہل بیت کی ولایت پیش کی، جس نے اس کو قبول کیا وہ سالم رہا، اور جس نے اس میں توقف کیا، اور اس امانت کے اٹھانے سے انکار کیا اس کی وہی ابتلا پیش آیا جو آدم علیہ السلام کو گناہ کی وجہ سے پیش آیا، اور جو نوح علیہ السلام کو غرق سے پیش آیا، اور جو ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے پیش آیا، اور جو یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے سے پیش آیا، اور جو ایوب علیہ السلام کو بیماری میں مبتلا ہونے سے پیش آیا، اور جو داؤد علیہ السلام کو غلطی سے پیش آیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مبعوث کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ اے یونس! امیرالمومنین علی اور ان کی نسل کے ائمہ راشدین کی ولایت کو قبول کرو! کچھ اور کلام بھی وحی فرمایا، یونس علیہ السلام نے کہا کہ میں ان لوگوں کی ولایت کو کیسے قبول کروں جن کو میں نے دیکھا نہیں، اور ان کو پہچانتا نہیں۔ اور غصہ ہو کر دریا کے کنارے چلے گئے، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی کہ یونس کو نگل جا اور ان کی ہڈیوں کو گزند نہ پہنچانا۔ پس وہ میرے پیٹ میں چالیس روز رہے، میں ان کو دریاؤں میں اور تین تاریکیوں میں لئے پھرتی رہی۔ وہ برابر پکار رہے تھے کہ "لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین (کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے! تو بے عیب ہے۔ میں ہی قصورواروں سے ہوں) میں نے

امیرالمومنین علی کی اور ان کی اولاد سے ائمہ راشدین کی ولایت کو قبول کیا۔" پس جب یونس علیہ السلام تمہاری ولایت پر ایمان لے آئے تو میرے پروردگار نے مجھ کو حکم دیا تو میں نے ان کو دریا کے ساحل پر ڈال دیا۔ جب مچھلی نے یہ قصہ سنایا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے اس کو حکم دیا کہ اپنے آشیانے میں واپس چلی جا اور پانی کو موجوں سے سکون ہو گیا۔

۲۔ اور حضرت امیرالمومنین کی ایک روایت کے مطابق حضرت یونس علیہ السلام کو زمین میں دھنسایا گیا۔ یہاں تک کہ ان کو (نعوذ باللہ) قارون کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور جب قارون سے عذاب ہٹایا گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کو عبرت ہوئی اور انہوں نے ولایت کا اقرار کیا اور ان کی توبہ منظور ہوئی۔

وقد سأل بعض اليهود أمير المؤمنين عليه السلام عن سجن طاف أقطار الأرض بصاحبه؟ فقال: يا يهودي أمّا السجن الّذي طاف أقطار الأرض بصاحبه فإنّه الحوت الّذي حبس يونس في بطنه، فدخل في بحر القلزم، ثمّ خرج إلى بحر مصر، ثمّ دخل إلى بحر طبرستان، ثمّ خرج في دجلة الغوراء.[۱] قال: ثمّ مرّت به تحت الأرض حتّى لحقت بقارون، وكان قارون هلك في أيّام موسى عليه السلام، ووكّل الله به ملكاً يدخله في الأرض كلّ يوم قامة رجل، وكان يونس في بطن الحوت يسبّح الله ويستغفره، فسمع قارون صوته فقال للملك الموكّل به: أنظرني فإنّي أسمع كلام آدمي، فأوحى الله إلى الملك الموكّل به: أنظره، فأنظره، ثمّ قال قارون: من أنت؟ قال يونس: أنا المذنب الخاطئ يونس بن متّى، قال: فما فعل الشديد الغضب[۲] لله موسى بن عمران؟ قال: هيهات هلك، قال: فما فعل الرؤوف الرحيم على قومه هارون بن عمران؟ قال: هلك، قال: فما فعلت كلثم بنت عمران الّتي كانت سمّيت لي؟ قال: هيهات ما بقي من آل عمران أحد، فقال قارون: وا أسفاه على آل عمران، فشكر الله له ذلك، فأمر الله الملك الموكّل به أن يرفع عنه العذاب أيّام الدنيا فرفع عنه، فلمّا رأى يونس ذلك نادى في الظلمات: أن لا إله إلّا أنت سبحانك إنّي كنت من الظالمين، فاستجاب الله له وأمر الحوت فلفظه على ساحل البحر

(بحار الانوار صفحہ ۳۸۲ جلد ۱۴)

ترجمہ ... "ایک یہودی نے امیرالمومنین علیہ السلام سے اس مچھلی کے بارے میں دریافت کیا جو اپنے ساتھی کو لئے ہوئے زمین کے چند سو چکر کاٹتا رہا کہ وہ کونسا مچھلی تھی تھا؟ آپ نے فرمایا: اے یہودی! وہ مچھلی تھی جو اپنے ساتھی کو لئے ہوئے زمین کے چند سو چکر کاٹتا رہا وہ مچھلی ہے جس نے یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں قید کر رکھا تھا. پس وہ مچھلی یونس علیہ السلام کو لے کر بحر قلزم میں داخل ہوئی. پھر بحر مصر کی طرف نکلی. پھر طبرستان کے سمندر میں داخل ہوئی. پھر دجلہ الغوراء کی طرف نکلی. امیرالمومنین نے فرمایا: پھر وہ مچھلی یونس علیہ السلام کو لے کر زمین کے نیچے گئی. یہاں تک کہ قارون سے جا ملی. اور قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہلاک ہوا تھا. اور اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا تھا جو اس کو روزانہ قد آدم کی مقدار زمین میں دھنساتا رہا. یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں اللہ کی تسبیح اور استغفار کرتے رہے. پس قارون نے ان کی آواز کو سن لیا اور مقرر کردہ فرشتہ سے کہا کہ مجھے مہلت دو. میں ایک آدمی کا کلام سن رہا ہوں. پس اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو وحی کی کہ اس کو مہلت دے دو چنانچہ فرشتے نے اس کو مہلت دے دی. قارون نے پوچھا آپ کون ہیں؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا میں گنہگار خطا کار یونس بن متی ہوں. قارون نے پوچھا موسیٰ بن عمران کا کیا بنا جو بہت غصہ کیا کرتے تھے اللہ کے لئے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا وہ تو مدت ہوئی فوت ہو چکے ہیں. قارون نے پوچھا ہارون بن عمران کا کیا بنا جو اپنی قوم پر بہت شفیق اور نرم تھے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا وہ بھی فوت ہو چکے ہیں. قارون نے پوچھا کلثم بنت عمران کا کیا بنا جو میرے ساتھ منسوب کی گئی تھی؟ (میری منگیتر تھی) یونس علیہ السلام نے فرمایا مدت ہوئی کہ آل عمران میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا. قارون نے کہا ہائے افسوس آل عمران پر. پس اللہ تعالیٰ نے قارون کے اظہار افسوس کو قبول کر لیا. پس اللہ تعالیٰ نے مقررہ فرشتے کو حکم دیا کہ دنیا کی زندگی تک اس سے عذاب اٹھا دیا جائے. پس فرشتے نے اس سے عذاب اٹھا دیا. جب یونس علیہ السلام نے یہ دیکھا تو اندھیروں میں پکارا "کوئی حاکم نہیں تیرے سوا تو سبحان ہے. میں تھا ستمگروں سے" پس اللہ تعالیٰ نے

ان کی دعا قبول کرلی اور مچھلی کو حکم دیا تو مچھلی نے آپ کو ساحل سمندر پر لا ڈالا۔"

یہاں جو بات قابل عبرت ہے وہ یہ کہ ان روایات کے مطابق یونس علیہ السلام کا اباء واستکبار (نعوذ باللہ) ابلیس سے بھی بڑھ گیا، کیونکہ شیطان نے اباء واستکبار کے ساتھ جھوٹ کو جمع نہیں کیا تھا۔ مگر ان روایات کے مطابق جب یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہا کہ "میں ان لوگوں کی ولایت کا اقرار کیسے کروں جن کو جانتا پہچانتا نہیں ہوں" تو یہ بات قطعاً غلط اور جھوٹ تھی۔ کیونکہ روز میثاق میں جب انبیاء کرام علیہم السلام سے ولایت ائمہ کا اقرار لیا گیا ہوگا تو حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو ضرور دیکھا اور پہچانا ہوگا۔ پھر امامیہ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں بھی ولایت ائمہ کا اعلان موجود تھا۔ اور حضرت یونس علیہ السلام توریت ضرور پڑھتے ہوں گے۔ پھر اس کے کیا معنی؟ کہ میں ائمہ کو جانتا پہچانتا نہیں ہوں۔

ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جتنے ابتلاء من جانب اللہ پیش آئے۔ جن کی طرف امام زین العابدین کی روایت میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ سب عقیدۂ امامت میں شک و تردد کی نحوست تھی۔ نعوذ باللہ من ہذہ الہفوات۔

ساتواں غلو: انبیاء کرام، ائمہ کے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے

شیعہ کے گیارہویں امام حسن عسکریؒ کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ انبیاء کرام ہمارے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے۔ اور ہمارے نشان قدم کی پیروی کرتے تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

كتاب المحتضر للحسن بن سليمان: روي أنه وجد بخط مولانا أبي محمد العسكري عليه السلام: أعوذ بالله من قوم حذفوا محكمات الكتاب ونسوا الله رب الأرباب والنبي وساقي الكوثر في مواقف[1] الحساب، ولظى والطامة الكبرى ونعيم دار الثواب فنحن السنام الأعظم، وفينا النبوة والولاية والكرم، ونحن منار الهدى والعروة.

الوثقى، و الأنبياء كانوا يقتبسون من أنوارنا، و يقتفون آثارنا.

(بحار الانوار صفحہ ۲۹۳، جلد ۲۴)

ترجمہ: "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس قوم سے جس نے قرآن کے محکمات کو منسوخ کیا۔ جنہوں نے مقتدر رب الارباب کو بھلا دیا، جنہوں نے اس کے نبی کو جو یوم حساب میں ساقی کوثر ہوں گے، بھلا دیا۔ جو قیامت، دوزخ اور ثواب کی نعمتوں کو بھلا بیٹھے ہیں۔ ہم بلند چوٹی کے صاحب عظمت لوگ ہیں۔ ہمیں میں نبوت و ولایت و کرامت ہے، ہم ہدایت کا منبع ہیں اور عروۃ الوثقیٰ ہیں۔ تمام انبیاء کرام ہمارے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے اور ہمارے نقش قدم کی پیروی کرتے تھے۔"

آٹھواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؓ تمام انبیاء کرام سے آگے ہوں گے

اس مضمون کی بھی روایت تصنیف کی گئی ہے کہ حضرت امیر المومنینؓ نے اپنے فضائل و مناقب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ما يتقدّمني إلّا أحمد

و إنّ جميع الرسل و الملائكة و الروح خلفنا، و إنّ رسول الله ﷺ ليدعى فينطق و أدعى فأنطق على حدّ منطقه.

(بحار الانوار صفحہ ۱۰۳، جلد ۲۴)

ترجمہ: "مجھ سے آگے صرف احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ تمام رسل، ملائکہ اور روح القدس ہمارے پیچھے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا تو آپ بات کریں گے اور مجھے بھی بلایا جائے گا تو میں بھی ویسی ہی بات کروں گا۔"

نواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؓ کی کرسی عرش الٰہی کے دائیں جانب اور انبیاءؑ کی کرسیاں بائیں جانب ہوں گی

اس مضمون کی بھی روایت تصنیف کی گئی ہے کہ قیامت کے دن حضرت علی

رضی اللہ عنہ کی کرسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر عرش الٰہی کے دائیں جانب ہوگی اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی کرسیاں بائیں جانب ہوں گی:

۱۱۹ـ كتاب المحتضر للحسن بن سليمان مما رواه من الأربعين رواية سعد الاربلي مرفعه إلى سلمان الفارسي رضي الله عنه قال : كنا عند رسول الله ﷺ إذ جاء أعرابي ....

الخامسة أن جبرئيل ﷺ قال : إذا كان يوم القيامة نصب لك [6] منبر عن يمين العرش والنبيون كلهم عن يسار العرش وبين يديه [7]

(٧) في المصدر : والنبيون كلهم عن يسارهم ، وينصب لعلي ﷺ كرسي إلى جانبك [8] إكراماً له

(بحار الانوار ... صفحہ ۱۲۸ ـ ۱۲۹ ، جلد ۲۷)

ترجمہ: "حسن بن سلیمان نے کتاب المحتضر میں اربعین کی روایت سے سعد اربلی کے واسطہ سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے۔ سلمان کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھے اتنے میں ایک اعرابی آیا (طویل روایت ہے جس میں حضرت علیؓ کے فضائل مذکور ہیں اسی سلسلہ میں فرمایا) پانچویں بات جبرئیل علیہ السلام نے یہ فرمائی: قیامت کے روز آپؐ کی کرسی عرش کے دائیں جانب نکالی جائے گی اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام عرش کے بائیں جانب (کی کرسیوں پر) ہوں گے۔ (اصل کتاب میں یہ الفاظ ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام حضرت علیؓ کے بائیں جانب ہوں گے..... حاشیہ) اور علی علیہ السلام کی کرسی ان کے اکرام کی بناء پر آپؐ کے پہلو میں نکالی جائے گی۔"

رسواں غلو: انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں اماموں کے طفیل قبول ہوئیں

علامہ مجلسی کی بحار الانوار کی کتاب الامامت میں ایک باب کا عنوان ہے:

٥(باب دعاء الانبياء استجيب بالتوسل والاستشفاع بهم صلوات الله)٥

٥(عليهم أجمعين)٥

(بحار الانوار ... صفحہ ۳۱۹ ، جلد ۲۶)

ترجمہ: "انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں انہوں کے وسیلہ اور سفارش کی بنا پر ہی قبول ہوئیں۔"

اس سلسلہ کی بہت سی روایات میں سے دو روایتیں :

الف: عن : بالاسناد إلى الصدوق عن الدقاق عن ابن عقدة عن علي بن الحسن بن فضال عن أبيه عن الرضا عليه السلام قال: لما أشرف نوح عليه السلام على الغرق دعا الله بحقنا فدفع الله عنه الغرق، و لما رمي إبراهيم في النار دعا الله بحقنا فجعل الله النار عليه برداً و سلاماً.

و إن موسى عليه السلام لما ضرب طريقاً في البحر، دعا الله بحقنا فجعله يبساً [1]

و إن عيسى عليه السلام لما أراد اليهود قتله، دعا الله بحقنا فنجي من القتل فرفعه [2] إليه. [3]

(بحار الانوار ... صفحہ ۳۲۵، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب نوح علیہ السلام ڈوبنے لگے تو اللہ کو ہمارے وسیلہ سے پکارا۔ اللہ نے ان کو ڈوبنے سے بچا لیا اور جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے (بھی) اللہ کو ہمارے حق کا واسطہ دیا تو اللہ نے ان پر آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب سمندر سے راستہ لینے کے لئے اس پر عصا مارا تو (بھی) اللہ سے ہمارے وسیلہ سے دعا کی لہٰذا اللہ نے اس کو خشک کر دیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو جب یہود نے قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ہمارے ہی وسیلہ سے اللہ کو پکارا۔ چنانچہ اللہ نے ان کو بچا لیا اور اپنی طرف اٹھا لیا۔"

ب: - عنص : أبو الفرج عن سهل [4] عن رجل عن ابن جبلة عن أبي المعزا عن موسى بن جعفر عليه السلام قال : سمعته يقول : ... بنا غفر لآدم و بنا ابتلي أيوب و بنا افتقد يعقوب و بنا حبس يوسف و بنا رفع البلاء و بنا أضاءت الشمس نحن مكتوبون على عرش ربنا

(بحار الانوار ... صفحہ ۳۲۷، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمارے ہی وسیلہ سے آدمؑ کو معافی ملی۔ اور ہمارے ہی سبب سے ایوب علیہ السلام مصیبت میں مبتلا ہوئے، یعقوب علیہ السلام کو صدمہ فراق برداشت کرنا پڑا۔

اور یوسف علیہ السلام زندانی ٹھہرے۔ اور ہمارے ہی وسیلے سے ان کے مصائب دور ہوئے۔ سورج ہمارے ہی طفیل روشن ہوتا ہے اور ہمارے اسمائے گرامی ہمارے رب کے عرش پر کندہ ہیں۔"

گیارہواں غلو: حضرت آدم علیہ السلام کو اماموں کے مرتبہ پر حسد ہوا، اس لئے ان کو سزا ملی اور اولوالعزم انبیاء کی فہرست سے ان کا نام خارج کر دیا گیا

اس مضمون کی دل آزار روایات کثرت سے ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ائمہ کی مرتبہ شناسی میں تامل ہوا، اس لئے ان کا نام اولوالعزم انبیاء کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ ارشاد خداوندی ولم نجد له عزما کا یہی مطلب ہے، نیز یہ کہ جس شجرۂ ممنوعہ سے ان کو منع کیا گیا تھا وہ "شجرۂ حسد" تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ خبردار! ائمہ کے مرتبہ پر حسد نہ کرنا، لیکن وہ اس ہدایت خداوندی کو بھول گئے اور ائمہ کے مرتبہ پر حسد کیا، جس کی وجہ سے ان پر عتاب نازل ہوا۔ نعوذ باللہ۔

اس مضمون کی بے شمار روایتوں میں سے چند:

الف: ــ ير: أحمد بن محمد عن عليّ بن الحكم عن حنظلة بن صالح عن جابر عن أبي جعفر عليه السلام في قول الله عزّ و جلّ: «و لقد عهدنا إلى آدم من قبل فنسي ولم نجد له عزماً»[2] ، قال: عهد إليه في محمد و الأئمّة من بعده فترك ولم يكن له عزم أنّهم هكذا[7]. و إنّما سمّي أولو العزم أولو العزم لأنّه عهد إليهم في محمد و الأوصياء من بعده و المهديّ و سيرته فأجمع عزمهم أنّ ذلك كذلك و الإقرار به.[17]

(بحار الانوار ..... مطبوعہ ۲، جلد ۲۶۔ صفحہ ۲۷۸، جلد ۱۱)

ترجمہ: "جابر جعفی نے امام باقرؒ سے ارشاد خداوندی " ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد له عزما " کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: آدم علیہ السلام سے محمد اور ائمہ علیہم السلام (کی تصدیق) کا عہد لیا گیا۔ انہوں نے اس کو نظرانداز کر دیا۔ اور ان کے اس مقام کا اعتراف و اقرار نہ کیا۔ اولوالعزم انبیاء کو "اولوالعزم" کا امتیازی لقب

اسی وقت ما جملہ تمام انبیاء نے کہا اور آپ کے بعد اوصیاء اور صدیقین اور صدیقین کی بیعت پر قرار پایا اس کا اعتراف کرتے ہوئے ان (محمد) کے اس حق کا اقرار کیا۔

امام رضاؑ سے ایک طویل روایت میں نقل کیا ہے کہ:

ب: إنّ آدم لمّا أكرمه الله تعالى ذكره بإسجاد ملائكته له و بإدخاله الجنّة قال في نفسه: هل خلق الله بشراً أفضل منّي؟ فعلم الله عزّ وجلّ ما وقع في نفسه فناداه: ارفع رأسك يا آدم فانظر إلى ساق عرشي. فرفع آدم رأسه فنظر إلى ساق العرش فوجد عليه مكتوباً: لا إله إلّا الله، محمد رسول الله، علي بن أبي طالب أمير المؤمنين، و زوجته فاطمة سيّدة نساء العالمين، و الحسن و الحسين سيّدا شباب أهل الجنّة.

فقال آدم ﷺ: يا ربّ من هؤلاء؟ فقال عزّ وجلّ: من ذرّيّتك[1] و هم خير منك و من جميع خلقي و لولاهم ما خلقتك و لا خلقت الجنّة و النّار و لا السّماء و الأرض فإيّاك أن تنظر إليهم بعين الحسد فأخرجك من جواري.

فنظر إليهم بعين الحسد و تمنّى منزلتهم فتسلّط الشيطان عليه حتّى أكل من الشجرة التي نهي عنها، و تسلّط على حوّاء لنظرها إلى فاطمة ﷺ بعين الحسد حتّى أكلت من الشجرة كما أكل آدم فأخرجهما الله عزّ وجلّ عن جنّته وأهبطهما عن جواره إلى الأرض.[2]

(بحار الانوار صفحہ ۲۷۳، جلد ۲۶ ـ صفحہ ۱۶۵، جلد ۱۱)

ترجمہ: "امام رضا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے سجدہ کروا کے اور جنت میں رہنے کی اجازت دے کر آدم علیہ السلام کو خصوصی اکرام سے نوازا تو ان کے جی میں یہ سوال ابھرا کہ "کیا اللہ نے مجھ سے افضل کسی بشر کو پیدا فرمایا ہوگا؟" اللہ عزوجل ان کے جی کے وسوسے پر مطلع ہوئے، ان کو فرمایا: اے آدم! ذرا اپنا سر اٹھاؤ اور میرے عرش کے پائے کی طرف دیکھو۔ انھوں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پائے کی جانب نگاہ کی تو اس پہ تحریر تھا۔ "لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، علی بن ابی طالب امیر المومنین، ان کی بیوی فاطمہ سیدۃ نساء العالمین اور حسن و حسین نوجوانانِ جنت کے سردار۔"

آدم علیہ السلام نے پوچھا: اے رب یہ کون حضرات ہیں؟ تو رب عزت نے فرمایا: یہ تیری اولاد میں سے ہوں گے لیکن تجھ سے اور میری تمام مخلوق سے بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔ اور یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھ کو پیدا کرتا اور نہ جنت و دوزخ کو اور نہ آسمان و زمین کو وجود میں لاتا۔ دیکھو ان کو حسد کی نظر سے نہ دیکھنا ورنہ اپنے قرب سے تجھے نکال باہر کروں گا۔

مگر آدم نے نظر حسد سے ان کو دیکھا اور ان کے مقام کی تمنا کی۔ تو شیطان ان پر مسلط ہو گیا یہاں تک کہ وہ "شجرۂ ممنوعہ" کو کھانے کے مرتکب ہوئے۔ اور حوا پر بھی شیطان مسلط ہوا کیونکہ اس نے فاطمہ علیہا السلام کو نگاہ حسد سے دیکھا تھا جس کے نتیجے میں اس نے بھی آدم کی طرح "شجرۂ ممنوعہ" کو کھایا۔ تو اللہ عز و جل نے ان دونوں کو جنت سے نکال دیا اور اپنے قرب سے زمین پر اتار دیا۔"

ج: مع: العجلي عن ابن زكريا القطان عن ابن حبيب عن ابن بهلول عن أبيه عن محمد بن سنان عن المفضل قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: إن الله تبارك و تعالى خلق الأرواح قبل الأجساد بألفي عام، فجعل أعلاها و أشرفها أرواح محمد و علي و فاطمة و الحسن و الحسين و الأئمة بعدهم صلوات الله عليهم

فلما أسكن الله عز وجل آدم و زوجته الجنة قال لهما: «كلا منها رغداً حيث شئتما و لا تقربا هذه الشجرة» يعني شجرة الحنطة «فتكونا من الظالمين»[1] فنظرا إلى منزلة محمد و علي و فاطمة و الحسن و الحسين و الأئمة من بعدهم فوجداها أشرف منازل أهل الجنة فقالا: يا ربنا لمن هذه المنزلة؟

فقال الله جل جلاله: ارفعا رؤوسكما إلى ساق عرشي، فرفعا رؤوسهما فوجدا[1] اسم محمد و علي و فاطمة و الحسن و الحسين و الأئمة بعدهم صلوات الله عليهم مكتوبة على ساق العرش بنور من نور الجبار جل جلاله.

فقالا: يا ربنا ما أكرم أهل هذه المنزلة عليك و ما أحبهم إليك و ما أشرفهم لديك؟ فقال الله جل جلاله: لولاهم ما خلقتكما، هؤلاء خزنة علمي و أمنائي على سري، إياكما أن تنظرا إليهم بعين الحسد و تتمنيا منزلتهم عندي و محلهم من كرامتي فتدخلا بذلك في نهيي و عصياني فتكونا من الظالمين

يا آدم و يا حوا لا تنظرا إلى أنواري[۲] و حججي بعين الحسد فأهبطكما عن جواري، و أحل بكما هواني ...... فدلاهما بغرور،[۱] و حملهما على تمنّي منزلتهم فنظرا إليهم بعين الحسد[۱] فخذلا

(بحار الانوار ۔۔ صفحہ ۳۲۰ ۔ ۳۲۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: "محمد بن سنان نے مفضل سے روایت کیا کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجسام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل ارواح کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین صلوٰۃ اللہ علیہم کی ارواح کو دیگر تمام ارواح پر اعلیٰ و اشرف قرار دیا

پھر جب اللہ عز و جل نے آدم اور ان کی زوجہ کو جنت میں رہنے کی اجازت دی تو ان سے فرمایا: "کھاؤ اس میں سے جو چاہو، جہاں کہیں سے چاہو، اور پاس مت جانا اس درخت کے (یعنی گندم کے درخت کے) ورنہ تم ہو جاؤ گے ظالم۔" انہوں نے محمد، علی، فاطمہ اور حسن و حسین کے مرتبوں کو دیکھا تو وہ تمام اہل جنت سے اعلیٰ و اشرف نظر آنے تو کہنے لگے، اے رب ہمارے، یہ مقام کن حضرات کا ہے؟

اللہ جل جلالہ نے فرمایا، اپنا سر اٹھا کر میرے عرش کے پائے کی جانب نظر کرو۔ چنانچہ انہوں نے اوپر دیکھا تو وہاں عرش کے پائے پر محمد، علی، فاطمہ اور حسن و حسین اور ان کے بعد کے تمام ائمہ صلوٰۃ اللہ علیہم کے اسماء گرامی اللہ جل جلالہ کے نور کی روشنی سے لکھے ہوئے دیکھے۔

ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! اس مقام کے لوگوں کو تیرے ہاں یہ اکرام، اور تیری یہ محبت اور تیرے دربار میں ان کو یہ شرف و فضیلت کس بنا پر حاصل ہوا؟

اللہ جل جلالہ نے فرمایا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں تم دونوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔ یہ میرے علم کے محافظ ہیں، میرے بھید کے امین ہیں۔ ان کو حسد کی نظر سے دیکھنے اور میرے ہاں ان کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کی تمنا اپنے لئے کرنے سے بچتے رہو ورنہ تم دونوں میری حکم عدولی کے مرتکب ہو کر نافرمان ٹھہرو گے اور ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے

اے آدم اور اے حوا! تم دونوں میرے انوار اور میری حجتوں کو نظر حسد
سے ہرگز نہ دیکھنا ورنہ تمہیں اپنے قرب سے نکال کر ذلتوں میں گرا دوں گا
"پھر شیطان نے مائل کر لیا ان کو فریب سے ۔ " ان دونوں کو ان
حضرات کے مقام کی تمنا پر اکسایا، چنانچہ انہوں نے ان کو نگاہ حسد سے دیکھا
لہٰذا دونوں کو رسوائی اٹھانا پڑی ۔ "

د: - شي: عن عبدالرحمن بن كثير، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: إنّ الله تبارك وتعالى عرض على آدم في الميثاق ذرّيّته، فمرّ به النبيّ صلى الله عليه وآله وهو متّكئ على عليّ عليه السلام، وفاطمة صلوات الله عليها تتلوهما، والحسن والحسين عليهما السلام يتلوان فاطمة، فقال الله: يا آدم إيّاك أن تنظر إليه بحسد أهبطك من جواري، فلمّا أسكنه الله الجنّة مثّل له النبيّ وعليّ وفاطمة والحسن والحسين صلوات الله عليهم فنظر إليهم بحسد ثمّ عرضت عليه الولاية فأنكرها فرمته الجنّة بأوراقها، فلمّا تاب إلى الله من حسده وأقرّ بالولاية ودعا بحقّ الخمسة: محمّد وعليّ وفاطمة والحسن والحسين صلوات الله عليهم غفر الله له، وذلك قوله: «فتلقّى آدم من ربّه كلمات» الآية. (٢)

(بحارالانوار ... صفحہ ١٨٧، جلد ١١)

ترجمہ: "عبدالرحمن بن کثیر سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا:
"میثاق" میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی تمام
اولاد کو پیش کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، آپؐ علی
علیہ السلام کا سہارا لئے کھڑے تھے اور ان دونوں کے پیچھے زہرا صلوات اللہ
علیہا تھیں اور ان کے پیچھے حسن وحسین علیہم السلام تھے۔ اللہ نے فرمایا:
اے آدم! ان پر حسد کرنے سے بچنا ورنہ اپنے قرب سے گرا دوں گا۔ پھر
جب اللہ نے ان کو جنت میں ٹھکانہ دیا تو ان کے سامنے نبیؐ، علیؑ، فاطمہؑ اور
حسنؑ وحسینؑ کی شبیہ لائی گئی تو آدم علیہ السلام نے ان کو نظر حسد سے
دیکھا۔ پھر آدم کو ان کی ولایت کے اقرار کا حکم ہوا مگر اس نے انکار کر دیا تو
اس کے نتیجہ میں جنت کے پتے اس پر پھینکے گئے۔ پھر اس کے بعد جب اللہ
سے ان پر حسد کی معافی مانگی اور ولایت کا اقرار کر لیا اور ان پانچوں یعنی محمد،
علی، زہرا اور حسن وحسین صلوات اللہ علیہم کے حق کو تسلیم کر لیا تو اللہ نے

اس کو معاف کر دیا۔ اسی کی طرف اس ارشاد باری " فتلقی آدم من ربہ کلمات " میں اشارہ کیا گیا ہے۔"

٢ ـ شي: عن موسى بن محمد بن علي، عن أخيه أبي الحسن الثالث عليه السلام قال: الشجرة التي نهى الله آدم وزوجته أن يأكلا منها شجرة الحسد، عهد إليهما أن لا ينظرا إلى من فضّل الله عليه وعلى خلائقه بعين الحسد، ولم يجد الله له عزماً.[٣]

(بحار الانوار، صفحہ ۱۸۷، جلد ۱۱)

ترجمہ: "موسیٰ بن محمد بن علی اپنے بھائی ابوالحسن ثالث علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: اللہ نے آدم اور ان کی زوجہ کو جس درخت کے کھانے سے منع فرمایا تھا وہ حسد کا شجر تھا۔ اللہ نے ان دونوں سے یہ عہد لیا تھا کہ اپنی مخلوق میں سے جس کو اللہ نے خاص فضیلت بخشی ہے اس پر حسد نہیں کریں گے۔ لیکن اللہ نے ان کو عہد کا پختہ نہ پایا۔"

٣ ـ الحسين بن محمد، عن أحمد بن إسحاق، عن بكر بن محمد، عن أبي بصير قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: أصول الكفر ثلاثة: الحرص، والاستكبار، والحسد، فأمّا الحرص فإنّ آدم عليه السلام حين نُهي عن الشجرة، حمله الحرص على أن أكل منها، وأمّا الاستكبار فإبليس حيث أُمر بالسجود لآدم فأبى. وأمّا الحسد فابنا آدم حيث قتل أحدهما صاحبه.[۴]

(اصول کافی، صفحہ ۲۸۹، جلد ۲)

ترجمہ: "ابوبصیر سے روایت ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: کفر کی تین بنیادیں ہیں۔ حرص، تکبر اور حسد۔ حرص تو اس طرح کہ آدم علیہ السلام کو جب "شجرۂ ممنوعہ" (درخت جس کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا) سے منع کر دیا گیا تو حرص نے ان کو اسے کھانے کی ترغیب دی۔ اور تکبر کی بنا پر ابلیس نے حکم خداوندی کے باوجود آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور حسد کی بنیاد پر آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کر دیا تھا۔"

اہل عقل جانتے ہیں کہ حسد و کبر ابلیس کا مرض ہے۔ جس نے اس کو ہمیشہ کے لئے ملعون اور راندۂ درگاہ کر دیا۔ شیعہ راویوں نے حسد، کبر اور حرص تینوں اصول کفر

کو سیدنا ابو البشر علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے گویا ان کو (نعوذ باللہ) ابلیس سے بھی بڑھا دیا، پھر حکمِ خداوندی سے سرتابی کرنا بھی کفر جحود ہے، شیعہ راویوں نے اس کو بھی بلا تکلف حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ نعوذ باللہ۔

بارہواں غلو: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے نبوت، پھر خلت، پھر امامت دی گئی

"امامت کا رتبہ نبوت سے بالاتر ثابت کرنے کے لئے اس مضمون کی بھی متعدد روایات تصنیف کی گئیں کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کو پہلے نبوت عطا کی گئی، پھر خلت کا مرتبہ عطا کیا گیا، اس کے بعد تیسرے مرتبے میں امامت عطا کی گئی۔ اس سلسلہ کی ایک روایت:

بان "الامامة خص" اللہ عز" و جل" بہا إبراہیم الخلیل ﷺ بعد النبوة والخلة مرتبة ثالثة وفضیلة شرّفہ بہا وأشاد بہا ذکرہ فقال عز" وجل" : "إنی جاعلک للناس"

(بحار الانوار۔ صفحہ ۱۲۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: "ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و خلت عطا کرنے کے بعد تیسرے مرتبہ پر امامت کی فضیلت سے مشرف کیا۔ اسی کی طرف ارشاد باری تعالیٰ "انی جاعلک للناس اماماً" میں اشارہ کیا گیا ہے۔"

تیرہواں غلو: حضرت کلیم اللہ کو "حلۃ اصطفا" اماموں کی ولایت کی وجہ سے پہنایا گیا

امام حسن عسکری کی طرف منسوب کیا گیا کہ انہوں نے ایک رقعہ میں تحریر فرمایا: "فالکلیم البس حلة الاصطفاء لما عہدنا منہ الوفاء"

(بحار الانوار صفحہ ۲۶۵، جلد ۲۶)

ترجمہ: "پس کلیم اللہ کو "حلۃ اصطفا" اس وقت پہنایا گیا جب ہم نے ان سے وفا پائی۔"

چودھواں غلو : اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر ائمہ کی طاعت واجب ہوتی

حدیث شریف میں ایک قصہ کے ضمن میں یہ ارشاد نبویؐ وارد ہے :

"لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ إلا اتباعی"۔

ترجمہ : "یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا گیا کہ :

قال الحسن بن سلیمان : فعلی ھذا لو کان موسی ﷺ فی زمن محمد ﷺ لما وسعہ إلا اتباعہ ، و کان من أمتہ ، و وجب علیہ طاعۃ وصیہ أمیر المؤمنین و الأوصیاء من بعدہ ﷺ ۔

(بحار الانوار ..... صفحہ ۳۰۹، جلد ۲۶)

ترجمہ : "یہیں سے ثابت ہوا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تو ان کو آپؐ کی اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا اور وہ آپؐ کے امتی ہوتے۔ اور ان پر آپؐ کے وصی امیر المومنین اور ان کے بعد دوسرے اوصیاء علیہم السلام کی اطاعت بھی واجب ہوتی۔"

پندرھواں غلو : حضرت ایوب علیہ السلام نے حضرت علیؓ کی امامت میں شک کیا، اس لئے بیماری میں مبتلا ہوئے

شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کی کتاب "مسائل البلدان" میں پوری سند کے ساتھ حضرت سلمان فارسی اور امیر المومنین رضی اللہ عنہما کا ایک مکالمہ نقل کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ابتلاء کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے "ولایت علی" میں شک کیا تھا۔ روایت کا درج ذیل حصہ ملاحظہ فرمائیے :

فقال أمیر المؤمنین علیہ السلام : أتدری ما قصۃ أیوب و سبب تغیر نعمۃ اللہ علیہ ؟ قال : اللہ أعلم و أنت یا أمیر المؤمنین ، قال : لما کان عند الانبعاث للنطق [1]

شكّ أيّوب في ملكي [2] فقال: هذا خطب جليل وأمر جسيم، فقال الله عزّ وجلّ: يا أيّوب أتشكّ في صورة أقمته أنا؟ إنّي ابتليت آدم بالبلاء فوهبته له وصفحت عنه بالتسليم عليه بإمرة المؤمنين وأنت تقول: خطب جليل وأمر جسيم؟ فوعزّتي لأذيقنّك من عذابي أو تتوب إليّ بالطاعة لأمير المؤمنين.

ثمّ أدركته السعادة بي، يعني أنّه تاب وأذعن بالطاعة لأمير المؤمنين عليه السلام وعلى ذرّيّته الطيّبين عليهم السلام. [1]

(بحار الانوار ۔۔ صفحہ ۳۴۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ قصہ ایوب کیسے پیش آیا اور ان سے اللہ کی نعمتیں چھننے کا کیا سبب بنا؟ سلمان نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ جانتا ہے یا آپ کو معلوم ہے۔ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے (میری امامت ان کے سامنے پیش کر کے) ان سے اقرار لیا تو ایوب کو میری امامت میں شک ہوا اور کہنے لگے یہ تو بڑی بات ہے اور بڑا بھاری معاملہ ہے۔ اللہ عزّ و جلّ نے فرمایا کہ اے ایوب! تو اس شخصیت میں شک کرتا ہے جس کو میں نے خود مقرر کیا ہے؟ اسی بنا پر تو میں نے آدم کو ابتلا میں ڈالا، پھر امیر المومنین کی امارت تسلیم کر لینے کے صلہ میں اس پر عنایات کیں اور اس کو معاف کر دیا۔ اور تو کہتا ہے کہ یہ بڑی بات اور بھاری معاملہ ہے؟ مجھے اپنی عزت کی قسم! میں تجھے اپنا عذاب چکھا کر رہوں گا یہاں تک کہ تو توبہ تائب ہو کر امیر المومنین کی اطاعت کا اقرار نہ کرے۔

پھر میرے طفیل ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی یعنی انہوں نے توبہ کی اور امیر المومنین علیہ السلام اور ان کی پاکیزہ اولاد علیہم السلام کی اطاعت کا اقرار کر لیا۔"

سولہواں غلو: حضرت یونس علیہ السلام نے ولایت علیؑ سے انکار کیا تو مچھلی کے پیٹ میں قید کیے گئے

اس مضمون کی روایات ص ۱۵۰ سے ص ۱۵۵ پر گزر چکی ہیں، مزید دو روایتیں ملاحظہ فرمائیے:۔

الف: ـ قر: علي بن أحمد معنعنا عن جعفر بن محمد عن أبيه عن آبائه [3] قال:

قال رسول الله ﷺ: إنّ الله تعالى عرض ولاية عليّ بن أبي طالب (علیہ السلام) على أهل السماوات وأهل الأرض فقبلوها ما خلا يونس بن متى فعاقبه الله وحبسه في بطن الحوت لإنكاره ولاية أمير المؤمنين عليّ بن أبي طالب (علیہ السلام) حتّى قبلها.

(بحار الانوار ۔۔ صفحہ ۳۳۳ ۔ ۳۳۴، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام جعفر صادقؑ اپنے باپ دادا کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت آسمان والوں اور زمین والوں پر پیش کی تو یونس بن متی کے سوا سب نے اسے قبول کر لیا۔ اس کے نتیجہ میں اللہ نے یونس کو بطور سزا مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب کی ولایت کا انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کو قبول کیا تب ان کو رہائی ملی۔"

ب: ۔ یر: ابن معروف عن سعدان عن صباح المزنيّ عن الحارث بن حصيرة عن حبّة العرنيّ قال: قال أمير المؤمنين (علیہ السلام): إنّ الله عرض ولايتي على أهل السماوات وعلى أهل الأرض أقرّ بها من أقرّ وأنكرها من أنكر، أنكرها يونس فحبسه الله في بطن الحوت حتّى أقرّ بها [۲].

(بحار الانوار ۔۔ صفحہ ۲۸۲، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امیرالمومنین نے فرمایا کہ اللہ نے میری ولایت کو آسمان والوں اور زمین والوں پر پیش کیا۔ جس نے اقرار کرنا تھا تسلیم کر لیا اور جس کو انکار کرنا تھا منکر ہوا۔ یونس نے بھی انکار کر دیا تھا، تو تبھی اللہ نے اسے مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے بھی تسلیم کر لیا۔"

پہلے گزر چکا ہے کہ ولایت ائمہ میں شک و انکار کفر ہے۔ گویا حضرت ایوب اور حضرت یونس علیہم السلام نعوذ باللہ۔۔ پہلے کفر میں مبتلا ہوئے پھر اس سے تائب ہوئے۔

سترہواں غلو: حُبِ علیؑ اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا

شیعہ مومنین کو گناہوں کی کھلی چھٹی دینے کے لئے یہ روایت بھی تصنیف کی گئی ہے کہ حب علیؑ کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں اور بغض علیؑ کے ساتھ کوئی نیکی مفید نہیں۔ روایت کا متن یہ ہے:

أبو تراب في الحدائق والخوارزمي في الأربعين بإسنادهما عن أنس ، والديلمي في الفردوس عن معاذ ، وجماعة عن ابن عمر قال النبي ﷺ : حبُّ عليّ بن أبي طالب حسنة لا تضرُّ معها سيّئة ، وبغضه سيّئة لا تنفع معها حسنة .

(بحار الانوار صفحہ ۲۵۲، جلد ۳۹)

ترجمہ: "انسؓ، معاذؓ اور ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "حب علیؑ" ایسی نیکی ہے جس کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں۔ اور "بغض علیؑ" ایسا گناہ ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ بخش نہیں۔"

وقال ابن عبّاس : كان يهوديٌّ يحبُّ عليّاً حبّاً شديداً ، فمات ولم يسلم ، قال ابن عبّاس : فيقول الجبّار تبارك وتعالى : أمّا جنّتي فليس له فيها نصيب ، ولكن يا نار لا تهيديه ــ أي لا تزعجيه ــ .

فضائل أحمد و فردوس الديلمي : قال عمر بن الخطّاب : قال النبيّ ﷺ : حبُّ عليّ براءة من النار . وأنشد :

حبُّ عليّ جنّة للورى ۞ احطط به يا ربِّ أوزاري
لو أنّ ذمّيّاً نوى حبّه ۞ حصّن في النار من النار

(بحار الانوار صفحہ ۲۵۸، جلد ۳۹)

ترجمہ: "ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی حضرت علیؑ کے ساتھ شدید محبت رکھتا تھا۔ وہ اسلام لائے بغیر مر گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری جنت میں تو اس کا حصہ نہیں۔ لیکن اسے دوزخ! تو اس کو کچھ نہ کہنا۔"

فضائل احمد و فردوس دیلمی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "حب علیؑ" دوزخ سے

آزادی کا پروانہ ہے اور آپ نے دو شعر پڑھے (جن کا ترجمہ یہ ہے)

ترجمہ: "علی کی محبت مخلوق کے لئے جنت ہے، اے میرے رب! اس کے ذریعے میرے بوجھوں کو ہٹا دیجئے۔
اگر کوئی کافر "حب علیؓ" کی نیت کرے تو وہ دوزخ میں دوزخ سے محفوظ رہے۔"

مرجئہ کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ لیکن علامہ مجلسی کی مندرجہ بالا تصریح کے مطابق "حب علیؓ" کے بعد کفر بھی مضر نہیں اور نقل بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ "حب علیؓ" سے پُر امن تھے۔

اٹھارواں غلو: ازواج مطہرات کی طلاق علیؓ کے سپرد تھی

علامہ مجلسی نے حسن بن سلیمان کی "کتاب المختصر" کے حوالے سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

ألا و إني قد جعلت أمر نسائي بيده ،

(بحار الانوار صفحہ ۲۲، جلد ۳۹)

ترجمہ: "سنو! اور بے شک میں نے اپنی بیویوں کا معاملہ علیؓ کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔"

اس روایت کی تصنیف کے مقاصد اور مضمرات اہل فہم و دانش سے مخفی نہیں۔

انیسواں غلو: کربلا کی تخلیق کعبہ شریف سے پہلے ہوئی

علامہ مجلسی نے کتاب السماء والعالم کے "باب حدوث العالم و بدء خلقه" میں ابو سعید عباد العصفری کی کتاب کے حوالے سے امام باقرؒ کی روایت نقل کی ہے:

۱۶۷ - و منه : عن عمرو ، عن أبيه ، عن أبي جعفر عليه‌السلام قال : خلق الله أرض كربلاء قبل أن يخلق أرض الكعبة بأربعة وعشرين ألف عام ، و قدّسها و بارك عليها

فما زالت قبل خلق الله الخلق مقدّسة مبارکة . ولا تزال کذلك حتّی یجعلها الله أفضل أرض فی الجنّة ، و أفضل منزل ومسکن یسکن الله فیه أولیاءہ فی الجنّة .

(بحار الانوار صفحہ ۲۰۲، جلد ۵۷، روایت نمبر ۱۴)

ترجمہ: "امام باقرؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی زمین کو پیدا کرنے سے چوبیس ہزار سال پہلے کربلا کی زمین کو پیدا کیا۔ اور اسے مقدس بنایا اور اس کو بابرکت بنایا۔ پس یہ مخلوق کی تخلیق کے پہلے سے مقدس و بابرکت چلی آتی ہے۔ اور ہمیشہ ایسی ہی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں سب سے افضل زمین بنائیں گے۔ اور یہ جنت میں سب سے افضل مکان اور مسکن ہوگا۔ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ٹھہرائیں گے۔"

یہ چند نمایاں عقائد "نقل کفر کفر نباشد" کے طور پر عجلت میں نقل کیے گئے ہیں۔ اگر مزید تفتیش کی جائے تو اس کی بیسیوں مثالیں اور بھی ملیں گی۔ اور یہ عقائد ان پڑھ جاہلوں کے نہیں، بلکہ شیعہ مذہب کے اکابر و مشاہیر کے ہیں، جنہوں نے ان روایات کو بطور اعتقاد اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور ان پر سرخیاں جمائی ہیں۔ جیسا کہ اسی بحث کے شروع میں علامہ باقر مجلسی کے باب کی سرخی نقل کر چکا ہوں کہ "ائمہ انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں اور یہ کہ "امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔"

ساتویں بحث : امامت میں الوہیت کی جھلکیاں

شیعہ راویوں کی مبالغہ آرائیوں اور غلو پسندیوں سے صرف یہی نہیں کہ نبوت و رسالت کا مقام رفیع مجروح ہوا، بلکہ ائمہ کی شان میں غالیانہ قصیدہ خوانی کرتے ہوئے انہوں نے بد گمانی صمدیت کے ادب و احترام کو بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ مجھے معلوم ہے کہ حضرات امامیہ بڑی شدت کے ساتھ ائمہ سے صفات الوہیت کی نفی کیا کرتے ہیں اور جو فرقے ان حضرات کی الوہیت کے قائل ہیں، ان سے سخت بیزاری کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ مبالغہ آرائی کا مزاج پختہ تر ہو چکا ہے اس لئے ان بزرگوں کو "مافوق البشر" ثابت کرنے میں وہ بھی کسی غالی سے پیچھے نہیں۔

علامہ مجلسی کا یہ فقرہ اوپر گزر چکا ہے کہ:

"امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔"

اور آیت اللہ خمینی کا یہ فقرہ بھی گزر چکا ہے کہ:

"یہ عقیدہ ہمارے مذہب کے ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کے مقام اور مرتبہ کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔" (الحکومۃ الاسلامیہ صفحہ ۵۲)

علامہ مجلسی اور علامہ خمینی اس عقیدے کے اظہار پر اس لئے مجبور تھے کہ شیعہ راویوں کے مطابق ائمہ معصوم کی تعلیم یہی تھی۔ چنانچہ روضہ کافی میں امام صادق کا شیعوں کے نام ایک طویل خط نقل کیا ہے، اس کا ایک فقرہ ملاحظہ فرمایئے:

وان فضلهم لا يبلغه ملك مقرب ولا نبي مرسل

(روضہ کافی صفحہ ۱۰، جلد ۸)

ترجمہ: "ان کے اس درجہ کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ نبی مرسل۔"

اس سے قطع نظر کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کیسی توہین و تنقیص ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رسالت و نبوت سے بالاتر مرتبہ تو خدا کا ہے، تو کیا ائمہ، خدائی کے مرتبہ میں بھی کچھ عمل دخل رکھتے ہیں؟ حضرات امامیہ کی روایت سے اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ زمین اللہ کی ہے یا ائمہ کی؟

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾
(الأعراف: ۱۲۸)

ترجمہ: "بے شک زمین ہے اللہ کی، اس کا وارث کر دے جس کو چاہے اپنے بندوں میں۔"

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے: ان الارض کلہا للامام علیہ السلام "یعنی زمین ساری امام کی ملکیت ہے۔" مطلب یہ کہ زمین امام کی جاگیر ہے جس کو چاہے دے، جس سے چاہے لے۔

چنانچہ اسی باب میں ابوبصیر سے روایت ہے کہ میں نے امام صادقؒ سے پوچھا:

. أما على الإمام زكاة؟ فقال: أحلت يا أبا محمد أما علمت أن الدنيا و الآخرة للإمام يضعها حيث يشاء و يدفعها إلى من يشاء، جائز له ذلك من الله، إن الإمام يا أبا محمد لا يبيت ليلة أبداً ولله في عنقه حق يسأله عنه.

(اصول کافی صفحہ ۴۰۸، جلد ۱)

ترجمہ: "کیا امام پر زکوٰۃ نہیں ہوتی؟ فرمایا کہ اے ابو محمد! تم نے محال بات کی، تجھے معلوم نہیں کہ دنیا و آخرت امام کی ملکیت ہے۔ جہاں چاہے رکھے

اور جس کو چاہے دے، اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا پروانہ حاصل
ہے۔ اسے اختیار ہے۔ امام ایک رات بھی ایسی حالت میں نہیں گزارتا کہ اس کی
گردن پر اللہ کا حق ہو، جس کے بارے میں وہ اس سے سوال کرے۔"

۲۔ جلانا اور مارنا

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ نقل کیا ہے کہ جب
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾

ترجمہ: "میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔"

تو نمرود نے کہا:

﴿أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ﴾ (البقرۃ: ۲۵۸)

ترجمہ: "میں جلاتا اور مارتا ہوں۔"

اب دیکھئے یہی نمرودی فقرہ شیعہ راویوں نے حضرت امیرؓ سے منسوب
کر دیا:

وأنا أحيي وأنا أميت[1] وأنا حيٌّ لا أموت.

(بحار الانوار، صفحہ ۳۴۳، جلد ۳۹)

ترجمہ: "میں جلاتا ہوں، میں مارتا ہوں، میں حی لا یموت ہوں۔"

۳۔ اول و آخر، ظاہر و باطن

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی شان میں فرمایا ہے:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحدید: ۳)

ترجمہ: "وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن اور وہی سب
کچھ جانتا ہے۔"

اور شیعہ راویوں نے حضرت امیرؓ سے نقل کیا ہے:

أنا الأول ، وأنا الآخر ، وأنا الباطن ، وأنا الظاهر ،
وأنا بكل شئ عليم - (بحار الأنوار ۳۴۷ ج ۳۹)

ترجمہ: "میں ہی اول ہوں، میں ہی آخر ہوں، میں ہی باطن ہوں، میں ہی ظاہر ہوں اور میں ہر چیز کو جانتا ہوں۔"

۴۔ سینوں کے بھید جاننا

قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾

ترجمہ: "یعنی اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید جانتے ہیں۔"

اوپر گزر چکا ہے کہ امامیہ کے نزدیک ائمہ سینوں کے بھید جانتے ہیں۔

۵۔ روز جزا کا مالک

سورۂ فاتحہ میں فرمایا: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾

ترجمہ: "مالک روز جزا کے۔"

شیعہ راویوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روز جزا کا مالک ثابت کرنے کے لئے بہت سی روایت تصنیف کر لیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے:

۱۵ - قال : و روى البرقي في كتاب الآيات عن أبي عبدالله عليه السلام أن رسول الله صلى الله عليه وآله قال لأمير المؤمنين عليه السلام : يا علي أنت ديان هذه الأمة ، والمتولي حسابهم [2] ، وأنت ركن الله الأعظم يوم القيامة ، ألا وإن المآب إليك ، والحساب عليك والصراط صراطك ، والميزان ميزانك ، والموقف موقفك .

(بحار الانوار صفحہ ۲۷۲، جلد ۳۹)

ترجمہ: "حضرت صادقؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! تم ہی اس امت کو بدلہ دینے والے ہو، ان کا حساب تمہارے ہی سپرد ہے، تم قیامت کے دن اللہ کے رکن اعظم ہو گے۔ سنو! بے شک تیری طرف ہی لوگوں کا لوٹنا ہوگا، اور

تیرے ذمہ ہی لوگوں کا حساب ہوگا، پل صراط تمہارا ہوگا، میزان عدالت تمہاری ہوگی، اور قیامت کا موقف تمہارا ہوگا۔"

۶۔ قسیم الجنۃ والنار

بہت سی روایات میں حضرت امیرؓ کا لقب "قسیم الجنۃ والنار" آیا ہے۔ یعنی جنت و دوزخ کی تقسیم ان کے سپرد ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار "کتاب تاریخ امیر المومنین" میں اس پر مستقل باب باندھا ہے:

"انہ علیہ السلام قسیم الجنۃ والنار"

(بحار الانوار..... صفحہ ۱۹۳، جلد ۳۹)

۷۔ کائنات کے ذرہ ذرہ پر تکوینی حکومت

اگرچہ حضرات ائمہ ان تمام امور کی تاویلات فرماتے ہیں، لیکن شیعہ راویوں نے حضرات ائمہ کو خدا بنانے کی اچھی خاصی کوشش کی ہے۔ انہی سے متاثر ہو کر دور حاضر کے سب سے بڑے شیعہ رہنما جناب آیت اللہ خمینی نے اپنی کتاب "الحکومت الاسلامیہ" میں "الولایۃ التکوینیہ" کے زیر عنوان تحریر فرمایا:

"فإن للإمام مقاما محمودا ودرجة سامية وخلافة تكوينية تخضع لولايتها وسيطرتها جميع ذرات الكون". (صفحہ ۵۲)

ترجمہ: "امام کو وہ مقام محمود اور وہ بلند درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم و اقتدار کے سامنے سرنگوں اور زیر فرمان ہوتا ہے۔"

خلاصہ یہ کہ ائمہ کو "چشم بد دور" اچھی خاصی خدائی حاصل ہے۔ ایک طرف ائمہ کی شان میں اس غلو کی "شوراشوری" دیکھئے اور دوسری طرف تقیہ کی "بے نمکینی" ملاحظہ فرمایئے کہ تمام تر اقتدار و اختیار کے باوجود ائمہ مدۃ العمر نقاب تقیہ میں روپوش رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آٹھویں بحث: کیا عقیدۂ امامت دین و ملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا؟

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"عقیدۂ ختم نبوت بر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ یہ عقیدہ (یعنی عقیدۂ امامت) مربوط ہو کر حفظ دین سے متعلق ہوتا ہے... امام کا منصب تو حفظ دین و حفاظت ہے۔"

ختم نبوت پر آپ حضرات کا جیسا کچھ ایمان ہے اس کی حقیقت تو اوپر معلوم ہو چکی، رہا آپ حضرات کا یہ کہنا کہ عقیدۂ امامت حفظ دین کا ضامن ہے اور یہ کہ دین و ملت کی حفاظت امام کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اول تو یہ دونوں مقدمے غلط ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ گیارہ صدیوں سے آپ کا امام غیر حاضر ہے، مگر بفضل خداوندی اللہ تعالیٰ کا دین جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کی حفاظت امام پر موقوف نہیں کیونکہ اگر آج کے دور شرور و فتن میں، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانہ سے چودہ سو سال کا بعد ہو چکا ہے، باوجود اس کے اللہ کا دین محفوظ رہ سکتا ہے اور بحمد اللہ محفوظ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد آپ کے مصطلاحی "امام" کے بغیر دین محفوظ نہ رہتا۔

اگر فرض کیجئے کہ امام کی ضرورت حفظ دین ہی کے لئے ہے تو میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ آپ حضرات نے اماموں کے انتخاب میں غلطی کی، جن بزرگوں کو آپ نے "امام" بنایا، اصول شیعہ کے مطابق ان کے ذریعہ دین کی حفاظت نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ عقیدۂ امامت دین و ملت کی تخریب اور بیخ کنی کا سبب بنا۔ اور جن حضرات کو "امام" (یعنی خلفاء) مانتے ہیں ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے دین کی ایسی حفاظت ہوئی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس لئے میں ان دونوں نکتوں کو الگ الگ لکھوں

میں ذکر کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ شیعہ جن اکابر کو "امام" کہتے ہیں خود شیعہ اصول کے مطابق ان سے دین و ملت کی حفاظت نہیں ہو سکی، یا یوں کہئے کہ شیعوں کا عقیدۂ امامت خود انہی کے مسلمہ اصولوں کے مطابق حفظ دین و ملت کا ذریعہ ثابت نہیں ہوا۔ اور دوسری بحث یہ کہ بحمد اللہ اہل سنت کے "خلفائے راشدین" سے اللہ تعالیٰ نے حفظ ملت و اقامت دین کا کام لیا۔

شیعہ کے نزدیک ابو الائمہؓ سے بھی دین و ملت کی حفاظت نہ ہو سکی

شیعوں کے امام ثانی سے امام غائب تک گیارہ اماموں کے قصہ کو تو چھوڑیئے، شیعہ اصول کے مطابق ان کے امام اول ابو الائمہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ بھی دین و ملت کی حفاظت نہ کر سکے اور ان کی امامت کا عقیدہ بے مقصد ہی رہا۔ یقین نہ آئے تو "روضہ کافی" کی روایت نمبر ۲۱ بچشم عبرت ملاحظہ فرمائیے جس میں امیر المومنین کا طویل خطبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس خطبہ کا اقتباس درج ذیل ہے:

قد عملت الولاة قبلي أعمالاً خالفوا فيها رسول الله ﷺ متعمّدين لخلافه، ناقضين لعهده، مغيّرين لسنّته ولو حملت النّاس على تركها وحوّلتها إلى مواضعها و إلى ما كانت في عهد رسول الله ﷺ لتفرّق عنّي جندي حتّى أبقى وحدي أو قليل من شيعتي الّذين عرفوا فضلي و فرض إمامتي من كتاب الله عزّ وجلّ وسنّة رسول الله ﷺ، (روضہ کافی صفحہ ۵۹، جلد ۸)

ترجمہ: "مجھ سے پہلے کے حکمرانوں نے ایسے اعمال کئے جن میں جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ آپ کے عہد کو توڑا اور آپ کی سنت کو بدل ڈالا۔ اب اگر میں لوگوں کو ان کے چھوڑنے پر آمادہ کرنا چاہوں اور ان کو بدل کر اسی نہج پر لانا چاہوں جس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھے تو (مجھے خوف ہے کہ) میری فوج یقیناً مجھ کو چھوڑ دے گی اور میں تنہا رہ جاؤں گا یا تھوڑے بہت میرے وہ شیعہ میرے ساتھ رہ جائیں گے جن پر میری فضیلت اور کتاب و سنت سے میری امامت کی فرضیت کی حقیقت ثابت ہو چکی ہے۔"

اس کے بعد حضرت امیرؓ نے ان سنگین بدعات کا ذکر کرتے ہوئے جو راوی کے بقول حضرات شیخین نے ایجاد کی تھیں، یہ فرمایا کہ اگر میں ان امور کی اصلاح کردوں تو لوگ مجھ سے الگ ہوجائیں گے اور پھر فرمایا:

والله لقد أمرت الناس أن لا يجتمعوا في شهر رمضان إلا في فريضة وأعلمتهم أن اجتماعهم في النوافل بدعة فتنادى بعض أهل عسكري ممن يقاتل معي: يا أهل الإسلام غيرت سنة عمر ينهانا عن الصلاة في شهر رمضان تطوعاً ولقد خفت أن يثوروا في ناحية جانب عسكري [۱] ما لقيت من هذه الأمة من الفرقة وطاعة أئمة الضلالة والدعاة إلى النار . .

(روضہ کافی صفحہ ۶۲ - ۶۳، جلد ۸)

ترجمہ: "اللہ کی قسم! میں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ رمضان میں فرض کے سوا کوئی نماز با جماعت ادا نہ کیا کریں (یعنی تراویح کی نماز نہ پڑھیں) اور ان کو یہ بتایا کہ نوافل کا با جماعت ادا کرنا بدعت ہے تو میرے ہی لشکر میں ایسے لوگ جو میری معیت میں قتال کرتے ہیں، چلا اٹھے کہ اے اہل اسلام! سنت عمرؓ کو تبدیل کیا جارہا ہے، یہ شخص ہمیں رمضان میں نفلی نماز (یعنی تراویح) پڑھنے سے روکنا چاہتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہ لوگ میرے لشکر کے ایک حصہ کو ہی میرے مقابل کھڑا کردیں گے۔ میں نے ان لوگوں کو بہت ہی فرقہ بندی، ائمہ ضلالت کے پیروکار اور جہنم کی جانب دعوت دینے والے پایا" . . .

یہ خطبہ جناب آل سبکی تصنیف ہے، جس میں خلفائے ثلاثہ سے زیادہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی "تجویج" ہے۔ چنانچہ اس خطبے سے چند امور بالکل واضح ہوجاتے ہیں۔

اول: حضرت امیرؓ ان سنگین بدعات کی اصلاح نہ تو خلفائے ثلاثہ کے دور میں کرسکے اور نہ خود اپنے دور خلافت میں، گویا دین و ملت کی حفاظت کا انتظام ان سے رائی کے دانے کے برابر بھی نہ ہوسکا، لہٰذا اس روایت کی رو سے ان کی امامت حفظ دین و ملت کا سبب نہ ہوئی، بلکہ (نعوذ باللہ) تخریب دین و ملت کا سبب ہوئی۔

دوم : حضرات ثلاثہؓ نے جو کام کئے وہ تو ان کاموں کو اپنے اجتہاد کے مطابق ٹھیک ہی سمجھ کر کرتے ہوں گے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ ان سے اجتہاد میں چوک ہو گئی، لیکن (نعوذ باللہ) حضرت امیرؓ دین کی اس تحریف و تغییر کو جانتے بوجھتے برداشت کرتے رہے، اس لئے اس تحریف دین کا وبال بھی معاذ اللہ حضرت امیرؓ کی گردن پر رہا۔ فروع کافی کتاب الجہاد باب الامر بالمعروف و النھی عن المنکر میں روایت ہے:

۲ - عليّ بن إبراهيم، عن أبيه، عن عليّ بن أسباط، عن أبي إسحاق الخراساني، عن بعض رجاله قال: إنّ الله عزّ وجلّ أوحى إلى داود عليه السلام أنّي قد غفرت ذنبك وجعلت عار ذنبك على بني إسرائيل فقال: كيف يا ربّ وأنت لا تظلم؟ قال: إنّهم لم يعاجلوك بالنكرة[۱]۔ (فروع کافی ... صفحہ ۵۸، جلد ۵)

> ترجمہ : "اللہ عزوجل نے داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں نے تیرا "گناہ" تو معاف کر دیا لیکن تیرے "گناہ" کا وبال بنی اسرائیل پر ڈال دیا۔ انھوں نے عرض کیا: اے رب! یہ کیسے ہو گیا، آپ تو ظلم نہیں فرماتے؟ فرمایا: اس لئے کہ انھوں نے تجھے برائی سے باز رکھنے کا فوراً اہتمام نہیں کیا۔"

سوم : اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امیر المومنینؓ اپنی حکومت کی بقا کو دین و ملت کی حفاظت سے مقدم سمجھتے تھے۔ اہل عقل کا مسلّمہ اصول ہے کہ بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیز کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ حضرت امیرؓ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں ان کا لشکر ان کو چھوڑ کر الگ نہ ہو جائے، خلفاء ثلاثہؓ کے دور کی "بدعات" کو (جن میں روایت کے مطابق حرام کو حلال کر دیا گیا تھا) جوں کا توں باقی رکھا۔ معاذ اللہ دین و ملت کی تحریف و تغییر کو تو گوارا کیا مگر اپنی حکومت کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کیا۔ گویا راوی کے بقول دین و ملت کو اپنی چند روزہ حکومت پر قربان کر دیا۔ سوچئے کہ اس سے بدتر حضرت امیرؓ کی مذمت کیا ہو سکتی ہے؟ توبہ! استغفر اللہ! اس روایت کے مطابق گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معیار بھی نعوذ باللہ ۔ آج کے سیاسی لیڈروں سے کچھ بلند نہیں تھا، جن کو اپنی حکومت کا تحفظ ترویج شریعت، نفاذ اسلام اور اصلاح بدعات سے بڑھ کر عزیز ہوتا ہے۔

چہارم: حضرت امیر المومنینؓ بالاجماع "محب اللّٰہ ورسولہ و محبہ اللّٰہ ورسولہ" کا مصداق تھے۔ کیونکہ جنگ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "کل میں جھنڈا ایک ایسی شخصیت کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے ہیں" لیکن صحیفہ کاملہ کی یہ روایت کہتی ہے کہ نہیں! بلکہ حضرت امیر (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور بے دین تھے، کیونکہ خلفاء ثلاثہؓ کے دور میں سینکڑوں حرام چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا گیا۔ مگر حضرت امیرؓ ٹس سے مس نہ ہوئے، اور ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسا شخص عنداللہ مبغوض اور بے دین ہوتا ہے۔ چنانچہ "فروع کافی" کے مذکورہ بالا باب میں ہے:

۱۵۔ وبهذا الإسناد قال: قال النبي ﷺ: إن الله عز وجل ليبغض المؤمن الضعيف الذي لا دين له، فقيل له: وما المؤمن الذي لا دين له؟ قال: الذي لا ينهى عن المنكر.
(فروع کافی صفحہ ۵۹، جلد ۵)

ترجمہ: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ایسے مومن ضعیف سے بغض رکھتا ہے، جس کا کوئی دین نہ ہو۔ عرض کیا گیا کہ ایسا مومن جس کا کوئی دین ہی نہ ہو، کون ہوگا؟ فرمایا: جو "نہی عن المنکر" کا فریضہ ادا نہیں کرتا۔"

پنجم: اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امیر المومنینؓ ان گھناؤنی بدعات کو (جو اس روایت میں خلفاء ثلاثہؓ کی طرف منسوب کی گئی ہیں) برداشت کر کے امت کی ہلاکت کا سبب بنے۔ چنانچہ فروع کافی کے محولہ بالا باب میں خود حضرت امیرؓ کا خطبہ منقول ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کرنا امت کی ہلاکت کا موجب ہے:

۶۔ عدّةٌ من أصحابنا، عن سهل بن زياد، عن عبدالعزيز بن أبي معوان، عن عاصم

ابن محبوب، عن أبي حمزة، عن يحيى بن عقيل، عن حسن قال: خطب أمير المؤمنين عليه السلام فحمد الله وأثنى عليه وقال: أما بعد فإنه إنما هلك من كان قبلكم حيث ما عملوا من المعاصي ولم ينههم الربانيون والأحبار عن ذلك وإنهم لما تمادوا في المعاصي ولم ينههم الربانيون والأحبار عن ذلك نزلت بهم العقوبات فأمروا بالمعروف وانهوا عن المنكر واعلموا أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لم يقربا أجلاً ولم يقطعا رزقاً ،

(فروع کافی. صفحہ ۵۷، جلد ۵)

ترجمہ: "حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین خطبہ دے رہے تھے. اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاکت میں ڈال دیئے گئے کہ جب وہ معاصی میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء و احبار نے بھی ان کو اس سے منع نہ کیا۔ لہٰذا جب وہ معاصی میں حد سے بڑھ گئے اور علماء و احبار نے بھی ان کو باز رکھنے کی کوشش نہ کی تو ان پر پے در پے عذاب نازل ہونا شروع ہو گئے۔ اس لئے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو۔ یاد رکھو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ تو تمہیں موت سے ہمکنار کر دیں گے اور نہ تمہارے رزق کو تم سے روک دیں گے۔"

ششم: اس خطبہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرات شیخینؓ کیسی مقناطیسی شخصیت کے مالک تھے۔ اور صدر اول کے مسلمانوں (حضرات صحابہؓ و تابعینؒ) کے دلوں میں ان کی کیسی والہانہ محبت راسخ تھی، آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت امیرؓ کے اس خطبہ کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر بیس پچیس برس گزر چکے ہیں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کو قریباً پندرہ برس ہو چکے ہیں۔ لیکن اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کے دلوں پر ان کی محبت کا ایسا گہرا نقش ثبت تھا کہ حضرت امیرؓ جیسی محبوب و محترم شخصیت کے کہنے پر بھی وہ شیخینؓ کی سنت سے ایک انچ ادھر ادھر ہونے کے لئے تیار نہیں، کیوں نہ ہو، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے الفاظ ان کے کانوں میں گونج رہے تھے:

"علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي

تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ ۔

ترجمہ: "لازم پکڑو میری سنت کو، اور میرے خلفاء راشدین رض کی سنت کو، اس کو مضبوط تھام لو اور دانتوں کی کچلیوں سے پکڑ لو۔"

کسی زندہ شخص سے قرب و تعلق تو مادی نفع و نقصان کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے، لیکن جن حضرات کی وفات کو چودہ سو سال گزر چکے ہوں، ان کے بعد حکومتوں پہ حکومتیں بدل گئی ہوں اور ان کے عزیز و اقارب میں کوئی شخص کسی خطہ کا بھی حاکم نہ رہا ہو، ظاہر ہے کہ ان سے نہ کسی مادی نفع کی توقع ہو سکتی ہے اور نہ کسی دنیوی ضرر کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود شیخین رض کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ شیفتگی اور ان کے رگ و ریشہ میں ان حضرات کی محبت کا پیوست ہونا شیخین رض کی اعلیٰ ترین کرامت ہے، جو ان حضرات کے کمال اخلاص و للہیت اور غایت قرب عنداللہ کی واضح شہادت اور بین دلیل ہے۔

آل سبا نے حضرات خلفائے ثلاثہ رض کو نعوذ باللہ غاصب و ظالم اور جابر و جائر ثابت کرنے کے لئے یہ خطبہ امیر المومنین رض کے نام سے تصنیف کیا تھا، لیکن حضرات خلفائے راشدین رض کی اور خود حضرت امیر رض کی کرامت کا کرشمہ دیکھئے کہ خود اسی خطبہ نے حضرات شیخین رض کی محبوبیت و حقانیت اور اخلاص و للہیت کا ایسا زندہ جاوید ثبوت فراہم کر دیا جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ گویا حضرات شیخین رض کو یہ کہنے کا بجا طور پر حق ہے کہ:

ع "ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"

اور حضرت امیر رض کی مزعومہ امامت کو (جس کا موجد عبداللہ بن سبا تھا) خود اسی خطبہ نے حرف غلط ثابت کر دیا۔ وکفی اللہ المومنین القتال۔

خلاصہ یہ کہ حضرات خلفاء راشدین رض کو بدنام کرنے کے لئے سبائی کمیٹی کے ممبروں نے پہلے ولایت علی رض اور ولایت ائمہ کا عقیدہ تصنیف کیا، اور پھر حضرات ائمہ کے نام سے جعلی روایات کے طومار تصنیف ہونے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ ان روایات کے انبار لگا دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دین حق کو کیسا محفوظ رکھا!

حضرات خلفاء راشدین رض کو بدنام کرنے کے لئے جتنی شدت کے ساتھ روایاتی پروپیگنڈہ

کیا یہ ان حضرات کی حقانیت و للّٰہیت اتنی ہی زیادہ چمکی، اور یہ ہتھیار اثنا "ولایت علی" کے عقیدہ پر چل گیا۔ کیونکہ شیعہ روایات نے ثابت کر دیا کہ حضرت امیر المومنینؓ کی امامت سے دین وملت کو ایک ذرہ بھی فائدہ نہیں پہنچا۔ ان کے سامنے اللہ کے دین میں تحریف ہوتی رہی، خوفناک قسم کی بدعتیں جاری ہوتی رہیں، حضرت اقدس تحریف دین اور تخریب ملت کا یہ سارا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے، لیکن ان کی رگ حمیت کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی اور انہیں کلمہ حق کہنے کی کبھی توفیق نہ ہوئی، بلکہ ہمیشہ نقاب تقیہ میں روپوش رہے۔ غضب یہ کہ اپنے دور خلافت میں بھی ایک ذرہ اصلاح نہ کر سکے، بلکہ حکومت و شجاعت کے باوصف "ردائے تقیہ بر دوش" رہے۔ یہاں تک کہ برسر منبر "فضیلت شیخین" کے خطبے پڑھتے رہے۔

"أفضل هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر ثم عمر"۔

ترجمہ: "اس امت میں سب سے افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔"

کیا کوئی مسلمان حضرت علیؓ کے بارے میں اس کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بالکل صحیح لکھا ہے:

"و اگر تقیہ با وجود خلافت و شجاعت و شوکت و قیام جنگ با جمیع اہل ارض جائز باشد پس تواں گفت کہ با شیخین" ہم بنا بر تقیہ بود و بنا بر تقیہ انکار شیخین" می نمود، پس کلام "خیر الامت" متحقق است و خلاف او تقیہ۔

و نیز تواں گفت کہ ائمہ اسلام و تمام تابعین خوانندان وان روز ہمہ شیعیان ہمہ بنا بر تقیہ متفقین بود، و شک نیست کہ تقریر تقیہ بجز ترک اسلام لشد بود، از تقریر بسبب انکار شیخین"، پس امن از اسلام بر خاست، چہ جائے امامت، و ایں ہمہ سبا حثے می کنند کہ ہیچ مسلمانے خیال آں نمی تواند کرد۔" (ازالۃ الخفاء، صفحہ ۲۶۲، جلد ۱)

ترجمہ: "اگر تقیہ باوجود خلیفہ ہونے اور بہادر ہونے اور صاحب شوکت ہونے اور تمام دنیا کے لوگوں سے لڑ سکنے کے بعد بھی جائز ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ "شیخین" سے بدگمان تھے۔ حضرت علیؓ ان سے تعلق میں تقیہ کر کے "شیخین" کا انکار کر دیتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے جو مجمع عام میں "خیر الامۃ بعد نبیہا ابوبکر ثم عمر" فرمایا یہ کلمہ حق ہے اور اس کے خلاف جو تعلق میں شیعوں سے کہا وہ تقیہ ہے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اپنے کو مسلمان کہنا اور پنج وقتہ نماز پڑھنا اور دوزخ سے ڈر ظاہر کرنا ۔۔ نعوذ باللہ ۔۔ یہ سب باتیں مسلمانوں سے تقیہ کر کے کہتے تھے۔ اور کچھ شک نہیں کہ لوگوں کو جتنی نفرت ترک اسلام سے تھی، اتنی نفرت "شیخین" کے انکار سے نہ تھی۔ لہٰذا ان کے اسلام میں تقیہ کا احتمال بہت قوی ہے۔ پس امامت تو کیا؟ حضرت علیؓ کے اسلام کا بھی یقین نہ رہا۔ اور یہ نتائج مذہب شیعہ کے ایسے برے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا خیال بھی نہیں لا سکتا۔"

مکرر عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ ساری گفتگو اس تصویر پر ہے جو شیعہ روایات نے حضرت امیرؓ کی تیار کی ہے۔ اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدینؓ کے مثالب و مطاعن کے یہ سارے طومار سبائی کمیٹی کی ایجاد و اختراع ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد و امجاد، جن کے نام پر یہ سارا طومار تصنیف کیا گیا ہے، ان کا دامن سبائی راویوں کے اس تصنیف کردہ طومار سے یکسر پاک ہے۔ حضرت علیؓ خلیفہ راشد تھے، اور وہ اپنے پیشرو خلفائے راشدینؓ کے ساتھ شیر و شکر تھے، اسی طرح بعد کے اکابر بھی اہلسنت کے پیشوا و مقتدا تھے، اسی بنا پر اس ناکارہ نے عرض کیا تھا کہ شیعہ اصول پر حضرت علیؓ کی امامت سے دین و ملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اس لئے اگر آنجناب کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ "امام کا منصب اقامت دین و حفظ ملت ہے" تو یقین کرنا چاہئے کہ شیعہ اصول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعوں کے اصطلاحی امام نہیں تھے، اور نہ ہو سکتے تھے۔

دوسرے ائمہ کی امامت

ابوالائمہؓ کی امامت کا حال تو آپ سن چکے، اس کے بعد دیگر ائمہ کی امامت کے بارے میں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ تاہم کسی طویل بحث کے بغیر مختصراً ایک نکتہ پیش کرتا ہوں:

آنجناب نے اپنے گرامی نامہ میں امامت کی جو تعریفیں نقل کی ہیں ان میں امامت کی تعریف "ریاست عامہ" کے ساتھ کی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ "امام وہ ہے جو نیابۃً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں کا رئیس عام ہو۔" اور ریاست عامہ کے حصول کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ اول یہ کہ مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کسی شخصیت کو اپنا رئیس عام مقرر کرلیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہو جائیں۔ دوم یہ کہ کوئی شخص جبر و طاقت سے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط ہو جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفائے ثلاثہؓ کے دور میں مسلمانوں کے رئیس عام نہیں تھے، البتہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ارباب حل و عقد نے ان کو اپنا رئیس منتخب کرلیا اور وہ مسلمانوں کے "امام" بن گئے۔ اس دور میں اہلسنت بھی ان کو خلیفۂ برحق اور "امام" مانتے ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک اپنے والد گرامی قدر کے جانشین رہے، بلاشبہ اس زمانے میں وہ بھی "امام" تھے، اور ان کی خلافت، خلافت راشدہ کا تتمہ تھی۔ لیکن چھ مہینے کے بعد وہ خلافت سے دستبردار ہوگئے اور خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی۔ اس طرح ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی:

"إن ابني هذا سيد ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين".

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۹، بروایت صحیح بخاری)

ترجمہ: "میرا یہ بیٹا سردار ہے اور توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرا دیں گے۔"

خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد ان کی "ریاست عامہ" ختم ہو گئی۔ لہٰذا وہ
بھی امام نہ رہے۔ ان کے علاوہ باقی جن اکابر کو آپ "امام" کہتے ہیں ان کو "ریاست
عامہ" حاصل ہی نہیں ہوئی کہ ان کو "امام" کہنا صحیح ہو، جب آپ خود مانتے ہیں کہ
"امامت" ریاست عامہ کو کہتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان حضرات کو ریاست
عامہ کبھی حاصل نہیں ہوئی تو خود سوچئے کہ ان کو "امام" کہنا کیا خود آپ ہی کے اصول
اور قاعدے سے غلط نہ ہوا؟ اب آنجناب کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو از روئے
انصاف یہ تسلیم کر لیجئے کہ یہ حضرات، خود شیعہ اصول اور قاعدے کے مطابق "امام"
نہیں تھے، یہ نہیں تو پھر امامت کی تعریف بدل دیجئے اور کوئی ایسی تعریف کیجئے جو ان
"بزرگوں" پر صادق آئے۔ اور اعلان کر دیجئے کہ آپ کے بزرگوں نے "امامت"
کی جو تعریف کی ہے وہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ یہ تعریف تو ہمارے کسی ایک "امام" پر بھی
صادق نہیں آتی۔ ایک طرف امامت کی تعریف "ریاست عامہ" کے ساتھ کرنا، اور
دوسری طرف ایسے بزرگوں کو "امام" کہنا، جن کو کبھی ریاست عامہ حاصل نہیں ہوئی،
اس کی مثال تو بچوں کے کھیل کی سی ہوئی۔ بچے کھیل کھیلا کرتے ہیں تو اپنے میں سے کسی
کا نام "بادشاہ" رکھ لیتے ہیں، کسی کو "وزیر" بنا لیتے ہیں، کسی کو "کوتوال" نامزد
کر دیتے ہیں اور کسی کو "چور" فرض کر لیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ وہ بھی جانتے ہیں
کہ نہ ان کا بادشاہ، بادشاہ ہے نہ وزیر، وزیر ۔ محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔

اگر آپ حضرات بھی ایسے بزرگوں کا نام "امام" رکھ لیتے ہیں جن کو عالم وجود
میں "ریاست عامہ" تو کیا حاصل ہوتی، کبھی ایک چھوٹے سے گاؤں پر بھی ان کی
حکومت نہیں رہی تو یہ واقعتاً "امامت" نہ ہوئی، بلکہ بچوں کا کھیل ہوا۔

﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ
اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ﴾۔

ترجمہ: "نہیں ہیں یہ مگر نام، جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ
دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند۔"

اور جب خود آپ حضرات ہی کے اصول اور قاعدے سے ان اکابر کا "امام" ہونا غلط ہوا تو یہ کہنا بھی حرف غلط ٹھہرا کہ ان اماموں کا منصب اقامت دین اور حفاظت تھا۔۔۔ ہاں! یہ بھی "بچوں کا ایک کھیل" ہو تو اس میں گفتگو نہیں۔

خلاصہ یہ کہ شیعہ مسلمات کی رُو سے ان کا مزعومہ عقیدۂ امامت، اقامت دین اور حفاظت ملت کا سبب کبھی نہیں بنا۔ یا تو یہ تحریف دین اور تخریب ملت کا ذریعہ بنا، یا پھر محض بچوں کا کھیل۔

نویں بحث : خلافت راشدہ واقعی اقامت دین کا ذریعہ ثابت ہوئی

اگر آنجناب کا یہ اصول صحیح ہے کہ "امامت، حفظ دین کا ذریعہ ہے" اور یہ کہ "امام کا منصب اقامت دین و حفظ ملت ہے" تو میں بصد ادب عرض کروں گا کہ اقامت دین و حفظ دین کا عظیم الشان کام اہل تشیع کے نظریۂ امامت سے نہیں بلکہ اہلسنت کے "نظریۂ خلافت" سے ہوا اور اہل سنت کے "خلفاء راشدین" نے اقامت دین و حفظ ملت کا وہ شاندار کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان کا یہ کارنامہ جریدۂ عالم پر ایسا ثبت ہے کہ مومن تو مومن، کسی کافر کو بھی اس سے مجال انکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو عقل و انصاف کی نعمت خداداد سے بہرہ ور فرمایا ہے، اس لئے میں یہ گزارش کرنے میں حق بجانب ہوں کہ اس ناکارہ کی معروضات کو عقل و انصاف کی میزان میں تول کر دیکھئے، دل کو لگیں تو داد انصاف دیجئے ورنہ " لکم دینکم ولی دین " تو فرمودۂ خداوندی ہے۔

مقصود سے پہلے چند تمہیدی نکات پیش کرنا ضروری ہے :

۱: امامت کے معنی

لغت میں امامت کے معنی مقتدائیت و پیشوائی کے ہیں اور جس کی اقتداء کی جائے اس کو "امام" کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی، "مفردات القرآن" میں لکھتے ہیں:

"الإمام المؤتم به إنسانا، كأن يقتدى بقوله وفعله، أو كتابا أو غير ذلك، محقا كان أو مبطلا وجمعه أئمة".

(المفردات فی غریب القرآن... ص ۲۰)

ترجمہ: "امام، جس کی جمع ائمہ آتی ہے۔ وہ ہے جس کی اقتدا کی جائے، خواہ انسان ہو کہ اس کے قول و فعل کی اقتدا کی جائے یا کتاب ہو، یا اس کے سوا۔ خواہ وہ حق پرست ہو یا باطل پرست۔"

عموماً امام کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے:

اوّل: امام بہ معنی خلیفۂ برحق

کسی قوم کے "سربراہ اور رئیس عام" کو بھی "امام" اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں "امام" کا لفظ ہر جگہ اس کے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، "امام" بہ معنی رئیس قوم قرآن کریم میں شاید آیا۔ اس کے بجائے "خلیفہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ "امام عادل" اور "ائمہ جور" کے الفاظ حدیث میں بکثرت وارد ہیں۔ الغرض "امام" کے ایک معنی "خلیفۂ برحق" کے ہیں اور یہاں یہی معنی زیر بحث ہیں۔

دوم: امام بہ معنی دینی مقتدا و پیشوا

جو شخص ریاست و اقتدار تو نہیں رکھتا لیکن دینی علوم کی کسی شاخ میں مہارت و بصیرت رکھتا ہو، لوگ اس کے علم و فہم اور ماہرانہ بصیرت پر اعتماد کرتے ہوں اور وہ اپنے فن میں لوگوں کا مرجع اور مقتدا ہو اس کو اس فن کا "امام" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ۔ حدیث میں امام بخاریؒ و امام مسلمؒ۔ عقائد میں امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ۔ علم کلام میں امام رازیؒ و امام غزالیؒ۔ قرأت میں امام نافعؒ اور امام عاصمؒ، یہاں تک کہ نحو و عربیت میں خلیل اور سیبویہ کو امام مانا جاتا ہے۔ آیت شریفہ: وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (الفرقان: ۷۴) (اور بنا ہم کو متقیوں کا امام) میں امام کے یہی معنی مراد ہیں۔

حضرات شیعہ جن اکابر کو امام کہتے ہیں اسی دوسرے معنی کے لحاظ سے وہ درحقیقت اہلسنت کے امام ہیں۔ خصوصاً علم باطن، اصلاح و تزکیہ اور تصوف و سلوک

میں ان کی امامت مسلمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف و سلوک کے بیشتر سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتے ہیں، الغرض یہ اکابر دراصل اہلسنت کے امام و مقتدا اور دینی پیشوا ہیں۔ اہل تشیع ان کی اصطلاحی امامت کا غلط دعویٰ کرتے ہیں جس سے ان اکابر کا دامن یکسر بری ہے۔

سوم : امام بہ معنیٰ صاحب اقتدار

جن حکمرانوں کو ریاست و اقتدار حاصل ہو اور زمین میں ان کے احکام نافذ ہوں، لیکن دینی پیشوائی کا ایسا مقام ان کو حاصل نہ ہو کہ وہ خلفائے راشدینؓ کی طرح مرجع ہر خاص و عام ہوں، مجازاً ان کو بھی خلیفہ یا امام کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض امور دین مثلاً جہاد، تقسیم غنائم، اقامت جمعہ و اعیاد وغیرہ میں وہ فی الجملہ پیشوائی رکھتے ہیں۔ "امام" کے یہ دوسرے اور تیسرے معنی ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

امامت کے ان تین معنوں کو الگ الگ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کے درمیان امتیاز نہ کرنے سے بسا اوقات خلط بحث ہو جاتا ہے۔

۲ : امام بہ معنیٰ خلیفہ کا تقرر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے

چونکہ دین و ملت کے بہت سے احکام اجتماعی ہیں اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور اجتماعیت کسی امام اور رئیس عام کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے لئے کسی امیر اور رئیس عام کو منتخب کریں۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کا نعرہ تحکیم لا حکم الا للہ سنا تو فرمایا:

قال علیه السلام، کَلِمَةُ حَقٍّ يُرَادُ بِهَا بَاطِلٌ ! نَعَمْ إِنَّهُ لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ، وَلٰكِنَّ هٰؤُلَاءِ يَقُولُونَ : لَا إِمْرَةَ إِلَّا لِلّٰهِ . وَإِنَّهُ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِي إِمْرَتِهِ الْمُؤْمِنُ ، وَيَسْتَمْتِعُ فِيهَا الْكَافِرُ ، وَيُبَلِّغُ اللّٰهُ فِيهَا الْأَجَلَ ، وَيُجْمَعُ بِهِ الْفَيْءُ ، وَيُقَاتَلُ بِهِ الْعَدُوُّ ، وَتَأْمَنُ بِهِ

السُّبُلُ ، وَيُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيفِ مِنَ الْقَوِيِّ ، حَتَّى يَسْتَرِيحَ بَرٌّ ، وَيُسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ ۔
(نہج البلاغہ .... صفحہ ۸۲، خطبہ ۴۰)

ترجمہ: "کلمہ حق ہے مگر مراد باطل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حکم صرف اللہ کا ہے، لیکن یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ امارت (حکمرانی) تو صرف اللہ کی ہے حالانکہ لوگوں کے لئے کسی امیر کا ہونا ضروری ہے خواہ نیک ہو یا بد، اچھا ہو یا برا، تاکہ اس کے زیر حکومت مومن اپنے دین پر عمل پیرا ہو اور کافر تمتع حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ اس میں لوگوں کی مقدر میعاد پوری فرمائیں۔ اس کی سرکردگی میں اموال سے جمع ہوں، دشمنوں سے جہاد کیا جائے، راستے محفوظ ہو جائیں، قوی سے ضعیف کا حق دلایا جائے، (ہر طرف ایسا امن و امان قائم ہو جائے کہ) شریف آدمی سکھ چین کی زندگی گزارے اور فسادیوں کے شر کا کسی کو خوف نہ رہے۔"

اس خطبہ میں حضرت ؓ کے الفاظ " لا بد للناس من امیر بر او فاجر " سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر کا انتخاب مسلمانوں کی صوابدید پر ہے ورنہ ظاہر ہے کہ " بر او فاجر " کے الفاظ لغو اور بے معنی ہوں گے۔ جس طرح شریعت نے "امام نماز" کے اوصاف بیان کر دیئے ہیں اگر مسلمان، ان شرائط کے حامل کو "امام" بنائیں گے تو ماجور ہوں گے اور اگر ان شرائط کو ملحوظ نہیں رکھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ بہرحال یہ ذمہ داری انہی پر ہے کہ وہ حامل شرائط کو امام بناتے ہیں یا نہیں۔ نماز کی امامت "امامت صغریٰ" اور خلافت "امامت کبریٰ" کہلاتی ہے۔ اس لئے جو حکم امامت صغریٰ کا ہے وہی امامت کبریٰ یعنی خلافت کا سمجھنا چاہئے۔

۳: خلیفہ کا انتخاب اہل حل و عقد کی بیعت سے ہوتا ہے

اوپر معلوم ہو چکا کہ امامت و خلافت کے معنی ریاست عامہ کے ہیں۔ کسی قوم کا رئیس و سربراہ وہی ہو سکتا ہے جس کو ارباب حل و عقد اپنا رئیس و امام اور خلیفہ تسلیم کریں۔ لہٰذا خلافت کا انعقاد اہل حل و عقد کی بیعت پر موقوف ہے۔ کسی شخص کو امام اور

خلیفہ بنانے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ارباب حل و عقد اس کو اپنا امام تسلیم کرلیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو جائے۔ البتہ اہل حل و عقد کی بیعت کے بعد پھر کسی کو رد و قبول کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ بِهَذَا الْأَمْرِ أَقْوَاهُمْ عَلَيْهِ، وَأَعْلَمُهُمْ بِأَمْرِ اللهِ فِيهِ، فَإِنْ شَغَبَ شَاغِبٌ اسْتُعْتِبَ، فَإِنْ أَبَى قُوتِلَ. وَلَعَمْرِي، لَئِنْ كَانَتِ الْإِمَامَةُ لَا تَنْعَقِدُ حَتَّى يَحْضُرَهَا عَامَّةُ النَّاسِ، فَمَا إِلَى ذَلِكَ سَبِيلٌ، وَلَكِنْ أَهْلُهَا يَحْكُمُونَ عَلَى مَنْ غَابَ عَنْهَا، ثُمَّ لَيْسَ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَرْجِعَ، وَلَا لِلْغَائِبِ أَنْ يَخْتَارَ.

(نہج البلاغہ ...... صفحہ ۲۳-۲۲۸)

ترجمہ: ''اے لوگو! اس امر خلافت کا سب سے زیادہ حقدار وہی شخص ہے جو اس معاملہ میں سب سے مضبوط ہو۔ اور اللہ کے احکام کو زیادہ جانتا ہو۔ ایسے خلیفہ کے تقرر کے بعد اگر کوئی شور و شغب کرے تو اس کو فہمائش کی جائے اور اگر اس کے بعد وہ انکار کرے تو اس سے قتال کیا جائے۔ مجھے قسم ہے! اگر امامت اسی طرح منعقد ہوا کرتی کہ ہر ہر فرد حاضر ہو تو یہ ناممکن الوقوع ہے بلکہ اس کا طریقہ یہی ہے کہ اہل حل و عقد جس کو بھی وہ کسی مقرر کرلیں وہ امام قرار پائے گا پھر نہ تو وہ شخص جو موجود تھا، وہ اس سے سرتابی کر سکتا ہے اور نہ اس شخص کو، جو انتخاب خلیفہ کے وقت موجود نہیں تھا، اس کے رد و قبول کا اختیار حاصل رہتا ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

إِنَّهُ بَايَعَنِي الْقَوْمُ الَّذِينَ بَايَعُوا أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلَى مَا بَايَعُوهُمْ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَخْتَارَ، وَلَا لِلْغَائِبِ أَنْ يَرُدَّ، وَإِنَّمَا الشُّورَى لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، فَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ وَسَمَّوْهُ إِمَامًا كَانَ ذَلِكَ لِلَّهِ رِضًى، فَإِنْ خَرَجَ عَنْ أَمْرِهِمْ خَارِجٌ بِطَعْنٍ أَوْ بِدْعَةٍ

رَدُّوْهُ إِلَى مَا خَرَجَ مِنْهُ، فَإِنْ أَبَى قَاتَلُوْهُ عَلَى اتِّبَاعِهِ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ،
وَوَلَّاهُ اللّٰهُ مَا تَوَلَّى.

(نہج البلاغہ صفحہ ۳۶۶-۳۶۷)

ترجمہ: "مجھ سے ان حضرات نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) سے بیعت کی تھی۔ لہٰذا اب نہ شاہد کو (قبول و عدم قبول کا) اختیار رہا اور نہ غائب اس کو مسترد کر سکتا ہے۔ انتخاب خلیفہ کے لئے مشورے کا حق صرف مہاجرین و انصار ہی کو حاصل ہے جس شخص پر یہ حضرات متفق ہو جائیں اور اسے "امام" مقرر کرلیں، وہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ "امام" ہوگا۔ پھر اگر کوئی شخص "طعن" یا "بدعت" کی بنا پر ان کے فیصلے سے انحراف کرتا ہے تو یہ حضرات اس کو اس چیز کی طرف واپس لائیں گے جس سے وہ انحراف کر رہا ہے اور اگر وہ اس کے باوجود آمادۂ اطاعت نہیں ہوگا تو یہ حضرات اس سے قتال کریں گے، کیونکہ وہ "المومنین" کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو لیا ہے۔ اور جس طرف اس نے منہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف دھکیل دیں گے۔"

اس ارشادِ گرامی کا بغور مطالعہ کیجئے۔ اس میں مہاجرین و انصار کو اربابِ حل و عقد قرار دیا گیا ہے۔ ان کی بیعت کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب فرمایا ہے۔ اور اس سے انحراف کرنے والوں کو "متبع غیر سبیل المومنین" فرمایا ہے۔

۴: امام اول حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، حضرت علی مرتضیٰؓ نہیں

اہلسنّت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام اول اور خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم علی الترتیب امام برحق اور خلیفۂ راشد تھے۔ کیونکہ اہل حل و عقد مہاجرین و انصارؓ نے علی الترتیب انہی چاروں کو اپنا خلیفہ و امام منتخب کیا تھا۔ خلافت بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منصب تھا، اس لئے ان کو "امیر المومنین" نہیں بلکہ "خلیفہ رسول اللہؐ" کہا جاتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ ان کو خلیفۂ بلا فصل تسلیم کیا اور ان کی موجودگی میں اپنی خلافت کو "قبل از وقت" قرار دیا ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عباس اور حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت خلافت کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ، شُقُّوا أَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ، وَعَرِّجُوا عَنْ طَرِيقِ الْمُنَافَرَةِ، وَضَعُوا تِيجَانَ الْمُفَاخَرَةِ. أَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحٍ، أَوِ اسْتَسْلَمَ فَأَرَاحَ. هٰذَا مَاءٌ آجِنٌ، وَلُقْمَةٌ يَغَصُّ بِهَا آكِلُهَا. وَمُجْتَنِي الثَّمَرَةِ لِغَيْرِ وَقْتِ إِينَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ أَرْضِهِ.

(نہج البلاغہ صفحہ ۵۲)

ترجمہ: "اے لوگو! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر پار ہو جاؤ، منافرت کے راستے چھوڑ دو، مفاخرت کے تاج کو اتار پھینکو۔ کامیاب ہوا وہ شخص جو قوت بازو سے اٹھا یا جھگڑے سے کنارہ کش ہو کر اس نے لوگوں کو بدامنی سے راحت دی۔ یہ خلافت کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ بدمزہ پانی ہے اور ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں اٹک کر رہ جائے۔ پکنے سے پہلے پھل توڑنے والا ایسا ہے کہ دوسرے کی زمین میں کاشت کرے۔"

آخری جملہ بتاتا ہے کہ آپ خلیفۂ بلا فصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے اور اس وقت اپنی خلافت کو قبل از وقت سمجھتے تھے۔

خلفائے راشدینؓ مسلمانوں کے منتخب امام اور اللہ تعالیٰ کے موعود خلفاء تھے

ان تمہیدی مقدمات کے بعد گزارش ہے کہ یہ چاروں حضرات خلفائے راشدینؓ ہیں، جو افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی "فہرست" کے منتخب امام اور اللہ تعالیٰ کے

موعود خلیفہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلافت سے پہلے ان کے استخلاف فی الارض کی پیش گوئی فرمائی اور اس پیش گوئی میں ان کی اقامت دین اور حفاظت ملت کے اوصاف کو بطور خاص ذکر فرمایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ان پیش گوئیوں کے ظہور کا وقت آیا تو حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہم کو توفیق خاص عطا فرمائی کہ ان خلفاء اربعہؓ کو اپنا امام اور خلیفہ بنائیں تاکہ ان کے ذریعہ موعود پیش گوئیاں پوری ہوں اور اقامت دین و حفظ ملت کا عظیم الشان کارنامہ پردۂ غیب سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو۔

قرآن کریم میں اس قسم کی آیات بہت ہیں مگر خلفاء اربعہؓ کے بابرکت عدد کی مناسبت سے یہاں قرآن کریم کی چار پیش گوئیوں کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

پہلی پیش گوئی: مظلوم مہاجرین کو تمکین فی الارض نصیب ہوگی اور وہ اقامت دین کا فریضہ انجام دیں گے

سورۃ الحج کی آیت تمکین میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ﴾ (الحج: ۴۱)

ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔

اس آیت کی مختصر تشریح یہ ہے کہ اس سے اوپر کی آیات میں فرمایا تھا کہ جن مظلوم مہاجروں کو ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا ان کو اذن جہاد دیا جاتا ہے۔ چونکہ وہ دین خداوندی کے ناصر و مددگار ہیں اس لئے لامحالہ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و مدد فرمائیں گے۔ اس آیت میں بطور پیش گوئی ان مظلوم مہاجرین کی شان بیان فرمائی گئی کہ "اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمائیں، (جو اذن جہاد کی غایت ہے، قدرت

خداوندی کا اونیٰ کرشمہ اور نصرت الٰہی کا ایک ثمرہ و نتیجہ ہے) تو یہ حضرات زمین میں ارکان اسلام کو قائم کریں گے، نیکیوں کے پھیلانے اور بدیوں کے مٹانے کا اہتمام بلیغ فرمائیں گے۔" اور آخر میں فرمایا، وللہ عاقبۃ الامور "اللہ ہی کے اختیار میں ہے انجام سارے کاموں کا۔" مطلب یہ کہ مہاجرین کی یہ مٹھی بھر جماعت جو بے بسی و بے چارگی کے عالم میں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئی، اور جن کے گردوپیش خطرات کے ایسے بادل منڈلا رہے ہیں کہ گویا ان کو زمین سے اچک لیا جائے گا، ان کے بارے میں یہ پیش گوئی بظاہر عجیب و غریب معلوم ہوگی۔ لیکن دیکھتے رہو ایک وقت آنے گا کہ اسی جماعت کو تمکین فی الارض کی دولت سے سرفراز کیا جائے گا۔ ایسی کمزور جماعت کو تمکین فی الارض عطا کرنا حق تعالیٰ کے لطف و کرم، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے کچھ بھی بعید نہیں۔

یہ آیت شریفہ دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ مہاجرین کو زمین میں اقتدار (تمکین فی الارض) عطا کیا جائے گا، دوسرے یہ کہ ان کے دور اقتدار میں ان سے جو چیز ظہور پذیر ہوگی وہ ہے اقامت دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

اس وعدہ الٰہی کے مطابق مہاجرین اولین میں ان چار اکابر کو، جنہیں خلفاء راشدین کہا جاتا ہے، اقتدار عطا کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہی حضرات اس آیت شریفہ کے وعدہ کا مصداق تھے اور انہی کے حق میں مندرجہ بالا پیش گوئیاں پوری ہوئیں اور ان حضرات نے اقامت دین کا فریضہ انجام دیا۔

دوسری پیش گوئی: اہل ایمان سے استخلاف کا وعدہ

سورۂ نور کی آیت استخلاف میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (النور: ۵۵)۔

ترجمہ: "وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کئے
ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم
کیا تھا ان سے اگلوں کو، اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا
ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن۔ میری بندگی
کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو، اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے
پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔"

جو حضرات نزول آیت کے وقت موجود تھے اور جن سے لفظ "منکم" کے
ساتھ خطاب کیا جارہا ہے، ان سے اس آیت شریفہ میں چار وعدے فرمائے گئے ہیں:

پہلا وعدہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت میں سے کچھ لوگوں کو خلیفہ بنائیں گے، جن کی
بدولت اہل ایمان کی پوری جماعت کو استخلاف فی الارض نصیب ہوگا۔ کما قال تعالیٰ،
وجعلکم ملوکا۔ ان خلفاء کی خلافت، خلافت موعودہ اور عطیہ الٰہی ہوگی اور یہ
حضرات اللہ تعالیٰ کے نامزد کردہ موعود خلفاء ہوں گے۔ چونکہ وعدۂ الٰہیہ کے خلاف
ممکن نہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو ہر حال بروئے کار لائیں گے اور اس کے تکوینی
انتظامات فرمائیں گے۔

دوسرا وعدہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے دور خلافت میں اپنے پسندیدہ دین کو ایسا متمکن اور
جاگزیں بنا دیں گے کہ وہ رہتی دنیا تک قائم و مستحکم رہے گا۔ آئندہ کسی کے لئے یہ
ممکن نہ ہوگا کہ اس کی بنیادوں کو ہلا سکے۔ ان ربانی خلفاء کے ہاتھوں جو کچھ ظہور پذیر ہوگا
وہ وعدۂ الٰہیہ کا مظہر اور حق تعالیٰ شانہ کا پسندیدہ دین ہوگا، توفیق الٰہی ان کی دستگیری
فرمائے گی اور قدرت خداوندی اظہار دین کے لئے ان خلفاء کو اپنا آلۂ کار بنائے گی۔

تیسرا وعدہ: یہ کہ ان کے خوف کو امن سے بدل دیں گے۔ یعنی آج جو خطرے کے
بادل ان کے سروں پر منڈلا رہے ہیں، جب اس وعدہ الٰہیہ کے ظہور کا وقت آئے گا تو
یہ سارا خوف و ہراس جاتا رہے گا۔ دنیا کی جبروتی و طاغوتی طاقتیں ان سے لرزہ براندام
ہوں گی مگر ان کو کسی قوم سے خوف و خطر نہیں ہوگا۔

چوتھا وعدہ: یہ کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے ہوں گے، ان کے شب و روز عبادت الٰہی میں گزریں گے، کفر و شرک اور فتنہ و فساد کی جڑ کاٹ پھینکیں گے،
ان چند وعدوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

یعنی ان حضرات کا استخلاف حق تعالیٰ شانہ کا عظیم الشان انعام ہے، جو لوگ اس جلیل القدر نعمت کی بے قدری و ناشکری کریں گے وہ قطعاً فاسق اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان ٹھہریں گے۔

نزول آیت کے وقت تو کسی کو معلوم نہیں تھا کہ قرعۂ فال کس کس کے نام نکلتا ہے؟ خلافتِ الٰہیہ موعودہ کا تاج کن کن خوش بختوں کے سر پر سجایا جاتا ہے؟ کون کون خلیفۂ ربانی ہوں گے؟ اور ان کی خلافت کی کیا ترتیب ہوگی؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب یہ وعدۂ الٰہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا تب معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ کے یہ عظیم الشان وعدے انہی چار اکابر سے متعلق تھے جن کو "خلفائے راشدین" کہا جاتا ہے۔

گزشتہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہوچکا ہے کہ خلفاء اربعہ" حق تعالیٰ شانہ کے "موعود امام" تھے، حکمت خداوندی نے ان حضرات کو خلافت نبوت کے لئے پہلے سے نامزد کر رکھا تھا، اور تنزیل محکم میں ان کی خلافت کا اعلان فرمادیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان خلفاء ربانی اور ائمہ ہدیٰ کے ذریعہ دین و ملت کی حفاظت ہوئی اور وہ تمام امور جو امامت حقہ اور خلافت نبویہ سے وابستہ ہیں ان اکابر کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "ازالۃ الخفا" میں بالکل صحیح لکھا ہے:

> "ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ است، گویا در ایام نبوت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان می فرمود، و در ایام خلافت ساکت نشستہ بدست و سر اشارہ می فرمود۔" (ازالۃ الخفا صفحہ ۲۹، جلد ۱)
>
> ترجمہ: "خلافت راشدہ کا زمانہ، دور نبوت کا بقیہ تھا۔ گویا یوں کہئے کہ دور نبوت میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً زبان سے تکلم فرمارہے

تھے اور زمانۂ خلافت میں گویا خصوصی طور پر ہاتھ اور سر سے اشارہ فرما رہے تھے۔"

ان دونوں آیات شریفہ کے مطابق اقامتِ دین اور حفظِ ملت تو خلفاءِ راشدینؓ کی مشترک میراث تھی، قرآن و حدیث میں ان اکابر کے الگ الگ دور کی خصوصیات اور ان کے منفرد کارناموں کی بھی تصریحات و تلمیحات فرمائی گئی ہیں۔

تیسری پیش گوئی: مرتدین سے قتال

سورۃ المائدہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

(المائدۃ: ۵۴)۔

ترجمہ: "اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے، خبردار۔"

اس آیت شریفہ میں دین و ملت کی ابدی بقاء و حفاظت کے متعلق ایک عظیم الشان پیش گوئی کی گئی ہے کہ اسلام میں جب کبھی فتنۂ ارتداد سر اٹھائے گا حق تعالیٰ شانہٗ اس کے مقابلہ میں ایسی قوم کو لے آئے گا جن کو اللہ تعالیٰ سے عشق ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے، مسلمانوں پر شفیق و مہربان اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہوں گے، اور وہ دینِ حق کی سربلندی کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت

کا اندیشہ نہیں کریں گے۔

وصال نبوی ؐ کے بعد سب سے پہلا اور اسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا فتنۂ ارتداد، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں رونما ہوا اور پورے عرب میں ارتداد جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ ان میں سے بعض جھوٹے مدعیان نبوت کے پیرو ہوئے، مثلاً اسود عنسی ذوالخمار کی قوم بنو مدلج، مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ، طلیحہ اسدی کی قوم بنواسد، سجاح بنت منذر کی قوم بنو تمیم کے کچھ لوگ۔ بعض قبائل اپنے قدیم دین جاہلیت کی طرف لوٹ گئے اور بعض نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان مرتدین کی تفصیل حدیث و سیر کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جرأت ایمانی، حسن تدبر اور آپ ؐ کے رفقاء کی سرفروشانہ خدمات نے ارتداد کی اس آگ کو بجھایا جس نے پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی از سر نو شیرازہ بندی کی اور پورے عرب کو نئے سرے سے متحد کر کے ایمان و اخلاص اور جہاد فی سبیل اللہ کے راستے پر ڈال دیا۔ اور ان کے ہاتھ میں علم جہاد دے کر ان کو قیصر و کسریٰ سے ٹکرا دیا۔ لہٰذا اس قرآنی پیش گوئی کا اولین مصداق حضرت صدیق اکبر اور ان کے رفقاء ہیں۔ رضی اللّٰہ عنہم و رضوا عنہ

یہاں ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے وہ یہ کہ غزوۂ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: "میں کل یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ نیز اللہ و رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔"

اس ارشاد کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخصیت کا نام نامی مبہم رکھا تھا۔ اس لئے ہر شخص کو تمنا تھی کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئے۔ اگلے دن جب جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا گیا تو اس پیش گوئی کے مصداق میں کوئی التباس نہیں رہا اور سب کو معلوم ہو گیا کہ اس بشارت کا مصداق حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔

ٹھیک اسی نہج پر سمجھنا چاہئے کہ اس آیت شریفہ میں جس قوم کو مرتدین کے مقابلہ میں لائے جانے کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے نزول آیت کے وقت ان کے اسمائے گرامی کی تعیین نہیں فرمائی گئی تھی۔ اس لئے خیال ہو سکتا تھا کہ خدا جانے کون حضرات اس کا مصداق ہیں؟ لیکن جب وصال نبوی کے بعد فتنۂ ارتداد نے سر اٹھایا اور اس کی سرکوبی کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ اور ان کے رفقاءؓ کو کھڑا کیا گیا، تب حقیقت آشکارا ہو گئی اور کوئی التباس و اشتباہ باقی نہ رہا کہ اس پیش گوئی کا مصداق یہی حضرات تھے اور انہی کے درج ذیل سات اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں:

۱: یحبھم — یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہ حضرات محبوب بارگاہ الٰہی ہیں۔

۲: و یحبونہ — یعنی یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے سچے عاشق ہیں۔

۳: اذلۃ علی المؤمنین — یعنی مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہیں اور ان کے سامنے متواضع ہیں۔

۴: اعزۃ علی الکافرین — یعنی دشمنان دین کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہیں۔

۵: یجاھدون فی سبیل اللّٰہ — یعنی یہ حضرات مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ محض رضائے الٰہی کے لئے جہاد کرتے ہیں۔

۶: ولا یخافون لومۃ لائم — یعنی یہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔

۷: ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء — یعنی ان حضرات کو ان صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف کر دینا اور ان عظیم الشان خدمات اسلامیہ کا ان کے ہاتھ سے تصور پذیر ہونا محض فضل خداوندی اور لطف الٰہی کا کرشمہ ہے۔ لہٰذا یہ حضرات فضل خداوندی کا مورد ہیں، جو ان حضرات کی اعلیٰ ترین سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و لطف کے لئے جس کو چاہتے ہیں منتخب کر لیتے ہیں۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کا لطف و کرم اور

فضل خاص تھا کہ ان کمالات و خدمات کے لئے خلیفۂ اولؓ اور ان کے رفقاء کو چن لیا۔

۸۔ اور آخر میں فرمایا: واللہ واسع علیم۔ یہ گویا اوپر کے بیان کی تعلیل و تذلیل ہے۔ یعنی حق تعالیٰ شانہ کی وسعت و رحمت و فضل کا کیا ٹھکانا ہے؟ اور کسی کو ان الطاف کریمانہ اور مراحم خسروانہ کا مورد و مصداق بنا دینا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے؟ پھر وہ علیم و حکیم یہ بھی جانتا ہے کہ کس شخص میں کیسی صلاحیت و استعداد ہے، درجات ایمان میں کون کس مرتبہ پر فائز ہے اور کون ان عنایات بے پایاں اور الطاف الٰہیہ کا اہل اور مستحق ہے؟

ذرا انصاف کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے امام اولؓ اور ان کے رفقاء و معاونین کی کیسی مدح و ستائش فرمائی اور ان کے اوصاف و کمالات کو کیسے شاندار انداز میں بیان فرمایا۔ کیا اس سے بڑھ کر کسی امتی کے اوصاف و کمالات کا بیان کرنا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے الفاظ میں:

> "دریں آیت مدح کسانیکہ قتال مرتدین کردند باوصاف کاملہ کہ بالائے آن اوصاف در اصطلاح قرآن چیزے نیست ذکر فرمودند۔"
>
> (تحفہ اثنا عشریہ ... صفحہ ۱۸۶)
>
> ترجمہ: "اس آیت میں مرتدین سے قتال و جہاد کرنے والے حضرات کی ایسے اوصاف کمال کے ساتھ مدح فرمائی گئی کہ اصطلاح قرآن میں ان کمالات سے بڑھ کر اور کوئی کمال نہیں۔"

چوتھی پیش گوئی: خلفائے ثلاثہؓ کے حق میں

حق تعالیٰ شانہ سورۃ الفتح میں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (سورۃ الفتح ۱۶)

ترجمہ: "کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے کہ آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر، بڑے سخت لڑنے والے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے، پھر اگر تم کہا مانو گے تو دے گا تم کو اللہ بدلہ اچھا، اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے پہلی بار تو دے گا تم کو ایک عذاب دردناک۔"

یہ آیت شریفہ "آیت دعوت اعراب" کہلاتی ہے۔ اس میں روئے سخن ان اعراب، یعنی عرب کے بادیہ نشین قبائل — اسلم، جہینہ، مزینہ، غفار اور اشجع کی طرف ہے جنھوں نے سفر حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے پہلو تہی کی تھی۔ انہیں فرمایا جارہا ہے کہ آئندہ زمانے میں تمہیں ایک سخت جنگجو قوم کے مقابلے میں نکلنے کی دعوت دی جائے گی، تمہیں ان لوگوں سے مسلسل جنگ کرنا ہوگی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دے کر اسلام کے زیر نگیں آجائیں اور اطاعت قبول کرلیں، اس دعوت پر لبیک کہو گے تو اجر پاؤ گے اور اگر پہلے کی طرح پہلو تہی کرو گے تو دردناک سزا ملے گی۔

اس آیت شریفہ کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے جہاد کے لئے اعراب کو کبھی دعوت نہیں دی گئی جس میں جنگ و قتال کی نوبت آئی ہو، لامحالہ دعوت اعراب کی یہ پیش گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے زمانے سے متعلق ہوگی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اعراب کو قتال مرتدین کے لئے نکلنے کی دعوت دی گئی اور خلفائے ثلاثہؓ کے زمانے میں انہیں فارس و روم کے مقابلہ کی دعوت دی گئی، جس سے چند امور ثابت ہوئے:

اول: خلفائے ثلاثہؓ مجاہد فی سبیل اللہ اور داعی جہاد تھے، عرب و عجم سے ان کی معرکہ آرائی محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھی، اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے ان حضرات کی طرف سے دی گئی دعوت پر اپنی رضا و تحسین کی مہر ثبت فرمائی۔

دوم: ان حضرات کے دم قدم سے اسلام کی اشاعت ہوئی اور اس کو غلبہ ہوا۔ لقولہ تعالیٰ: تقاتلونهم او يسلمون۔

سوم: ان کی دعوت پر لبیک کہنے کا حکم دیا گیا اور اس پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا۔ ان کی

دعوت سے سرتابی کرنے کی ممانعت فرمائی اور اس پر عذاب الیم کی دھمکی دی گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب الاطاعت خلفاء ربانی تھے۔

قرآن کریم نے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے استخلاف کو پے در پے پیش گوئی کی صورت میں بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور پیش گوئیوں میں تخلف کی گنجائش نہیں۔ یہ پیش گوئیاں اگر ایک طرف قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت صادقہ کا اعجاز ہیں تو دوسری طرف حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ان پیش گوئیوں کا پورا ہونا ان حضرات کی حقانیت کی دلیل ہے۔ آنجناب اگر بنظر انصاف ان پر غور فرمائیں گے تو اس امر کے تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے کہ اہلسنت کے اصول پر "خلافت راشدہ" دین کی حفاظت و استحکام کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ گویا یہ حضرات، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کی دعوت و تبلیغ اور اشاعت کے جارحۂ الٰہیہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

قرآنی پیش گوئیوں کی تائید احادیث نبویہ ؐ سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات بھی ان پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں جو قرآن کریم کی مندرجہ بالا چار آیات کریمہ میں ذکر کی گئی ہیں۔ یہ احادیث فریقین کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں اختصار کے مدنظر حضرات شیعہ کی کتابوں سے صرف چار احادیث ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

پہلی حدیث: علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم میں "دعوت ذوالعشیرۃ" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> "حدیث صحیح میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیرؑ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کسی نے آپ کی دعوت قبول نہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں سے خوفزدہ تھے اور کشائش کا انتظار کر رہے تھے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا کہ اعلانیہ دعوت دیں اور تبلیغ کرو۔ پھر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور حجر

اسمٰعیلؑ کے پاس کھڑے ہو کر باآواز بلند ندا کی کہ اے گروہ قریش اور عرب کے لوگو! میں تم کو خدا کی وحدانیت کے اقرار اور اپنی پیغمبری کی شہادت کی دعوت دیتا ہوں اور بت پرستی ترک کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ میری بات مانو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو قبول کرو تو عرب و عجم کے بادشاہ ہو جاؤ گے اور بہشت میں بھی سلطنت حاصل ہوگی۔"

(اردو ترجمہ حیات القلوب صفحہ ۳۲۰)

دوسری حدیث: اسی کتاب میں آگے یہ روایت نقل کی ہے:

"علی بن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا نے مجھ کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ تمام بادشاہان باطل کو قتل کر دوں اور اے مسلمانو! ملک و بادشاہی تمہارے لئے قرار دوں۔"

(ایضاً صفحہ ۳۳۰)

یہ دونوں احادیث چند اہم ترین نکات و فوائد پر مشتمل ہیں:

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق کو قبول کرنے والوں کے لئے عرب و عجم کی بادشاہت کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔ اور یہ وعدہ خلفائے اربعہؓ کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ لہٰذا یہ حضرات اس عظیم الشان پیش گوئی کا مصداق تھے۔

دوم: یہ وعدہ دین حق کے قبول کرنے والوں سے تھا۔ جس سے واضح ہوا کہ یہ حضرات سچے دل سے دین اسلام کو قبول کرنے والے اور دین حق کے داعی تھے۔

سوم: ان حضرات سے عرب و عجم کی بادشاہت کے ساتھ "بہشت کی سلطنت" کا بھی وعدہ فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات وعدہ نبویؐ کے مطابق قطعی جنتی ہیں۔

چہارم: پیش گوئی میں "تمام بادشاہان باطل" کو قتل کرنے کی خوشخبری دی گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات "بادشاہان باطل" نہیں تھے بلکہ خلفائے ربانی "بادشاہان باطل کے قاتل" تھے۔

پنجم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہان باطل کے قتل کرنے کو اپنی طرف منسوب فرمایا، حالانکہ بادشاہان باطل کے قتل کا ظہور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم

کے ہاتھوں ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب تھے، اس لئے ان حضرات کے ہاتھوں جو کارنامے ظہور پذیر ہوئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

تیسری حدیث: علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں صدوق کی "امالی" اور "خصال" کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

٤ ـ ل، لي: محمد بن أحمد السناني ومحمد بن إبراهيم بن أحمد المكتب[١] عن محمد ابن عبد الله بن الفرج البرقي، عن محمد بن يزيد بن المهلب، عن أبي أسامة، عن عوف، عن ميمون، عن البراء بن عازب قال: لما أمر رسول الله ﷺ بحفر الخندق عرضت له صخرة عظيمة شديدة في عرض الخندق لا تأخذ منها المعاول، فجاء رسول الله ﷺ فلما رآها وضع ثوبه وأخذ المعول وقال: «بسم الله» وضرب ضربة فكسر[٢] ثلثها وقال: «الله أكبر أعطيت مفاتيح الشام، والله إني لأبصر قصورها الحمراء الساعة» ثم ضرب الثانية فقال: «بسم الله» فقلع ثلثا آخر فقال: «الله أكبر أعطيت مفاتيح فارس والله إني لأبصر قصر المدائن الأبيض» ثم ضرب الثالثة فقلع بقية الحجر وقال: «الله أكبر أعطيت مفاتيح اليمن والله إني لأبصر أبواب صنعاء مكاني هذا[٣]».

(بحار الانوار، صفحہ ۲۳۱، جلد ۲۰)

نیز علامہ مجلسی کی کتاب "حیات القلوب" جلد دوم میں اس حدیث کا حاصل مضمون یوں ذکر کیا گیا ہے:

"بیالیسواں معجزہ۔ خاصہ و عامہ نے روایت کی ہے کہ جنگ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے درمیان خندق کھودنا تقسیم فرمایا کہ ہر چالیس ہاتھ دس آدمی کھودیں۔ سلمانؓ اور حذیفہؓ کے حصے میں جو زمین آئی، اس کے نیچے پتھر نکلا جس پر پھاوڑا اثر نہیں کرتا تھا۔ سلمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد احزاب سے باہر آئے اور پھاوڑا لے کر تین بار پتھر پر مارا، ہر مرتبہ ایک

تیسرا حصہ پتھر سے جدا ہوتا اور برق سی چمکتی، جس سے تمام دنیا روشن ہو جاتی، اور حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ اکبر فرماتے، صحابہ بھی اللہ اکبر کہتے۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ پہلی روشنی میں یمن کے قصر نظر آئے اور خدا نے ان سب کو مجھے عطا فرمایا۔ دوسری مرتبہ شام کے قصر دکھلائی دیئے اور خدا نے ان سب کو مجھے کرامت فرمایا۔ اور تیسری بار مدائن کے قصر میں نے دیکھے اور خدا نے بادشاہان عجم کے ملک مجھے بخشے۔ اس کے بعد خدا نے یہ آیت نازل فرمائی: "لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" (سورۂ توبہ، آیت ۳۳) "خدا اس کے دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے گا اگرچہ مشرکین کراہت کریں۔"

(ترجمہ حیات القلوب ۔ صفحہ ۳۲۹)

چٹان کی یہ حدیث علامہ کلینی نے بھی "کافی کتاب الروضہ" میں روایت کی ہے، اس کے فاضل محشی جناب علی اکبر الغفاری لکھتے ہیں:

"حدیث الصخرۃ من اعلام النبوۃ رواہ العامۃ والخاصۃ باسانید کثیرۃ"

(الکافی کتاب الروضہ جلد ۸ ص ۲۱۶)

ترجمہ: "خندق میں چٹان نکلنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو اپنے دست مبارک سے توڑنے کی حدیث متواتر احادیث میں سے ہے۔ اس کو فریقین نے بہت سی اسانید سے روایت کیا ہے۔"

چوتھی حدیث: علامہ مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے:

"چونسواں معجزہ۔ ابن شہر آشوب وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ بن مالک کے ہاتھوں کو دیکھا جو پتلے اور بالوں سے بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا، جب اپنے ہاتھوں میں بادشاہ عجم کے ہاتھوں کے کڑے پہنو گے۔ چنانچہ عمر کے زمانہ میں مدائن فتح ہوا، عمر نے اس کو بلا کر بادشاہ عجم کے کڑے پہنائے۔ پھر حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب مدائن کو فتح کرنا

تو قبطیوں کو قتل مت کرنا کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی ماں اسی قبیلہ سے ہے۔ پھر فرمایا کہ روم کو فتح کرو گے۔ جب فتح کرنا تو اس کلیسا کو جو شرقی جانب ہے مسجد بنا لینا۔" (حیات القلوب ... صفحہ ۲۱۶، جلد ۲)

ان احادیث نبویہؐ سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان سے عرب و عجم کی حکومت کا وعدہ فرمایا تھا۔ اور یہ وعدہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذریعہ پورا ہوا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فارس و روم اور شاہان عجم کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی تھیں، یہ کنجیاں آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء راشدینؓ کو مرحمت ہوئیں۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے ان ممالک کو فتح فرمایا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کے کارنامے قرآن کریم کی پیش گوئی: "تاکہ غالب کر دے دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر" کی عملی تشکیل تھی۔ یہ حضرات دین حق کے علمبردار تھے اور ان کے ذریعہ دین حق کو ادیان باطلہ پر غالب کیا گیا۔

ان پیش گوئیوں کی تائید میں جناب امیرؓ کے ارشادات

حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی متعدد موقعوں پر اپنے پیشرو خلفائے راشدینؓ کی خلافت کو خلافت موعودہ قرار دیا اور ان کے کارناموں کی مدح فرمائی، یہاں آپ کے چار اقوال شریفہ نقل کرتا ہوں:

۱: نہج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے جنگ فارس میں بنفس نفیس شرکت کے بارے میں حضرات صحابہؓ سے مشورہ لیا تو حضرت امیرؓ نے فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهُ وَلَا خِذْلَانُهُ بِكَثْرَةٍ وَلَا بِقِلَّةٍ ۔ وَهُوَ دِيْنُ اللّٰهِ الَّذِي أَظْهَرَهُ ، وَجُنْدُهُ الَّذِي أَعَدَّهُ وَأَمَدَّهُ ، حَتّٰى بَلَغَ مَا بَلَغَ ، وَطَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ ، وَنَحْنُ عَلٰى مَوْعُودٍ مِنَ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ مُنْجِزٌ وَعْدَهُ ، وَنَاصِرٌ جُنْدَهُ ، وَمَكَانُ الْقَيِّمِ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ يَجْمَعُهُ وَيَضُمُّهُ : فَإِنِ انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُ وَذَهَبَ ، ثُمَّ لَمْ

يجتمع بحذافيره [٢٤٠٩٦] أبدا. والعرب اليوم، وإن كانوا قليلا، فهم كثيرون بالإسلام، عزيزون بالاجتماع! فكن قطبا، واستدر الرحا بالعرب، وأصلهم دونك نار الحرب، فإنك إن شخصت [٢٤٠٩١] من هذه الأرض انتقضت عليك العرب من أطرافها وأقطارها، حتى يكون ما تدع وراءك من العورات أهم إليك مما بين يديك.

إن الأعاجم إن ينظروا إليك غدا يقولوا: هذا أصل العرب، فإذا اقتطعتموه استرحتم، فيكون ذلك أشد لكلبهم عليك، وطمعهم فيك. فأما ما ذكرت من مسير القوم إلى قتال المسلمين، فإن الله سبحانه هو أكره لمسيرهم منك، وهو أقدر على تغيير ما يكره. وأما ما ذكرت من عددهم، فإنا لم نكن نقاتل فيما مضى بالكثرة، وإنما كنا نقاتل بالنصر والمعونة!

(تاریخ الامم ص ۲۰۳ قبلیہ ۱۲۶)

ترجمہ: "جہاد میں مسلمانوں کی کامیابی یا ناکامی کا مدار ان کی قلت و کثرت پر کبھی نہیں ہوا، یہ تو اللہ کا دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود غالب (کرنے کا فیصلہ) فرمایا ہے، اور مسلمانوں کی جماعت اللہ تعالیٰ کا وہ لشکر ہے جس کو اس نے خود تیار کیا ہے اور اس کی مدد فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا، اور پھیلا جہاں تک پھیلا۔ اور ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک وعدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو بہرحال پورا فرمائیں گے اور اپنے لشکر کی مدد فرمائیں گے۔

اور امور سلطنت کے منتظم اور حاکم اعلیٰ کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو کسی ہار یا تسبیح کے دھاگے کی ہوا کرتی ہے، کہ وہ تمام دانوں کو باہم جمع رکھتا ہے، اگر وہ دھاگا ٹوٹ جائے تو دانے بکھر کر ضائع ہو جائیں گے، اور جو ایک بار بکھر گئے تو پورے دانے دوبارہ کبھی جمع نہیں ہوں گے۔ آج اہل عرب اگرچہ تعداد میں کم ہیں لیکن اسلام کی بدولت کثیر ہیں اور آپس کے اتحاد و اتفاق کی بدولت معزز و سربلند ہیں۔ اس لئے آپ (حضرت عمرؓ) چکی کے قطب (درمیان کی کھونٹی) کی حیثیت اختیار کیجئے اور عربوں کے ذریعے اس (جنگ

نی) چکی کو گردش دیجئے، جنگ کی چکی میں خود کود جانے کے بجائے دوسروں
کو جھونکئے۔ کیونکہ اگر آپ بنفس نفیس زمین عرب سے نکل کر (میدان جہاد
میں) چلے گئے تو عرب (آپ کی بیعت کے ٹوٹنے) ہر طرف سے آپ
پر ٹوٹ پڑیں گے، (نظم خلل پذیر ہو جائے گا اور اندرون ملک کی دفاعی حیثیت
خطرناک حد تک کمزور ہو جائے گی) یہاں تک کہ آگے کے حالات کی بہ
نسبت ان علاقوں کے انتظامات کی فکر جن کو آپ غیر محفوظ چھوڑ کر جائیں
گے، زیادہ اہم مسئلہ بن جائے گا (تو آپ کی تشریف بری کا ایک نقصان تو یہ
ہوگا کہ عرب علاقے خطرناک حد تک غیر محفوظ ہو جائیں گے اور دوسرا نقصان
یہ ہوگا کہ) کل (جب آپ خود میدان جنگ میں جائیں گے تو) اہل عجم
آپ کو دیکھتے ہی کہیں گے کہ یہی شخص عرب کی اصل (قوت کا مرکز)
ہے۔ اگر تم (اہل عجم) اس جڑ کو کاٹ ڈالو تو (عرب کی قوت کا تناور درخت
دھڑام سے زمین پر گر جائے گا) اس طرح تم جنگ و قتال سے آسودہ ہو جاؤ
گے (اور اس کے بعد عربوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی) ان کا یہ
خیال ان کی توجہ کو آپ پر شدت کے ساتھ حملہ کرنے اور آپ کو ختم کرنے
پر مرکوز کر دے گا۔ رہی یہ بات جو آپ نے ذکر فرمائی ہے کہ یہ پوری قوم عجم
مسلمانوں کے مقابلے میں نکل آئی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس
نکلنے کو آپ سے زیادہ ناپسند فرماتے ہیں، اور جس چیز کو وہ ناپسند کرتے ہیں
اس کے بدلنے پر قادر بھی ہیں (تو ہم لوگ زیادہ پریشان کیوں ہوں؟) اور
آپ نے جو ان کی کثرت تعداد کو ذکر فرمایا ہے تو (یہ بھی فکر کی بات نہیں،
کیونکہ) ہم گزشتہ زمانے میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے
میں) کثرت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے تھے بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی مدد و
نصرت کے سہارے لڑتے تھے۔ (چنانچہ اب بھی ان شاء اللہ یہی ہوگا)۔"

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ارشاد: "ونحن موعودون من اللّٰه واللّٰه منجز وعده" (اور ہم سے اللہ تعالیٰ کا ایک وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہیں) میں سورۂ نور کی اسی آیت استخلاف کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت موعودہ سمجھتے تھے

اور ان کو "امام موعود" جانتے تھے، جس دین کی وہ نشر و اشاعت فرما رہے تھے اس کو "اللہ کا دین" تصور فرماتے تھے، اور ان کی قیادت میں جو لشکر مصروف جہاد تھے ان کو "اللہ کا لشکر" یقین کرتے تھے۔ گویا آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے جو چار وعدے فرمائے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ان چاروں وعدوں کا مصداق سمجھتے تھے۔

اس خطبہ سے یہ بھی روشن ہوا کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان خلفائے راشدین اور خلفائے ربانی کے ساتھ دل و جان سے اخلاص رکھتے تھے، اور ان کے بہترین مشیر و وزیر تھے۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگ حضرت امیرؓ سے بیعت کے لئے جمع ہوئے تو ان سے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو خلیفہ بناؤ، کیونکہ امیر ہونے کی بہ نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے:

دَعُونِي وَالْتَمِسُوا غَيْرِي ، فَإِنَّا مُسْتَقْبِلُونَ أَمْراً لَهُ وُجُوهٌ وَأَلْوَانٌ ، لَا تَقُومُ لَهُ الْقُلُوبُ ، وَلَا تَثْبُتُ عَلَيْهِ الْعُقُولُ . وَإِنَّ الْآفَاقَ قَدْ أَغَامَتْ ، وَالْمَحَجَّةَ قَدْ تَنَكَّرَتْ . وَاعْلَمُوا أَنِّي إِنْ أَجَبْتُكُمْ رَكِبْتُ بِكُمْ مَا أَعْلَمُ ، وَلَمْ أُصْغِ إِلَى قَوْلِ الْقَائِلِ وَعَتْبِ الْعَاتِبِ ، وَإِنْ تَرَكْتُمُونِي فَأَنَا كَأَحَدِكُمْ ، وَلَعَلِّي أَسْمَعُكُمْ وَأَطْوَعُكُمْ لِمَنْ وَلَّيْتُمُوهُ أَمْرَكُمْ ، وَأَنَا لَكُمْ وَزِيراً ، خَيْرٌ لَكُمْ مِنِّي أَمِيراً !

(نہج البلاغہ صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: "مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو خلیفہ بناؤ۔ ہم لوگوں کو ایسے امر سے سابقہ ہے جس کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں، جس کے سامنے نہ دل ٹھہر سکتے ہیں اور نہ عقلیں اس کے مقابلہ کی تاب رکھتی ہیں، دین کے افق پر گھٹائیں چھا رہی ہیں، راستہ بے پہچان ہو رہا ہے۔ یاد رکھو! اگر میں تمہاری بات مان لیتا ہوں (یعنی خلیفہ بن جاتا ہوں) تو میں اپنے علم کے مطابق تم سے عمل کراؤں گا۔ نہ کسی کہنے والے کی بات پر کان دھروں گا اور نہ کسی ملامت ہونے والے کی ناراضی کی پروا کروں گا، اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں

جیسا ایک فرد ہوں گا، اور امید رکھتا ہوں کہ جس کو بھی تم اپنا امیر منتخب کرو گے میں تم سے زیادہ اس کی سمع و طاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور میرے امیر بننے کی نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔"

اگر ان کے دل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذرا بھی میل ہوتا تو یہ اچھا موقع تھا کہ ان کو جنگ فارس میں شرکت کا مشورہ دیتے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں کام آتے اور "خس کم جہاں پاک" کا مضمون صادق آتا۔ اس کے بجائے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وجود کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ خدانا کردہ ان کو کچھ ہو گیا تو ملت اسلامیہ کا شیرازہ ایسا بکھر کر رہ جائے گا کہ پھر مسلمانوں کو ایسی اجتماعیت کبھی نصیب نہیں ہوگی۔ الغرض اس خطبہ مرتضوی کا ایک ایک لفظ اہل عقل و ایمان کے لئے سرمہ چشم بصیرت ہے۔ "ومن یضلل اللّٰہ فلا ھادی لہ"

۲: نہج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے قتال روم کے بارے میں مشورہ لیا تو فرمایا:

وَقَدْ تَوَكَّلَ اللهُ لِأَهْلِ هٰذَا الدِّينِ بِإِعْزَازِ الْحَوْزَةِ، وَسَتْرِ الْعَوْرَةِ. وَالَّذِي نَصَرَهُمْ، وَهُمْ قَلِيلٌ لَا يَنْتَصِرُونَ، وَمَنَعَهُمْ وَهُمْ قَلِيلٌ لَا يَمْتَنِعُونَ، حَيٌّ لَا يَمُوتُ.

إِنَّكَ مَتَى تَسِرْ إِلَى هٰذَا الْعَدُوِّ بِنَفْسِكَ، فَتَلْقَهُمْ فَتُنْكَبْ، لَا تَكُنْ لِلْمُسْلِمِينَ كَانِفَةٌ دُونَ أَقْصَى بِلَادِهِمْ. لَيْسَ بَعْدَكَ مَرْجِعٌ يَرْجِعُونَ إِلَيْهِ، فَابْعَثْ إِلَيْهِمْ رَجُلًا مِحْرَبًا، وَاحْفِزْ مَعَهُ أَهْلَ الْبَلَاءِ وَالنَّصِيحَةِ، فَإِنْ أَظْهَرَ اللهُ فَذَاكَ مَا تُحِبُّ، وَإِنْ تَكُنِ الْأُخْرَى، كُنْتَ رِدْءًا لِلنَّاسِ وَمَثَابَةً لِلْمُسْلِمِينَ.

(نہج البلاغہ۔ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳)

ترجمہ: "جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے غزوۂ روم میں بنفس نفیس جانے کے بارے میں آپ سے مشورہ کیا تو فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اس دین کے ماننے والوں کے لئے اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور ان کی غیر محفوظ جگہوں کے دشمن کی نظر سے بچائے رکھنے کا خود ذمہ لیا ہے، جس ذات نے ان کی اس وقت مدد کی، جب کہ وہ اتنے قلیل تھے کہ اپنا بدلہ نہیں لے سکتے تھے، اور ان کی اس وقت حفاظت کی جب کہ وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، وہ حی لایموت ہے (جس طرح ان کی اس وقت مدد کی تھی اسی طرح اب بھی کرے گا) اگر آپ ان دشمن کے مقابلہ میں بنفس نفیس تشریف لے گئے، اور خود ان سے جا کر ٹکرا گئے پھر خدا نخواستہ معاملہ دگرگوں ہو گیا تو اسلامی مملکت کے آخری شہروں تک مسلمانوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی۔ اور آپ کے بعد ان کا کوئی مرجع اور مرکز نہیں رہے گا جس کی طرف وہ لوٹ کر آ سکیں۔ لہذا (میرا مشورہ یہ ہے کہ) ان کے مقابلہ میں خود جانے کے بجائے کسی تجربہ کار آدمی کو بھیجئے۔ اور اس کے ساتھ سرد و گرم چشیدہ مخلص لوگوں کو کیجئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا تو آپ کا مدعا حاصل ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی دوسری صورت ہوئی تو آپ لوگوں کے لئے مددگار اور مسلمانوں کے لئے جائے پناہ رہیں گے (اور مسلمان آپ کے پاس جمع ہو کر دوبارہ حملے کے لئے تیاری کر سکیں گے)"

اس ارشاد میں بھی اسی آیت استخلاف اور آیت تمکین کی طرف اشارہ ہے۔

۴: نہج البلاغہ میں حضرت امیر کا ایک خطبہ نقل کیا ہے:

لِلّٰہِ بِلَادُ فُلَانٍ، فَلَقَدْ قَوَّمَ الْأَوَدَ، وَدَاوَى الْعَمَدَ، وَأَقَامَ السُّنَّةَ، وَخَلَّفَ الْفِتْنَةَ، ذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ، قَلِيلَ الْعَيْبِ، أَصَابَ خَيْرَهَا، وَسَبَقَ شَرَّهَا، أَدَّى إِلَى اللّٰهِ طَاعَتَهُ، وَاتَّقَاهُ بِحَقِّهِ، رَحَلَ وَتَرَكَهُمْ فِي طُرُقٍ مُتَشَعِّبَةٍ، لَا يَهْتَدِي بِهَا الضَّالُّ، وَلَا يَسْتَيْقِنُ الْمُهْتَدِي۔ (نہج البلاغہ ۔ صفحہ ۳۵۰)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ "فلاں" شخص کو جزائے خیر دے کہ (۱) کجی کو سیدھا کر دیا (۲) اندرونی مرض کی اصلاح کر دی (۳) سنت کو قائم کر دیا (۴)

بدعت کو پیچھے ڈال دیا (۵) پاکدامن اور کم عیب دنیا سے گیا (۶) خلافت کی خوبی اور بھلائی کو پالیا (۷) اور فساد خلافت سے پہلے چلا گیا (۸) اللہ کی بارگاہ میں اس کی طاعت ادا کردی (۹) اور حق کے موافق پرہیزگاری اختیار کی (۱۰) (اس کی موجودگی میں اس کی برکت سے تمام امت متفق و متحد تھی، لیکن اس کی موت سے امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ چنانچہ وہ اپنے بعد) لوگوں کو شاخ در شاخ راستوں میں چھوڑ گیا، جن میں نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے نہ ہدایت یافتہ یقین پاتا ہے۔"

جناب رضی نے نہج البلاغہ کو مرتب کرتے ہوئے حضرت امیرؓ کے خطبہ سے اصل نام حذف کر کے اس کی جگہ "فلاں" کا لفظ لکھ دیا۔ اس لئے شارحین نہج البلاغہ کو لفظ "فلاں" کی تعیین میں دقت پیش آئی۔ بعض نے خلیفہ اول اور بعض نے خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہما کو اس کا مصداق ٹھہرایا۔ بہرحال حضرت امیرؓ نے اپنے پیش رو خلیفہ کی ایسی دس صفات ذکر فرمائی ہیں، جو خلافت و امامت سے سرمایہ مقصود ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کسی خلیفہ ربانی کی مدح ممکن نہیں۔

۳: نہج البلاغہ میں حضرت امیرؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

۴۶۷ - وقال عليه السلام في كلام له: وَوَلِيَهُمْ وَالٍ فَأَقَامَ وَاسْتَقَامَ، حَتَّىٰ ضَرَبَ الدِّينُ بِجِرَانِهِ۔ (نہج البلاغہ صفحہ ۵۵۷)

ترجمہ: "پھر حاکم ہوا ان کا ایک والی، پس اس نے قائم کیا دین کو، اور وہ ٹھیک سیدھا چلا، یہاں تک کہ رکھ دیا دین نے زمین پر اپنا سینہ۔"

ملا فتح اللہ کاشانی شارح نہج البلاغہ نے پہلے فقرہ کا ترجمہ یہ کیا ہے:

"والی ایشاں شد والی کہ آں عمر خطاب است"

یعنی: "ان کا حاکم ہوا ایک حاکم کہ اس سے مراد حضرت عمرؓ ہیں۔"

اور آخری فقرہ کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

"تا آنکہ بزد دین پیش سینہ خود را بر زمین، و ایں کنایت است از استقرار و تمکین اہل اسلام"

ترجمہ: "یہاں تک کہ دین نے اپنے سینہ کا اگلا حصہ زمین پر رکھ دیا اور یہ اس سے کنایہ ہے کہ قلبِ اسلام کو خوب استقرار اور تمکین حاصل ہوئی۔"

جناب امیرؓ کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ وہ اپنے پیش رو خلفاء کی خلافت کو خلافتِ راشدہ سمجھتے تھے، قرآن کریم کے وعدوں کا مصداق جانتے تھے اور ان اکابر کے مشیر اور وزیر باتدبیر تھے۔ کیونکہ ان کی خلافتوں سے دین کو تمکین حاصل ہوئی، اسلام کا پرچم بلند ہوا اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ایک ارشاد تبرکاً حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا نقل کرتا ہوں:

علامہ مجلسی نے بحار الانوار "تاریخ امام حسنؓ" کے انیسویں باب میں اردبیلی کی "کشف الغمہ" کے حوالے سے حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے صلح نامہ کا متن نقل کیا ہے، اس کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ھذا ما صالح علیہ الحسن بن علیؓ بن أبی طالب معاویۃ بن أبی سفیان: صالحہ علی أن یسلّم إلیہ ولایۃ أمر المسلمین، علی أن یعمل فیھم بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ ﷺ وسیرۃ الخلفاء الراشدین

(بحار الانوار ... صفحہ ۶۵، جلد ۴۴)

ترجمہ: "بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ تحریر ہے جس پر حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے صلح کی، یہ طے ہوا کہ حسنؓ مسلمانوں کی ولایت امر (خلافت) معاویہؓ کے سپرد کر دیں گے۔ اس شرط پر کہ وہ مسلمانوں میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے۔"

علامہ مجلسی نے یہاں "خلفائے راشدین" کے بجائے "خلفائے صالحین" کا لفظ نقل کیا ہے، لیکن بحار الانوار کے حاشیہ میں ہے کہ اصل کتاب (یعنی کشف الغمہ) میں "خلفائے راشدین" کا لفظ ہے:

فی المصدر ج ۲ ص ۱۹ ۱، ، الخلفاء الراشدین ، [الصالحین] ۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس تحریر سے چند امور مستفاد ہوئے:

اول: یہ کہ اہل سنت جو خلفائے اربعہ (حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم) کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ "خلفائے راشدین" تھے یہی عقیدہ حضرت امام حسنؓ کا تھا، الحمدللہ کہ اہل سنت کو اس عقیدہ میں حضرت امام موصوف کی اقتدا و اتباع نصیب ہے۔

دوم: یہ کہ اہل سنت کی کتابوں میں جو یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

وعن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال:

«صلى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم ثم أقبل علينا بوجهه، فوعظنا موعظة بليغة، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب، فقال رجل: يا رسول الله، كأن هذه موعظة مودع، فماذا تعهد إلينا؟ قال: «أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن كان عبدا حبشيا، فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة».

[مشکوٰۃ ص ۲۹، ۳۰]

ترجمہ: "حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر ہمیں ایک نہایت بلیغ اور مؤثر وعظ فرمایا جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل کانپ گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا لگتا ہے کہ گویا یہ رخصت کرنے والے کی نصیحت تھی، پس آپ ہمیں

وصیت فرمائیے! ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور (اپنے حاکم کی) سمع و طاعت بجالانے کی وصیت کرتا ہوں۔ خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، اس لئے میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین، جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سنت کو لازم پکڑو! اور اسے داڑھوں سے مضبوط پکڑو، اور دیکھو! جو نئی نئی باتیں ایجاد کی جائیں ان سے احتراز کیجیو! کیونکہ ہر وہ چیز (جو دین کے نام پر) نئی ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

حضرت امام حسنؓ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، اور چونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے خلفاء کو "خلفائے راشدین" فرمایا گیا ہے اس لئے حضرت امام حسنؓ اس حدیث کے مطابق عقیدہ رکھتے تھے۔

سوم: یہ کہ حضرت امام حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے کتاب و سنت پر عمل کرنے کے علاوہ حضرات خلفائے راشدینؓ کی سنت و سیرت کی پیروی کا بھی عہد لیا، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت امام حسنؓ کے نزدیک کتاب و سنت کے ساتھ خلفائے راشدینؓ کی سنت بھی حجت شرعیہ ہے اور اس کی اقتدا لازم ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدینؓ کی سنت کے ساتھ تمسک کرنے اور اس کو مضبوط پکڑنے کی تاکید بلیغ فرمائی ہے۔

خلافت راشدہ کی پیش گوئیاں کتب سابقہ میں

سورۂ فتح کی آخری آیت میں صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ذالک مثلھم فی التوراة ومثلھم فی الانجیل" اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں بھی حضرات صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرات خلفائے راشدینؓ کے بارے میں پیش گوئیاں کی گئی تھیں، اس سلسلہ میں یہاں تین واقعات ذکر کرتا ہوں۔

۱: حضرت صدیقؓ کے بارے میں پیش گوئی

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے "خصائص کبریٰ" (۱۔ ۲۹) میں حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب نقل کیا ہے۔ اصل متن وہاں ملاحظہ کر لیا جائے یہاں اس کا ترجمہ نقل کرتا ہوں:

"ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں کعب احبار سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام لانے کا سبب ایک وحی آسمانی تھی۔ وہ ملک شام میں تجارت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے وہاں ایک خواب دیکھا جس کو بحیرا راہب سے بیان کیا اس نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ حضرت صدیقؓ نے فرمایا مکہ۔ اس نے پوچھا کس قبیلے کے؟ آپ نے فرمایا، قریش۔ اس نے پیشہ پوچھا تو آپ نے فرمایا تاجر۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو سچا خواب دکھایا۔ آپ کی قوم میں ایک نبی مبعوث ہوں گے ان کی زندگی میں آپ ان کے وزیر ہوں گے اور ان کی وفات کے بعد آپ ان کے خلیفہ ہوں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو پوشیدہ رکھا یہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو ابوبکرؓ آپ کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے محمدؐ آپ کے دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خواب جو تم نے ملک شام میں دیکھا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے معانقہ کیا اور آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔"
(تحفہ قادیانیت، صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲)

۳: فتح بیت المقدس کا واقعہ

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن عاص نے جب ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ تم لوگ بے فائدہ تکلیف اٹھاتے ہو۔ تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے۔ فاتح بیت المقدس کا حلیہ اس کی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔ اگر تمہارے امام میں وہ سب باتیں موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے بیت المقدس ان کے حوالہ کر دیں گے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت فاروق اعظمؓ کو دی گئی اور آپ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کے بعد بیت المقدس تشریف لے گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفا میں تاریخ یافعی کے حوالے سے اس کا حسب ذیل واقعہ بیان فرمایا ہے:

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہ جب

ہوئی کہ مسلمانوں نے اس شہر مقدس مبارک کا محاصرہ کیا اور محاصرہ کو بہت طول ہوا۔ تو وہاں کے لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ تکلیف مت اٹھاؤ۔ بیت المقدس کو سوائے اس شخص کے جس کو ہم پہچانتے ہیں، اور اس کی پہچان ہمارے پاس ہے، کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے امام میں وہ علامت موجود ہو تو ہم ان کو بغیر لڑائی کے بیت المقدس حوالہ کر دیں گے۔ مسلمانوں نے یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجی۔ پس آنجناب اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام تھا جو نوبت بنوبت آپ کے اونٹ پر سوار ہوتا تھا۔ زاد راہ آپ کا جو اور چھوہارے اور روغن زیتون تھا۔ لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ رات دن جنگلوں کو طے کرتے ہوئے آپ پہنچے۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمان آپ سے ملے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ زیبا نہیں ہے کہ کفار امیر المومنین کو اس حالت میں دیکھیں، اور بہت اصرار کیا یہاں تک کہ آپ کو ایک دوسرا لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کیا۔ جب آپ سوار ہوئے اور گھوڑے نے خوش خرامی کی تو آپ کے دل میں کچھ عجب داخل ہوا۔ لہذا آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور وہ لباس بھی اتار دیا اور فرمایا کہ مجھے میرا لباس واپس دو۔ چنانچہ وہی پیوند لگا ہوا لباس پہن لیا۔ اور اسی ہیئت میں چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے۔ جب کفار اہل کتاب نے آپ کو دیکھا تو کہا ہاں یہ وہی شخص ہیں اور آپ کے لئے دروازہ کھول دیا۔"

(ازالۃ الخفا صفحہ ۹۰، جلد ۲)

۳ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے "خصائص کبریٰ" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ یہاں اختصار کے پیش نظر اس کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں:

"جب حضرت فاروق اعظمؓ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ایک عیسائی عالم آپ کے پاس آیا اور آپ کو ایک تحریر دی، جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ مال نہ عمرؓ کا ہے اور نہ عمرؓ کے بیٹے کا۔ حاضرین کی سمجھ میں یہ

جواب نہیں آیا اور نہ آسکتا تھا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے پورا واقعہ ان کو سنایا۔ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ میں ملک شام گیا تھا۔ میں اپنی کوئی چیز بھول گیا۔ اس کے لینے کے لئے واپس ہوا پھر جو گیا تو قافلہ کو نہ پایا۔ ایک پادری نے مجھے ایک پھاوڑا دیا اور ایک ٹوکری دی اور کہا کہ اس مٹی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں ڈال دو۔ یہ کہہ کر گرجا کا دروازہ باہر سے بند کر کے چلا گیا۔ مجھے بہت برا معلوم ہوا اور میں نے کچھ کام نہیں کیا۔ جب وہ دوپہر کو آیا اور اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے کچھ کام نہیں کیا تو اس نے ایک گھونسا میرے سر میں مار دیا۔ میں نے بھی اٹھ کر پھاوڑا اس کے سر پر دے مارا۔ جس سے اس کا بھیجا نکل آیا اور میں وہاں سے چل دیا۔ بقیہ دن چلتا رہا اور رات بھر چلتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوئی تو ایک گرجا کے سامنے اس کے سایہ میں آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ یہ شخص اس گرجا سے باہر نکلا اور مجھ سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا ہوں۔ پھر یہ شخص میرے لئے کھانا اور پانی لایا اور سر سے پیر تک خوب غور سے مجھے دیکھا۔ اور کہا کہ تمام اہل کتاب جانتے ہیں کہ آج مجھ سے بڑا کوئی عالم کتب سابقہ کا روئے زمین پر نہیں ہے۔ میں اس وقت یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہی شخص معلوم ہوتے ہیں جو اس گرجا سے ہمیں نکالے گا۔ اور اس شہر پر قابض ہو گا۔ میں نے کہا اے شخص! تیرا خیال نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا عمرؓ بن خطاب! تو یہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! آپ ہی وہ شخص ہیں اس میں کچھ شک نہیں۔ لہٰذا آپ مجھے ایک تحریر لکھ دیجئے۔ اس گرجا کو میرے نام واگزار کر دیجئے۔ میں نے کہا اے شخص! تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے۔ اس کو مکدر کر کے ضائع مت کر۔ مگر اس نے نہ مانا۔ آخر میں نے اس کو ایک تحریر لکھ دی۔ اور مہر کر دی۔ آج یہ وہی تحریر کو لے کر میرے پاس آیا ہے اور کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے بیٹے کا۔ میں کیسے دے سکتا ہوں؟"

(خصائص کبریٰ ۔۔ صفحہ ۳۰، جلد ۱۔ تحفہ خلافت ۔ صفحہ ۲۹۹)

دسویں بحث: امام غائب کے نظریہ پر ایک نظر

آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"صفحہ ۲۱ پر بارہویں امام علیہ السلام پر جو غلط تر قلی زبان ہے اس کا لہجہ ہی ہمارے نزدیک غیر عالمانہ بلکہ عامیانہ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ سطریں آپ جیسا عالم نہیں لکھ سکتا یہ تو کسی جاہل کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔"

آنجناب کے اس تبصرہ کا بہت بہت شکریہ، اس ناکارہ کی جس تحریر کو آنجناب نے "کسی جاہل کی تحریر" فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

"شیعہ مذہب کا نظریۂ امامت فطری طور پر غلط تھا یہی وجہ ہے کہ شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکا۔ بلکہ اس نے "اماموں" کا سلسلہ "بارہویں امام" پر ختم کر کے اسے ۲۶۰ھ میں کسی نامعلوم غار (سر من رای کے غار) میں ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا۔ آج ان کو ساڑھے گیارہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر کسی کو کچھ خبر نہیں کہ "بارہویں امام" کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں؟"

میں نے اس فقرہ میں دراصل ان مشکلات کی طرف اشارہ کیا تھا جو عقیدۂ امامت کے معتقدین کو پیش آتی تھیں۔ اور جن کا بوجھ اٹھانے سے بالآخر وہ عاجز آ گئے۔ اور چار و ناچار سلسلۂ امامت کے خاتمے کا اعلان کرنا پڑا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کی پارٹی نے عقیدۂ امامت تو تصنیف کر لیا اور کچھ ایسے راسخ العقیدہ شاگرد بھی پیدا کر لئے جو آئندہ بھی اس کی تبلیغ و جاری رکھ سکیں۔ لیکن ان معتقدوں کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا پیش آتا تھا۔

اول: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا طرز عمل ان کے اس عقیدہ کی جڑ کاٹتا تھا۔ کیونکہ:

الف: خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور میں آپؓ نے کبھی دعوائے امامت نہیں فرمایا، بلکہ اگر کسی نے ان کی بیعت بھی کی تو اس کو "فتنہ پرداز" کہہ کر جھڑک دیا، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

ب: حضرت علیؓ خلفائے ثلاثہؓ کے دور میں ان کے دست راست بنے رہے، ان کے وزیر و مشیر رہے، انھوں نے مرتدین سے اور فارس و روم سے جو لڑائیاں کیں ان کو شرعی جہاد سمجھا، لڑائی اور مال غنیمت میں سے حصہ لیتے رہے۔ چنانچہ آپ کے صاحب زادہ حضرت محمد بن حنفیہ کی والدہ کو، جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ یمامہ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں، اپنے حرم میں داخل کیا، اور شاہ ایران کی بیٹی شہربانو کو، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران کے مال غنیمت میں آئی تھیں، اپنے صاحب زادہ حضرت حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے حرم میں داخل کیا، جن سے حضرت زین العابدین تولد ہوئے۔ اور شیعوں کا سلسلۂ امامت آگے چلا۔

ظاہر ہے کہ اگر یہ اکابر خلفائے حقانی نہیں تھے تو ان کی لڑائیاں شرعی جہاد نہ ہوئیں، اور ان لڑائیوں میں گرفتار ہو کر آنے والی خواتین شرعی باندیاں نہ ہوئیں اور ان سے تمتع حلال نہ ہوا۔

ج: اس سے بڑھ کر حضرت امیر رضی اللہ عنہ یہ ستم ڈھاتے تھے کہ وقتاً فوقتاً خلفائے ثلاثہؓ کی، خصوصاً حضرات شیخینؓ کی مدح بلیغ فرماتے تھے۔ حضرتؓ کے ان کلمات طیبات کی شرح و تاویل میں حضرات امامیہ آج تک ہلکان ہو رہے ہیں۔

د: اور خلیفۂ سوم حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے بعد بھی آپ خلافت کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ بلکہ جب آپ سے اس کی درخواست کی گئی تو، جیسا کہ نہج البلاغہ کی عبارت پہلے گزر چکی ہے، فرمایا:

دَعُونِي وَالْتَمِسُوا غَيْرِي . . . . وَاِنْ تَرَكْتُمُونِي فَاَنَا كَاَحَدِكُمْ، وَلَعَلِّي اَسْمَعُكُمْ وَاَطْوَعُكُمْ لِمَنْ وَلَّيْتُمُوهُ

أَمْرَكُمْ ، وَأَنَا لَكُمْ وَزِيراً ، خَيْرٌ لَكُمْ مِنِّي أَمِيراً !
(نہج البلاغہ ۔ صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: "مجھے چھوڑ دو، خلافت کے لئے کسی اور کو تلاش کر لو ..... اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ جس کو تم اپنا امیر بنا لو میں تم سے بڑھ کر اس کی اطاعت کروں۔ اور میرا وزیر بن کر رہنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ میں تمہارا حاکم بنوں۔"

۶: اور لوگوں کے سامنے حلفاً فرماتے تھے :

وَاللّٰهِ مَا كَانَتْ لِي فِي الْخِلَافَةِ رَغْبَةٌ ، وَلَا فِي الْوِلَايَةِ إِرْبَةٌ ،
وَلٰكِنَّكُمْ دَعَوْتُمُونِي إِلَيْهَا ، وَحَمَلْتُمُونِي عَلَيْهَا
(نہج البلاغہ ۔ صفحہ ۳۲۲)

ترجمہ: "اللہ کی قسم! مجھے خلافت کی کوئی رغبت نہ تھی، اور نہ حکومت کی کوئی خواہش تھی، لیکن تم لوگوں نے خود مجھے اس کی دعوت دی اور مجھے اس پر آمادہ کیا۔"

۷: اور جب آپؓ خارجی ملعون کی تیغ جفا سے زخمی ہوئے تو حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا :

"يا أمير المؤمنين! إن مت نبايع الحسن ـ فقال : لا آمركم ولا أنهاكم ، أنتم أبصر".
(البدایہ والنہایہ ۔ صفحہ ۳۲۲، جلد ۷)

ترجمہ: "امیر المومنین اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا ہم آپ کے صاحبزادہ حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ فرمایا میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ تم لوگ بہتر جانتے ہو۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قسم کے بہت سے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے فرشتوں کو بھی عقیدۂ امامت کی خبر نہ تھی، جبکہ اس کے علی الرغم امامیہ پارٹی خفیہ طور پر اس کی تبلیغ میں مصروف تھی۔

دوم : حضرت حسن رضی اللہ عنہ (سبط اکبر و ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے عقیدۂ امامت کی جڑوں پر اس وقت تیشہ چلایا جب چھ مہینے کے بعد خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما دی۔ ان کے اس طرز عمل سے عقیدۂ امامت کا گھروندا زمین بوس ہو کر رہ گیا، مگر عقیدۂ امامت کے معتقدین کی طرف سے ان کو یہ سزا دی گئی کہ آئندہ امامت سے ان کی اولاد کو معزول کر دیا گیا۔

سوم : حضرت حسین شہید کربلا کے بعد شیعوں میں ہولناک اختلافات برپا ہوئے اور ہر امام کی وفات کے بعد ایک نئے اختلاف کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ چنانچہ :

پہلا اختلاف : حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد رونما ہوا اور جو لوگ خفیہ طور پر عقیدۂ امامت کی تبلیغ کرتے تھے، ان کے چند فرقے ہو گئے، ایک گروہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کی امامت کا منکر ہو گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر حضرت حسنؓ کی مصالحت حضرت معاویہؓ کے ساتھ جائز تھی تو یزید بن معاویہ کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کا خروج ناجائز تھا۔ اور اگر حضرت حسینؓ کا خروج جائز تھا تو حضرت حسنؓ کی مصالحت حضرت معاویہؓ کے ساتھ ناجائز تھی، نوبختی اپنے رسالہ فرق الشیعۃ میں لکھتے ہیں :

> "پس در کار آں دو در گمان شدند، واز امامت آنہا باز گشتند، و دو گفتار بتودۂ مردم ہم داستان گردیدند" (فرق الشیعۃ ... صفحہ ۴۷)
>
> ترجمہ : "یہ لوگ ان دونوں بزرگوں کے متضاد طرز عمل سے بدگمان ہو گئے۔ اور ان دونوں کی امامت سے پھر گئے۔ اور عقیدہ میں عام لوگوں کے ساتھ ہم داستان ہو گئے۔"

دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تیسرے صاحب زادہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کی امامت کے قائل ہوئے۔ چنانچہ مختاریہ اور کیسانیہ نے محمد بن علیؒ (ابن حنفیہ) کی امامت کا علم بلند کیا۔ اور قاتلین حسینؓ سے انتقام لینا شروع کیا۔ اس فرقہ کا عظیم ترین قائد مختار بن ابی عبید کذاب تھا۔ رجال کشی میں ہے :

والمختار هو الذی دعا الناس الی محمد بن علی بن ابی طالب ابن

الحنفية، وسمّوا الكيسانية وهم المختارية وكان لقبه كيسان وكان لايبلغه عن رجل من اعداء الحسين (ع) انه في دار او في موضع الا قصده فهدم الدار بأسرها وقتل كل من فيها من ذي روح، وكل دار بالكوفة خراب فهي مما هدمها، (رجال کشی ص ۱۲۶)

ترجمہ: "اور مختار وہ شخص ہے جس نے لوگوں کو محمد بن علی بن ابی طالب ابن الحنفیہ کی امامت کی دعوت دی، اس کی پارٹی کو "کیسانیہ" اور "مختاریہ" کہا جاتا ہے۔ کیسان خود اسی کا لقب تھا..... اور حضرت حسینؓ کے دشمنوں میں سے کسی شخص کے بارے میں جب اس کو یہ خبر پہنچتی کہ وہ فلاں مکان میں یا فلاں جگہ میں ہے یہ فوراً وہاں پہنچ جاتا، پورے مکان کو منہدم کر دیتا اور اس میں جتنی ذی روح چیزیں موجود ہوتیں سب کو قتل کر دیتا۔ کوفہ میں جتنے مکان ویران ہیں یہ سب اسی کے ڈھائے ہوئے ہیں۔"

مختار کذاب تھا، حضرت محمد بن حنفیہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتا تھا۔ چنانچہ رجال کشی میں ہے کہ:

۱۹۸۔ محمد بن الحسن وعثمان بن حامد، قالاحدثنا محمد بن يزداد الرازي، عن محمد بن الحسين بن ابي الخطاب، عن عبدالله المزخرف، عن حبيب الخثعمي، عن ابي عبدالله (ع) قال كان المختار يكذب على علي بن الحسين (عليهما السلام). (رجال کشی..... صفحہ ۱۲۵)

ترجمہ: "امام صادق فرماتے ہیں کہ مختار، حضرت امام زین العابدین کے نام پر جھوٹ بکتا تھا۔"

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن عجائبات میں سے ہے کہ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما اس کذاب کے حق میں "جزاہ اللہ خیراً" فرماتے تھے، کیونکہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا انتقام لیا تھا۔ (رجال کشی..... صفحہ ۱۲۷)

اور ان کے صاحب زادے امام محمد باقر اس بدبخت کے لئے دعائے رحمت فرماتے تھے۔ (ایضاً ..... صفحہ ۱۳۶)

نور اللہ شوشتری مجالس المومنین میں لکھتے ہیں:

"مختار بن ابی عبید ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ حلی اورا از جملہ مقبولان شمردہ"

(مجالس المومنین مطبوعہ تہران صفحہ ۱۵۰ بحوالہ نصیحت الشیعہ صفحہ ۱۳۲)

ترجمہ: "مختار بن ابی عبید ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ حلی نے اس کو مقبولان بارگاہ الٰہی میں شمار کیا ہے۔"

یہیں سے حضرات امامیہ کی انصاف پسندی و دانشمندی اور اہل بیت اطہار سے ان کی محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ امام معصوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ جس شخصیت سے صلح کرتے ہیں اور ائمہ معصومین حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ تو ان کے نزدیک "لعنۃ اللہ علیہ" ہے اور جھوٹا مدعی نبوت مختار ثقفی کذاب ان کے نزدیک مقبولان الٰہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ حسنین کی بیعت کا واقعہ رجال کشی میں امام صادقؒ سے اس طرح نقل کیا ہے:

حدثنا محمد بن عبد الحميد العطار الكوفي، عن يونس بن يعقوب، عن فضيل غلام محمد بن راشد قال سمعت ابا عبدالله (ع) يقول ان معاوية كتب الى الحسن بن علي (صلوات الله عليهما) ان اقدم انت والحسين واصحاب علي! فخرج معهم قيس بن سعد بن عبادة الانصاري وقدموا الشام، فاذن لهم معاوية و اعد لهم الخطباء، فقال يا حسن قم فبايع فقام فبايع ثم قال للحسين (ع) قم فبايع فقام فبايع . (رجال کشی ... صفحہ ۱۱۰)

ترجمہ: "حضرت معاویہؓ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ آپ اور آپ کے ساتھ حضرت حسینؓ اور اصحاب علیؓ تشریف لائیں، چنانچہ دونوں کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری شام گئے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کو اجازت دی اور ان کے لئے خطباء تیار کئے، پھر کہا، اے حسن! اٹھ کر بیعت کیجئے۔ آپ نے اٹھ کر بیعت کی۔ پھر کہا اے حسین! اٹھ کر بیعت کیجئے چنانچہ وہ بھی اٹھے اور بیعت کی۔"

الغرض حضرات ائمہ امامین الحسنؓ والحسینؓ نے جس شخصیت کے ہاتھ پر بیعت کی شیعہ صاحبان اس کو تو "لعنت اللہ علیہ" سے یاد کرتے ہیں اور جس ملعون نے نبوت کا دعویٰ کیا اور وہ آخر پر بجرمِ حوفناں یاد ہوتا تھا، یعنی مختار کذاب، وہ ان کے نزدیک "رحمتہ اللہ علیہ" ہے اور اسے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی میں شمار کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تیسرا گروہ: ان لوگوں کا تھا جو امام زین العابدینؒ کی امامت کے قائل تھے۔ اور یہ چند اشخاص تھے۔ رجال کشی میں امام صادقؒ سے نقل کیا ہے:

۱۹۱۔ محمد بن نصیر؛ قال حدثنی محمد بن عیسی، عن جعفر بن عیسی؛ عن صفوان، عمن سمعہ، عن ابی عبداللہ (ع) قال ارتد الناس بعد قتل الحسین (ع) الا ثلاثۃ ابو خالد الکابلی و یحیی بن ام الطویل و جبیر بن مطعم، ثم ان الناس لحقوا و کثروا۔

(رجال کشی صفحہ ۱۲۳، ترجمہ یحیٰی بن ام الطویل)

ترجمہ: "قتل حسینؓ کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے تھے سوائے تین آدمیوں کے، یعنی ابو خالد کابلی، یحیٰی بن ام الطویل اور جبیر بن مطعم بعد میں لوگ آ ملے اور زیادہ ہو گئے۔"

الغرض ان دنوں محمد بن حنفیہ کی امامت کا غلغلہ تھا۔ اور امام زین العابدینؒ کی امامت کا کوئی نام بھی نہ لیتا تھا۔ خود امام زین العابدینؒ دعوائے امامت سے کوسوں دور تھے۔ کربلا کے مناظر ان کے چشم دید تھے۔ شیعہ راویوں نے تو ان سے یہاں تک منسوب کیا ہے کہ وہ یزید کی غلامی کا اقرار کرتے تھے۔ روضۂ کافی میں ان کے صاحب زادہ امام باقرؒ سے نقل کیا ہے کہ یزید بن معاویہ حج کو جاتے ہوئے مدینہ آیا، اس نے ایک قریشی کو بلایا اور کہا کیا تم اقرار کرتے ہو کہ تم میرے غلام ہو؟ اس نے انکار کیا تو اسے قتل کر دیا:

ثم ارسل إلی علی بن الحسین علیہ السلام فقال لہ : مثل مقالتہ للقرشی فقال لہ علی بن الحسین علیہ السلام : أرأیت إن لم أقر لک ألیس تقتلنی کما قتلت الرجل بالأمس ؟ فقال لہ یزید لعنہ اللہ : بلی فقال لہ علی بن الحسین علیہ السلام : قد أقررت لک بما سألت أنا عبد مکرہ فإن شئت فأمسک وإن شئت فبع

(روضۂ کافی صفحہ ۲۳۵ جلد ۸)

ترجمہ: "پھر اس نے حضرت علی بن حسین علیہما السلام کو بلا بھیجا، ان سے بھی وہی بات کی جو قریشی سے کی تھی، حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا کہ اگر میں تیری غلامی کا اقرار نہ کروں تو کیا تو مجھے اسی طرح قتل نہ کردے گا جیسے کل قریشی کو قتل کیا تھا؟ یزید نے کہا یقیناً۔ حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا، تو نے جو پوچھا ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں، میں بے بس غلام ہوں تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور چاہے تو مجھے فروخت کردے۔"

چوتھا گروہ: وہ تھا جو اس کے قائل تھے کہ حسینؓ کے بعد امامت ختم ہوگئی، امام بس یہی تین تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ: یہ لوگ حضرت حسینؓ کے بعد کسی کی امامت کے قائل نہیں تھے۔

(فرق الشیعۃ ... صفحہ ۸۴)

پانچواں گروہ: ان لوگوں کا تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ امامت صرف اولاد حسینؓ کا حق نہیں، بلکہ حسنؓ و حسینؓ دونوں کی اولاد میں جو بھی امامت کے لئے کھڑا ہو جائے اور لوگوں کو اپنی طرف اعلانیہ دعوت دے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح امام واجب الاطاعت ہے، جو شخص اس سے سرتابی کرے یا اس کے مقابلہ میں لوگوں کو اپنی امامت کی دعوت دے وہ کافر ہے۔ اسی طرح حسنؓ اور حسینؓ کی اولاد میں جو شخص امامت کا دعویٰ کرے، مگر دروازہ بند کرکے گھر میں بیٹھ رہے وہ اور اس کے تمام پیروکار مشرک و کافر ہیں۔

(ایضاً..... صفحہ ۸۵)

دوسرا اختلاف: حضرت علی بن حسینؓ زین العابدین کا انتقال محرم ۹۴ھ میں ہوا۔ ان کے بعد پھر امامت کے مسئلہ پر طوفان کھڑا ہوا، ان کے صاحب زادے حضرت زید بن علی (جو زید شہید" کے لقب سے معروف ہیں) امامت کے مدعی ہوئے، انھوں نے چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ والیِ عراق کے خلاف خروج کیا۔ شیعہ مبینہ میں سے تیس ہزار افراد نے عین موقع پر ان سے بے وفائی کی اور حضرت حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی سنت پھر تازہ ہوئی، حضرت زیدؒ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کی امامت کے

قائلین زیدیہ کہلائے۔ اور ان میں سے بہت سے ان کے مہدی ہونے کے قائل ہیں۔

کچھ لوگ حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ کی امامت کے قائل ہوئے۔ ان کے بعد ان کے صاحب زادے عبداللہ محض کی اور ان کے بعد صاحب زادے محمد نفس زکیہ کی امامت کے قائل ہوئے۔ یہ لوگ ان کو امام مہدی سمجھتے ہیں۔

کچھ لوگ حضرت علی بن حسینؓ کے دوسرے صاحب زادہ حضرت محمد باقر بن علی بن حسینؒ کی امامت کے قائل ہوئے۔ ان میں چار افراد مشہور تھے۔ رجال کشی میں امام صادقؒ کا قول نقل کیا ہے:

۲۱۹ـ حدثنی حمدویہ: قال حدثنی یعقوب بن یزید عن ابن ابی عمیر عن ھشام بن سالم، عن سلیمان بن خالد الاقطع، قال سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول ما احد احیی ذکرنا واحادیث ابی (ع) الا زرارۃ وابو بصیر لیث المرادی ومحمد بن مسلم وبرید بن معاویۃ العجلی ولولا ھؤلاء ما کان احد یستنبط ھذا، ھؤلاء حفاظ الدین وامناء ابی (ع) علی حلال اللہ وحرامہ، وھم السابقون الینا فی الدنیا والسابقون الینا فی الآخرۃ.

(رجال کشی صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: "نہیں ہے کوئی جس نے زندہ کیا ہو ہمارے ذکر کو، اور میرے والد (امام باقرؒ) کی احادیث کو سوائے چار شخصوں کے، زرارہ، ابو بصیر لیث مرادی، محمد بن مسلم، برید بن معاویہ عجلی۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو کسی کے لئے ممکن نہ تھا کہ اس (عقیدہ امامت) کا استنباط کر سکتا۔ یہ چار آدمی دین کے محافظ اور اللہ کے حلال و حرام پر میرے باپ کے امین ہیں۔ یہی لوگ سبقت کرنے والے ہیں ہماری طرف دنیا میں اور یہی سبقت کرنے والے ہیں ہماری طرف آخرت میں۔"

امام صادقؒ نے واقعی سچ فرمایا۔ یہی چار آدمی (دوسرے چار کے ساتھ مل کر) شیعہ مذہب کے مصنف ہیں۔ یہ لوگ نہایت بد عقیدہ تھے، محض اپنی مطلب براری کے لئے ائمہ کا نام لیتے تھے، ورنہ در حقیقت وہ ائمہ کے قائل ہی نہیں تھے، وہ ائمہ پر

نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ ائمہ ان پر سوسو لعنتیں بھیجتے تھے اور ان کو جھوٹا جانتے تھے۔ جب ان چالاک اور مکار لوگوں کو بتایا جاتا کہ امام تو تمہیں جھوٹا کہتے ہیں تو یہ لوگ جواب دیتے، امام تقیہ کرتے ہیں۔ رجال کشی اور دیگر شیعہ کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے لئے تحیفۃ الشیعۃ کا مطالعہ کیا جائے۔

تیسرا اختلاف: امام محمد باقرؒ کا انتقال ربیع الثانی ۱۱۴ھ میں ہوا۔ ان کے وصال کے بعد پھر امامت کے مسئلہ میں اختلاف کھڑا ہوا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ ایک گروہ ان کو حی لایموت سمجھتا تھا یعنی وہ زندہ ہیں مرے نہیں۔ وہی امام مہدی ہیں۔ ان کے بعد کوئی امام نہیں۔

۲۔ ایک گروہ ان کے صاحب زادے زکریا کو آخری امام، امام مہدی مانتا تھا۔

۳۔ ایک گروہ امام محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کو (جو "نفس زکیہ" کے لقب سے ملقب ہیں) کی امامت کا قائل تھا۔ یہ لوگ ان کو "مہدی آخری الزماں" جانتے تھے۔ تاریخ میں منصور عباسی کے خلاف ان کا خروج معروف و مشہور ہے۔

۴: ایک گروہ امام جعفرؒ کی امامت کا قائل ہوا۔ اس گروہ کے کرتا دھرتا وہی لوگ تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

چوتھا اختلاف: امام جعفرؒ (متوفی ۱۴۸ھ) کے بعد پھر اختلاف رونما ہوا۔ اور شیعوں کی بہت سی جماعتیں وجود میں آئیں۔

۱۔ ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ وہ امام مہدی ہیں، ان کے بعد کوئی امام نہیں۔ ان کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ وہ روپوش ہوگئے ہیں، دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ یہ فرقہ ناوسیہ کہلاتا تھا۔

۲۔ بعض لوگ ان کے بعد ان کے صاحب زادے موسیٰ بن جعفرؒ کی امامت کے قائل ہوئے۔

۳۔ ایک گروہ امام جعفرؒ کے صاحب زادے اسماعیل بن جعفرؒ کی امامت کا قائل ہوا۔ یہ لوگ ان کو "امام مہدی" جانتے تھے۔ یہ اسماعیلی فرقہ کہلاتا ہے۔

۴۔ ایک گروہ امام جعفر کے پوتے محمد بن اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا۔ یہ فرقہ مبارکیہ ہے جو اسماعیلیوں کی ایک شاخ ہے۔ اس کے بعد اسماعیلیوں کے بہت سے فرقے ہوئے، جن کی ایک طویل تاریخ ہے۔

۵۔ ایک گروہ امام جعفر کے تیسرے صاحب زادے امام محمد بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا، یہ سمیطیہ کہلاتے تھے۔

۶۔ ایک گروہ امام جعفر کے چوتھے صاحب زادے عبداللہ بن جعفر الافطح کی امامت کا قائل ہوا۔ رجال کشی میں ہے:

والذین قالوا بامامته عامة مشایخ العصابة وفقهاؤها مالوا الی هذه المقالة، فدخلت علیهم الشبهة لما روی عنهم (علیهم السلام) انهم قالوا الامامة فی الاکبر من ولد الامام اذا مضی۔

(رجال کشی صفحہ ۲۵۴)

ترجمہ۔ "جو لوگ ان کی امامت کے قائل ہوئے وہ شیعہ گروہ کے عام مشائخ تھے۔ اور ان کے فقہا بھی اسی عقیدہ کی طرف مائل ہوئے۔ ان کو شبہ اس بنا پر ہوا تھا کہ ائمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کے انتقال کے بعد امامت، امام کے بڑے صاحب زادے کو پہنچتی ہے۔ (چونکہ اسماعیل کے بعد سب سے بڑے صاحب زادے عبداللہ الافطح ہیں، لہذا وہی امام ہیں)۔"

نوبختی لکھتے ہیں:

"چونکہ عبداللہ اپنے والد (امام جعفر) کے انتقال کے وقت ان کے تمام فرزندوں کے سردار تھے اور اپنے والد کی جگہ بیٹھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے والد کے بعد امامت و جانشینی کا دعویٰ کر دیا۔ ان کے پیرو امام جعفر کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امامت، فرزندان امام میں سے سب سے بڑے کی ہے۔ اس بنا پر بہت سے لوگ جو امام جعفر کو امام مانتے تھے ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کی امامت کے معتقد ہوئے، سوائے چند گنے چنے آدمیوں کے، جنہوں نے سچے امام کو پہچانا۔ باوجودیکہ عبداللہ حلال و حرام کے مسائل کا صحیح جواب نہ دے سکتے تھے لیکن اس کے باوجود

زیادہ تر بزرگان شیعہ اور ان کے فقہاء اس عقیدہ کے معتقد رہے۔ اور
عبداللہ کی امامت سے بدگمان نہ ہوئے۔"
(فرق الشیعۃ صفحہ ۱۱۳)

پانچواں اختلاف: امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کا انتقال ۱۸۳ھ میں ہوا اور ان کے
بعد ان کے شیعوں کے چند گروہ ہو گئے۔

۱۔ ایک گروہ ان کے صاحب زادے علی رضا کی امامت کا قائل ہوا۔

۲۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ امام موسیٰ بن جعفر مرے نہیں، زندہ ہیں۔ وہی مہدی
قائم ہیں۔

۳۔ ایک گروہ نے کہا کہ وہ امام مہدی ہیں، مر گئے، مگر مرنے کے فوراً بعد زندہ ہو کر
کہیں روپوش ہو گئے، ان کے خاص لوگ ان کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ اور وہ
ان کو امر و نہی بھی فرماتے ہیں۔ بہرحال وہ دوبارہ ظاہر ہوں گے اور زمین کو عدل و
انصاف سے پر کریں گے۔

۴۔ ایک گروہ نے کہا کہ وہ مر گئے ہیں، لیکن آخری زمانے میں دوبارہ زندہ ہوں گے
اور وہی مہدی آخر الزماں ہوں گے۔

۵۔ ایک گروہ نے کہا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر بلا لیا
ہے۔ آخری زمانے میں دوبارہ ان کو بھیجیں گے۔

نوبختی لکھتے ہیں:

"جملگی آنہا واقفہ نامیدہ شوند، زیرا کہ بر موسیٰ بن جعفر درنگ کردہ گفتند
او امام قائم است۔ و پس از وے چشم براہ امامی نبودہ و بامام دیگرے
نگرویدند۔"
(فرق الشیعۃ۔۔ صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ: "یہ تمام فرقے (جن کا ذکر نمبر ۲ سے نمبر ۵ تک ہوا ہے)
"واقفہ" کہلاتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ سلسلہ امامت موسیٰ بن جعفر پر ختم
کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی "امام مہدی" ہیں ان کے بعد کسی اور امام کا
انتظار نہیں۔ اور وہ ان کے بعد کسی امام کے قائل نہیں۔"

۶: ایک فرقہ اس کا قائل تھا کہ معلوم نہیں کہ موسیٰ بن جعفر زندہ ہیں یا فوت ہو گئے

ہیں ، بہت سی روایات میں آیا ہے کہ وہ مہدی قائم ہیں ۔ ان خبروں کو جھوٹ بھی نہیں کہہ سکتے ۔ چونکہ موت برحق ہے اس لئے ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ کئے بغیر ہم ان کی امامت پر قائم ہیں ۔ (فرق الشیعۃ صفحہ ۱۲۱)

۷ : ایک گروہ نے محمد بن بشیر نامی ایک شخص کو ان کا جانشین مانا ، ان کا دعویٰ تھا کہ موسیٰ بن جعفرؓ زندہ ہیں ، وہی مہدی قائم ہیں ، فی الحال روپوش ہیں ۔ اور محمد بن بشیر کو آپ نے اپنا جانشین بنا رکھا ہے ۔ (ایضاً صفحہ ۱۲۲)

چھٹا اختلاف : امام علی رضاؒ بن موسیٰ کاظمؒ بن جعفر صادقؒ کا انتقال ۲۰۳ھ میں ہوا ، اس وقت ان کے صاحبزادہ محمد بن علی (المعروف بہ "امام جواد") کی عمر سات سال کی تھی ۔ (ان کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی) اس لئے امام علی رضا کے بعد پھر اختلاف ہوا ۔

۱ ۔ ایک گروہ نے کہا کہ محمد بن علی نابالغ ہی سہی ، آخر امام زادہ ہے اسی کو امام بناؤ ۔

۲ ۔ ایک گروہ نے کہا امام علی رضاؒ کے بعد ان کے بھائی احمدؒ بن موسیٰؒ بن جعفرؒ امام ہیں ۔ کیونکہ امام رضا نے اپنے بعد ان کے حق میں وصیت فرمائی تھی ۔

۳ ۔ ایک گروہ جو امام علی رضا کی امامت کا قائل تھا ، وہ ان کے بعد ان کی امامت سے منحرف ہو گیا ۔ اور کہا امامت ان کے والد موسیٰ کاظم پر ختم ہو گئی تھی ۔ اگر امامت کا سلسلہ آگے چلنا ہوتا تو امام علی رضا نابالغ بیٹا چھوڑ کر کیوں مرتے ؟

۴ ۔ کچھ لوگوں نے امام علی رضا کی وفات کے بعد عقیدۂ امامت ہی کو خیرباد کہہ دیا ۔ اور انہوں نے مرجئی مذہب اختیار کر لیا ۔

۵ ۔ کچھ لوگوں نے موسوی سلسلہ سے منحرف ہو کر زیدی مذہب اختیار کر لیا ۔

نوبختی لکھتے ہیں کہ :

> " دو گروہوں کے احمد بن موسیٰ کی امامت کے قائل ہونے اور باقی گروہوں کے امامت سے منحرف ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ امام علی رضاؒ کے وصال کے وقت ان کے صاحبزادے سات سال کے تھے ، ان لوگوں نے کہا کہ امام بالغ ہونا چاہئے ۔ نابالغ کی امامت کیسے صحیح ہو سکتی ہے ؟ اگر نابالغ کو امام مانا جائے تو لازم آئے گا کہ نابالغ بچہ مکلف ہو ۔ حالانکہ نابالغ بچہ نہ مکلف ہو سکتا ہے ،

نہ لوگوں کے درمیان فیصلے کر سکتا ہے، نہ شریعت کو پورا بجھ سکتا ہے نہ اس
کی تعلیم دے سکتا ہے۔" (فرق الشیعة ... ۱۲۸)

ساتواں اختلاف: امام محمد جواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم کا وصال ۲۲۰ھ میں ہوا۔ نوبختی لکھتے ہیں کہ ان کے بعد امامت کا کوئی بڑا جھگڑا کھڑا نہیں ہوا، بلکہ جو لوگ ان کی امامت کے قائل تھے، ان کے بعد ان کے صاحب زادے علیؑ ہادی بن محمدؑ جواد بن علی رضاؑ کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ (حضرت کی ولادت ۲۱۴ھ میں ہوئی تھی اور وہ والد بزرگوار کی وفات کے وقت شش سالہ تھے) البتہ چند لوگ ان کے بھائی موسیٰ بن محمد کی امامت کے قائل ہوئے، تاہم کچھ عرصہ کے بعد (غالباً جب حضرت علی بن محمد سن بلوغ کو پہنچے ہوں گے) موسیٰ بن محمد کی امامت سے منحرف ہو کر ان کی امامت کے گرویدہ ہو گئے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ شیعہ (بامر مجبوری) چھ سال کے نابالغ بچے کی امامت کے قائل ہوئے۔

آٹھواں اختلاف: امام علی ہادی کا وصال ۲۵۴ھ میں ہوا۔ ان کے بعد پھر امامت میں اختلاف ہوا۔

۱۔ ان کے مریدوں کا ایک گروہ محمد بن بشیر نمیری نامی ایک شخص کی نبوت پر ایمان لے آیا، یہ ایک ملحد شخص تھا اور اس نے محارم کے ساتھ نکاح اور مردوں کے ساتھ ہم جنس پرستی کو حلال قرار دے دیا تھا۔

۲۔ ایک گروہ امام علی ہادی کے صاحب زادہ محمد بن علی کی امامت کا قائل ہوا، جن کا انتقال والد بزرگوار کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ محمد بن علی مرے نہیں، کیونکہ ان کے والد بزرگوار نے ان کو امامت کے لئے نامزد کیا تھا۔ اور اپنے مریدوں کو بتا دیا تھا کہ ان کے بعد امام محمد بن علی ہوں گے۔ امام جھوٹ تو نہیں بولتے، لہٰذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے والد بزرگوار نے دشمنوں کے اندیشے کی بنا پر ان کو غائب کر دیا اور وہی امام مہدی ہیں۔

(فرق الشیعة ... صفحہ ۱۳۷)

۳۔ ایک گروہ نے امام علی بن محمد کے بعد ان کے صاحب زادے امام حسن عسکری کو امام قرار دیا۔

۳۔ اور کچھ لوگ امام حسن کے بھائی جعفر بن علی کی امامت کے قائل ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ امام علی نے اپنے صاحب زادہ محمد کی وفات کے بعد اپنے دوسرے صاحب زادہ جعفر کو امامت کے لئے نامزد کیا تھا۔ (فرق الشیعۃ ۱۳۸)

نواں اختلاف: سب سے زیادہ ہولناک اختلاف امام حسن بن علی عسکری کی وفات پر رونما ہوا۔ امام موصوف کی ولادت ۲۳۲ھ میں ہوئی تھی اور وفات شب جمعہ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو ۲۸ سال کی عمر میں ہوئی۔

نوبختی لکھتے ہیں:

"بمیرد از وے نشانے پیدا نہ ماند و چوں در ظاہر فرزندے ازو نیافتند میراث او درمیان برادرش جعفر و مادرش تقسیم کردند۔"

(فرق الشیعۃ ۱۳۹)

ترجمہ: "امام حسن عسکریؒ کا انتقال ہوا تو ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ جب لوگوں نے ظاہر میں ان کا کوئی لڑکا نہ پایا تو ناچار ان کی وراثت ان کی والدہ اور ان کے بھائی جعفر کے درمیان تقسیم کر دی۔"

بہرحال امام حسن عسکری کے بعد ان کے مریدوں میں شدید اختلاف رونما ہوا۔ نوبختی لکھتے ہیں کہ ان کے مرید: "بہ چہاردہ دستہ شوند"

(فرق الشیعۃ ... ۱۳۹)

یعنی ان کے چودہ فرقے ہو گئے۔ ان کی تفصیل نوبختی کے رسالہ میں دیکھ لی جائے۔ خلاصہ یہ کہ ایک فرقے نے ان کے بھائی امام جعفر کو امام مانا۔ ایک فرقے نے کہا کہ امام حسن عسکریؒ مرے نہیں، بلکہ روپوش ہو گئے ہیں، وہ دوبارہ آئیں گے، کیونکہ وہی مہدی قائم ہیں۔ بعض نے کہا مر تو گئے مگر دوبارہ زندہ ہوں گے، کیونکہ وہی مہدی قائم ہیں۔ بعض نے کہا حسن اور جعفر دونوں بھائیوں کا دعویٰ غلط تھا۔ امامت ان کے باپ پر ختم ہو گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان چودہ فرقوں میں سب سے زیادہ دلچسپ موقف ان لوگوں کا تھا جو اس امر کے قائل ہوئے کہ امام حسن عسکری کا ایک بیٹا تھا، جو ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہوا تھا، ان کی ولادت کو لوگوں سے مخفی رکھا گیا تھا۔ یہ صاحب زادے چار پانچ سال کی عمر میں

اپنے والد کے انتقال سے دس دن پہلے اپنے شہر (سرمن رای) کے ایک غار میں جا چھپے، اور وہ تمام چیزیں جو امامت کے لوازم ہیں اور حضرت علیؓ سے لے کر ہر امام کے پاس رہا کرتی تھیں اور آخر میں امام حسن عسکری کے پاس تھیں (مثلاً حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن، قدیم آسمانی کتابیں، توریت، انجیل، زبور اور دیگر انبیاء کے صحائف، مصحف فاطمہ، جفر احمر، جفر ابیض، ستر گز کا "الجامعہ" نامی صحیفہ، انبیاء سابقین کے معجزانہ تبرکات مثلاً عصائے موسیٰ، قمیص آدم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری وغیرہ وغیرہ) ان تمام چیزوں کا پشتارہ بھی ساتھ لے گئے۔

یہ تھا مشکلات کا وہ پہاڑ جس کو عبور کرنا امامیہ کے لئے ناممکن ہو گیا اور انہیں امام کے غائب ہو جانے کا اعلان کرنا پڑا۔ انہی مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

> "شیعہ مذہب کا نظریۂ امامت" چونکہ فطری طور پر غلط تھا اس لئے شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکا۔ بلکہ اس نے اماموں کا سلسلہ بارہویں امام پر ختم کر کے اسے ہمیشہ میں کسی نامعلوم غار (سُرّمن رائی کے غار) میں ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا۔"

نظر باز گشت:

اب یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر مسئلہ امامت اور عقیدۂ مہدی پر غور کیجئے تو مندرجہ بالا تفصیل سے ہم چند اہم نتائج پر پہنچتے ہیں۔

اول: امامیہ کا دعویٰ ہے کہ امامت نص پر موقوف ہے، اور بڑی بلند آہنگی سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنینؓ پر اور آپ کی نسل میں سے گیارہ اماموں پر یکے بعد دیگرے نص فرمائی تھی، لیکن شروع سے آخر تک مسئلہ امامت میں جو اختلافات رہے (اور جن کی طرف اوپر مختصر اشارہ کیا گیا ہے) ان کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے کہ اگر بارہ اماموں پر نام بنام نص ہوتی تو کیا یہ اختلافات رونما ہوتے؟ کیا ہر امام کی وفات پر نئے سرے سے ہنگامہ برپا ہوتا؟ حضرات صحابہ کرامؓ کو تو جو جی چاہے کہہ لیجئے، لیکن بعد کے اختلافات تو خود شیعوں میں نہیں بلکہ خود اہل بیت کے درمیان اور اولاد ائمہ میں پیدا ہوئے تھے؟ سوال یہ ہے کہ نص کی موجودگی میں یہ

اختلافات کیوں ہوتے؟ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو فہم و انصاف عطا فرمایا ہو تو مندرجہ بالا تفصیل کو سامنے رکھ کر بڑی آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ بارہ اماموں کا تصور اور ہر امام کے بارے میں نص صریح کا دعویٰ محض ایک خود تراشیدہ کہانی ہے، جسے خود غرض لوگوں نے گھڑ کر ان بزرگوں سے منسوب کر دیا ہے، اس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس "عقیدۂ امامت" سے آشنا تھے اور نہ ان کی ذریات طیبات کو اس کی خبر تھی۔ یہ خود غرض لوگ خود ہی جس کو چاہتے تھے، امام بنا لیتے تھے اور جس کو چاہتے تھے امامت سے برطرف کر دیتے تھے۔

دوم: آخری زمانے میں حضرت مہدی علیہ الرضوان کا پیدا ہونا برحق ہے۔ لیکن بھولے بھالے لوگوں کو ہمیشہ مہدی کے نام پر جعلساز فریب کیا گیا اور ان کو اعجوبہ پسندی اور توہم پرستی کا خوگر بنایا گیا۔ گزشتہ تفصیل سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ:

اولاً: مختار بن عبید ثقفی کذاب نے حضرت محمد بن حنفیہ کو مہدی آخر الزماں قرار دیا۔ اور ہزاروں شیعہ اس کے دامِ فریب کا شکار ہوئے۔

ثانیاً: حضرت زید شہید" (شہادت ۱۲۳ھ) نے سب کے سامنے جامِ شہادت نوش فرمایا لیکن بے شمار لوگوں کو ان کے مہدی قائم ہونے کا یقین دلایا گیا کہ وہ دوبارہ آئیں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کریں گے۔

ثالثاً: امام محمد نفس زکیہ شہید (شہادت ۱۴۵ھ) کو ان کی شہادت کے باوجود مہدی قرار دیا گیا اور ان کی دوبارہ تشریف آوری کا یقین دلایا گیا۔

رابعاً: امام محمد باقرؒ کا سب کے سامنے انتقال ہوا، سب کے سامنے ان کی تکفین و تدفین ہوئی، لیکن بہت سے لوگوں نے اس کے باوجود ان کو حی لایموت سمجھا اور ان کے مہدی قائم ہونے کا دعویٰ کیا۔

خامساً: بہت سے لوگوں نے ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادقؒ کو (سب کے سامنے ان کی وفات ہو جانے کے باوجود) مہدی قائم سمجھا۔

سادساً: بہت سے لوگوں نے امام صادقؒ کے صاحبزادے امام اسماعیل کی نسل میں مہدی تلاش کیا۔

سابعاً: ایک گروہ نے امام صادقؒ کے دوسرے صاحب زادہ امام زکریا کو مہدی قائم تصور کیا۔

ثامناً: ایک گروہ نے امام موسیٰ کاظمؒ کے بارے میں یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ (مرنے کے باوجود) مرے نہیں، بلکہ روپوش ہوگئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

تاسعاً: ایک گروہ نے امام حسن عسکریؒ کے بارے میں یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ روپوش ہوگئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

عاشراً: ایک گروہ نے امام حسن عسکریؒ کی طرف ایک بے نام ونشان بیٹا منسوب کر کے دعویٰ کیا کہ یہ صاحبزادہ صاحب لوگوں سے نظریں بچاکر روپوش ہوگئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

الغرض اول سے آخر تک غور کرو، شیعوں کے یہاں مہدی کے بارے میں انتہا پسندی اور توہم پرستی کا عجیب طرفہ تماشا نظر آئے گا۔ گویا ہمیشہ سے "امام غائب" کا تصور قائم رہا اور شیعہ کے مزاج میں یہ بات پختہ تر ہوتی چلی گئی کہ "امام غائب" کے بارے میں خواہ کیسی ہی خلاف مشاہدہ اور خلاف عقل بات کہی جائے، وہ اس کو ماننے کے لئے تیار رہا کرتے تھے۔ بارہویں امام کی غیبت کا افسانہ بھی اسی خلاف عقل و خلاف مشاہدہ توہم پرستی کی ایک مثال ہے۔

سوم: تاریخی شہادتیں یہ ہیں کہ امام حسن عسکریؒ لاولد فوت ہوئے، ان کی وراثت کا مقدمہ باقاعدہ عدالت میں گیا، عدالت نے ان کے وارثوں کی تحقیق و تفتیش کی اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ ان کا کوئی صاحب زادہ نہیں تو عدالت نے ان کی وراثت ان کی والدہ اور بھائی کے درمیان تقسیم کردی۔ اصول کافی میں ہے:

فإن الأمر عند السلطان، أن أبا محمد مضى ولم يخلف ولداً وقسم ميراثه

(اصول کافی ... صفحہ ۵۰۳، جلد ۱)

ترجمہ: "جو چیز حکومت کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ امام حسن عسکریؒ لاولد فوت ہوئے اور اسی بنا پر ان کی میراث ان کے وارثوں پر تقسیم کردی گئی۔"

بہت سیدھی سی بات ہے کہ دو مردوں کی، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی عدالت میں پیش کردی جاتی کہ امام حسن عسکری "لاولد" فوت نہیں ہوئے، بلکہ ان کے صاحبزادے موجود ہیں تو عدالت کے لئے یہ فیصلہ ممکن نہ ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام حسن عسکریؒ کے "بے نام ونشان" صاحبزادے موجود تھے، انہوں نے عدالت میں یہ شہادت کیوں پیش نہیں کی؟ کیا ان حضرات کو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بھی شہادت کے لئے نہیں مل سکیں؟ کیا یہ بات دنیا کے عجائبات میں سے نہیں ہے کہ تحقیقاتی عدالت میں امام حسن عسکریؒ کے بیٹے کا ثبوت پیش کرنے کے لئے دو آدمی بھی میسر نہیں آسکے، لیکن دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ جس شخصیت کو یوم پیدائش سے غائب ہونے کے وقت تک عام نظروں نے دیکھا تک نہیں، اور جس کے وجود کی کوئی شہادت عدالت میں پیش نہیں کی جا سکی، وہی پوری دنیا پر قیامت تک کے لئے "اللہ کی حجت" ہیں۔ انصاف کیجئے کیا "اللہ کی حجت" اس طرح قائم ہوا کرتی ہے؟

یاد رہے کہ میں نے شیعوں کے "امام غائب" کے لئے "بے نام ونشان صاحبزادے" کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ ان صاحبزادے کا نام لینا "اثنا عشری قانون" میں ممنوع اور حرام ہے۔ بلکہ ان کا نام لینے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں ایک مستقل باب ہے: "باب النهي عن الاسم" یعنی امام حسن عسکریؒ کے صاحبزادے کا نام لینا ممنوع ہے۔ اس باب میں امام حسن عسکری کے والد بزرگوار کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ان صاحبزادے کا نام لینا تمہارے لئے حلال نہیں۔ اور امام صادقؒ سے نقل کیا ہے کہ "ان صاحبزادہ کا جو شخص بھی نام لے گا، وہ کافر ہوجائے گا۔"

(لا يسميه باسمه الا كافر)

ابو عبداللہ الصالحی کہتے ہیں کہ ابو محمد امام حسن عسکریؒ کے گزرنے کے بعد بعض اصحاب نے مجھ سے اس صاحبزادے کا نام اور جگہ پوچھی، اور میں نے امام غائب کی بارگاہ میں ان کی یہ درخواست پیش کی، تو جواب ملا کہ اگر تم نام بتادو گے تو لوگ اس کا راز فاش کردیں گے اور اگر ان کو جگہ کا پتہ چل گیا تب تو لوگوں کو پورا پتہ ہی بتادیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

۴ ـ علي بن محمد، عن أبي عبدالله الصالحي قال: سألني أصحابنا بعد مضي أبي محمد عليه السلام أن أسأل عن الاسم والمكان، فخرج الجواب: إن دللتهم على الاسم أذاعوه

(اصول کافی، صفحہ ۳۳۳، جلد۱) [illegible]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ائمہ کی طرف سے ان صاحبزادے کو " بے نام و نشان " رکھنے کی پوری تاکید کی گئی تھی، ان کا نام لینے کو حرام بلکہ کفر فرمایا گیا تھا۔ لیکن عجائبات میں سے ہے کہ شیعہ معتقدین ائمہ کی تعلیم و تلقین کے علی الرغم امام حسن عسکری کی کنیت "ابو محمد" (محمد کا باپ) رکھ کر ان کے صاحبزادے کا نام لیتے ہیں۔ گناہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ نہ ائمہ کے فتوائے کفر سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی میں بھی امام حسن عسکری کو جگہ جگہ "ابو محمد" لکھا ہے۔

چہارم: ظہور مہدی کے مسئلہ میں ایک مشکل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ظہور مہدی کی ایک تاریخ مقرر کر دیتے، لیکن لوگ اس موقع پر کوئی نہ کوئی گڑبڑ کر دیتے۔ لامحالہ اللہ تعالیٰ کو تاریخ بدلنی پڑتی۔ جب چند بار ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر غیر معین عرصہ کے لئے ظہور مہدی کی نعمت لوگوں سے چھین لی، چنانچہ شیعہ روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے ظہور کا وقت ٧٠ھ مقرر کیا تھا۔ ٦١ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے، دوبارہ ان کے ظہور کا وقت ١٤٠ھ مقرر کیا اب ائمہ سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے یہ بات اپنے مخلص شیعوں کو بتا دی اور شیعوں نے خوش ہو کر اس راز کو فاش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر اس کو غیر معین عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا۔ اصول کافی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

١ ـ علي بن محمد ومحمد بن الحسن، عن سهل بن زياد؛ ومحمد بن يحيى، عن أحمد بن محمد بن عيسى جميعاً، عن الحسن بن محبوب، عن أبي حمزة الثمالي قال: سمعت أبا جعفر عليه السلام يقول: يا ثابت إن الله تبارك وتعالى قد كان وقّت هذا الأمر في السبعين، فلما أن قُتل الحسين صلوات الله عليه اشتد غضب الله تعالى على أهل الأرض، فأخّره إلى أربعين ومائة، فحدّثناكم فأذعتم الحديث فكشفتم قناع الستر[٢] ولم يجعل الله له بعد ذلك وقتاً عندنا ويمحو الله ما يشاء ويثبت وعنده أُمّ الكتاب.

(اصول کافی صفحہ ٣٦٨، جلد ١)

ترجمہ: "ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں نے امام باقرؒ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ اے ثابت! اللہ تعالیٰ نے ظہور مہدی کا وقت ٧٠ھ مقرر کیا تھا جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا غصہ اہل زمین پر سخت ہوا۔ پس اس نے اس امر کو ١٤٠ھ تک مؤخر کر دیا۔ ہم نے تم کو بتا دیا

اور تم نے بات پھیلا دی۔ پردہ فاش کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔"

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱: شیعوں کے امام قائم (امام مہدی) کی تشریف آوری کسی اور کے حق میں رحمت ہو کہ نہ ہو، مگر شیعوں کے حق میں تو یقیناً رحمت ہی ہوگی۔ پھر نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے ان کی تشریف آوری کا طے شدہ وقت کیوں بدل دیا؟ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو غصہ آیا ہوتا تو امام قائم کو ۷۰ھ کی جگہ ۶۱ھ میں بھیج کر حضرت حسین کا انتقام لینا چاہئے تھا۔ نہ یہ کہ قائم آل محمدؐ کے ظہور کو مزید ملتوی کر دیا جاتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوئی کہ کوفہ کے بے وفا شیعوں نے خطوط کے بورے بھیج کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ طلب کیا اور جب حضرت امامؓ ان کی تحریک پر عازم کوفہ ہوئے تو انہوں نے طوطا چشمی کا مظاہرہ کیا۔ اور امامؓ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اور وہ بے کسی و بے بسی کے عالم میں اپنے کنبہ سمیت شہید ہو گئے۔ ایسے غدار، طوطا چشم اور بے وفا شیعوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اس لائق نہ سمجھا کہ انہیں امام قائم کی نعمت سے سرفراز کیا جائے۔

۲: اللہ تعالیٰ کو امام قائم کے بارے میں دو مرتبہ "بدا" ہوا اور اس کو بھیجنے کا دو بار وعدہ کر کے اس کے خلاف کیا۔ حالانکہ وعدہ خلافی ایک ایسا عیب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے عقلاً و شرعاً پاک ہے۔ قرآن مجید میں "ان اللّٰہ لا یخلف المیعاد" کئی جگہ وارد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ نیز وعدہ خلافی جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ شیعوں کا مذہب عجیب ہے کہ امام کو معصوم کہتے ہیں اور خدا کو جھوٹ میں ملوث کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔

۳: پھر خدا کو کوئی ایسی مجبوری بھی نہیں تھی کہ خواہ مخواہ اس کو وعدہ خلافی کرنا پڑتی۔ اللہ تعالیٰ پہلے ہی اماموں کو "قائم آل محمدؐ" کے ظہور کا وقت نہ بتاتا، تاکہ وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرنا پڑتی، اور اگر وعدہ کر ہی لیا تھا تو شیعوں سے غصہ ہو کر اس کو ٹالنا اس کے لطف کے خلاف تھا۔ اور لطف علی اللہ، امامیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنے واجب کا بھی لحاظ نہ رکھا۔

۴: اور جو وعدہ رو بہ عمل لایا جاتا اس کا کیا اعتبار کہ وہ ضرور پورا ہی ہو گا۔ روایت سے یہ پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو منادی دیا۔ چنانچہ امام نے جو آیت پڑھی اس کا یہی مطلب ہے اور اس وعدہ کو منادینے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گیارہویں امام کو لاولد اٹھا لیا اور امام قائم کا جنم لینے کی بھی ممانعت فرمادی۔ تاکہ لوگ انتظار میں نہ رہیں۔ بہرحال یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ، منسوخ ہی کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ جب اکابر ائمہ کے شیعوں کی غداری و بے وفائی کا یہ عالم ہے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے سبط رسولؐ و جگر گوشہ بتولؓ کو شہید ہوتا دیکھتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے تو شر القرون کے شیعوں کا کیا اعتبار؟ لہٰذا قرین مصلحت یہی ہے کہ ظہور مہدی کے قصہ کو ہمیشہ کے لئے ختم ہی کر دیا جائے۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ امام حسینؓ کی طرح امام مہدی بھی ان کی بے وفائی کا نشانہ بن جائیں۔ بہرحال اوپر کی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آیت شریفہ (اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے) کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ظہور مہدی کو منسوخ ہی کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اب تک نہیں آئے۔ اور میری پیش گوئی یاد رکھئے کہ شیعہ حضرات جس نامعلوم شخصیت کو " قائم آل محمدؐ " کہتے ہیں وہ قیامت تک نہیں آئے گی۔ ہاں! اہل سنت کے مسلّمہ امام مہدی" انشاء اللہ اپنے وقت پر تشریف لائیں گے۔

۵: اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق ائمہ کو تو " ما کان وما یکون " کی ہر لمحہ خبر رہتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ واقعات کی ترتیب بھی یاد نہیں رہتی اور واقعات کا کامل از وقوع علم بھی نہیں ہوتا۔ اگر اس کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۶۱ھ میں شہید ہوں گے اور ان کی شہادت کی وجہ سے ظہور قائم کا وقت بدلنا پڑے گا، یا اسے یہ معلوم ہوتا کہ ائمہ یہ راز اپنے شیعوں کے پاس اگل دیں گے اور شیعہ اس راز کو ساری دنیا میں مشہور کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ظہور قائم آل محمد کا وقت ہی مقرر نہ کرتا۔ استغفراللہ۔

۶: اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بارہ اماموں کی تجویز خدا و رسول کی طرف سے نہیں، ورنہ یہ کیسے ممکن ہوتا کہ اللہ تعالیٰ قائم آل محمدؐ کا ظہور وقت ۷۰ھ یا ۱۴۰ھ مقرر

فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا کہ ۷۰ھ کا زمانہ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما (متوفی ۹۴ھ) کی امامت کا زمانہ ہے۔ اور ۱۴۰ھ امام جعفرؒ کی امامت کا دور ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی تجویز کے مطابق قائم آل محمدؐ کو ۷۰ھ میں یا ۱۴۰ھ میں بھیج دیتا تو بارہ اماموں کا سلسلہ دھرے کا دھرا رہ جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارہ اماموں کا سلسلہ منجانب اللہ نہیں، بلکہ لوگوں کی اپنی تصنیف ہے۔

پنجم: سلسلہ امامت میں ایک الجھن یہ پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امام زادے کو امامت کے لئے نامزد کیا جاتا تھا، لیکن قضا و قدر کے فیصلہ کے مطابق اس کی موت امام کے سامنے ہو جاتی۔ ناچار اللہ تعالیٰ کو فیصلہ بدلنا پڑتا اور اس کی جگہ دوسرے امام زادے کو امامت کے لئے نامزد کیا جاتا۔ اس قسم کا صورت دو مرتبہ پیش آیا۔ پہلی مرتبہ حضرت امام جعفرؒ کے زمانے میں کہ ان کے بڑے صاحبزادے اسمٰعیل کو امامت کے لئے نامزد کیا گیا تھا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ان صاحبزادہ کا انتقال امام جعفرؒ کی زندگی میں ہو گیا۔ لامحالہ اللہ تعالیٰ کو فیصلہ بدلنا پڑا۔ اور ان کی جگہ دوسرے صاحبزادے کو امامت کے لئے نامزد کیا گیا۔

دوسری مرتبہ حضرت حسن عسکریؒ کے والد بزرگوار امام علی نقیؒ کے زمانے میں یہ صورت پیش آئی۔ پہلے ان کے بڑے صاحبزادے محمد کو امامت کے لئے نامزد کیا گیا تھا کہ ناگاہ ان کا انتقال والد کی زندگی میں ہو گیا۔ ناچار ان کی جگہ دوسرے صاحبزادے امام حسن عسکریؒ کو امامت کے لئے نامزد کرنا پڑا۔ اصول کافی میں ہے:

١٠ ـ عليّ بن محمّد، عن إسحاق بن محمّد، عن أبي هاشم الجعفريّ قال: كنت عند أبي الحسن عليه السلام بعدما مضى ابنه أبو جعفر وإنّي لاُفكّر في نفسي اُريد أن أقول: كأنّهما أعني أبا جعفر وأبا محمّد في هذا الوقت كأبي الحسن موسى وإسماعيل ابني جعفر بن محمّد عليهم السلام وإنّ قصّتهما كقصّتهما، إذ كان أبو محمّد المرجى بعد أبي جعفر عليه السلام فأقبل عليّ أبو الحسن قبل أن أنطق فقال: نعم يا أبا هاشم بدا لله في أبي محمّد بعد أبي جعفر عليه السلام[1] ما لم يكن يعرف له، كما بدا له في موسى بعد مضيّ إسماعيل ما كشف به عن حاله وهو كما حدّثتك نفسك وإن كره المبطلون، وأبو محمّد ابني الخلف من بعدي، عنده علم ما يحتاج إليه ومعه آلة الإمامة[141]

(اصول کافی صفحہ ۳۲۷، جلد ۱)

ترجمہ: "ابو ہاشم جعفری کہتے ہیں کہ میں امام ابوالحسن (علی نقی) کے پاس
تھا، جب ان کے لڑکے ابوجعفر (محمد) کا انتقال ہوا۔ میں اپنے دل میں سوچ
رہا تھا کہ اس وقت (امام علی نقی کے دونوں صاحب زادوں) ابوجعفر اور ابو
محمد کا وہی قصہ ہوا جو امام جعفر کے دونوں بیٹوں موسیٰ اور اسمٰعیل کا ہوا تھا،
کیونکہ (اسمٰعیل کے بجائے موسیٰ کو امام بنایا گیا اسی طرح) اب ابوجعفر کے
بجائے ابو محمد کو امام تجویز کیا گیا۔ امام ابوالحسن (علی نقیؑ) میرے بولنے سے
پہلے ہی میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں! اے ابو ہاشم! ابوجعفر کے
فوت ہونے کے بعد اب ابو محمد کے بارے میں اللہ کی رائے وہ ہو گئی ہے جو
پہلے اس کے لئے معروف نہیں تھی۔ جیسا کہ اسمٰعیل کے فوت ہونے کے بعد
اللہ کی رائے موسیٰ کے بارے میں ہو گئی، جس کی وجہ سے اس کا حال کھل گیا۔
قصہ وہی ہے جیسا کہ تمہارے دل میں خیال آیا۔ خواہ باطل پرستوں کو ناگوار
ہو، میرا بیٹا ابو محمد میرا جانشین ہوگا۔ اس کے پاس بقدر ضرورت علم بھی ہے
اور آلات امامت بھی۔"

دوسری روایت میں ہے:

۲ـ غط ، سعد عن أبي هاشم الجعفري قال: كنت عند أبي الحسن العسكري عليه السلام وقت وفاة ابنه أبي جعفر ، وقد كان أشار إليه ودلّ عليه ، وإنّي لأفكّر في نفسي ، وأقول هذه قصّة أبي إبراهيم وقصّة إسماعيل فأقبل عليّ أبو الحسن عليه السلام وقال: نعم يا أبا هاشم بدا لله في أبي جعفر وصيّر مكانه أبا محمّد كما بدا لله في إسماعيل بعد ما دلّ عليه أبو عبد الله عليه السلام ونصبه ، و هو كما حدّثتك نفسك وإن كره المبطلون

(بحار الانوار صفحہ ۲۴۱، جلد ۵۰)

ترجمہ: "امام علی نقیؑ نے اپنے بیٹے ابوجعفر کو اپنے بعد امام بنایا تھا اور
لوگوں کو ان کی طرف رہنمائی کی تھی، لیکن ابوجعفر (کا انتقال باپ کی زندگی
میں ہو گیا۔ میں ان) کے انتقال کے وقت امام علی نقیؑ کے پاس بیٹھا سوچ رہا
تھا کہ یہ تو وہی قصہ ہوا کہ پہلے اسمٰعیل کو امام بنایا گیا تھا، پھر اس کی جگہ موسیٰ
کاظم کو امام بنایا گیا۔ امام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں! ابو ہاشم!
اللہ تعالیٰ کو ابوجعفر کے بارے میں بدا ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ کی رائے بدل گئی اور
ان کی جگہ ابو محمد کو امام بنا دیا۔ جیسا کہ اسمٰعیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی

رائے بدل گئی تھی حالانکہ امام صادقؑ نے اسماعیل کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ بات وہی ہے جو تمہارے دل میں گزری، اگرچہ باطل پرستوں کو ناگوار ہو۔"

حضرات امامیہ بارگاہ الٰہی میں یہ گستاخی نہیں کر سکتے تھے کہ حضرت امامؑ نے پہلے ایک صاحبزادے کے بارے میں یہ توقع کی تھی کہ وہ ان کے بعد تک جئیں گے اس لئے ان کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ لیکن قضا و قدر کے فیصلے کے تحت ان صاحبزادے کا انتقال والد کی زندگی میں ہو گیا تو مجبوراً حضرت امام کو اپنا دوسرا بیٹا نامزد کرنا پڑا۔

اگر ایسا گستاخانہ خیال کیا جاتا تو ایک تو امام کے منصوص من اللہ ہونے کے عقیدہ کی جڑ کٹ جاتی، دوسرے یہ لازم آتا کہ امام "ماکان وما یکون" کے عالم نہیں ہوتے۔ تیسرے، امام کی طرف خطا کی نسبت لازم آتی، جبکہ امام ہر خطا سے معصوم ہوتے ہیں، اس لئے حضرات امامیہ کو یہ بات سہل نظر آئی کہ امام کے بجائے اس تبدیلی کا ذمہ دار خدا کو ٹھہرایا جائے۔ نعوذ باللہ۔ لیکن اس میں یہ مشکل ضرور پیش آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر امام کے نام کی ایک تختی بھی تو نازل کی گئی تھی، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھی، اور جس کا پورا متن اصول کافی صفحہ ۵۲۷، جلد ۱ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس تختی کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رائے کیسے بدل گئی؟ غالباً اس تختی کی دوبارہ تصحیح کی گئی ہوگی۔

ششم: سلسلۂ امامت میں ایک مشکل یہ پیش آئی تھی کہ جس امام زادے کو امامت کے لئے نامزد کیا جاتا اس کے والد کا انتقال اس کی نابالغی کے زمانے میں ہو جاتا، اس قسم کا حادثہ تین مرتبہ پیش آیا:

۱: پہلے گزر چکا ہے جب ۲۰۳ھ میں امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کا انتقال ہوا تو ان کے صاحبزادہ امام محمد بن علی (المعروف بہ "امام جواد") کی عمر سات آٹھ سال کی تھی، ان کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی تھی۔

۲: پھر امام جوادؒ کا ۲۲۰ھ میں انتقال ہوا تو ان کے صاحبزادے امام علی نقی کی عمر چھ سال کی تھی، ان کی ولادت رجب ۲۱۴ھ کی ہے۔

۳: تاریخی شواہد کے خلاف حضرات امامیہ کا دعویٰ ہے کہ امام حسن عسکریؒ کی وفات

(۲۶۰ھ) کے وقت ان کا ایک بے نام و نشان صاحبزادہ چار پانچ سال کا تھا جو ان کی وفات سے چند دن پہلے روپوش ہو گیا تھا۔ اب قیامت تک کے لئے وہی امام ہے۔

اہل عقل جانتے ہیں کہ بچہ مکلف نہیں۔ شریعت نے اس کو مرفوع القلم ٹھہرایا ہے اور دنیا کی کسی عدالت میں بچے کی شہادت معتبر نہیں۔ عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر یہ سلسلۂ امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بات کا بھی انتظام فرماتے کہ جب تک امام کا بیٹا بالغ نہ ہو جائے تب تک امام کو دنیا سے نہ اٹھایا جائے، تاکہ امام کا جانشین بالغ ہو، نابالغ بچہ نہ ہو۔ لیکن عقل و شرع کے خلاف حضرات امامیہ نابالغ بچوں کی امامت کے قائل ہیں۔ اور اس کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ بہر حال جب حضرات امامیہ کے بقول اللہ تعالیٰ کی رائے بدل جاتی ہے اور وہ ایک شخص کو امام بنا کر اسے موت سے نہیں بچاتے، بلکہ دوسرے کو امام بنا دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ۔ نابالغوں کو ساری دنیا کا امام بنانے سے بھی دریغ نہیں فرماتے تو بہت ممکن تھا کہ بارہویں امام کے بعد بھی خدا کی رائے بدل جاتی۔ اور امام کا انتقال نابالغی میں ہو جاتا تو بڑی پریشانی لاحق ہوتی کہ اس نابالغ کے بعد اب امامت کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے؟ اس لئے قرین مصلحت یہی تھا کہ امام کو غائب کر دیا جائے، اور اس کا زمانہ قیامت تک پھیلا دیا جائے تاکہ نہ کسی کو امام کے بارے میں کچھ خبر ہو، نہ لب کشائی کر سکے کہ آیا وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ اور نہ بارہویں امام کے بعد کسی اور امام کو تلاش کرنے کی زحمت اٹھانی پڑے۔

ہفتم: امامت کا سلسلہ ۲۶۰ھ تک تو ظاہری طور پر چلتا رہا۔ ۲۶۰ھ کے بعد بارہویں امام روپوش ہو گئے۔ پہلے غیبت صغریٰ رہی، جس میں امام کے خصوصی سفیروں کو بارگاہ امامی میں باریابی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ ۳۲۹ھ تک جاری رہا۔ بعد میں لوگوں کو خبر ہو گئی، حکومت کی طرف سے تحقیق و تفتیش شروع ہوئی تو "غیبت کبریٰ" کا اعلان کر دیا گیا۔ یعنی اب کوئی شخص امام الزماں سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے "ایرانی انقلاب" میں امام قائم الزماں کی ان دونوں غیبتوں کا بہت اچھا خلاصہ ذکر کیا ہے، اس کو ان ہی کے الفاظ میں پڑھ لیا جائے:

"۴" امام آخر الزماں کی غیبت صغریٰ اور کبریٰ "

"اختصار اور اجمال کے ساتھ یہ بات پہلے بھی ذکر کی جاچکی ہے کہ بارہویں امام صاحب الزماں (امام غائب) کی اس غیبت کے بعد بعض "بااثر" شیعہ صاحبان نے اپنے عوام کو بتایا اور باور کرایا کہ "صاحب الزماں" کے پاس رازدارانہ طور پر ان کی آمدورفت ہے اور وہ گویا ان کے سفیر اور خصوصی ایجنٹ ہیں (یکے بعد دیگرے چار حضرات نے یہ دعویٰ کیا ہے ان میں آخری علی بن محمد سیمری تھے جن کا انتقال ۳۲۹ھ میں ہوا) سادہ دل شیعہ صاحبان، صاحب الزماں (امام غائب) تک پہنچانے کے لئے ان حضرات کو خطوط اور درخواستیں اور طرح طرح کے قیمتی ہدیے تحفے دیتے تھے اور یہ امام صاحب الزماں کی طرف سے ان کے جوابات لاکر دیتے تھے جن پر امام صاحب کی مہر ہوتی تھی۔ یہ سارا کاروبار انتہائی رازداری سے ہوتا تھا۔

"رہا یہ سوال کہ اصلیت اور حقیقت کیا تھی؟ تو ہمارا خیال ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اللہ نے فراست اور بصیرت کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے، یہی سمجھے گا کہ یہ ان ہوشیار اور چالاک لوگوں کا کاروبار تھا جو اپنے کو امام غائب کا سفیر بتلاتے تھے لیکن شیعہ صاحبان اور ان کے حضرات علماء و مجتہدین کے نزدیک بھی وہ خطوط و مراسلات جو ان سفیروں نے صاحب الزماں (امام غائب) کے بتلاکر لوگوں کو دیئے، وہ امام معصوم کے ارشادات اور دینی حجت ہیں اور ان کی کتب حدیث و روایت میں اسی حیثیت سے جمع کئے گئے ہیں۔ ان کا اچھا خاصہ ذخیرہ "احتجاج طبرسی" کے آخری صفحات میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ جناب خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" میں دینی حجت ہی کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور اپنے خاص نظریے "ولایت فقیہ" پر ان سے استدلال بھی کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "الحکومۃ الاسلامیہ" صفحہ ۷۶، ۷۷) یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ شیعہ حضرات کی روایات اور کتابوں میں اس زمانے کو جب (ان کے عقیدے کے مطابق) سفارت کا یہ سلسلہ چل رہا تھا، "غیبت صغریٰ" کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

"بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سفارتی کاروبار جو انتہائی رازداری کے ساتھ چل رہا تھا، اس وقت ختم ہوا جب حکام وقت کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کی طرف سے اس کی تحقیق و تفتیش شروع ہوئی کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح کا

> فریب دے کر رعایا کے سادہ لوح عوام کو لوٹ رہے ہیں؟ اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اور مشہور کر دیا گیا کہ اب "غیبت صغریٰ" کا دور ختم ہو کر "غیبت کبریٰ" کا دور شروع ہو گیا اور اب صاحب الزمان کے ظہور تک کسی کا ان سے رابطہ قائم نہ ہو سکے گا اور کسی کی رسائی نہ ہو سکے گی۔ اب بس ان کے ظہور کا انتظار کیا جائے۔" (ایرانی انقلاب ۔ صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷)

یہاں جو بات ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ امام کے غائب ہو جانے کے بعد اب حضرات امامیہ بھی امام کے بغیر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانوں کو خیر القرون فرمایا ہے۔ یعنی صحابہ کرامؓ کا زمانہ، ان کے بعد تابعین کا دور، ان کے بعد تبع تابعین کا دور۔ حضرات امامیہ نے خیر القرون کے زمانے میں تو امام کے وجود کو ضروری قرار دیا لیکن جب شر القرون کا دور شروع ہوا تو امام کو یکایک غائب کر دیا۔ اہل عقل کو غور کرنا چاہئے کہ اگر خیر القرون میں امام کا وجود ضروری تھا تو شر القرون میں اس سے زیادہ ضروری ہونا چاہئے تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خیر القرون میں تو اللہ تعالیٰ پے در پے امام بھیجتا چلا جائے۔ اور جونہی خیر القرون کا دور ختم ہو، اور شر القرون کا دور شروع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ امام کو یکایک غائب کر دے اور دنیا امام کے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے۔ سوچئے اور سو بار سوچئے کہ کیا یہ امامت کا زعم محض صدر اول کے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے تو نہیں رچایا گیا؟

ہشتم: مسئلہ امامت میں حضرت علیؓ کے خاندان کی خانہ جنگیوں کا جو خلاصہ اوپر درج کیا گیا ہے اس کا ایک اور پہلو بھی لائق توجہ ہے۔ وہ یہ کہ حضرت علیؓ کی اولاد کی اکثریت ہمیں شیعوں کے عقیدۂ امامت کی منکر نظر آتی ہے۔ چنانچہ:

۱: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امام زین العابدینؒ کی امامت کا دور آیا تو ان کے چچا حضرت محمد بن حنفیہؒ نے خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور وہ امام زین العابدینؒ کی امامت کے منکر ہوئے۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الامامۃ "باب ما يفصل به بين دعوى المحق والمبطل في الامامة" میں چچا بھتیجے کا مناظرہ منقول ہے جس میں بالآخر حجر اسود سے فیصلہ طلب کیا گیا۔ (اصول کافی..... صفحہ ۳۴۸، جلد ۱، روایت نمبر ۵) لیکن اس فیصلے کے بعد بھی محمد بن حنفیہؒ کی امامت کا ڈنکا بدستور بجتا رہا۔

اور امام زین العابدینؒ کو کوئی نہ پوچھتا تھا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

۲: امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی پوری اولاد اثنا عشری عقیدۂ امامت کی منکر تھی، چنانچہ عبداللہ بن حسن المحض امام باقرؒ اور امام جعفرؒ کی امامت کے منکر تھے۔ اور وہ اپنے بیٹے "محمد نفس زکیہ" کے حق میں ان سے بیعت لینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ اصول کافی کے باب مذکور روایت نمبر ۷ اور نمبر ۱۹ میں مذکور ہے۔

(دیکھئے اصول کافی ... صفحہ ۳۶۲ - ۳۸۵، جلد ۱)

۳: امام زین العابدینؒ کے بعد جب امام باقرؒ کا دور آیا تو ان کے بھائی حضرت زید بن علیؒ نے، جو "زید شہید" کے لقب سے معروف ہیں، امام باقرؒ کی امامت سے انکار کیا اور خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا، جیسا کہ اصول کافی کے اسی باب کی روایت نمبر ۱۶ میں ان کا مناظرہ امام باقرؒ کے ساتھ منقول ہے (دیکھئے اصول کافی..... صفحہ ۳۵۶) نیز اصول کافی کتاب الامامۃ "باب الاضطرار الی الحجۃ" کی روایت نمبر ۵ میں ہشام احول کے ساتھ ان کا مناظرہ منقول ہے۔ (دیکھئے اصول کافی ...... صفحہ ۱۷۳، جلد ۱)

۴: امام جعفر صادقؒ کے پانچ فرزند تھے۔ محمد، اسماعیل، عبداللہ افطح، موسیٰ، علی۔ ان پانچوں نے اپنی اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور شیعوں کے علیحدہ علیحدہ فرقے بنے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ بہرحال امام جعفرؒ کی اولاد میں موسیٰ کاظم کی امامت کا کوئی بھی قائل نہ تھا بلکہ امام صادق نے اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کی امامت کا تو خود اعلان بھی فرمایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) بدا ہو گیا اور اس کی رائے بدل گئی اور غریب اسماعیل کی امامت حرف غلط کی طرح مٹادی گئی۔

۵: اسی طرح ہر امام کے دور امامت میں اس کے بھائی بھتیجے اور دیگر اقارب اس کی امامت کے منکر رہا کرتے تھے، حتیٰ کہ امام حسن عسکریؒ کے بھائی جعفر ان کی اور ان کے بیٹے "بے نام مہدی" کی امامت کے بھی منکر تھے۔ اسی بنا پر شیعہ ان کو "جعفر کذاب" کے مقدس لقب سے یاد کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر امام کی امامت کو (سوائے اس کے اہل خانہ کے اور دو چار شیعوں کے) خاندان سادات میں سے بھی کسی نے قبول نہیں کیا۔ بلکہ

معدودے چند افراد کے سوا ڈھائی صدیوں میں تمام سادات اور پورا خاندان نبوت مسئلہ امامت کا منکر تھا۔

اب منکرین امامت کے بارے میں شیعوں کا فتویٰ سنئے!

میں مسئلہ امامت کی تیسری بحث کے تیسرے عقیدہ میں ذکر کر چکا ہوں کہ امامیہ کے نزدیک امامت کا منکر کافر اور ناری ہے۔ یہاں اصول کافی کی دو روایتیں مزید پڑھ لیجئے۔

۲۔ محمد بن يحيى ، عن عبدالله بن محمد بن موسى ، عن علي بن الحكم ، عن أبان عن الفضيل ، عن أبي عبدالله عليه السلام قال : من ادّعى الإمامة وليس من أهلها فهو كافر.
(اصول کافی ... صفحہ ۳۷۲، جلد ۱)

ترجمہ: "فضیل کہتے ہیں کہ امام صادقؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے امامت کا دعویٰ کیا اور وہ اس کا اہل نہیں تھا وہ کافر ہے۔"

۳۔ الحسين بن محمد ، عن معلى بن محمد ، عن محمد بن جمهور ، عن عبدالله بن عبدالرحمن ، عن الحسين بن المختار قال : قلت لأبي عبدالله عليه السلام : جعلت فداك « ويوم القيامة ترى الذين كذبوا على الله » ؟ قال : كلّ من زعم أنّه إمام وليس بإمام ، قلت : وإن كان فاطمياً علوياً ؟ قال وإن كان فاطمياً علوياً.
(اصول کافی صفحہ ۳۷۲، جلد ۱)

ترجمہ: "حسین بن مختار کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؒ سے پوچھا کہ اس آیت کا مصداق کون ہے: "اور تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ان کے منہ کالے ہوں گے"؟ امام نے فرمایا کہ آیت کا مصداق ہر وہ شخص ہے کہ جس نے امامت کا دعویٰ کیا، حالانکہ وہ امام نہیں۔ میں نے کہا: خواہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہو؟ فرمایا: خواہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد ہو۔"

گویا شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی وہ تمام اولاد جو شیعوں کے خود ساختہ عقیدۂ امامت کی منکر تھی۔ وہ کافر ہے اور قیامت کے دن ان کے منہ کالے ہوں گے۔

اسی پر اکتفا نہیں بلکہ شیعوں کے نزدیک منکرین امامت حرامزادے ہیں۔
کلینی نے روضۂ کافی کی روایت نمبر ۴۳۱ میں امام باقرؒ کی "حدیث" نقل کی ہے:

٤٣٦ - علي بن محمّد ، عن علي بن العبّاس ، عن الحسن بن عبدالرّحمن ، عن عاصم بن حميد ، عن أبي حمزة ، عن أبي جعفر عليه السلام قال : ...

والله يا أبا حمزة إنّ النّاس كلّهم أولاد بغايا ما خلا شيعتنا ،

(روضہ کافی ۲۸۵)

ترجمہ : "اللہ کی قسم! اے ابو حمزہ! لوگ سب کے سب بدکار عورتوں کی اولاد ہیں سوائے ہمارے شیعوں کے۔"

علامہ مجلسی کی بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے :

"إنّ حبّهم عليهم السلام علامة طيب الولادة ، وبغضهم علامة خبث الولادة"

ترجمہ : "ائمہ سے محبت رکھنا ولادت کے پاک ہونے کی علامت ہے۔ اور ان سے بغض رکھنا ولادت کے ناپاک ہونے کی علامت ہے۔"

اس باب میں ۷۶ روایتیں ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے کہ شیعوں کا نسب صحیح ہے اور جو لوگ امامت کے منکر ہیں ان کا نسب ناپاک ہے۔

اس سے شیعوں کی اہل بیت سے محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مسئلہ امامت کی بنا پر تمام صحابہ کو تو (سوائے دو چار کے) کافر و ظالم کہتے ہی تھے لیکن اس تفریعے کی وجہ سے ائمہ کی اولاد کو بھی۔ نعوذ باللہ۔ ولد الحرام قرار دیتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ذرا بھی عقل تعصب فرمائی ہو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شیعہ اہل بیت کے کتنے بڑے دشمن ہیں۔

امام مہدی کے بارے میں اسلامی تصور

آنجناب تحریر فرماتے ہیں :

"ہمیں یقین ہے کہ کتب اسلامی پر وسیع اطلاع رکھنے والا کوئی شخص "بارہویں امام" (امام مہدی) کے اسلامی تصور کا انکار نہیں کر سکتا۔ جبکہ بہت سے علمائے اہل سنت بھی ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اب متفق صورت ان کے موجود ہونے کے ساتھ ان کی غیبت کی جس کی سمجھ میں جو تعبیر آئی لکھ دی گئی، ہمارا صرف اتنا ہی واجب ہے کہ وہ ہیں اور بس۔"

امام مہدی علیہ الرضوان کے اسلامی تصور کا انکار کون کرتا ہے؟ لیکن شیعوں

کے امام غائب کو مہدی کے اسلامی تصور کا مصداق سمجھنا آنجناب کی خوش فہمی یا مغالطہ آفرینی ہے۔ کیونکہ اسلام جس مہدی کے آنے کا قائل ہے اس کی چند صفات یہ ہیں:

۱: اس کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔ (ابو داؤد صفحہ ۵۸۸) جبکہ شیعوں کے مہدی کا نام لینا ہی کفر ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں اور شیعہ اس "بے نام" بچے کے باپ کا نام حسن عسکری بتاتے ہیں۔ پس شیعوں کے مہدی کا نام اور ولدیت امام مہدی کے نام اور ولدیت سے مختلف ہے۔

۲: امام محمد بن عبداللہ المہدی، حسنی سید ہوں گے۔ (ابو داؤد صفحہ ۵۹۹) جبکہ شیعوں کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسل منصب امامت ہی سے معزول ہے۔

۳: امام مہدیؒ کی عمر شریف ان کے ظہور کے وقت چالیس برس کی ہوگی۔ (الحاوی للفتاویٰ صفحہ ۶۶، جلد ۲) جبکہ شیعوں کے دعویٰ کے مطابق بے نام مہدی کی خفیہ پیدائش ۲۵۵ھ میں ہوئی تھی، گویا (۱۰۵۷) کی عمر تو ان کی آج کی تاریخ سے ہے۔ اور علامہ خمینی کے بقول ابھی ہزاروں سال اور بھی گزر سکتے ہیں۔

الغرض جب اسلام کے مہدی سے اس بے نام بچے کا نام و نسب بھی نہیں ملتا تو ان کو مہدی کہہ کر خوش ہو لینا ایسا ہی ہے جیسے مرزائی، مرزا غلام احمد بن غلام مرتضیٰ کو "مہدی" کہہ کر خوش ہوا کرتے ہیں۔ اور مرزا کے منکر کو "مہدی کا منکر" کہتے ہیں۔

رہا آنجناب کا یہ ارشاد کہ:

"بہت سے علمائے اہل سنت بھی ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔"

مجھے معلوم نہیں کہ کون علمائے اہل سنت اس کے قائل ہیں؟ ایسا نہ ہو کسی بزرگ نے حضرات امامیہ کا قول نقل کیا ہو اور آپ نے اس کا اپنا قول سمجھ لیا ہو، بہرحال جس "بے نام" مہدی کا آپ نام لے رہے ہیں اس کی کبھی پیدائش نہیں ہوئی۔ زندہ ہونے کا کیا سوال؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"و اگر کسے فرقۂ خود را عقائیہ لقب کند و بامامت عنقاء قائل شوند سکد ام وجہ ابطال مذہب ایشاں توان نمود۔" (تحفۂ اثنا عشریہ صفحہ ۱۲۳)

ترجمہ: "اور اگر کچھ لوگ اپنے فرقہ کا نام "عنقائیہ" رکھ لیں اور "عنقاء" کی امامت کے قائل ہو جائیں (جس کا کوئی نام و نشان ہی نہیں) تو ان کے مذہب کے ابطال کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔"

گیارہویں بحث : عقیدۂ امامت پر تقیہ کا شامیانہ

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"صفحہ ۲۲ پر آپ نے (راقم الحروف نے) جس تقیہ کا شامیانہ شیعوں کے سر پر تانا ہے اس میں آپ کو خواہ مخواہ زحمت ہوئی۔ یہ اتنا غیر اہم معاملہ ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت ان صفحات میں نہیں۔"

مؤدبانہ گزارش ہے کہ یہ ناکارہ شامیانہ کہاں سے لاتا؟ اور شیعوں کے سر پر تاننے کی گستاخی کیسے کر سکتا تھا؟ یہ شامیانہ تو خود اکابر شیعہ نے امامت اور ائمہ پر تانا ہے، چنانچہ شیخ الطائفہ کی "تہذیب" اور "الاستبصار" اٹھا کر دیکھ لیجئے، ہر دوسرے تیسرے صفحہ پر "محمول علی التقیۃ" کے الفاظ ملیں گے۔

رہا یہ کہ یہ معاملہ اہم ہے یا غیر اہم؟ غالباً جناب نے اصول کافی کتاب الکفر والایمان میں باب التقیۃ کو ملاحظہ نہیں فرمایا، ورنہ آپ کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا۔

مثلاً امام صادقؒ کا یہ ارشاد:

٢ ـ ابن أبي عمير، عن هشام بن سالم، عن أبي عمر الأعجمي قال: قال لي أبو عبدالله عليه السلام: يا أبا عمر إنّ تسعة أعشار الدين في التقيّة ولا دين لمن لا تقيّة له والتقيّة في كلّ شيء إلاّ في النبيذ والمسح على الخفّين [٩].

(اصول کافی صفحہ ۲۱۷ جلد ۲)

ترجمہ: "اے ابو عمر! دین کے دس حصے ہیں، ان میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دین ہے۔ اور ہر چیز میں تقیہ ہے سوائے نبیذ کے اور مسح علی الخفین کے۔"

اس حدیث سے جہاں تقیہ کی اہمیت واضح ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی ہر بات میں تقیہ ہے۔ تقیہ کے طور پر اسلام کی بات کفر اور کفر کی بات کو اسلام کہنا درست ہے۔ البتہ دو چیزوں میں تقیہ نہیں۔ مگر الاستبصار صفحہ ۷۶، جلد دوم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے موزوں پر مسح کیا تھا اور امام باقرؒ نے فرمایا کہ تقیہ کے طور پر مسح علی الخفین جائز ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں میں بھی تقیہ ہو سکتا ہے۔ گویا امام نے جو فرمایا تھا کہ ان دو باتوں میں تقیہ نہیں، یہ بھی تقیہ یعنی جھوٹ تھا۔ اور مثلاً امام ابو جعفرؒ کا یہ ارشاد:

۱۲ ـ عنه، عن أحمد بن محمد، عن معمر بن خلاد قال: سألت أبا الحسن عليه السلام عن القيام للولاة، فقال: قال أبو جعفر عليه السلام: التقية من ديني ودين آبائي ولا إيمان لمن لا تقية له.
(اصول کافی صفحہ ۲۱۹۔ جلد ۲)

ترجمہ: "تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دین ہے۔"

ان دونوں احادیث سے "تقیہ" کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ صرف مباح و مستحب نہیں، بلکہ نماز روزہ کی طرح فرض ہے۔ اور فرض بھی ایسا کہ ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ کیونکہ دین کے نو حصے تنہا تقیہ میں ہیں اور دین کے باقی تمام ارکان مل کر تقیہ کے مقابلے میں دین کے دسویں حصہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس کا تارک دین کا تارک اور بے دین ہے۔ آنجناب کا اس کو "غیر اہم" چیز کہنا ائمہ معصومین کے ارشاد سے انحراف اور ایک طرح سے ائمہ معصومین کی تکذیب ہے۔

الغرض شیعہ مذہب میں تقیہ اتنی بڑی اور ایسی مقدس عبادت ہے کہ دین کے تمام ارکان نماز، روزہ، حج، قربانی، جہاد وغیرہ وغیرہ "عبادت تقیہ" کے مقابلہ میں عشر عشیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صفحات کی تنگ دامانی اس پر طویل بحث کی اجازت نہیں دیتی۔ تاہم تقیہ کی تشریح و تفسیر اور مواقع تقیہ کی توضیح کے لئے ائمہ معصومین کی چند احادیث نقل کرتا ہوں:

پہلی حدیث:

۳ ـ عدة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد بن خالد، عن عثمان بن عيسى، عن سماعة، عن أبي بصير قال: قال أبو عبدالله عليه السلام: التقية من دين الله، قلت: من

دين الله ؟ قال : إي والله من دين الله ولقد قال يوسف : « أيّتها العير إنّكم لسارقون » والله ما كانوا سرقوا شيئاً ولقد قال إبراهيم : « إنّي سقيم » والله ما كان سقيماً .
(اصول کافی باب التقية ٢١٧ ، جلد ٢)

ترجمہ: ابو بصیر کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کے دین میں سے ہے۔ میں نے کہا اللہ کے دین میں سے؟ فرمایا، ہاں! اللہ کی قسم! اللہ کے دین میں سے ہے۔ بے شک یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ "اے قافلہ والو! تم چور ہو" واللہ! انہوں نے کچھ نہیں چرایا تھا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ "میں بیمار ہوں" واللہ! وہ ہرگز بیمار نہ تھے۔"

اس حدیث سے تقیہ کا مفہوم معلوم ہوا کہ محض برینائے مصلحت جھوٹ بول دینا تقیہ ہے۔ کیونکہ امام کے بقول برادران یوسف نے کچھ نہیں چرایا تھا، لیکن یوسف علیہ السلام نے ان کو چور کہا، جو صریح جھوٹ ہے، اور اسی کا نام تقیہ ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بیمار ہوں، حالانکہ امام کے بقول وہ قطعاً بیمار نہ تھے۔ یہ بھی صریح جھوٹ تھا، اسی کا نام تقیہ ہے۔ اور یہ امام کے بقول دین کے دس حصوں میں سے نو حصوں پر مشتمل ہے۔

اس حدیث سے ایک اور بات بھی معلوم ہو گئی۔ وہ یہ کہ تقیہ کے لئے اضطرار شرط نہیں۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جان و مال کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے بطور تقیہ ان لوگوں کو چور کہا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی جان و مال کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس کے باوجود انہوں نے بطور تقیہ اپنے کو بیمار کہا۔ یہ مضمون دوسری حدیث میں امام سے صراحتاً بھی منقول ہے۔

دوسری حدیث:

اصول کافی باب التقیہ میں ہے:

١٣ ـ عليٌّ بن إبراهيم ، عن أبيه ، عن حمّاد ، عن ربعي ، عن زرارة ، عن أبي جعفر عليه السلام قال : التقيّة في كلّ ضرورة وصاحبها أعلم بها حين تنزل به .

(اصول کافی ٢١٩ صفحہ ، جلد ٢)

ترجمہ: "زرارہ امام باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، تقیہ ہر ضرورت میں ہے اور جس کو ضرورت لاحق ہو وہی اس کو بہتر جانتا ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقیہ کے لئے کوئی ضابطہ مقرر نہیں، بلکہ صاحب ضرورت ہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

یاد رہے کہ شیعہ مذہب میں "تقیہ" اور "کتمان" دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ کتمان کے معنی اپنے دین کو چھپانے کے ہیں۔ چونکہ شیعہ مذہب اس لائق نہیں کہ اس کو ظاہر کیا جائے اس لئے امام نے اس مذہب کے چھپانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اصول کافی میں "باب التقیۃ" کے بعد "باب الکتمان" ہے، اس کی بہت سی روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے:

تیسری حدیث:

۳۔ علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن ابن أبي عمير، عن يونس بن عمّار، عن سليمان ابن خالد قال: قال أبو عبدالله عليه السلام: يا سليمان إنكم على دين من كتمه أعزّه الله ومن أذاعه أذلّه الله.

(اصول کافی صفحہ ۲۲۲، جلد ۲)

ترجمہ: "سلیمان بن خالد امام صادقؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کو عزت دیں گے اور جو اس کو ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کریں گے۔"

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب لائق ستر ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب، اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اظہار کا تو حکم فرمایا ہے، اور خود اس کے اظہار کا وعدہ فرمایا ہے۔ "لیظہرہ علی الدین کلہ" اس کے برعکس شیعہ مذہب کے اظہار کی من جانب اللہ ممانعت ہے۔ اس کے چھپانے پر عزت کا اور اس کے اظہار پر ذلت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

الغرض کتمان کے معنی تو ہیں اپنے دین کو چھپانا اور تقیہ کے معنی اپنے مذہب کے خلاف کرنا یا کہنا۔

چوتھی حدیث:

اصول کافی میں ہے:

۱۔ عدة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد بن عيسى، عن علي بن الحكم، عن معاوية ابن وهب، عن سعيد السمّان قال: كنت عند أبي عبدالله ﷺ إذ دخل عليه رجلان من الزيدية فقالا له: أفيكم إمام مفترض الطاعة؟ قال: فقال: لا [3] قال: فقالا له: قد أخبرنا عنك الثقات أنك تفتي وتقر وتقول به [4] ونسميهم لك، فلان وفلان، وهم أصحاب ورع وتشمير [5] وهم ممن لا يكذب [6] فغضب أبو عبدالله ﷺ فقال: ما أمرتهم بهذا فلما رأيا الغضب في وجهه خرجا.

(اصول کافی۔ صفحہ ۳۴۳، جلد ۱، روایت نمبر ۱)

ترجمہ: "سعید سمان کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کے پاس تھا، اتنے میں زیدیہ فرقے کے دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا تم میں کوئی امام مفترض الطاعۃ موجود ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ کہنے لگے، ہمیں آپ کے بارے میں لائق اعتماد ثقہ لوگوں نے بتایا ہے کہ آپ اس کا فتویٰ دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں، اور ہم آپ کے سامنے ان لوگوں کا نام لئے دیتے ہیں، وہ فلاں اور فلاں آدمی ہیں، بڑے تقویٰ و طہارت کے مالک ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ امام صادقؑ ان کی بات سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ میں نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا۔ پس جب انھوں نے امام کے چہرے پر غیظ و غضب دیکھا تو اٹھ کر چلے گئے۔"

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول: یہ کہ زیدیہ فرقے کے لوگوں سے امام کو جان و مال کا خوف نہیں تھا اس کے باوجود ان سے تقیہ فرمایا۔ اور صاف کہہ دیا کہ ہم میں کوئی "امام" نہیں۔ معلوم ہوا کہ تقیہ کے لئے جان و مال کے خوف کی کوئی شرط نہیں۔

دوم: یہ کہ حضرات امامیہ کے نزدیک انکار امامت کفر ہے، مگر امام نے تقیہ کی بنا پر اس کفر کے ارتکاب سے دریغ نہیں فرمایا۔

سوم: یہ کہ ائمہ نے کسی کو مسئلہ امامت کی تعلیم نہیں دی، لوگوں نے خواہ مخواہ بے پر کی اڑا دی۔

پانچویں حدیث:

اصول کافی کتاب العلم "باب اختلاف الحدیث" میں ہے:

۵ ـ أحمد بن إدريس، عن محمد بن عبد الجبار، عن الحسن بن علي، عن ثعلبة بن ميمون، عن زرارة بن أعين، عن أبي جعفر عليه السلام قال: سألته عن مسألة فأجابني ثم جاءه رجل فسأله عنها فأجابه بخلاف ما أجابني، ثم جاء رجل آخر فأجابه بخلاف ما أجابني وأجاب صاحبي، فلما خرج الرجلان قلت: يا ابن رسول الله رجلان من أهل العراق من شيعتكم قدما يسألان فأجبت كل واحد منهما بغير ما أجبت به صاحبه؟ فقال: يا زرارة! إن هذا خير لنا وأبقى لنا ولكم ولو اجتمعتم على أمر واحد لصدّقكم الناس علينا ولكان أقل لبقائنا وبقائكم.

قال: ثم قلت لأبي عبد الله عليه السلام: شيعتكم لو حملتموهم على الأسنة أو على النار[1] لمضوا وهم يخرجون من عندكم مختلفين، قال: فأجابني بمثل جواب أبيه.

(اصول کافی صفحہ ۶۵، جلد ا، روایت نمبر ۵)

ترجمہ: "جناب زرارہ امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا، امام نے مجھے ایک جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا، آپ نے اس کو دوسرا جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا، اس کو آپ نے ہم دونوں سے مختلف جواب دیا۔ جب وہ دونوں صاحب چلے گئے تو میں نے امام سے عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے بیٹے! اہل عراق کے یہ دونوں آدمی تمہارے قدیم شیعوں میں سے ہیں، آپ نے ان دونوں کے سوال کا مختلف جواب دیا۔ امام نے فرمایا، زرارہ! بے شک ہمارے لئے یہی بہتر ہے اور اسی میں ہماری اور تمہاری بقا ہے۔ اگر تم لوگ کسی ایک چیز پر متفق ہو جاؤ تو لوگ ہمارے بارے میں تمہیں سچا سمجھنے لگیں گے اس سے ہماری اور تمہاری بقا کم ہو جائے گی۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ آپ کے شیعہ تو ایسے ہیں کہ اگر ان کو نیزوں پر ٹانگ دیا جائے یا آگ میں جھونک دیا جائے تب بھی

دو کر گزریں گے۔ اس کے باوجود وہ آپ حضرات (ائمہ) کے یہاں سے
نکلتے ہیں تو مختلف جماعت کی بولیاں بولتے ہیں۔ اس پر امام صادقؑ نے بھی
مجھے وہی جواب دیا جو ان کے والد ماجد امام باقرؑ نے دیا تھا۔ (کہ ہم قصداً
شیعوں میں اختلاف ڈالتے ہیں تاکہ وہ کسی بات پر متفق نہ ہوں)۔"

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ائمہ، صحیح مسئلہ بتانے کے پابند نہیں تھے بلکہ غلط سلط مسئلے بیان کرنے کی بھی ان کو اجازت تھی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ، تقیہ کی ایسی پابندی اور ایسا اہتمام فرماتے تھے کہ اپنے خاص راز داروں سے بھی تقیہ فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کو اپنے اصحاب کے درمیان پھوٹ ڈالے رکھنے کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ اور ان کی یہ کوشش رہا کرتی تھی کہ ان کے شیعہ کسی بات پر متفق نہ ہو جائیں۔ خدانخواستہ اگر وہ کسی ایک بات پر بھی متفق ہو گئے تو ائمہ کی خیر نہیں، نہ ان کے شیعوں کی۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کے زمانے میں لوگ شیعوں کو جھوٹا سمجھا کرتے تھے اور ائمہ کو بھی اس کا اہتمام رہتا تھا کہ لوگ ان کے شیعوں کو جھوٹا ہی سمجھا کریں، خدانخواستہ کسی دن لوگوں نے شیعوں کو سچا سمجھ لیا تو بس یوں سمجھو کہ قیامت آگئی۔ پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ شیعہ مذہب کی بقا اور نشوونما کا راز تقیہ میں مضمر تھا۔ اگر شیعہ مذہب کے چہرہ پر تقیہ کی سیاہ نقاب نہ ڈالی جاتی تو امام کے بقول شیعہ مذہب کی بقا ممکن ہی نہیں تھی۔ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے الفاظ میں:

"اگر تقیہ کا سلسلہ نہ ہوتو مذہب شیعہ کا ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب
کرنا قطعاً ناممکن ہو جائے۔ مذہب شیعہ کو تقیہ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو
ریل گاڑی کو خط برقی کے ساتھ ہے۔ اگر خط کاٹ دیئے جائیں تو ریل گاڑی
ایک قدم نہیں چل سکتی۔" (ازود نجوم صفحہ ۴۰۸)

چھٹی بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی کہ تقیہ کی بدولت سچ اور جھوٹ رل مل جائے گا، حق و باطل گڈمڈ ہو جائے گا اور دین خداوندی (جو شیعوں کے نزدیک صرف ائمہ ہی سے معلوم ہو سکتا ہے) مشتبہ ہو کر رہ جائے گا اور ائمہ پر وہی فتویٰ لوٹ پڑے گا جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں دیا تھا:

"إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ

مِنۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الۡكِتٰبِ اُولٰٓـئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴾

(البقرہ ..... ۱۵۹، ترجمہ شیخ الہند)

ترجمہ: "بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارا صاف حکم اور ہدایت کی باتیں، بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں، ان پر لعنت کرتا ہے اللہ، اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔"

تقیہ کے ہولناک نتائج

ائمہ کے تقیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بیان کردہ مسائل میں شدید اختلاف و تضاد پیدا ہوگیا۔ جس کی وجہ سے ائمہ کے زمانے میں ائمہ کے اصحاب کے درمیان ایسے ہولناک اختلافات پیدا ہوئے کہ ایک دوسرے کی تردید میں کتابیں لکھنے اور ایک دوسرے کی تذلیل و تفسیق اور مناظرہ تک نوبت آئی، اور بعد کے علماء و مجتہدین شیعہ میں بھی اختلافات پیدا ہوئے، اصول میں بھی اور فروع میں بھی۔ الغرض ائمہ کے تقیہ کی بنا پر شیعہ مذہب عجیب تضادات کا ملغوبہ اور شدید تدلیس و تلبیس کا مرقع بن کر رہ گیا۔ اور یہ معلوم کرلینا قریباً ناممکن ہوگیا کہ ائمہ کی مختلف روایات کی روشنی میں کون سا مسئلہ قطعی طور پر حق و صواب ہے اور کون سا قطعی باطل اور غلط؟

یہاں ان امور پر مفصل گفتگو کی گنجائش نہیں، امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی ؒ نے شیعہ مذہب کے دو سو مسائل پر رسائل لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ ان دو سو مسائل میں سے دوسرا مسئلہ تقیہ تھا۔ جس پر حضرت ؒ نے "الثانی من المأتین" کے عنوان سے تین رسائل تصنیف فرمائے جو "یازدہ نجوم" کے ضمن میں چھپ چکے ہیں۔ طلبہ کو مشورہ دوں گا کہ ان رسائل کا مطالعہ فرمائیں۔ البتہ افادۂ عام کے لئے دوسرے نمبر کا آخری حصہ اور تیسرے نمبر کا ابتدائی حصہ یہاں نقل کرتا ہوں کہ اس میں اس مسئلہ کا پورا خلاصہ آگیا ہے:

دوسرے نمبر کے آخر میں لکھتے ہیں:

"یہ تھا بیان نمونہ شیعوں کے ائمہ معصومین کے تقیہ کا تھا جس سے کچھ

اندازہ تقیہ کے مواقع کا ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ تقیہ کے لئے نہ ہر گز کسی قسم کے خوف کی شرط ہے، نہ کسی اور ضرورت کی، بلکہ ائمہ شیعہ نے ہر موقع پر تقیہ کیا ہے، موافقین سے بھی، مخالفین سے بھی، دنیوی امور میں بھی اور دینی مسائل میں قولی و عملی بھی، عقائد کے متعلق بھی اور اعمال کے متعلق بھی۔ کتب شیعہ خاص کر فقہ، استبصار، تہذیب کے دیکھنے سے بڑے بڑے موارد تقیہ کے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔

ائمہ شیعہ کی ان مختلف باتوں یا تقیہ بازیوں کے سبب سے ان کے اصحاب میں مذہبی اختلاف بکثرت پیدا ہوئے اور اصحاب کے بعد علماء اور ائمہ مجتہدین میں وہی اختلاف رونما ہوتے اور یہ اختلافات صرف اعمال میں نہیں، بلکہ عقائد میں، اور عقائد میں بھی جو مسئلہ مذہب شیعہ میں سب سے زیادہ اہم بالشان ہے جس کو ان کے عقائد کا اصل سمجھنا چاہئے یعنی مسئلہ امامت اس میں بھی اختلاف ہوا۔ ائمہ کے بعض اصحاب ائمہ کو معصوم کہتے تھے، اور بعض لوگ مثل اہل سنت کے ان کے معصوم ہونے کا انکار کرتے تھے اور ان کو صرف نیکوکار جانتے تھے۔ علامہ باقر مجلسی کتاب "حق الیقین" کے صفحہ ۲۲۲ پر لکھتے ہیں:

"از احادیث ظاہر می شود کہ جمعے از راویان کہ در اعصار ائمہ علیہم السلام بودہ اند از شیعیان اعتقاد بہ عصمت ایشاں نداشتہ اند، بلکہ ایشاں را علمائے نیکوکار میدانستہ اند، چنانکہ از رجال کشی ظاہر میشود، ومع ذالک ائمہ علیہم السلام حکم بایمان بلکہ عدالت ایشاں می کردند"

ترجمہ: "احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ راویوں کی ایک جماعت جو ائمہ علیہم السلام کی ہم عصر تھی، ائمہ کے معصوم ہونے کا اعتقاد نہ رکھتی تھی بلکہ ائمہ کو نیکوکار عالم جانتی تھی، چنانچہ رجال کشی سے معلوم ہوتا ہے۔ اور باوجود اس کے ائمہ علیہم السلام نے ان کے مومن بلکہ عادل ہونے کا حکم لگایا ہے۔"

اس اختلاف کا سبب یہی ہے کہ ائمہ نے اپنی امامت اور عصمت کا انکار بھی کیا ہے اب چاہے یہ انکار واقعی ہو یا از راہ تقیہ۔

اصحاب ائمہ کا اختلاف اقوال میں اس حد کو پہنچا کہ علمائے شیعہ کو بدل ناخواستہ اقرار کرنا پڑا کہ ان کا اختلاف اہل سنت کے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے باہمی اختلاف سے بدرجہا زائد ہے، چنانچہ شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب اپنی کتاب اساس الاصول مطبوعہ لکھنؤ، مطبع شفیق صفحہ ۵۱ پر لکھتے ہیں

وقد ذكرت ما ورد منهم من الأحاديث المختلفة التي يختص الفقه في الكتاب المعروف بالاستبصار وفي كتاب تهذيب الأحكام ما يزيد على خمسة آلاف حديث، وذكرت في أكثرها اختلاف الطائفة في العمل بها، وذلك أشهر من أن يخفى حتى إنك لو تأملت اختلافهم في هذه الأحكام وجدته يزيد على اختلاف أبي حنيفة والشافعي ومالك، ووجدتهم مع هذا الاختلاف العظيم لم يقطع أحد منهم موالاة صاحبه ولم ينته إلى تضليله وتفسيقه والبراءة من مخالفه.

(أساس الأصول، ص: ۵۱)۔

ترجمہ: "انہی سے جو مختلف حدیثیں خاص کر فقہ کے متعلق منقول ہیں وہ کتاب مشہور استبصار اور تہذیب الاحکام میں پانچ ہزار احادیث سے زائد بیان کی گئی ہیں، اور اکثر ان حدیثوں میں شیعوں کے اختلاف عمل کا بھی ذکر ہے (یعنی کسی عالم شیعہ نے کسی حدیث پر عمل کیا اور کسی نے کسی پر) یہ بات بہت مشہور ہے چھپ نہیں سکتی، یہاں تک کہ اگر تم ان کے اختلاف کو ان احکام میں غور سے دیکھو تو ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک کے اختلاف سے زائد پاؤ گے۔ اور یہ بھی دیکھو گے کہ باوجود اس عظیم اختلاف کے ایک دوسرے سے ترک موالات نہیں کرتا، ایک دوسرے کو گمراہ اور فاسق نہیں کہتا اور اپنے مخالف سے بیزاری نہیں ظاہر کرتا۔"

اپنے مجتہد اعظم کی اس عبارت کو شیعہ غور سے دیکھیں تو بعض اوقات علم الفقہ

کو یہ کہہ کر بہکاتے ہیں کہ تمہارے ائمہ اربعہ میں دیکھو کیا اختلاف ہے، کیونکر یہ چاروں حق پر ہو سکتے ہیں؟

"ھذا آخر الکلام والحمدللہ رب العالمین"

(یازدہ نجوم ص ۱۳۸ تا ص ۱۵۰)

اور تیسرے نمبر کے آغاز میں لکھتے ہیں:

حامداً و مصلیاً و مسلماً

"امابعد واضح ہو کہ "الثالث من الثامن" کا یہ تیسرا نمبر ہے جس میں ان شاء اللہ تعالیٰ تقیہ کے نتائج بیان کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بیان کو ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

پہلے دونوں نمبروں میں حسب ذیل امور شیعوں کی اعلیٰ ترین معتبر کتابوں سے ثابت کئے جا چکے ہیں۔

۱: تقیہ کے معنی خلاف واقع کے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی بات کہنا (جس کو جھوٹ بولنا کہتے ہیں) یا کوئی کام کرنا۔

ف: تقیہ اور نفاق بالکل ایک چیز ہے اگرچہ شیعہ تقیہ اور نفاق میں یہ فرق بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ تقیہ دین کے چھپانے اور بے دینی ظاہر کرنے کا نام ہے۔ اور نفاق بالکل اس کے برعکس ہے۔ لیکن یہ فرق شیعوں کی ایک اصطلاح کی بنا پر ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک وہی جن مذہبی باتوں کو شیعہ چھپاتے ہیں وہ خالص بے دینی کی ہیں، اور جن باتوں کو وہ مسلمانوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں وہ یقیناً دینی ہیں۔ لہٰذا ان کے منافق ہونے میں ذرا شک نہیں۔

۲: تقیہ اعلیٰ درجہ کا فرض اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، دین کے دس حصوں سے ۹ حصے تقیہ میں ہیں، اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین و بے ایمان ہے۔

۳: ائمہ و انبیاء کا بلکہ خدا کا دین تقیہ کرنا ہے۔

۴: تقیہ کے لئے نہ خوف جان وغیرہ کی شرط ہے، نہ کسی معذوری و مجبوری کی قید ہے۔ بلکہ ہر ضرورت پر تقیہ کا حکم ہے، اور ضرورت کی تشخیص خود صاحب ضرورت کی رائے پر محمول ہے۔

۵: ائمہ شیعہ نے عقائد میں بھی تقیہ کیا ہے اور اعمال میں بھی۔ تقیہ میں اپنے امام معصوم ہونے کو بھی انکار کیا ہے، فرائض بھی ترک کئے ہیں، فعل حرام کا بھی ارتکاب کیا ہے۔ جھوٹے فتوے دیئے ہیں، حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتایا ہے، ظالموں بدکاروں کی تعریف بھی کی ہے اور

تعریف بھی اتفاقی سلیقہ کے ساتھ۔

۶: ائمہ اپنے مخلص شیعوں کو از راہ تقیہ غلط مسائل بتا دیا کرتے تھے، اور کبھی یہ راز کھل جاتا تھا تو ارشاد فرماتے تھے کہ ہم نے تم کو فلاں نقصان سے بچانے کے لئے یہ کیا، یا اس لئے ایسا کیا کہ تم میں باہم اختلاف رہے گا تو لوگ تم کو ہم سے روایت کرنے میں سچا نہ سمجھیں گے، اور اسی میں ہمارے اور تمہارے لئے خیریت ہے۔

۷: ائمہ اطہار ہمیشہ عقائد و اعمال میں اپنے کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے تھے، اور اپنے شاگردوں کو بھی مذہب اہل سنت والجماعت ہی کی تعلیم دیتے تھے، مذہب شیعہ کی تعلیمات جس قدر ان سے شیعوں نے نقل کی ہیں ان کی بابت شیعہ راویوں کا یہ بیان ہے کہ ائمہ نے خلوت میں تخلیہ میں ہم سے بیان فرمائی تھیں۔

۸: بسا اوقات ائمہ نے ایسے مواقع میں تقیہ کیا ہے کہ وہاں ہرگز کسی قسم کی ضرورت کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ان فروعی اجتہادی اعمال میں جن میں خود اہل سنت کے مجتہدین باہم مختلف ہیں، ایسے فروعی اعمال میں جس شخص کا جی چاہے جو پہلو اختیار کرے کسی قسم کے خطرہ کا احتمال نہیں، مگر ائمہ نے ایسے مواقع میں بھی اپنا اصلی مذہب چھپایا اور اس کے خلاف عمل کیا۔

یہ آٹھ باتیں تو گزشتہ دونوں نمبروں میں ثابت ہو چکی ہیں ان کے علاوہ دو باتیں اور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

۹: ائمہ سے جو حدیثیں منقول ہیں ان میں اختلاف بے حد و بے نہایت ہے، اور خود علمائے شیعہ اقرار کر چکے ہیں کہ ہر موقع میں یہ معلوم کر لینا کہ یہ اختلاف کس سبب سے ہے، آیا تقیہ کے باعث سے ہے یا کسی اور وجہ سے، طاقت انسانی سے باہر ہے۔

مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ اساس الاصول صفحہ ۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں:

الأحاديث المأثورة عن الأئمة مختلفة جداً،
لايكاد يوجد حديث الاوفي مقابلته ما ينافيه، ولا
يتفق خبرا لا وبإزائه ما يضاده، حتى صار ذلك سببا
لرجوع بعض الناقصين عن اعتقاد الحق، كما صرح به
شيخ الطائفة في أوائل التهذيب والاستبصار، ومناشي
هذا الاختلاف كثيرة جدا من التقية والوضع واشتباه

السامع والنسخ والتخصيص والتقييد وغير هذه المذكورات من الأمور الكثيرة، كما وقع التصريح على أكثرها في الأخبار المأثورة عنهم، وامتياز المناشي بعضها من بعض في باب كل حديثين مختلفين بحيث يحصل العلم واليقين بتعيين المنشأ عسير جدا وفوق الطاقة كما لا يخفى. (اساس الاصول ص ۱۸۵)

ترجمہ: "جو حدیثیں کہ ائمہ سے منقول ہیں ان میں بہت سخت اختلاف ہے، ایسی کوئی حدیث نہ ملے گی جس کے مقابل میں اس کی مخالف موجود نہ ہو، یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض ناقص لوگوں کے لئے مذہب شیعہ سے پھر جانے کا سبب بن گیا۔ جیسا کہ شیخ طوسی نے تہذیب اور استبصار کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے۔ ان اختلافات کے اسباب بہت ہیں، مثلاً تقیہ، اور راویوں کا بھول جانا، سننے والے سے غلط فہمی کا ہونا، اور نسخ یا تخصیص ہو جانا یا تقیید ہو جانا اور ان کے علاوہ بہت سے امور ہیں۔ چنانچہ ان میں سے اکثر امور کی تصریح ائمہ کی احادیث میں موجود ہے۔ اور ہر دو مختلف حدیثوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہاں اختلاف کا سبب کیا ہے، اس طور پر کہ اس سبب کا علم و یقین ہو جائے، بہت دشوار اور تقریباً طاقت سے بالاتر ہے۔ جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔"

۱۰: ائمہ کے اصحاب نے ائمہ سے جو اصول دین کو یقین کے ساتھ حاصل کیا، جو فروع دین کو، علامہ شیخ مرتضیٰ فرائد الاصول مطبوعہ ایران صفحہ ۸۹ میں لکھتے ہیں:

ثم إن ما ذكره من تمكن أصحاب الأئمة من أخذ الأصول والفروع بطريق اليقين دعوى ممنوعة واضحة المنع، وأقل ما يشهد عليها ما علم بالعين والأثر من اختلاف أصحابهم صلوات الله عليهم في الأصول

---

[1] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کے زمانے میں بھی احکام شرعیہ منسوخ ہوتے تھے۔ ائمہ کو اختیار تھا کہ رسول کے جس حکم کو چاہیں منسوخ کر دیں، اس سے زیادہ ختم نبوت کا انکار اور کیا ہوگا؟ منہ

والفروع ، ولذا شكى غير واحد من أصحاب الأئمة إليهم اختلاف أصحابه ، فأجابوهم تارة بأنهم قد ألقوا الاختلاف حقنا لدمائهم ، كما في رواية حريز وزرارة وأبي أيوب الخزاز ، وأخرى أجابوهم بأن ذلك من جهة الكذابين كما في رواية الفيض بن المختار قال : قلت لأبي عبد الله جعلني الله فداك ما هذا الاختلاف الذي بين شيعتكم ؟ قال : وأي اختلاف يا فيض ؟ فقلت له : إني أجلس في حلقهم بالكوفة وأكاد أشك في اختلافهم في حديثهم حتى أرجع إلى المفضل بن عمر فيوقفني من ذلك على ما تستريح به نفسي ، فقال عليه السلام : أجل ! كما ذكرت يا فيض ، أن الناس قد أولعوا بالكذب علينا كأن الله افترض عليهم ولا يريد منهم غيره ، أني أحدث أحدهم بحديث فلا يخرج من عندي حتى يتأوله على غير تأويله ، وذلك لأنهم لا يطلبون بحديثنا وبحبنا ما عند الله تعالى ، وكل يحب أن يدعى رأسا — وقريب منها رواية داود بن سرحان ، واستثناء القميين كثيرا من رجال نوادر الحكمة معروف ، وقصة ابن أبي العوجاء أنه قال عند قتله : قد دسست في كتبكم أربعة آلاف حديث مذكورة في الرجال ، وكذا ما ذكره يونس بن عبد الرحمن من أنه أخذ أحاديث كثيرة ، من أصحاب الصادقين ثم عرضها على أبي الحسن الرضا عليه السلام

فأنكر منها أحاديث كثيرة بالى غير ذلك مما يشهد بخلاف ما ذكره. (فوائد الاصول مطبوعہ ایران ص ٤٨)

ترجمہ: "پھر جو اس شخص نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب ائمہ اصول و فروع کو یقین کے ساتھ حاصل کرنے پر قادر تھے، یہ ایک دعویٰ ہے جو تسلیم کرنے کے لائق نہیں، کیونکہ اس کی شہادت وہ ہے جو آنکھ سے دیکھی گئی اور خبر سے معلوم ہوئی کہ ائمہ صلوات اللہ علیہم کے اصحاب اصول و فروع میں باہم مختلف تھے، اور اسی سبب سے بہت سے لوگوں نے ائمہ سے شکایت کی کہ آپ کے اصحاب میں اختلاف بہت ہے تو ائمہ نے ان کو کبھی یہ جواب دیا کہ یہ اختلاف ان میں خود ہم نے ڈالا ہے، ان کی جان بچانے کے لئے، جیسا کہ حریز اور زرارہ اور ابو ایوب جزاز کی روایتوں میں ہے۔ اور کبھی یہ جواب دیا کہ یہ اختلاف جھوٹ بولنے والوں کے سبب سے پیدا ہو گیا ہے، جیسا کہ فیض بن مختار کی روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق سے کہا کہ اللہ مجھے آپ پر فدا کر دے، یہ کیسا اختلاف ہے جو آپ کے شیعہ کا آپس میں ہے؟ امام نے فرمایا کہ اے فیض! کون سا اختلاف؟ میں نے عرض کیا کہ میں کوفہ میں ان کے حلقہ درس میں بیٹھتا ہوں تو ان کی احادیث میں اختلاف کی وجہ سے قریب ہوتا ہے کہ میں شک میں پڑ جاؤں، یہاں تک کہ میں مفضل بن عمر کی طرف رجوع کرتا ہوں تو وہ مجھے ایسی بات بتلا دیتے ہیں جس سے میرے دل کو تسکین ہوتی ہے۔ امام نے فرمایا کہ "اے فیض! یہ بات ٹھیک ہے، لوگوں نے ہم پر افترا پردازی بہت کی، گویا کہ خدا نے ان پر جھوٹ بولنا فرض کر دیا ہے اور ان سے سوا جھوٹ بولنے کے اور کچھ نہیں چاہتا۔ میں ان میں سے ایک سے کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے اٹھ کر جانے سے پہلے ہی اس کے مطلب میں تحریف شروع کر دیتا ہے، یہ لوگ ہماری حدیث اور ہماری محبت سے آخرت کی نفع نہیں چاہتے، بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ سردار بن جائے۔" اور اسی کے قریب داؤد بن سرحان کی روایت ہے، اور اہل قم کا "نوادر الحکمۃ" کے بہت سے راویوں کو مستثنیٰ کر دینا مشہور ہے، اور ابن ابی العوجاء کا قصہ کتب رجال میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے قتل کے وقت کہا کہ میں نے تمہاری کتابوں میں چار ہزار حدیثیں بنا

کر درج کر دی ہیں[1] اسی طرح وہ واقعہ جو یونس بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے بہت سی حدیثیں ائمہ کے اصحاب سے حاصل کیں، پھر ان کو امام رضا علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے ان میں سے بہت سی حدیثوں کا انکار کر دیا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے واقعات ہیں جو اس شخص کے دعویٰ کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔"

شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی نے تو اس سے بھی زیادہ نفیس بات لکھی کہ اصحاب ائمہ پر یقین کا حاصل کرنا واجب بھی نہ تھا، چنانچہ اساس الاصول صفحہ ۱۲۴ میں لکھتے ہیں:

لا نسلم أنهم كانوا مكلفين بتحصيل القطع واليقين كما يظهر من سجية أصحاب الأئمة، بل أنهم كانوا مأمورين بأخذ الأحكام من الثقاة ومن غيرهم أيضا مع قيام قرينة تفيد الظن، كما عرفت مرارا بأنحاء مختلفة، كيف ولو لم يكن الأمر كذلك لزم أن يكون أصحاب أبي جعفر والصادق الذين أخذ يونس كتبهم وسمع أحاديثهم مثلا هالكين مستوجبين النار، وهكذا حال جميع أصحاب الأئمة، فإنهم كانوا مختلفين في كثير من المسائل الجزئية الفرعية، كما يظهر أيضا من كتاب العدة وغيره وقد عرفته، ولم يكن أحد منهم قاطعا لما يرويه الآخر في متمسكه، كما يظهر أيضا من كتاب العدة وغيره، ولنذكر في هذا المقام رواية رواها محمد بن يعقوب الكليني في الكافي فإنها مفيدة لما نحن بصدده ونرجو من الله أن يطمئن بها قلوب المؤمنين يحصل لهم الجزم

[1] علمائے شیعہ نے یہ بھی صاف تصریح کی ہے کہ من گھڑت روایتوں کا بڑی کتابوں سے نکالنا ممکن نہیں ہوا۔ (دیکھو ترجیح المقال، صفحہ ۴) [illegible]

بمعنية ما ذكرنا فنقول: قال ثقة الإسلام في الكافي:
علي ابن إبراهيم عن السري بن الربيع قال لم يكن ابن
أبي عمير يعدل بهشام بن الحكم شيئا وكان لا يغبّ
إتيانه، ثم انقطع عنه وخالفه، وكان سبب ذلك إن أبا مالك
الحضرمي كان أحد رجال هشام، وقع بينه وبين ابن أبي
عمير ملاحاة في شيء من الإمامة، قال ابن أبي عمير
الدنيا كلها للإمام على جهة الملك وإنه أولى بها من الذين
هي في أيديهم، وقال أبو مالك: ليس كذلك أملاك
الناس لهم إلا ما حكم الله به للإمام الفيء، والخمس والمغنم
فذلك له، وذلك أيضا قد بين الله للإمام أن يضعه وكيف
يصنع به، فتراضيا بهشام بن الحكم وصارا إليه، فحكم
هشام لأبي مالك على ابن أبي عمير، فغضب ابن أبي
عمير وهجر هشاما بعد ذلك- فانظروا يا أولي الألباب
واعتبروا يا أولي الأبصار، فإن هذه الأشخاص الثلاثة
كلهم كانوا من ثقات أصحابنا، وكانوا من أصحاب
الصادق والكاظم والرضا عليهم السلام، كيف وقع النزاع
بينهم حتى وقعت المهاجرة فيما بينهم مع كونهم متمكنين
من تحصيل العلم واليقين من جناب الأئمة. (اساس الاصول ص[illegible])

ترجمہ: "ہم نہیں مانتے کہ اصحاب ائمہ پر لازم تھا کہ یقین حاصل کریں،
چنانچہ ائمہ کی روش سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ اصحاب ائمہ ہر قسم کی
اخبار دینی معتبر اور غیر معتبر، ہر قسم کے لوگوں سے حاصل کرتے رہتے تھے، بشرطیکہ
کوئی قرینہ مفید ظن موجود ہو۔ جیسا کہ یہ امر کو مختلف طریقوں سے معلوم
ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ امام باقر اور امام صادق کے

اصحاب، جن کی کتابوں کو یونس نے لے لیا اور ان کی صحت کی تصدیق کرتا، ہلاک ہونے والے اور مستحق دوزخ ہو جاتے[1] اور یہی حال تمام اصحاب ائمہ کا ہوگا؛ کیونکہ وہ بہت سے مسائل جزئیہ فرعیہ میں باہم مختلف تھے، چنانچہ کتاب العدۃ وغیرہ سے ظاہر ہے، اور تم اس کو معلوم کر چکے ہو اور ان میں سے کوئی شخص اپنے مخالف کی روایت کی تکذیب نہ کرتا تھا، جیسا کہ کتاب العدۃ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اور ہم اس مقام پر ایک روایت کو ذکر کرتے ہیں جس کو محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ذکر کیا ہے۔ وہ روایت ہمارے مقصود کیلئے مفید ہے، اور ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس روایت سے ایمان والوں کے قلوب کو اطمینان حاصل ہوگا۔ اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کے حق ہونے کا یقین ان کو ہو جائے گا۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ ثقۃ الاسلام نے کافی میں بیان کیا ہے کہ "علی بن ابراہیم نے شریح بن ربیع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن ابی عمیر ہشام بن حکم کی بہت عزت کرتے تھے، ان کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، اور بلاناغہ ان کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ پھر ان سے قطع تعلق کر لیا اور ان کے مخالف ہو گئے۔ اور اس کا سبب یہ ہوا کہ ابو مالک حضرمی جو ہشام کے راویوں میں سے ایک شخص ہیں، ان کے اور ابن ابی عمیر کے درمیان مسئلہ امامت کے متعلق کچھ بحث ہوئی۔ ابن ابی عمیر کہتے تھے کہ دنیا سب کی سب امام کی ملک ہے، اور امام کو تمام اشیاء میں تصرف کا حق ان لوگوں سے زیادہ ہے جن کے قبضہ میں وہ اشیاء ہیں۔ ابو مالک کہتے تھے کہ لوگوں کی املاک انہیں لوگوں کی ہیں، امام کو صرف اسی قدر ملے گا جو اللہ نے مقرر کیا ہے، یعنی مال فے اور خمس اور غنیمت، اور اس کے متعلق بھی اللہ نے امام کو بتا دیا ہے کہ کہاں کہاں صرف کرنا چاہئے اور کس طرح صرف کرنا چاہئے۔ آخر ان دونوں نے ہشام بن حکم کو پنچ بنایا اور دونوں ان کے پاس گئے، ہشام نے (اپنے شاگرد) ابو مالک کے موافق اور ابن ابی عمیر کے خلاف فیصلہ کیا، اس پر ابن ابی عمیر کو غصہ آ گیا اور اس کے بعد انہوں نے ہشام سے قطع تعلق کر دیا۔" پس اے صاحبان عقل دیکھو اور اے صاحبان بصیرت عبرت حاصل کرو! یہ تینوں اشخاص ہمارے معتبر اصحاب میں سے ہیں، اور

---

[1] الٰہی حضرت! ایسی ہی باتیں کیجئے! رسول اللہ کے اصحابؓ تو دوزخی ہو گئے تو باقر و صادق کس شمار میں ہیں؟

امام صادق، امام کاظم اور امام رضا کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان میں باہم کس طرح جھگڑا ہوا یہاں تک کہ باہم قطع تعلق ہو گیا۔ باوجودیکہ ان کو قدرت حاصل تھی کہ جناب ائمہ سے (اپنی نزاع کا فیصلہ کرا کر) علم و یقین حاصل کر لیتے۔"

" ان دونوں عبارتوں کے چند قابل قدر فوائد حسب ذیل ہیں:

اول: اصحاب ائمہ پر باوجود قدرت کے علم و یقین حاصل کرنے کا فرض نہ ہونا ایک ایسی بات ہے کہ غالباً مذہب شیعہ کے عجائبات میں بہت عزت کی نظر سے دیکھی جائے گی۔ کیا کوئی شیعہ صاحب اس کی کوئی وجہ بتا سکتے ہیں کہ باوجود قدرت کے علم و یقین کا حاصل کرنا ان پر کیوں فرض نہ تھا؟

" اصل یہ ہے کہ شیعوں کو بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ اگر اصحاب ائمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کو فرض کہتے ہیں تو ان کے باہمی اختلافات کا کیا جواب دیں؟ امام زندہ موجود ہیں، لوگوں کی آمد و رفت ان کے پاس جاری ہے، مگر ان کے اصحاب مسائل دینیہ میں لڑتے جھگڑتے ہیں، نوبت ترک کلام و سلام تک آ جاتی ہے، کوئی امام سے جا کر اس مسئلہ کا تصفیہ نہیں کراتا۔ بلکہ امام کو چھوڑ کر ایرے غیرے پنچ بنائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس مشکل کے حل کرنے کا بہترین طریقہ یہی تجویز کیا گیا کہ اصحاب ائمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کی فرضیت ہی سے انکار کر دیا جائے۔

" دوم: ائمہ کے اصحاب بلاواسطہ امام سے علوم حاصل نہ کرتے تھے، بلکہ ثقہ غیر ثقہ جو کوئی بھی ان کو مل جاتا اس سے احکام دین سیکھ لیتے تھے، اور ان کے لئے اس کا حکم بھی تھا۔

یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ امام معصوم زندہ موجود ہیں، لوگ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں، مگر اصحاب امام اس طرف رخ بھی نہیں کرتے، اور ہر فاسق و فاجر سے جو انہیں مل جاتا ہے علم دین حاصل کر لیتے ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں بھی کوئی شیعہ ایسی مثال دکھلا سکتا ہے کہ انہوں نے باوجود قدرت کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی اور سے علم دین حاصل کیا ہو اور وہ بھی فاسق و فاجر سے؟

" شیعہ ایسا کہنے پر مجبور ہیں، اگر ایسا نہ کہیں تو اصحاب ائمہ کے باہمی اختلاف کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ اگر اصحاب ائمہ کے جمیع علوم کا ائمہ سے ماخوذ ہونا تسلیم کر لیں تو پھر یہ عقدہ لاینحل ہو گا کہ ائمہ کی زندگی ہی میں ان میں باہم اس قدر شدید اور کثیر اختلاف کیوں تھا؟

ف: ایک نفیس بات

"اصحاب ائمہ میں باہم لڑائی ہوتی تھی اور خوب ہوتی تھی، اور اس کی بنا محض نفسانیت پر ہوتی تھی، اور آخری نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ تمام عمر کیلئے آپس میں سلام و کلام ترک ہو جاتا تھا۔ تین تین اماموں کی صحبت سے مشرف ہوتے اور اس نزاعی مسئلہ کا تصفیہ نہ ہوتا تھا۔ نہ آپس میں صلح ہوتی تھی۔ خیر یہ تو سب کچھ ہوتا تھا۔ لائق عبرت بات یہ ہے کہ شیعہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ کسی ایک کی طرف ہو کر دوسرے کو برا نہیں کہتے۔ بخلاف اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ میں اگر باہم اس قسم کی کوئی بات پیش آئی ہے تو اس موقع پر شیعوں نے بات کا بتنگڑ بنانے میں اپنی ساری طاقت ختم کر دی ہے۔ اور ایک فریق کا طرفدار بن کر دوسرے کو برا بھلا کہنا نہایت ضروری قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ناممکن بات ہے کہ کوئی شخص دونوں لڑنے والوں سے تعلق رکھ سکے۔ یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ شیعوں کی نظر میں اپنے خلفاء ساختہ ائمہ کی صحبت کی تو عزت ہے، مگر رسولؐ کی صحبت کی کچھ بھی عزت نہیں۔ کیا ایمان اسی کا نام ہے؟

ف: دوسری نفیس بات

"استغفراللہ! مولوی دلدار علی اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ اگر ہم علم و یقین کا حاصل کرنا فرض قرار دیں تو لازم آئے گا کہ امام باقر و امام صادق کے اصحاب بیکار اور دوزخی ہو جائیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک امام باقر و امام صادق کے اصحاب کا دوزخی ہونا ایسا امر محال ہے کہ کسی طرح اس کو فرض بھی نہیں کر سکتے، مگر سید الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کا دوزخی ہونا محال کیا معنی؟ مستبعد بھی نہیں، بلکہ ضروری اور نہایت ضروری ہے۔ اے اہل اسلام! خدا کیلئے انصاف کرو کہ کیا ایمان و اسلام کا تقاضا یہی ہے؟ مقام عبرت ہے کہ علم و یقین کے تحصیل کا باوجود قدرت کے فرض نہ ہونا ایسی خلاف عقل بات ہے، جس کا نتیجہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ ائمہ کا دوزخی اصحاب اور بیکار ہو جائے، مگر شیعوں نے اپنے خلفاء ساختہ ائمہ کے اصحاب کے دوزخی مان لینے کے مقابلہ میں اس خلاف عقل بات کو کس طرح قبول کر لیا ہے۔" فاعتبروا یا اولی الابصار"

(ہدیۃ الشیعہ ص ۳۶۳ تا ص ۳۶۴)

باب دوم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

صحابہ کرامؓ کے بارے میں آنجناب نے دو جگہ گفتگو فرمائی ہے۔ پہلی جگہ آپ نے میرے تمہیدی نکات پر بحث کرتے ہوئے "اتباع صحابہؓ" پر تنقید کی ہے اور دوسری جگہ صحابہؓ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں اہل تشیع کے آٹھ نکات ذکر کئے ہیں، اس لئے اس باب کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔ پہلے حصہ میں "اتباع صحابہؓ" کے بارے میں آنجناب کی تنقیدات کا جائزہ لوں گا۔ اور دوسرے حصہ میں آپ کے آٹھ نکاتی نظریات پر تبصرہ کروں گا۔ واللہ الموفق۔

بحث اول : اتباع صحابہؓ

تمہیدی نکات کا خلاصہ

"اختلاف امت اور صراط مستقیم" کی تمہید میں اس ناکارہ نے سائل کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ "صراط مستقیم" کی تشخیص و تعیین کر دی جائے۔ اس مقصد کے لئے میں نے ایک آیت شریف اور چند ارشادات نبویہؐ سے استدلال کرتے ہوئے ان کی روشنی میں سات نکاتی نتیجہ اخذ کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا:

> "خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، جس پر صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدینؓ چلے اور جس کی پیروی ہمیشہ سلف صالحینؒ اور اولیاء امتؒ کرتے آئے۔ اس ٹھیک راستے کے مواجہ سب شیطان کے ایجاد کئے ہوئے راستے ہیں۔ جو لوگ ان میں سے کسی راستے کی دعوت دیتے ہیں وہ شیطان کے ایجنٹ بلکہ مجسم شیطان ہیں، جو شخص خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر ان پگڈنڈیوں پر نکل

پڑے گا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کسی اندھیرے غار میں کسی اژدہے کے منہ میں جائے گا یا کسی لق و دق صحرا میں بھٹک کر کسی بھیڑیئے کا تر نوالہ بن کر رہ جائے گا......" (صفحہ ۱۸، حصہ اول)

آنجناب اس ناکارہ کے تمہیدی نکات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"علمائے اہل سنت کے نزدیک احترام صحابہؓ تو ضروری ہے، لیکن ان کی خطاؤں کے پیش نظر اور گناہوں کی پاداش میں محدود ہونے کے باعث، نیز اپنے اجتہادات میں متفاوت ہونے کے باعث من حیث القوم ان کی اتباع کا حکم مطلق نہیں دیا جا سکتا۔ امام ابن حزم نے اپنی کتاب الاحکام جلد ۶ میں "اصحابی کالنجوم......" کی تحقیق میں جو بحث لکھی ہے آپ یقیناً اس سے بے خبر نہ ہوں گے......"

محترما! حافظ ابن حزمؒ کی ان عبارات کا تعلق تقلید صحابی کے مسئلہ سے ہے، جبکہ اس ناکارہ کے تمہیدی نکات میں تقلید صحابی کا مسئلہ زیر بحث نہیں، بلکہ جو چیز زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ نظریاتی اختلاف کے طوفان بلاخیز میں، صراط مستقیم کی تعیین و تشخیص کیسے کی جائے؟ اس ناکارہ نے بحوالہ بالا آیت و احادیث کی روشنی میں صراط مستقیم کی وہ تشخیص کی جو اوپر نقل کر چکا ہوں۔ اس میں کسی صحابی کی تقلید کا مسئلہ جیسا کہ واضح ہے ـــ سرے سے زیر بحث ہی نہیں آیا۔ جس صورت میں کہ حافظ ابن حزمؒ کی یہ عبارتیں، جن کے نقل کرنے کی آپ نے زحمت فرمائی ہے، میرے زیر بحث مسئلہ سے متعلق ہی نہیں تو غیر متعلق عبارتوں کو نقل کرکے میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے اس ناکارہ پر کیا تنقید فرمائی اور اس کی کس غلطی کی اصلاح فرمائی؟

حافظ ابن حزمؒ اور صراط مستقیم:

آپ اطمینان رکھیں کہ جو مسئلہ اس ناکارہ کے زیر بحث ہے، یعنی صراط مستقیم کیا ہے؟ اور اس پر چلنے والے اہل حق کون ہیں؟ اس مسئلہ میں حافظ ابن حزمؒ میرے مخالف نہیں، بلکہ میرے ہم نوا ہیں۔ جناب خود اپنی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں لکھتے ہیں:

وأهل السنة الذين نذكرهم أهل الحق ومن عداهم

فأهل البدعة. فإنهم الصحابة رضي الله عنهم وكل من سلك نهجهم من خيار التابعين رحمة الله عليهم. ثم أصحاب الحديث ومن اتبعهم من الفقهاء جيلا فجيلا إلى يومنا هذا ومن اقتدى بهم من العوام في شرق الأرض وغربها رحمة الله عليهم

(کتاب الفصل صفحہ ۱۱۳۔ جلد ۲)

ترجمہ: "اور اہل السنہ جن کو ہم بیان کریں گے، وہی اہل حق ہیں اور ان کے سوا جتنے ہیں سب اہل بدعت ہیں۔ چنانچہ اہل حق وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ پھر اصحاب حدیث اور ان کے متبعین فقہاء ہیں جو طبقہ در طبقہ ہمارے زمانے تک چلے آئے ہیں اور مشرق و مغرب کے وہ عوام جنہوں نے ان حضرات کی اقتداء و پیروی کی، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔"

آپ حافظ ابن حزمؒ کی اس عبارت کو اس ناکارہ کی مندرجہ بالا عبارت سے ملا کر پڑھیں آپ کو دونوں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ الحمدللہ کہ:

"متفق گردید رائے بوعلی با رائے من"

صراط مستقیم صحابہؓ کا راستہ ہے، اس کے مزید دلائل:

الغرض اصل گفتگو تو اس میں تھی کہ صراط مستقیم وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور جس پر حضرات صحابہؓ قائم تھے۔ اور ان کے بعد حضرات اکابر تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور اولیاء امت طبقہ در طبقہ اس پر گامزن رہے۔ اس مسئلہ کے ثبوت میں جو آیات اور احادیث اپنے رسالہ "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں نقل کر چکا ہوں ایک منصف کے لئے تو وہ بھی کافی و شافی ہیں۔ تاہم جناب کے مزید اطمینان کے لئے چند آیات و احادیث مزید پیش کرتا ہوں:

پہلی آیت:

حق تعالیٰ شانہ نے سورۂ فاتحہ میں ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم فرمائی

ہے: اھدنا الصراط المستقیم اور "صراط مستقیم" کی تعیین و تشخیص کے لئے فرمایا:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ (الفاتحة).

ترجمہ: "راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔" (ترجمہ شیخ الہند)

اور سورۃ النساء آیت ۶۹ میں (ان حضرات کے، جن پر انعام ہوا) چار گروہ ذکر فرماتے ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾

(النساء: ۶۹، ۷۰).

ترجمہ: "اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔" (ترجمہ شیخ الہند)

معلوم ہوا کہ یہ چار گروہ بارگاہ الٰہی کے انعام یافتہ ہیں۔ اور ان کا راستہ "صراط مستقیم" ہے، جس کی درخواست سورۂ فاتحہ میں کی گئی ہے۔ حضرات صحابہ کرام نبی نہیں، لیکن صدیقین، شہداء اور صالحین کا اولین مصداق ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیے:

● وعن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ صعد أحدا، وأبو بكر وعمر وعثمان، فرجف بهم، فقال: اثبت أحد، أراه ضربه برجله، فإنما عليك نبي وصديق وشهيدان.

(بخاري، أبو داود، الترمذي).

ترجمہ: "حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ (مدینہ کے مشہور پہاڑ) احد پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں مبارک اس پر مارا اور فرمایا: اے احد! تھم جا، تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔" (بخاری)

«وعن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ كان على جبل حراء فتحرك فقال رسول الله ﷺ اسكن حراء فما عليك إلا نبی أو صديق أو شهيد وعليه النبی ﷺ وأبو بكر وعمر وعثمان وعلی وطلحة والزبير وسعد بن أبی وقاص» (صحیح مسلم، ص:۲۸۱ ج:۲)

ترجمہ: "اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حرا پہاڑ پر کھڑے تھے کہ وہ ہلنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حرا! تھم جا، تجھ پر تو صرف نبی، صدیق اور شہید تشریف فرما ہیں۔"

«وعن سهل بن سعد رضی الله عنه أن أحدا ارتج وعليه رسول الله ﷺ وأبو بكر وعمر وعثمان فقال رسول الله ﷺ اثبت أحد فما عليك إلا نبی أو صديق أو شهيدان» قال الهيثمی رواه أبو يعلى ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد، ص:۵۵ ج:۹)

ترجمہ: "حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) احد تھرتھرانے لگا۔ اس وقت اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ تشریف فرما تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے احد! تھم جا، تجھ پر تو ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید تشریف فرما

ہیں۔ "امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابو یعلیٰ "نے روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

عن بریدة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ کان جالسا علی حراء ومعه أبو بکر وعمر وعثمان فتحرك الجبل فقال رسول الله ﷺ اثبت حراء فإنه لیس علیك إلا نبی أو صدیق أو شهید (مجمع الزوائد، ص: ۵۵ ج ۹)۔

ترجمہ: "حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حراء (پہاڑ) پر تشریف فرما تھے۔ اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تشریف فرما تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! تھم جا، تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید تشریف فرما ہیں۔"

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے راستے کا نام ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت علی حسب مراتب مؤخر الذکر تین جماعتوں میں تقسیم ہے۔ ان میں سے بعض اکابر صدیقین کی صف میں شامل ہیں۔ بعض شہداء کی جماعت کے سرگروہ ہیں اور باقی دیگر حضرات صالحین کی جماعت کے امام ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونا اور حضرات عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کا شہید ہونا نص سے ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرامؓ کا راستہ "صراط مستقیم" ہے جس کو مانگنے کی ہر نماز کی ہر رکعت میں اہل ایمان کو تلقین کی گئی ہے۔ اور یہ ٹھیک وہی بات ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "ما انا علیه واصحابی" سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی "وہ طریقہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ"۔

ان دونوں آیتوں سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا راستہ "ما انا علیه واصحابی"۔ صراط مستقیم ہے، وہاں دو فائدے اور بھی حاصل ہوئے۔

اول یہ کہ کسی مسلمان کی نماز جو ام العبادات ہے صحیح نہیں ہوتی جب تک کہ وہ نہایت اخلاص و خشوع اور غایت محبت کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستہ پر چلنے کی دعا نہ مانگے۔ الحمد للہ، کہ اہل سنت الذین انعمت علیہم کی راہ پر چلنے کی دعا مانگتے ہیں۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو قیامت میں " الذین انعم اللہ علیہم " کی رفاقت و معیت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اور اس رفاقت و معیت پر " حسن اولئک رفیقا " کی مہر تحسین ثبت کی گئی ہے۔ وللہ الحمد کہ اس خوشخبری کا مصداق بھی اہل سنت ہیں، جو ان حضرات سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور ان کی معیت و رفاقت کے حصول کی حق تعالیٰ شانہ سے دعائیں کرتے ہیں۔

دوسری آیت:

﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾.

(سورۂ یوسف ۱۰۸)

ترجمہ: " کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہیں۔ اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والوں میں۔"

اس کے ساتھ درج ذیل آیت شریفہ بھی ملا لیجئے:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ﴾.

(شوریٰ ۵۲-۵۳)

ترجمہ: "اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے، تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان۔ ولیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ سجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں اور بے شک تو سجھاتا ہے سیدھی راہ، راہ اللہ کی، اس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ سنتا ہے، اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام۔"

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ داعی الی اللہ تھے اور دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "صراط مستقیم" کے داعی تھے۔ یہی صراط اللہ (اللہ کا راستہ) ہے اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔

دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (جو آپ کے متبع تھے) وہ نہ صرف صراط مستقیم پر قائم تھے، بلکہ صراط مستقیم کے داعی بھی تھے۔

تیسری آیت:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَــظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾

(سورۃ الفتح: ۲۹)

ترجمہ: "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل

اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

"قال علي بن إبراهيم القمي في تفسيره: وحدثني أبي عن ابن أبي عمير عن حماد عن حريز عن أبي عبد الله قال هذه الآية (يعني آية البقرة ٦): ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ نزلت في اليهود والنصارى يقول الله تبارك وتعالى: ﴿الذين آتيناهم الكتاب (يعني التوراة والإنجيل) يعرفونه (يعني رسول الله ﷺ) كما يعرفون أبناءهم﴾ لأن الله عز وجل قد أنزل عليهم في التوراة والزبور والإنجيل صفة محمد ﷺ وصفة أصحابه ومبعثه ومهاجره وهو قوله: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ هذه صفة رسول الله ﷺ وأصحابه في التوراة والإنجيل فلما بعثه الله عرفه أهل الكتاب كما قال جل جلاله: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾.

(تفسیر قمی صفحہ ۳۲ - ۳۳، جلد ۱)

ترجمہ: "مشہور شیعہ عالم علی بن ابراہیم قمی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہے کہ "مجھ سے میرے والد نے بواسطہ ابن ابی عمیر بیان کیا اور انہوں نے حماد سے اور حماد نے بواسطہ حریز ابو عبداللہ جعفر سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت (یعنی سورہ بقرہ کی آیت ۶ جس کا ترجمہ ہے، "بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے") یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے، "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، یعنی تورات و انجیل وہ ان کو۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔" کیونکہ اللہ عزوجل نے تورات، زبور اور انجیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی صفات اور آپ کی جائے بعثت اور جائے ہجرت کو نازل فرما دیا تھا۔ اور وہ (صفات یہ) ہیں "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلا دے اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے یہ اوصاف تورات وانجیل میں بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن جب اللہ نے آپ کو مبعوث فرما دیا تو اہل کتاب نے آپ کو پہچان لیا، جیسا کہ جل جلالہ کا فرمان ہے "پھر جب وہ آ گیا جس کو وہ پہچانتے تھے تو اس (کو ماننے اور پہچاننے) سے انکار کر دیا۔"

یہ آیت شریفہ چند اہم ترین فوائد پر مشتمل ہے:

اول: آیت شریفہ کا کلمہ "محمد رسول اللہ" ایک دعویٰ ہے۔ اور اس کے

ثبوت میں " والذین معہ " کو بطور دلیل ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے گواہ کے طور پر پیش کیا ہے اور ان گواہوں کی تعدیل و توثیق فرمائی ہے۔ پس جو شخص ان حضرات پر جرح کرتا ہے وہ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر جرح کرتا ہے بلکہ قرآن کریم کے دعویٰ کی تکذیب کرتا ہے۔

دوم: حضرات صحابہ کرامؓ کو " والذین معہ " کے عنوان سے ذکر فرما کر ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت کو ثابت فرمایا گیا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صراط مستقیم پر ہونا قطعی و یقینی ہے۔ اس لئے جن اکابر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت بہ نص قرآن حاصل ہے، ان کا صراط مستقیم پر ہونا بھی قطعی و یقینی اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ زہے سعادت کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دنیا میں بھی رفاقت نبویؐ میسر رہی، روضۂ مطہرہ میں بھی قیامت تک شرف رفاقت حاصل ہے، اور دخول جنت کے بعد بھی اس دولت کبریٰ سے دائماً ابداً سرفراز رہیں گے۔

سوم: حق تعالیٰ شانہ نے صحابہ کرامؓ کے لئے " والذین معہ " کے عنوان سے جو منقبت و فضیلت ثابت فرمائی تھی اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فضیلت ذکر نہ کی جاتی، تب بھی یہی ایک دولت دنیا و آخرت کی تمام دولتوں سے بڑھ کر تھی۔ چہ جائیکہ اسی پر اکتفا نہیں فرمایا گیا، بلکہ ان کی صفات کمالیہ کو بطور مدح بیان فرمایا: " اشداء علی الکفار رحماء بینہم ... " جس میں ان کے تمام علمی و عملی، اخلاقی و نفسیاتی کمالات کا احاطہ کر لیا گیا۔

پس یہ اکابر ممدوح خداوندی ہیں اور وحی الٰہی ان کے کمالات سے رطب اللسان ہے، اس کے بعد اگر کوئی شخص ان اکابر کے نقائص و مطاعن تلاش کرتا ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے۔

چہارم: یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان اکابر کی مدح و ستائش صرف قرآن کریم ہی میں نہیں، بلکہ کتب سابقہ تورات و انجیل میں بھی ان کی اعلیٰ و ارفع شان بیان فرمائی گئی ہے۔

"ذالک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل" گویا ان جانثاران محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام کا ڈنکا دنیا میں ہمیشہ بجتا رہا ہے۔ انبیاء سابقین (علیہم السلام) ان کے کمالات سے آگاہ و معترف رہے ہیں، اور امم سابقہ بھی ان کے اوصاف مدح و کمال کا تذکرہ کرکے اپنے ایمان کو تازہ کرتی رہی ہیں۔

پنجم: یہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے گواہوں اور آپ کے جانثاروں سے اگر کسی کو غیظ اور جلاپا ہو سکتا ہے تو صرف کافروں کو۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اسی مقصد کے لئے ایسا باکمال بنایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ کافروں اور بے ایمانوں کو غیظ و بغض کی آگ میں ہمیشہ جلاتا رہے۔ "لیغیظ بھم الکفار" گویا قرآن نے حضرات صحابہ کرام کی مدح و ستائش پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ان اکابر سے کینہ و بغض رکھنے والوں کے حق میں "کفر کا فتویٰ" بھی صادر فرما دیا۔ کیونکہ جس شخص کے دل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی محبت ہو اور جو شخص ادنیٰ سے ادنیٰ ذرۂ ایمان سے بہرہ ور ہو اس سے یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جانثاروں سے بغض و کینہ رکھے جن کی مدح و ستائش اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، جن کی عظمت و شان انبیائے گزشتہ (علیہم السلام) تک نے بیان فرمائی ہے، اور جو امم سابقہ کے بھی ممدوح و محبوب رہے ہیں۔

ششم: آخر میں ان حضرات کے ایمان و عمل صالح کی بنا پر ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ ان اکابر کے حسن عمل کے ساتھ ان کے حسن کمال کا، آغاز کے ساتھ ان کے انجام کا، ان کی "العاجلہ" کے ساتھ ان کی "الآخرۃ" کا اور ان پر عنایات ربانی کے خلاصہ کا ذکر فرمایا ہے۔ فطوبیٰ لہم ثم طوبیٰ لہم

ان چھ نکات میں سے ہر نکتہ مستقل طور پر بآواز بلند پکار رہا ہے کہ حضرات صحابہ کرام صراط مستقیم پر تھے اور یہ کہ صرف انہی کا راستہ صراط مستقیم کہلانے کا مستحق ہے، جس پر بعد کے لوگوں کو چلنا چاہئے۔

چوتھی آیت:
﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾ ۔

(سورۂ حجرات ۷ ۔ ۸)

ترجمہ: "اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری بات مان لیا کریں بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے۔ پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور کھبا دیا (مرغوب کر دیا) اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ نافرمانی کی۔ وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا۔" (ترجمہ... شیخ الہندؒ)

اس آیت شریفہ میں متعدد وجوہ سے صحابہ کرامؓ کی فضیلت و منقبت بیان کی گئی ہے:

اول: ان پر اس انعام عظیم کا ذکر ہے کہ ان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود رونق افروز ہے۔ اور یہ وہ دولت کبریٰ ہے کہ ہفت اقلیم کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ (اوپر کی آیت شریفہ میں اسی کو "والذین معہ" کے بلیغ الفاظ میں بیان فرمایا گیا تھا)۔

دوم: حق تعالیٰ شانہ نے نہ صرف ان کے ایمان کامل کی شہادت دی ہے، بلکہ یہ بھی بیان فرمایا کہ ایمان ان کے دلوں میں جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ محبوب ہے، اور اس ایمان سے ان کے قلوب معمور اور منور و مزین ہیں۔ کفر و فسوق اور عصیان کی کراہت و نفرت ان کے قلوب میں من جانب اللہ القاء کی گئی ہے، ممکن نہیں کہ القائے ربانی کے بعد یہ آلودگیاں ان کے دامن ایمان کو داغ دار کر سکیں۔

سوم: ان حضرات کو " اولئک ھم الراشدون " کا زریں تمغہ عنایت

فرمایا گیا، اور اس کو کلمۂ حصر کے ساتھ ذکر کرکے تنبیہ فرما دی گئی کہ رشد و ہدایت انہی کے طریقہ میں منحصر ہے۔ جو شخص ان کی راہ پر چلے گا، رشد و ہدایت اسی کو نصیب ہوگی۔

چہارم: یہ نعمت کبریٰ جو صحابہ کرامؓ کو ارزانی فرمائی گئی اس کو "فضلاً من اللہ و نعمۃ" فرما کر تصریح کردی گئی کہ یہ حضرات حق تعالیٰ شانہ کے فضل خاص اور انعام عظیم کا مورد ہیں، ان کو عام مسلمانوں پر قیاس نہ کیا جائے۔

پنجم: "واللہ علیم حکیم" میں اس امر کی وضاحت ہے کہ اوپر صحابہ کرامؓ کی جس عظیم منقبت و فضیلت کا ذکر ہے، یہ حق تعالیٰ شانہ کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر مبنی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کو ان حضرات کے ظاہری و باطنی تمام حالات سے آگاہی ہے، اور ان کے انہی حالات و کمالات کے پیش نظر حق تعالیٰ شانہ کا یہ حکیمانہ فیصلہ ہے۔

قرآن کریم میں اور بھی بہت سے مقامات پر ان حضرات کے صراط مستقیم پر فائز ہونے کی طرف اشارات و تلویحات ہیں۔ مگر میں بغرض اختصار انہی چار آیات پر اکتفا کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ تمام اہل اسلام کو صحابہ کرامؓ کی محبت نصیب فرمائیں، ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور "والذین معہ" کی رفاقت و معیت کی دولت سے مشرف فرمائیں۔

ع "ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

صحابہ کرامؓ من حیث القوم

آنجناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ:

"علمائے اہل سنت کے نزدیک احترام صحابہ تو ضروری ہے، لیکن من حیث القوم ان کی اتباع کا مطلق حکم نہیں دیا جا سکتا۔"

اور اس پر آپ نے حافظ ابن حزمؒ کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ یہ ناکارہ آپ کی عبارت میں "من حیث القوم" کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ یہ لفظ عام محاورات میں پوری

غيرهم، ومن ادعى أن غير هذا هو إجماع كلف البرهان على ما يدعي ولا سبيل إليه".

(المحلي صفحہ ۵۴۳، جلد ۱)

مسئلہ: اور اجماع اسی صورت میں منعقد ہوتا ہے جب یہ امر یقینی طور پر معلوم ہو کہ تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر متفق تھے اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ .. اور اہل علم میں سے کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ یہ اجماع ہے۔ اور وہ (صحابہ کرامؓ) اس وقت "جمیع المومنین" کا مصداق تھے کیونکہ ان کے سوا کرۂ ارض پر کوئی مومن نہ تھا۔ اور جو شخص مدعی ہو کہ اس شرط کے بغیر بھی اجماع ہوتا ہے اس کو اپنے اس دعویٰ پر دلیل پیش کرنے کی زحمت دی جائے گی اور یہ اس کے لئے ممکن نہیں۔

اور جب ان کی شرائط کے مطابق صحابہؓ کا اجماع منعقد ہو جائے تو اس اجماع کی مخالفت ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ ایسے اجماع کے خلاف کو وہ محال اور ممتنع سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نص نہ ہونے پر انہوں نے اسی اجماع سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ کتاب الفصل میں لکھتے ہیں:

"وبرهان آخر ضروري وهو أن رسول الله ﷺ مات وجمهور الصحابة رضي الله عنهم حاشا من كان منهم في النواحي يعلم الناس الدين فما منهم أحد أشار إلى علي بكلمة يذكر فيها أن رسول الله ﷺ نص عليه، ولا ادعى ذلك علي قط، لا في ذلك الوقت ولا بعده، ولا ادعاه له أحد في ذلك الوقت ولا بعده، ومن المحال الممتنع الذي لا يمكن البتة ولا يجوز اتفاق أكثر من عشرين ألف إنسان متنابذي الهمم والنيات والأنساب أكثرهم

موثوقون في صاحبه في الدماء من الجاهلية على على عهد ما عهده رسول الله ﷺ إليهم".

(الفصل ... صفحہ ۹۹، جلد ۳)

ترجمہ: "ایک اور یہ بات بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم — سوائے ان کے جو اطراف و جوانب میں لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول تھے — مدینہ میں موجود تھے، مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت علیؓ کی طرف کسی ایسے کلمے سے اشارہ نہ فرمایا جس میں یہ ذکر کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی امامت پر نص فرمائی ہے اور نہ حضرت علیؓ نے ہی اس کا کبھی دعویٰ کیا، نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد۔ نہ کسی اور نے ان کے لئے اس کا دعویٰ کیا، نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد۔ اور یہ بات محال اور ممتنع اور قطعاً غیر ممکن اور ناجائز ہے کہ ایسے بیس ہزار سے زائد انسان جن کے مقاصد بھی الگ الگ ہوں طبیعتیں بھی الگ الگ ہوں، نسب و خاندان بھی مختلف ہوں اور ان میں کچھ ایسے ہوں جنہیں زمانہ جاہلیت کے اپنے عزیز کے خون کا انتقام نہ ملا ہو، یہ لوگ کسی ایسے عہد کے ترک کرنے اور اسے لپیٹ کر چھپا دینے پر متفق کر لیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لیا ہو۔"

نیز لکھتے ہیں:

"ومن المحال الممتنع أن يرهبوا أبا بكر ... ومن المحال اتفاق أهواء هذا العدد العظيم على ما يعرفون أنه باطل دون خوف يضطرهم إلى ذلك ودون طمع يتعجلونه من مال أو جاه، بل فيما فيه ترك العز والدنيا والرياسة، وتسليم كل ذلك إلى رجل لا عشيرة له ولا منعة ولا حاجب ولا حرس على بابه ولا قصر يمتنع فيه ولا موالي ولا مال، فأين كان علي وهو الذي لا نظير له في الشجاعة ومعه جماعة من بني هاشم وبني المطلب من قتل

هذا الشيخ الذي لا دافع دونه لو كان منعه ظالماً ومن منعه وزجره؟ بل قد علم والله علي رضي الله عنه أن أبا بكر رضي الله عنه على الحق، وأن من خالفه على الباطل، فأذعن للحق..... ومن المحال أن تتفق آراؤهم كلهم على معونة من ظلمهم وغصبهم حقهم، إلا أن تدعي الروافض أنهم كلهم اتفق لهم نسيان ذلك العهد، فهذه أعجوبة من المحال غير ممكنة، ثم لو أمكنت لجاز لكل احد أن يدعي فيما شاء من المحال أنه قد كان وإن الناس كلهم نسوه، وفي هذا إبطال الحقائق كلها، وأيضاً فإن كان جميع أصحاب رسول الله ﷺ اتفقوا على جحد ذلك النص وكتمانه واتفقت طباعهم كلهم على نسيانه فمن أين وقع إلى الروافض أمره، ومن بلغه إليهم؟ وكل هذا من هوس ومحال، فبطل أمر النص على علي رضي الله عنه بيقين لا أشكال فيه، والحمد لله رب العالمين"۔

(کتاب الفصل..... صفحہ ۱۰۹، جلد ۴)

ترجمہ: "پس یہ امر محال اور ممتنع ہے کہ یہ لوگ ابوبکر سے ڈر جاتیں پس یہ امر محال ہے کہ اتنی بڑی تعداد کے خیالات ایک چیز پر متفق ہو جائیں جس کو وہ باطل سمجھتے ہوں، حالانکہ نہ تو کوئی ایسا خوف موجود نہیں اس پر مجبور کرے اور نہ کوئی جاہ و مال کی طمع موجود تھی جو انہیں فوراً ملنے والا ہے، بلکہ یہ انصار و مہاجرین ایک ایسی چیز کو اختیار کر رہے تھے جس میں دنیا اور عزت و ریاست کا ترک تھا اور یہ چیزیں ایک ایسے شخص کے حوالے کر رہے تھے جس کا نہ تو کوئی قبیلہ تھا، نہ طاقت، نہ پیچھے مدد، نہ اس کے دروازے پر کوئی دربان تھا، نہ کوئی حفاظتی محل، نہ موالی تھے اور نہ مال۔ پس اس وقت علیؓ کہاں تھے؟ حالانکہ وہ ایسے شخص تھے کہ شجاعت میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا، پھر ان کے ساتھ بنی ہاشم و

بنی المطلب کی جماعت بھی تھی انہوں نے اس پر زور دیا کہ جس کا کوئی پوچھنے والا نہیں تھا، جو ان کے نزدیک ظالم تھا، قتل کیوں نہ کر دیا، جس کی کوئی مدافعت کرنے والا بھی نہیں تھا۔ اور بزور قوت اس کو کیوں نہ روک دیا؟ واللہ! علی رضی اللہ عنہ نے جان لیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور ان کا مخالف باطل پر ہے۔ اس لئے انہوں نے حق کو تسلیم کر لیا۔ اور یہ امر خود محال ہے کہ مہاجرین و انصار کی رائیں اس شخص کی امامت پر متفق ہو جائیں جس نے ان پر ظلم کیا ہو اور ان کا حق غصب کر لیا ہو۔ سوائے اس کے کہ روافض یہ دعویٰ کریں کہ نص تو تھی مگر وہ سب لوگ اس عہد کو بھول گئے تھے تو یہ خود ایک اعجوبہ ہو گا جو محال دماغ کی پیداوار ہے۔ پھر اگر یہ ممکن ہو تو پھر ہر شخص کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اس کے بارے میں اسی قسم کے محال کا دعویٰ کرے کہ فلاں واقعہ ایسا ہوا تھا اور یہ کہ سب لوگ اس کو بھول گئے تھے۔ اس صورت میں تو تمام حقائق کا ابطال لازم آ جائے گا۔ نیز اگر تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نص کے نہ ماننے اور اسے چھپانے پر اتفاق کر لیا تھا اور ان سب کی طبیعتیں اس کے بھول جانے پر متفق ہو گئی تھیں تو پھر روافض کو اس کا علم کہاں سے معلوم ہوا اور کس نے اس واقعہ کو ان تک پہنچایا؟ یہ محض نفس پرستی، تمام خبیث اور محال ہے۔ لہٰذا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نص کا دعویٰ تو یقیناً اس طرح باطل ہو گیا کہ اس میں کوئی اشکال نہ رہا۔ والحمد للہ رب العالمین۔"

اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں:

"افتری لو کان لعلی رضی اللہ عنہ حق ظاهر یختص به من نص علیه من رسول الله ﷺ أو من فضل بائن علی من معه ینفرد به عنهم أما کان الواجب علی علی أن یقول أیها الناس کم هذا الظلم لی؟ وکم هذا الکتمان بحقی؟ وکم هذا الجحد لنص رسول الله ﷺ؟ وکم هذا الإعراض عن فضلی البائن علی هؤلاء المقرونین لی؟ فإذ

لم يفعل لا يدري لما ذا أما كان في بني هاشم أحد له دين يقول هذا الكلام ؟ أما العباس عمه ، وجميع العالمين على توقيره وتعظيمه حتى أن عمر توسل به إلى الله تعالى بحضرة الناس في الاستسقاء وأما أحد بنيه ؟ وأما عقيل أخوه ؟ وأما أحد بني جعفر أخيه أو غيرهم ؟ فإذ لم يكن في بني هاشم أحد يتقي الله عز وجل ولا يأخذه في قوله الحق مداهنة أما كان في جميع أهل الإسلام من المهاجرين والأنصار وغيرهم واحد يقول يامعشر المسلمين .... وهذا علي له حق واجب بالنص وله فضل بائن ظاهر لا يمترى فيه ، فبايعوه ، فأمره بين ، أن أصفاق جميع الأمة أولها عن آخرها من برقة إلى أول خراسان ومن الجزيرة إلى أقصى اليمن إذ بلغهم الخبر على السكوت عن حق هذا الرجل واتفاقهم على ظلمه ومنعه من حقه وليس هنالك شيء يخافونه لإحدى عجائب المحال الممتنع "

(کتاب الفصل۔ صفحہ ۱۰۱۔ جلد ۴)

ترجمہ: "کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر علی رضی اللہ عنہ کا کوئی کھلا ہوا حق ہوتا جس میں وہ مخصوص ہوتے، خواہ وہ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص ہوتی یا کوئی ایسی فضیلت ہوتی جس سے وہ اپنے ساتھیوں میں فائق ہوتے اور جس کی وجہ سے وہ ان سب میں ممتاز و منفرد ہوتے۔ تو کیا علیؓ پر واجب نہیں تھا کہ وہ یہ کہتے کہ اے لوگو! مجھ پر یہ ظلم کب تک؟ میرے حق کا یہ اخفاء کب تک؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کا یہ انکار کب تک؟ اور کب تک میری اس فضیلت سے انکار کیا جائے گا، جو ان سب معاصرین سے فائق ہے؟ جب علیؓ نے یہ نہیں کیا۔ تمہیں معلوم ہو سکتا کہ

کیوں نہیں کیا تو کیا بنی ہاشم میں ایک بھی دیندار موجود نہ تھا جو یہی کلام کرتا؟ کیا ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے جن کی تعظیم و توقیر پر تمام عالم متفق تھا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے نماز استسقاء کے موقع پر سب لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہیں وسیلہ بنایا تھا؟ کیا ان کے لڑکوں میں بھی کوئی موجود نہ تھا؟ کیا حضرت علیؓ کے بھائی عقیلؓ نہ تھے؟ کیا ان کے بھائی جعفرؓ کے بیٹوں میں سے کوئی بھی نہ تھا؟ جب بنی ہاشم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور قول حق کہنے میں مداہنت نہ کرتا۔ تو کیا تمام اہل اسلام یعنی مہاجرین و انصار اور ان کے علاوہ دیگر حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا کہ اے گروہ مسلمین: یہ علیؓ ہیں نص کی وجہ سے جن کا حق واجب ہے..... اول سے آخر تک تمام امت کا برقہ سے سرحد خراسان تک اور جزیرہ سے انتہائے یمن تک جہاں انہیں خبر پہنچ جاتی، سب کا اس شخص کے حق سے سکوت کرنے پر متفق ہو جانا اور ان سب کا اس کے ساتھ ظلم پر اور اس کو حق سے محروم کرنے پر متفق ہو جانا۔ درآنحالیکہ ایسی چیز بھی وہاں کوئی موجود نہ ہو جس سے لوگ (اظہار حق سے) ڈرتے ہوں ایک عجیب امر محال اور ناممکن ہے۔"

حافظ ابن حزمؒ کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع ان کے نزدیک حجت قطعیہ ہے اور اس کا خلاف محال و ممتنع ہے۔

جہاں تک حافظ ابن حزمؒ کے اس نظریہ کا تعلق ہے کہ اجماع صحابہ "نص کے بغیر نہیں ہوتا، اس ناکارہ کے خیال میں ابن حزمؒ اور دیگر اہل علم کے درمیان صرف تعبیر کی شدت اور نرمی کا فرق ہے ورنہ ظاہر ہے کہ " سند اجماع " کے تمام اہل علم قائل ہیں۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ وہ سند بھی بعد والوں سے مخفی رہ جائے۔ چنانچہ علامہ آمدیؒ "الاحکام فی اصول الاحکام" میں لکھتے ہیں:

"المسألة السابعة عشرة: اتفق الكل أن الأمة لا تجتمع على الحكم إلا عن مأخذ ومستند يوجب إجتماعها خلافا لطائفة شاذة، فإنهم قالوا بجواز انعقاد الإجماع عن

توفيق لا توقيف بأن يوفقهم الله تعالى لاختيار الصواب من غير مستند" (الاحكام فی اصول الاحکام... صفحہ ۲۰۳، جلد ۱)

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۱۷: تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ اجماع امت کسی ایسے ماخذ و سند پر ہی منعقد ہو سکتا ہے جو اجماع کو واجب کر دے۔ لیکن گروہ اس کے خلاف یہ کہتا ہے کہ انعقاد اجماع صرف توفیق کے ذریعہ بھی جائز ہے سو ضمنا" (یعنی ماخذ و سند پر مطلع ہونا) ضروری نہیں۔ اور توفیق سے ان کی مراد یہ ہے کہ باری تعالیٰ ان کو "صحیح" کو اختیار کرنے کی توفیق عطا کر دے۔"

خلفائے راشدین" کا اجماع:

اگر کسی مسئلہ پر چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم متفق ہوں تو اہل علم کے نزدیک وہ بھی اجماع واجب الاتباع ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"وفي السنن عنه ﷺ أنه قال اقتدوا بالذين من بعدي أبي بكر وعمر، ولهذا كان أحد قولي العلماء وهو إحدى الروايتين عن أحمد أن قولهما إذا اتفقا حجة لا يجوز العدول عنها، وهذا أظهر القولين كما أن الأظهر أن اتفاق الخلفاء الأربعة أيضا حجة لا يجوز خلافها، لأمر النبي ﷺ باتباع سنتهم" (منہاج السنۃ... صفحہ ۱۹۲، جلد ۳)

ترجمہ: "سنن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ "میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرنا۔" لہٰذا علماء امت کا ایک قول یہ ہے اور یہی امام احمد سے بھی ایک روایت ہے کہ "جب ان دونوں حضرات کا کسی بات میں اتفاق ہو جاتا ہے تو وہ حجت قرار پاتا ہے اس سے عدول جائز نہیں۔ اور یہ ایسا ہی ظاہر قول ہے جیسا کہ یہ بھی قول کہ جب ان چاروں خلفاء کا کسی معاملہ میں اتفاق ہو جائے تو وہ حجت قرار پاتا ہے اس کے خلاف

کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی سنت کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ "

خلفائے راشدین ؓ کے فیصلے بھی اجماع ہیں :

اجماع کی ایک صورت یہ ہے کہ خلفائے راشدین ؓ میں سے کوئی خلیفہ راشد ؓ کوئی فیصلہ صادر فرمائے اور صحابہ کرام ؓ اس کو بلا نکیر قبول کر لیں، یہاں تک کہ اکناف و اطرافِ عالم میں وہ فیصلہ نافذ ہو جائے۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ لکھتے ہیں :

" و معنی اجماع کہ بر زبان علماء دین شنیدہ باشی این نیست کہ ہمہ مجتہدین لا یشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند؛ زیرا کہ این صورتی ست غیر واقع بل غیر ممکن عادی، بلکہ معنی اجماع حکم خلیفہ است بچیزی بعد مشاورہ ذوے الرای یا بغیر آن، و نفاذ آن حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم متمکن گشت، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی الحدیث۔ " (ازالۃ الخفا صفحہ ۳۹)

ترجمہ : " اجماع کا لفظ جو آپ نے علماء دین سے سنا ہو گا، اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ایک زمانے کے تمام مجتہدین کسی مسئلہ پر اس طرح متفق ہو جائیں کہ کوئی ایک فرد بھی اختلاف نہ کرے، کیونکہ یہ صورت تو غیر واقع بلکہ عادتاً ناممکن ہے۔ بلکہ اجماع کا مطلب کسی مسئلہ میں خلیفہ راشد کا ایسا حکم کرنا ہے، خواہ اہلِ مشورہ سے مشورت کر کے ہو یا بلا مشورہ کے۔ جس کو وہ نافذ کر دے۔ نیز حکم کے بعد وہ مشہور ہو جائے اور دنیا میں اس پر عملدرآمد ہونے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم لوگ میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لو (اور اس کی پیروی میں ثابت قدم رہو)۔ "

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو بیس تراویح پر جمع کرنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمعہ کی اذانِ اول مقرر کرنا اسی اجماع کی مثالیں ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ؒ لکھتے ہیں :

" وما فعله عثمان من النداء الأول اتفق عليه الناس

بعده أهل المذاهب الأربعة وغيرهم كما اتفقوا على ما سنه أيضا عمر من جمع الناس فى رمضان على إمام واحد"

(منہاج السنة ۔۔۔ صفحہ ۲۰۴، جلد ۳)

ترجمہ: "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (جمعہ کی) اذان اول مقرر کی تو تمام لوگ اس پر متفق ہو گئے۔ اس کے بعد بھی چاروں مذاہب کے فقہاء اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم اس پر متفق رہے، یہ بالکل ایسا ہی اتفاق ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح باجماعت مقرر کر دینے پر سب میں پایا گیا۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلفائے راشدین کا بیس تراویح پر عمل رہا۔

الف۔ "عن السائب بن يزيد قال كان القيام على عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة. قال ابن عبد البر هذا محمول على أن الثلاث للوتر"

(عمدة القاری ۔۔۔ صفحہ ۱۲۷، جلد ۱۱)

ترجمہ: "حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں (تراویح میں) تیئس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ان میں تین رکعات وتر کی شمار کی گئی ہیں۔"

ب۔ "عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة، قال وكانوا يقرءون بالمئين وكانوا يتوكؤن على عصيهم فى عهد عثمان بن عفان رضى الله عنه من شدة القيام"

(سنن کبریٰ بیہقی ۔۔۔ صفحہ ۴۹۶، جلد ۲)

ترجمہ: "حضرت سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور دو سو آیتوں کی

قرأت کرتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قیام طویل ہونے کے باعث لوگ اپنی لاٹھیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔"

ج۔ "عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي رضي الله عنه أنه دعا القراء في رمضان فأمر منهم رجلا يصلي بالناس عشرين ركعة وكان علي يوتر بهم"

(سنن کبریٰ، بیہقی ... صفحہ ۴۹۶، جلد ۲)

ترجمہ: "ابو عبدالرحمٰن سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؓ نے قراء حضرات کو رمضان میں طلب کیا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف وتر پڑھایا کرتے تھے۔"

د۔ "عن عمرو بن قيس عن أبي الحسناء أن عليا أمر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة"

(مصنف ابن ابی شیبہ ... صفحہ ۳۹۳، جلد ۲)

ترجمہ: "عمرو بن قیس ابی الحسناء سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں لوگوں کو بیس تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا۔"

ہ۔ "عن شتير بن شكل وكان من أصحاب علي رضي الله عنه أنه كان يؤمهم في شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث"

(سنن کبریٰ صفحہ ۴۹۶، جلد ۲۔ قیام اللیل صفحہ ۹۱ طبع جدید صفحہ ۱۵۷)

"شتیر بن شکل سے ہے۔ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں، مروی ہے کہ وہ رمضان میں لوگوں کی بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔"

خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں کے برحق ہونے کا قرآنی ثبوت:

حضرت شاہ صاحبؒ نے مندرجہ بالا عبارت میں حضرات خلفائے راشدین رضی

اللہ عنہم کے فیصلوں کو اجماع فرمایا ہے، جبکہ صحابہ کرام" نے ان کو بلا نکیر قبول کر لیا ہو، اور وہ عالم میں مشتہر اور رائج ہو گئے ہوں۔ ان فیصلوں کے صحیح اور برحق ہونے پر حضرت شاہ صاحب" نے حدیث نبوی: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" سے استدلال فرمایا ہے۔ جیسا کہ ان سے پہلے حافظ ابن تیمیہ" نے خلفائے راشدین" کے اجماع پر اسی حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔ اس حدیث نبوی کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ النور کی آیت استخلاف میں حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (سورۃ النور: ۵۵)

ترجمہ: "وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ بعد کو حاکم کر دے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔"

اس آیت شریفہ سے جہاں حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا خلیفہ موعود ہونا ثابت ہوتا ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جو احکام نافذ ہوئے وہ حق تعالیٰ شانہ کا پسندیدہ دین تھا۔

نیز حق تعالیٰ شانہ سورۃ الحج میں فرماتے ہیں:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴾

(الحج ۴۰ تا ۴۱)

ترجمہ: "حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ لوگ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت، اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی۔ بے شک اللہ زبردست ہے زور والا۔ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔"

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر ان مظلوم مہاجرین کو، جن کی صفت اوپر بیان کی گئی ہے، ہم تمکین فی الارض عطا فرمائیں تو وہ ارکان اسلام کو قائم کریں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ان حضرات کی مساعی جمیلہ سے جو کچھ ظہور پذیر ہوا وہ ہے اقامت دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں

اجماع کے مباحث سے فارغ ہونے کے بعد اب میں پھر آپ کی عبارت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، آنجناب نے اسی بحث میں یہ فرمایا ہے:

"احترام صحابہؓ سے اتباع صحابہؓ منفک نہ کسی عالم نے ثابت کیا ہے اور نہ عقل و نقل اس کا ساتھ دیتے ہیں۔"

اس ناکارہ کے نزدیک آپ کی یہ عبارت صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں تین دعوے ہیں، اور تینوں غلط۔ لہٰذا میں اس کو تین مباحث میں تقسیم کرتا ہوں:

بحث اول: اتباعِ صحابہؓ میں اہلِ علم کا مسلک۔
بحث دوم: اتباعِ صحابہؓ کا واجب ہونا دلائلِ نقلیہ سے۔
بحث سوم: اتباعِ صحابہؓ کا ضروری ہونا دلیلِ عقل سے۔

بحث اول: اتباعِ صحابہؓ واجب ہے، اہلِ علم کا مسلک

صحابہ کرامؓ کے اقوال جمہور اہلِ علم کے نزدیک حجت ہیں، مگر ان کا درجہ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد کا ہے، ایک ایسا مسئلہ جس میں کتاب وسنت کی نص صریح غیر منسوخ موجود نہ ہو، اور اس پر اجماع بھی نہ ہو، اس میں اگر بعض صحابہ کرامؓ کا قول منقول ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس قول کے خلاف کسی صحابیؓ کا قول منقول نہیں، دوم یہ کہ اس کے خلاف بھی بعض صحابہؓ کا قول منقول ہے۔ پہلی صورت کی پھر دو صورتیں ہوں گی، ایک یہ کہ صحابیؓ کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور ہوگیا ہو۔ دوم یہ کہ اس دور میں اس کو شہرت نہ ہوئی ہو۔ گویا یہ کل تین صورتیں ہوئیں، ذیل میں تینوں کا حکم الگ الگ لکھتا ہوں:

اجماعِ سکوتی:

پہلی صورت کہ صحابیؓ کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور ومعروف ہوگیا تھا، اس کے باوجود کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ جمہور اہلِ علم کے نزدیک یہ صورت "اجماعِ سکوتی" کہلاتی ہے۔ لہٰذا اس صحابیؓ کا قول اس مسئلہ میں حجت ہوگا جس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ "اعلام الموقعین" میں لکھتے ہیں:

"وإن لم يخالف الصحابي صحابيا آخر فاما أن يشتهر قوله في الصحابة أو لا يشتهر، فإن اشتهر فالذي عليه جماهير الطوائف من الفقهاء إنه إجماع وحجة، وقالت

طائفة منهم: هو حجة وليس بإجماع، وقالت شرذمة من المتكلمين وبعض الفقهاء المتأخرين: لا يكون إجماعا ولا حجة"

(اعلام الموقعین ... صفحہ ۱۲۰، جلد ۴)

ترجمہ: "اور اگر کسی صحابی (کے قول) سے دوسرے صحابی نے اختلاف نہیں کیا (تو اس کی دو صورتیں ہیں) یا تو اس صحابی کا قول صحابہ کرام میں مشہور ہوگیا یا مشہور نہیں ہوا۔ اور اگر وہ مشہور ہوگیا تو جمہور فقہاء کے نزدیک وہ اجماع کے حکم میں ہوگا اور وہ حجت ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ حجت تو ہے مگر اجماع نہیں کہلائے گا اور متکلمین کے ایک مختصر طبقہ اور بعض فقہاء کے نزدیک نہ وہ اجماع ہوگا نہ حجت۔"

امام حافظ الدین ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی کشف الاسرار شرح المنار میں لکھتے ہیں:

"فأما إذا نقل من الصحابي قول ولم يظهر عن غيره خلاف ذلك فإن درجته درجة الإجماع إذا كانت الحادثة مما لا يحتمل الخفاء عليهم ويشتهر عادة"

(کشف الاسرار ... صفحہ ۱۰۲، جلد ۲)

ترجمہ: "ایک صحابی سے ایک قول منقول ہوا اور اس کے خلاف کسی (اور صحابی) کا قول سامنے نہیں آیا تو اس کا درجہ حکم میں اجماع کا ہے بشرطیکہ معاملہ ایسا ہو کہ ان حضرات سے مخفی ہونے کا احتمال نہ ہو اور عادتاً اس کی شہرت ہو جاتی ہو۔"

دوسری صورت کہ صحابی کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور نہ ہوا ہو لیکن اس کے خلاف بھی کسی صحابیؓ کا قول منقول نہ ہو، اس کے اجماع ہونے میں تو کلام ہے لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک صحابیؓ کا یہ قول حجت شرعیہ ہے، اور ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اسی کے قائل ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

"وإن لم يشتهر قوله أو لم يعلم هل اشتهر أم لا فاختلف الناس: هل يكون حجة أم لا؟ فالذي عليه

جمهور الأمة أنه حجة، هذا قول جمهور الحنفية؛ صرح به محمد بن الحسن، وذكر عن أبي حنيفة نصا، وهو مذهب مالك وأصحابه وتصرفه في موطئه دليل عليه، وهو قول إسحاق ابن راهويه وأبي عبيد، وهو منصوص الإمام أحمد في غير موضع عنه واختيار جمهور أصحابه، وهو منصوص الشافعي في القديم والجديد"

(اعلام الموقعین صفحہ ۱۲۰، جلد ۴)

ترجمہ: "اور اگر صحابی کا قول مشہور نہ ہوا یا اس کا مشہور ہونا معلوم نہ ہو سکا تو اہل علم میں اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ وہ حجت ہے۔ جمہور فقہاء احناف کا یہی قول ہے۔ امام محمد بن حسنؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے یہی مذہب نقل کیا ہے۔ اور یہی امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ موطا میں امام مالکؒ کا طرز عمل اس کی بڑی دلیل ہے۔ اور یہی اسحٰق بن راہویہؒ اور ابو عبیدؒ کا مسلک ہے۔ اور یہی قول بیشتر مواقع پر امام احمدؒ سے منصوص ہے جس کو ان کے اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے قدیم و جدید قول میں بھی یہی منصوص ہے (کہ صحابی کا قول مذکورہ صورت میں حجت ہے)۔"

اجماع مرکب:

تیسری صورت کہ صحابہؓ کے اقوال کسی مسئلہ میں مختلف ہوں وہاں ائمہ مجتہدینؒ اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق ان اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ تاہم اس پر جمہور ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایسے مختلف فیہ مسائل میں صحابہؓ کے اقوال سے خروج جائز نہیں، مثلاً کسی مسئلہ میں صحابہؓ کے دو قول ہوں۔ اس مسئلہ میں ان دونوں اقوال کو چھوڑ کر تیسرا قول اختیار کرنا جائز نہیں۔ اور یہ فقہاء کی اصطلاح میں "اجماع مرکب" کہلاتا ہے۔

علامہ نسفیؒ شرح المنار میں لکھتے ہیں:

"وكذا إذا اختلفوا في شيء فإن الحق في أقوالهم لا يعدوهم على ما يجيء في باب الإجماع إن شاء الله تعالى" (کشف المنار ..... صفحہ ۱۰۲، جلد ۲)

ترجمہ: "اور ایسے ہی اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہوں تو بہرحال حق انہی کے اقوال میں موجود ہے اور صحابہ کے اقوال سے عدول جائز نہیں، جیسا کہ اجماع کے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ ذکر ہوگا۔"

اور نور الانوار شرح المنار میں ہے:

"وإن خالفه كان ذلك بمنزلة خلاف المجتهدين فللمقلد أن يعمل بأيهما شاء ولا يتعدى إلى الشق الثالث لأنه صار باطلا بالإجماع المركب من هذين الاختلافين على بطلان القول الثالث هكذا ينبغي أن يفهم هذا المقام" (نور الانوار ..... صفحہ ۱۰۲، جلد ۲)

ترجمہ: "اور اگر (کسی مسئلہ میں قول) صحابی سے کسی صحابی نے اختلاف کیا ہو تو درحقیقت یہ اختلاف مجتہدین کے اختلاف کی مانند ہے، پس مقلد کو جائز ہے کہ کسی ایک بھی قول پر عمل پیرا ہوجائے اور صحابہؓ کے اقوال سے تجاوز کرکے تیسرا راستہ اختیار نہ کرے۔ کیونکہ صحابہؓ کے دو اقوال سے اجماع مرکب" وجود میں آگیا، لہٰذا ان دونوں سے ہٹ کر ایک تیسرا راستہ اختیار کرنا باطل ٹھہرا۔ اس مقام کو غور سے سمجھنا ضروری ہے۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ صحابہ کرامؓ کے اقوال حجت شرعیہ ہیں، اور جمہور سلف خصوصاً ائمہ اربعہؒ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) مسائل شرعیہ میں صحابہ کرامؓ کے اقوال کو حجت سمجھتے ہیں، اور ان سے خروج کو جائز نہیں سمجھتے۔

دور حاضر کے محقق شیخ محمد ابو زہرہ نے "اصول الفقہ" میں اس موضوع پر

بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، مناسب ہو گا کہ یہاں ان کی عبارت کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے، وہ لکھتے ہیں:

"هذا ولكن المأثور من الأئمة الأربعة أنهم كانوا يتبعون أقوال الصحابة ولا يخرجون عنها، فأبو حنيفة يقول: إن لم أجد في كتاب الله تعالى وسنة رسول الله ﷺ أخذت بقول أصحابه، آخذ بقول من شئت، وادع من شئت منهم، ولا أخرج من قولهم إلى قول غيرهم.

ولقد قال الشافعي في الرسالة برواية الربيع، وهي من كتابه الجديد: لقد وجدنا أهل العلم يأخذون بقول واحد (أي الصحابة) مرة ويتركونه أخرى، ويتفرقون في بعض ما أخذ منهم، قال: (أي مناظره) فإلى أي شيء صرت من هذا؟ قلت اتباع قول واحدهم إذا لم أجد كتابا ولا سنة ولا إجماعا ولا شيئا في معناه يحكم.

ويقول في الأم برواية الربيع أيضا وهو كتابه الجديد: إن لم يكن في الكتاب والسنة صرنا إلى أقاويل أصحاب رسول الله ﷺ، أو واحد منهم، ثم كان قول أبي بكر أو عمر أو عثمان إذا صرنا فيه إلى التقليد أحب علينا، وذلك إذا لم نجد دلالة في الاختلاف تدل على أقرب الاختلاف من الكتاب والسنة، لنتبع القول الذي معه الدلالة.

وإن هذا يدل على أنه يأخذ بالكتاب والسنة، ثم ما يجمع عليه الصحابة، وما يختلفون فيه يقدم من أقوالهم

أقواها اتصالا بالكتاب والسنة، فإن لم يستبن له أقواها اتصالا بهما اتبع ما عمل به الأئمة الراشدون رضوان الله تبارك وتعالى عنهم، لأن قول الأئمة مشهورة وتكون أقوالهم ممحصة عادة.

وكذلك الإمام مالك رضي الله عنه، فإن الموطأ كثير من أحكامه يعتمد على فتاوى الصحابة، ومثله الإمام أحمد.

ومع أنه روى عن أولئك الأئمة تلك الأقوال الصريحة، فقد وجد من الكتاب الأصوليين بعد ذلك من ادعى أن الشافعي رضي الله عنه في مذهبه الجديد كان لا يأخذ بقول الصحابي، وقد نقلنا لك من الرسالة والأم برواية الربيع لابن سليمان الذي نقل مذهبه الجديد ما يفيد بالنص القاطع إنه كان يأخذ بأقوال الصحابة إذا اجتمعوا، وإذا اختلفوا تخير من أقوالهم ما يكون أقرب إلى الكتاب والسنة.

وكذلك ادعى بعض الحنفية، أن أبا حنيفة رضي الله عنه كان لا يأخذ بقول الصحابي إلا إذا كان لا يمكن أن يعرف إلا بالنقل، وبذلك يؤخذ بقوله على أنه سنة لا على أنه اجتهاد، أما ما يكون من اجتهاد الصحابي فإنه لا يؤخذ به، والحق عن أبي حنيفة هو ما نقلنا من أقواله لا من تخريج أحد"

(أصول الفقه ص٣٠٥-٣٠٦)

ترجمہ: "ائمہ اربعہ سے یہی طریقہ منقول ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے اقوال کا اتباع کرتے تھے اور ان کے قول سے نہیں نکلتے تھے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھے کسی مسئلہ کی تصریح نہیں ملتی تو صحابہؓ کے اقوال میں سے اپنی صوابدید پر کسی ایک قول کو اختیار کر لیتا ہوں۔ ان کے قول کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول کو اختیار نہیں کرتا۔"

اور امام شافعیؒ سے "الرسالہ" میں ربیع کی روایت سے یہ قول موجود ہے اور یہی ان کا قول جدید ہے کہ: "ہم نے اہل علم کا یہ طرز عمل دیکھا کہ وہ ایک جگہ ایک صحابی کے قول کو اختیار کرتے ہیں تو دوسرے مقام پر اس کے قول کو ترک کر دیتے ہیں اس طرح ان کے اقوال میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (قول سے مناظرہ کرنے والے نے ان سے) سوال کیا کہ پھر آپ نے کون سا راستہ اختیار کیا ہے؟ فرمایا، ان میں سے کسی ایک کے قول کا اتباع کرتا ہوں اور یہ جبھی ہوتا ہے کہ کتاب، سنت اور اجماع یا اس کے ہم معنی "اجماع سکوتی" میں مسئلہ کا حل نہیں پاتا۔"

اور کتاب "الام" میں ربیعؒ ہی کی روایت سے منقول ہے اور یہ بھی ان کی کتاب جدید ہے کہ اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنت میں نہیں ملتا تو ہم تمام صحابہ کرامؓ یا کسی ایک صحابی کے اقوال پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ پھر اگر ابو بکرؓ، عمرؓ یا عثمانؓ کا قول موجود ہوتا ہے تو اسی کی تقلید ہمیں محبوب ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ امام شافعیؒ کتاب و سنت سے استدلال کرتے تھے۔ پھر اجماع صحابہ سے، پھر صحابہؓ کے اقوال میں اختلاف کی صورت میں اس قول کو اختیار کر لیتے جو قرآن و سنت کے ساتھ اتصال میں قوی تر ہوتا۔ اور اگر کتاب و سنت کے ساتھ اتصال میں کسی قول کا قوی ہونا ان پر ظاہر نہ ہوتا تو خلفائے راشدینؓ .... کے عمل کو مدار بناتے۔ اس لئے کہ خلفاء کا قول عموماً مشہور ہو جاتا ہے۔ نیز ان کے اقوال علاوہ ازیں معتبر اور قوی شمار ہوتے ہیں۔

اور یہی مسلک امام مالکؒ کا ہے۔ چنانچہ موطا میں انہوں نے بیشتر احکام میں صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ پر ہی انحصار کیا ہے۔ اور یہی کیفیت امام احمدؒ کی

ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ ان ائمہ کرام سے تو اس طرح کے صریح اقوال منقول ہوں مگر اس کے برخلاف اصولیین کا امام شافعیؒ کے مذہب جدید کے بارے میں یہ دعویٰ ذکر ہے کہ وہ قول صحابی کو حجت نہیں مانتے۔ اور ہم آپ کے سامنے "الرسالہ" اور "الام" سے ان کے مذہب جدید کے ناقل ربیع بن سلیمانؒ کی روایت سے ان کا قول جدید نقل کر چکے ہیں جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ امام شافعیؒ صحابہ کرامؓ کے اقوال میں عدم اختلاف کی صورت میں مطلقاً اور اختلاف کی صورت میں اقرب الی الکتاب و السنۃ قول کو اختیار کرتے اور حجت سمجھتے تھے۔

اسی طرح بعض احناف کا یہ دعویٰ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ صحابی کے قول کو اس وقت نہیں لیتے تھے جب تک کہ وہ مسئلہ ایسا نہ ہو جو صرف نقل ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، اجتہاد سے نہیں۔ اور اسکو بحیثیت سنت کے اختیار کرتے ہیں، اجتہادی قول کے طور پر نہیں۔ کیونکہ صحابی کے اجتہاد کو وہ حجت قرار نہ دیتے تھے۔

اور حق بات وہی ہے جو ہم نے امام ابو حنیفہؒ کے اقوال سے نقل کی ہے، بعد والوں کی تخریج سے نہیں۔"

ایک شکایت

گزشتہ سطور میں اہلِ علم کا مسلک واضح طور پر سامنے آ چکا ہے۔ اس بحث کو ختم کرتے ہوئے یہ تاکلہ؟ آنجناب سے یہ شکایت کرنے میں حق بجانب ہے کہ آنجناب نے اہلِ علم کے راجح مسلک کو نظرانداز کرتے ہوئے، اس مسئلہ میں ابن حزمؒ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفا کیا اور چونکہ یہ قول آنجناب کے مسلکی ذوق سے اقرب تھا، اس لئے ساتھ کے ساتھ آپ نے اپنا فیصلہ بھی سنا دیا کہ:

"حق وہی ہے جو ابن حزمؒ نے کہا، یعنی اجتہادات صحابہؓ کو قرآن و حدیث کی طرف پلٹایا جائے گا، موافق کی اتباع اور مخالف کی رد کی جائے گی۔ ہاں! نقل روایت میں ان کا ثقہ ہونا علمائے اہلِ سنت کے نزدیک مسلم ہے۔ یہ وہ

نظریہ ہے کہ آپ (یعنی یہ ناکارہ) اس کی تردید کی شاید ہی جرأت کر سکیں۔"

اول تو آپ کو یہ بحث چھیڑنی ہی نہیں چاہئے تھی۔ کیونکہ میری گفتگو تقلید صحابیؓ کے مسئلہ سے متعلق تھی ہی نہیں، میری گفتگو تو اس میں تھی کہ حضرات صحابہ کرامؓ صراط مستقیم پر قائم تھے اور یہ مضمون میں نے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ قرآن کریم اور احادیث طیبہ کی روشنی میں لکھا تھا۔ میں نہیں سمجھا کہ اصل مسئلہ سے ہٹ کر آپ نے ایک غیر متعلق بحث کیوں چھیڑ دی؟ علاوہ ازیں اگر آپ نے یہ بحث چھیڑی ہی تھی تو اہل علم کے صحیح مسلک کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرنی چاہئے تھی۔ لیکن آپ نے تنہا ابن حزمؒ کا قول نقل کر کے اس پر حقانیت کی مہر بھی ثبت کر دی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ابن حزمؒ کی عبارت میں "قوم یخطئون و یصیبون"، "ان ابابکر قد اخطأ"، "کذب عمرو تأو بل تاؤله" اور "خطأ ابا السنابل" جیسے ثقیل الفاظ آ گئے تھے۔ اور ان سے آنجناب کے "ذوق قدح صحابہ" کی تسکین ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے اصل بحث کو چھوڑ کر گفتگو کی بسم اللہ اپنے ذوق کی تسکین سے کرنا ضروری سمجھا، اور غریب ابن حزمؒ کے کندھے پر خواہ مخواہ بندوق رکھ دی، کہ آپ کا قاری یہ سمجھے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرما رہے، بلکہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ابن حزمؒ کے حوالے سے کہہ رہے ہیں۔

ابن حزمؒ کے نظریۂ تقلید صحابیؓ پر تنقید

حالانکہ اگر آپ نے حق و انصاف کی روشنی میں دو نکتوں پر غور کیا ہوتا تو آپ کو صاف نظر آتا کہ ائمہ اربعہؒ اور جماہیر سلفؒ کے مقابلہ میں ابن حزمؒ کا نظریہ لائق پذیرائی نہیں اور عقل و دانش کے بازار میں اس کی قیمت دو کوڑی بھی نہیں۔

پہلا نکتہ: تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ کسی عالم سے شاذ و نادر کسی مسئلہ میں بھول چوک کا ہو جانا اس کے علم و فضل میں قادح نہیں، اور نہ اس کے اتباع سے مانع ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، جو بالاتفاق معصوم ہیں، احیاناً بھول

چوک سے خلاف اولیٰ کا صدور ان سے بھی ممکن ہے۔ (تاہم ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو ایسی خطا پر بھی قائم نہیں رہنے دیا جاتا، بلکہ وحی الٰہی فوراً انہیں اس پر متنبہ کر دیتی ہے، اور ان کی خطا کا فی الفور تدارک کر دیا جاتا ہے) قرآن کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کے فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے جو ففہمناها سلیمان فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ و کلاً آتینا حکماً و علماً کا ارشاد آنجناب کی نظر سے اوجھل نہیں ہوگا۔

"وقال الإمام البخاری (۲/۱۰۶۱): باب متی یستوجب الرجل القضاء، وقال الحسن: أخذ الله علی الحکام إن لا یتبعوا الهوی ولا یخشوا الناس ولا یشتروا بآیاته ثمنا قلیلا ثم قرأ: ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ، وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (الأنبياء ۷۸، ۷۹) فحمد الله سلیمان ولم یلم داود ولو لا ما ذکر الله من أمر هذین لرأیت أن القضاة هلکوا، فإنه اثنی هذا بعلمه وعذر هذا باجتهاده"۔

(بخاری ... صفحہ ۱۰۶۲، جلد ۲۔ مسلم ... صفحہ ۷۶، جلد ۲)

ترجمہ: امام بخاریؒ (۲/۱۰۶۱) فرماتے ہیں: "باب اس بارے میں کہ کوئی شخص عہدۂ قضاء کا کب مستحق ہوتا ہے۔" حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکام کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ (فیصلوں میں) خواہش نفس کے تابع نہیں ہوں گے، لوگوں سے خوفزدہ نہیں ہوں گے اور اس کی آیات کو ثمن قلیل کے بدلے فروخت نہیں کریں گے۔ اس کے بعد آیت تلاوت فرمائی "ترجمہ: اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصلہ کرنے کھیتی کا جھگڑا، جب روند گئیں اس کو رات میں ایک قوم کی بکریاں، اور سامنے تھا ہمارے ان کا فیصلہ۔ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمانؑ کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ۔" (سورۃ الانبیاء ۷۸، ۷۹) تو یہاں اللہ تعالیٰ نے سلیمانؑ کی

تعریف تو فرمائی مگر داؤد علیہ السلام کو ملامت نہیں کی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان دونوں کے معاملہ میں مذکورہ بات نہ فرماتا تو یقیناً تمام قاضی ہلاکت کے مقام پر نظر آتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک کی تعریف اس کے علم پر فرمائی اور دوسرے کو اس کے اجتہاد پر معذور قرار دیا۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی جناب کے پیش نظر ہوگا:

"إنما أنا بشر وإنه يأتيني الخصم، فلعل بعضهم أن يكون أبلغ من بعض، فأحسب أنه صادق، فأقضي له، فمن قضيت له بحق مسلم فإنما هي قطعة من النار، فليحملها أو يذرها"

(بخاری صفحہ ۱۰۹۲، جلد ۲۔ مسلم صفحہ ۷۴، جلد ۲)

ترجمہ: "میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔ میرے پاس لوگ مقدمات لے کر آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک فریق دوسرے سے چرب زبان ہو۔ میں اس کو سچا سمجھ کر فیصلہ اس کے حق میں کر دیتا ہوں۔ تو غور سے سنو! کہ اس طرح جس کو میں نے کسی دوسرے کا حق دلا دیا تو یاد رکھو یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے اب چاہے تو اس کو لے لے اور چاہے چھوڑ دے۔"

"وعند أبي داود (۲/۱۴۷): إني إنما أقضي بينكم برأيي فيما لم ينزل علي فيه"

ترجمہ: ابو داؤد (۲/۱۴۷) میں یہ الفاظ زائد ہیں: "جب کسی معاملہ میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی تو تمہارے درمیان فیصلہ اپنی رائے سے ہی کرتا ہوں۔"

اور یہ ارشاد نبوی بھی آپ کے علم میں ہوگا:

"إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد فأخطأ فله أجر"

(بخاری صفحہ ۱۰۹۲، جلد ۲۔ مسلم صفحہ ۷۶، جلد ۲)

ترجمہ: جب حاکم نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست فیصلہ کیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ اور اگر اس نے فیصلہ تو اپنے اجتہاد سے کیا مگر اس میں غلطی ہو گئی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔"

نیز متعدد مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "لا ادری" فرمانا اور چند مواقع پر "اخبرنی به جبریل آنفا" فرمانا بھی جناب کو معلوم ہوگا۔ الغرض کسی مسئلہ میں کسی عالم کا "لا ادری" کہنا، یا جواب میں چوک جانا اہل عقل کے نزدیک اس کے علم و فضل کے منافی نہیں، نہ اس کے علم و فہم سے یکسر اعتماد اٹھ جانے کی دلیل ہے۔ اس لئے ابن حزمؒ کا یہ کہنا کہ ایسے لوگوں کی اتباع کیسے کی جائے جن سے ایک آدھ موقع پر خطا کا صدور ہوا محض مغالطہ ہے۔ مجھے آنجناب جیسے کسی عاقل سے توقع نہیں تھی کہ وہ ابن حزمؒ کے اس مغالطہ کو لے اڑے گا اور صحابہ کرامؓ کے خلاف اسے اپنے دلائل کی فہرست میں جگہ دے گا۔

دوسرا نکتہ: یہ امر بھی کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں کہ ایک طالب علم اپنے زمانۂ طالب علمی میں بسا اوقات بہت سے امتحانی پرچوں میں چوک جاتا ہے اور ممتحن اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے، تاآنکہ یہ طالب علم اپنے تعلیمی مراحل طے کر لیتا ہے اور اپنے نصاب کے اعلیٰ ترین امتحانات میں کامیاب ہو جاتا ہے، اور بطور مثال ایران و عراق سے "سند و دستار" حاصل کر لیتا ہے، اور علم و فضل کی بنا پر اسے "آیت اللہ العظمیٰ" کے خطاب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص ان "آیت اللہ" صاحب کی زمانۂ طالب علمی کی غلطیوں کا حوالہ دے کر لوگوں کو یہ باور کراتا پھرے کہ اس شخص کا علم و فہم لائق اعتماد نہیں، دیکھو! اس نے فلاں فلاں موقعوں پر غلطیاں کی تھیں، اور اس کے اساتذہ نے اس کی فلاں فلاں غلطیوں کی نشاندہی کی تھی اور اس پر "قد اخطاء" کا فتویٰ صادر کیا تھا، پس یہ صاحب جو "آیت اللہ" بنے پھرتے ہیں، جب ان کے ماہر اساتذہ ان پر "قد اخطاء" کا فتویٰ صادر کر چکے ہیں تو ان کے علم و فہم کا کیا اعتبار؟ ان کی اتباع و اقتدا کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ اور علمی مسائل میں ان کا قول اور ان کی رائے کس طرح لائق اعتماد قرار دی جا سکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کا یہ پروپیگنڈا ہر عاقل کے نزدیک ایک

احمقانہ طرزِ عمل کہلائے گا، اس لئے کہ اہلِ عقل کے نزدیک زمانۂ طالب علمی کی بھول چوک اور غلطیوں کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اس کے فارغ التحصیل ہونے پر اس کے نامور اساتذہ نے اسے جو سندِ فضیلت عطا فرمائی اور اس کو جو خطابات دیئے ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح جاننا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ مدرسہ نبویؐ کے طالب علم تھے، معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تدریب پر منجانب اللہ مامور فرمایا گیا تھا، زمانۂ طالب علمی میں ان حضرات سے امتحانی پرچوں میں یہ بھول چوک بھی ہوتی رہتی ہوگی، ان کے استاد مقدس و محترم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح و تربیت بھی فرمائی ہوگی، اور ان کی غلطیوں اور لغزشوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہوگی، لیکن یہ سب ان کی طالب علمی کے واقعات ہیں، مگر مدرسہ نبوتؐ کے یہ باکمال طالب علم جب فارغ التحصیل ہوکر نکلے تو "خیر امت" کا تاج ان کے سر پر سجایا گیا۔ "رضی اللہ عنہم" کا تمغہ ان کو عطا کیا گیا، "اخرجت للناس" کی مسندِ ارشاد ان کے لئے آراستہ کی گئی، اور مدرسہ نبوتؐ کے ان باکمال شاگردوں کو پوری انسانیت کے مرشد و مربی اور معلم کے منصب پر فائز کیا گیا۔ یہ حضرات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد رشید اور تمام دنیا کے استاذ اور معلم تھے۔ ان حضرات کو نبوتؐ کے دارالعلوم کی طرف سے جو سندِ فضیلت عطا کی گئی، اس کے ایک دو نمونے پیش کرتا ہوں:

"عن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه قال: كنا جلوسا عند النبي ﷺ فقال: إني لا أدري ما قدر بقائي فيكم، فاقتدوا بالذين من بعدي، وأشار إلى أبي بكر وعمر، واهتدوا بهدي عمار، وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه" (اخرجہ الترمذی، جامع الاصول ... صفحہ ۵۵۷، جلد ۸)

ترجمہ: "حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

مجھے معلوم نہیں کہ اب میں کتنا عرصہ تم لوگوں میں رہوں گا۔ تو میرے بعد تم دو صاحبوں کی اتباع کرنا۔ اور آپ ؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور عمارؓ کی راہ سے ہدایت پاؤ۔ اور جو کچھ عبداللہ بن مسعودؓ (میری طرف سے) بیان کریں اس کی تصدیق کرنا۔"

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «اقتدوا بالذين من بعدي من أصحابي: أبي بكر وعمر، واهتدوا بهدي عمار، وتمسكوا بعهد ابن مسعود»" (رواه الترمذي، مشکوٰۃ ..... صفحہ ۵۷۵)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد میرے اصحاب میں سے دو صاحبوں یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدا کرنا۔ عمارؓ کی راہ سے ہدایت پاؤ اور ابن مسعودؓ کے طریقہ کو تھامے رکھنا۔"

"عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما، ذكر عنده عبد الله بن مسعود فقال: لا أزال أحبه، سمعت رسول الله ﷺ يقول: «خذوا القرآن من أربعة: من عبد الله، وسالم، ومعاذ، وأبي ابن كعب» وفي رواية «استقرءوا القرآن من أربعة: من ابن مسعود، فبدأ به، وسالم مولى أبي حذيفة، ومعاذ، وأبي»

(جامع الأصول ص: ۶۲۸، ج: ۸)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے میں تو ہمیشہ سے ان کو محبوب رکھتا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن کریم کو چار حضرات سے حاصل کرو اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ ہیں۔"

"اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ قرآن پڑھنا چار سے سیکھو۔
ابن مسعودؓ سے، انہی کے نام سے آپؐ نے ابتدا فرمائی، ابو حذیفہ کے غلام
سالمؓ سے اور معاذؓ سے اور ابیؓ سے۔"

اب ان کی اس تکمیل اور سند فضیلت کے بعد اگر کوئی شخص ان کی زمانہ طالب علمی کی بھول چوک کا حوالہ دے کر ان کی اتباع سے قسامیت کو برگشتہ کرنا چاہتا ہے تو اہل عقل کے نزدیک اس کا طرز عمل یا تو اس کی حد سے بڑھی ہوئی عقلیت کا مظہر ہے یا اس کے بغض و عناد کا آئینہ دار۔ بہرحال مدرسہ نبوتؐ کے باکمال فضلاء کے بارے میں اس کی یہ رائے اہل عقل کے نزدیک لائق التفات نہیں۔

حافظ ابن حزمؒ بہت بڑے آدمی ہیں، علم و فضل کی بلند چوٹی پر فائز ہیں، اور یہ ناکارہ ان کے سامنے طفل مکتب اور کودک نادان کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ لیکن حافظ ابن حزمؒ اپنے علم و فضل کے باوصف، جہاں اکابر امت سے الگ راہ اختیار کرتے ہیں وہاں اکثر و بیشتر اپنی بڑھی ہوئی عقلیت و ذہانت کی بنا پر ٹھوکر کھاتے ہیں۔ زیر بحث مسئلہ میں ان کا ٹھوکر کھانا بھی ان کے شذوذ کی نحوست ہے۔ اس لئے ان کے استدلال کا تیر ٹھیک نشانے پر نہیں لگ سکا اور اس ناکارہ نے اپنی نادانی و کم عقلی اور بے علمی و ہیچ میرزی کے باوجود اس مسئلہ میں ابن حزمؒ کی چوک پر جو متنبہ کیا، اس کی مثال وہی ہے جو بزرگوں نے فرمایا ہے:

گہ باشد کہ کودک نادان
بغلط بر ہدف زند تیرے

حضرت ابو بکرؓ کی خطا کا واقعہ

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں اس واقعہ کی وضاحت کر دی جائے جس کے بارے میں ابن حزمؒ نے کہا ہے کہ "ان ابابکر قد اخطأ فی تفسیر فسرہ" یہ واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں درج ذیل الفاظ میں مروی ہے:

"ان رجلا أتی رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول

الله! إني أرى الليلة في المنام ظلة تنطف السمن والعسل فأرى الناس يتكففون منها بأيديهم فالمستكثر والمستقل وأرى سببا واصلا من السماء إلى الأرض فأراك أخذت به فعلوت ثم أخذ به رجل من بعدك فعلا ثم أخذ به رجل آخر فعلا ثم أخذ به رجل فانقطع به ثم وصل له فعلا قال أبو بكر يا رسول الله! بأبي وأمي أنت والله لتدعني فلأعبرنها قال رسول الله ﷺ: اعبرها قال أبو بكر أما الظلة فظلة الإسلام وأما الذي ينطف من السمن والعسل فالقرآن حلاوته ولينه وأما ما يتكفف الناس من ذلك فالمستكثر من القرآن والمستقل وأما السبب الواصل من السماء إلى الأرض فالحق الذي أنت عليه تأخذ به فيعليك الله به ثم يأخذ به رجل من بعدك فيعلو به ثم يأخذ به رجل آخر فيعلو به ثم يأخذ به رجل آخر فينقطع به ثم يوصل له فيعلو به فأخبرني يا رسول الله بأبي أنت وأمي! أصبت أم أخطأت قال رسول الله ﷺ أصبت بعضا وأخطأت بعضا قال فوالله يارسول الله لتحدثني ما الذي أخطأت قال لا تقسم"

(صحیح بخاری ... صفحہ ۱۰۴۳، جلد ۲۔ صحیح مسلم ... صفحہ ۲۴۳، جلد ۲)

ترجمہ: "(حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک سائبان ہے جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور لوگ اپنے ہاتھوں سے اس کو لے رہے ہیں، کوئی کم اور کوئی زیادہ۔ اور

میں نے ایک رسی آسمان سے زمین تک لٹی ہوئی دیکھی اور میں نے آپ کو دیکھا کہ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے۔ پھر آپ کے بعد ایک اور شخص اس کو پکڑ کر چڑھا۔ پھر اس کے بعد ایک اور شخص اس کو پکڑ کر چڑھا۔ پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی، اور پھر جڑ گئی اور وہ بھی چڑھ گیا۔

ابو بکرؓ نے یہ سن کر عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس خواب کی تعبیر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا بیان کرو۔ انہوں نے کہا، وہ سائبان تو اسلام ہے اور اس میں سے جو گھی اور شہد ٹپکتا ہے وہ قرآن اور اس کی حلاوت ہے۔ اور اس کے اٹھانے والے قرآن کے کم زیادہ حاصل کرنے والے ہیں۔ اور جو رسی آسمان سے زمین تک لٹی ہوئی ہے وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، اسی کو تھامے رکھنے سے اللہ تعالیٰ آپ کو اوپر چڑھائے گا۔ اور پھر آپ کے بعد ایک شخص اس کو پکڑے گا اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا، پھر ایک اور شخص اس کو پکڑے گا وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا۔ پھر ایک اور شخص اس کو پکڑے گا تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی، مگر پھر جڑ جائے گی اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا۔

یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، فرمائیے کہ میں نے ٹھیک تعبیر دی یا غلط؟ آپ نے فرمایا کچھ ٹھیک دی، کچھ غلط۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے عرض کیا، یا رسول اللہ، آپ کو خدا کی قسم ہے جو میں نے غلط کہا ہے وہ مجھے بتا دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم نہ دو۔"

اس واقعہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا خطا ہوئی تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تصریح نہیں فرمائی۔ اور شارحین حدیث نے اس سلسلہ میں متعدد احتمالات لکھے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس خواب میں خلفائے راشدینؓ کی خلافت حقہ کی طرف جو اشارہ تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعیین نہیں فرمائی۔ یہ تھی وہ خطا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"قولہ اخطأت بعضاً علماء در وجہ خطا سخنہا گفتہ اند، تحقیق آنچہ بخاطر این فقیر مقرر شدہ آنست کہ مراد از خطا ترک تسمیہ این خلفاء است یعنی از استعارہ بلفظ خطا تعبیر کردہ شدہ است۔
(ازالۃ الخفا صفحہ ۲۸۰، جلد ۱)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اخطأت بعضاً" کی علماء نے کئی ایک وجوہ بیان کی ہیں۔ مگر اس فقیر کے نزدیک صرف یہی خطا اس میں ہوئی کہ خلفاء کے نام ذکر نہیں کئے اس کو بطور استعارہ خطا سے تعبیر فرما دیا۔"

اول تو یہ واقعہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ایک خواب کی تعبیر سے متعلق تھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسمائے خلفاء کو ذکر نہ کرنا آداب مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود حافظ ابن حزمؒ کی نازک مزاجی کی داد دیجئے کہ وہ اس واقعہ سے یہ استدلال فرما رہے ہیں کہ کسی صحابی کی تقلید روا نہیں۔ ذرا انصاف کیجئے کہ اگر کسی عالم سے کسی خواب کی تعبیر میں کچھ بھول چوک ہو جائے تو کیا اہل عقل کے نزدیک یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ عالم شریعت کے کسی مسئلہ میں بھی لائق اعتماد نہیں رہا؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

حضرت عمرؓ کی تاویل کا واقعہ

حافظ ابن حزمؒ نے (وکذب عمر فی تاویل تأولہ فی الہجرۃ) کے معیوب الفاظ سے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی حقیقت بھی سن لیجئے:

یہ واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مہاجرین حبشہ حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء کی حبشہ سے واپسی فتح خیبر کے موقع پر ہوئی تھی، انہی مہاجرین میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ایک دن حضرت اسماءؓ ام المومنین حضرت حفصہؓ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی) سے ملنے ان کے گھر آئی ہوئی تھیں، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی صاحبزادی کے گھر آئے، پوچھا! یہ کون خاتون ہیں؟ بتایا گیا کہ اسماء بنت عمیسؓ ہیں، حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے ان سے مزاحاً فرمایا:

"سبقناکم بالہجرۃ فنحن احق برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکم"

ترجمہ: "ہم ہجرت میں تم پر سبقت لے گئے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق تم لوگوں سے زیادہ ہے۔"

اس پر حضرت اسماءؓ بگڑ گئیں اور کہا کہ ہرگز نہیں! تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپؐ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، جاہلوں کو تعلیم فرماتے تھے اور ہم دور دراز کی پرائی سرزمین میں تھے، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے تھا۔ اور بخدا! میں کھانا نہیں کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی یہاں تک کہ تمہاری اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ نہ کرلوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ سے حضرت عمرؓ کی بات ذکر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لیس باحق بی منکم ولہ ولاصحابہ ہجرۃ واحدۃ ولکم انتم اہل السفینۃ ہجرتان۔"

(بخاری صفحہ ۶۰۷، جلد ۲۔ مسلم صفحہ ۳۰۴، جلد ۲)

ترجمہ: "ان کا تعلق مجھ سے تم لوگوں کی نسبت زیادہ نہیں، کیونکہ ان لوگوں کو ایک ہجرت نصیب ہوئی اور اے اہل سفینہ تم لوگوں کو دو ہجرتیں نصیب ہوئیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ ہمیں ہجرت میں سبقت نصیب ہوئی اس لئے ہمارا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے، از راہِ مزاح تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب اس خاتون نے شکایت فرمائی تو ان کی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ عمرؓ غلط کہتے ہیں، کیونکہ جن حضرات نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ان کو ایک ہجرت کا ثواب ملا، لیکن تم لوگوں کو دوہری ہجرت کا ثواب ملا کہ تم لوگوں نے ایک بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور دوسری بار وہاں سے مدینہ کی طرف۔ اس لحاظ سے تمہیں ان پر

فضیلت حاصل ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"ظاہرہ تفضیلھم علیٰ غیرھم من المھاجرین، لکن لا یلزم منہ تفضیلھم علی الاطلاق بل من الحیثیۃ المذکورۃ۔"

(فتح الباری..... صفحہ ۴۸۶، جلد ۷)

ترجمہ: "بظاہر اس سے ان کی فضیلت باقی مہاجرین پر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس سے ان کی فضیلت ہر لحاظ سے لازم نہیں آتی بلکہ صرف مذکورہ حیثیت سے یہ فضیلت ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت کا زیادہ موقع ملا، اس لئے ہمارا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین حبشہ کی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ تمہیں دوہری ہجرت کا ثواب ملا۔ اس لئے تمہارا تعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم نہیں۔

لیجئے اتنی سی بات تھی جس کو بتنگڑ بنا کر پیش کیا گیا۔ اور اس سے یہ "کلیہ" اخذ کر لیا گیا کہ کسی مسئلہ میں کسی صحابی کے قول کو ترک کیا جائے۔ اس عقل و دانش کی داد کون نہیں دے گا؟

ابو السنابلؓ کا واقعہ:

حافظ ابن حزمؒ نے ابو السنابل رضی اللہ عنہ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سبیعہؓ بنت حارث سعد بن خولہؓ کے نکاح میں تھیں۔ حجۃ الوداع میں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ یہ حاملہ تھیں۔ شوہر کی وفات کے چند دن بعد ان کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ چونکہ وضع حمل سے ان کی عدت پوری ہو گئی تھی اس لئے انہوں نے عقد کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو السنابل بن بعککؓ نے ان سے کہا کہ شاید تم نکاح کا ارادہ کر رہی ہو؟ جب تک چار مہینے دس دن نہیں گزر جاتے تم عقد نہیں کر سکتیں! سبیعہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ

نے فرمایا کہ وضع حمل سے تمہاری عدت پوری ہو چکی ہے، تم چاہو تو عقد کر سکتی ہو۔
(صحیح بخاری ...... صفحہ ۸۰۲، جلد ۲۔ صحیح مسلم .... صفحہ ۴۸۶، جلد ۱)

سورۂ بقرہ آیت ۲۳۴ میں متوفی عنہا الزوج کی عدت چار مہینے دس دن بیان کی گئی ہے۔ اور سورۃ الطلاق آیت ۴ میں حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ذکر کی گئی ہے۔ موخر الذکر آیت میں چونکہ مطلقہ عورتوں کا ذکر چل رہا تھا، جب کہ اول الذکر آیت متوفی عنہا الزوج کے بارے میں ہے، اس لئے حضرت ابو السنابل ؓ کے فتویٰ کی بنیاد یہ تھی کہ انہوں نے اول الذکر آیت کو حاملہ اور غیر حاملہ کے لئے عام رکھا اور مؤخر الذکر آیت کو مطلقہ عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ سے معلوم ہوا کہ سورۃ الطلاق کی آیت ۴ (واولات الاحمال اجلہن ان یضعن حملہن) تمام حاملہ عورتوں کو عام ہے۔ خواہ مطلقہ ہوں یا متوفی عنہا الزوج ہوں، اور سورۂ بقرہ کی محولہ بالا آیت غیر حاملہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابو السنابل ؓ نے جو فتویٰ دیا تھا اس کی قوی بنیاد موجود تھی اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سبیعہ ؓ کے قصہ میں چار مہینے دس دن سے قبل حاملہ متوفی عنہا الزوج کی عدت کے پورا ہو جانے کی تصریح نہ ہوتی تو شاید اکثر اہل علم وہی فتویٰ دینے پر مجبور ہوتے جو ابو السنابل ؓ نے دیا تھا۔

الغرض ابو السنابل ؓ کے قصہ میں زیادہ سے زیادہ اجتہادی خطا ہوئی، جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمادی۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں، مجتہد اگر اجتہاد میں خطا کرے تو اس کو بھی ایک اجر ملتا ہے، اس لئے اس واقعہ سے یہ استدلال کرنا کہ صحابی ؓ کی تقلید صحیح نہیں، یہ بات حافظ ابن حزم ؒ کی عقل ہی میں آ سکتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

یہاں آنجناب کی توجہ ایک اور نکتہ کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ جس حاملہ عورت کا شوہر انتقال کر جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو السنابل ؓ کے فتویٰ کے خلاف اس کے بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتویٰ کے بعد جمہور علماء

سلف اور ائمہ فتویٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فتویٰ کے مطابق فتویٰ دیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ وہی رہا جو ابوالسنابل نے دیا تھا۔ اور جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"وقد قال جمہور العلماء من السلف وأئمة الفتوى في الأمصار: إن الحامل إذا مات عنها زوجها تحل بوضع الحمل وتنقضي عدة الوفاة، وخالف في ذلك علي فقال: تعتد آخر الأجلين، ومعناه أنها أن وضعت قبل مضي أربعة أشهر وعشر تربصت إلى انقضائها ولا تحل بمجرد الوضع، وإن انقضت المدة قبل الوضع تربصت إلى الوضع. أخرجه سعيد بن منصور وعبد بن حميد عن علي بسند صحيح، وبه قال ابن عباس كما في هذه القصة، ويقال إنه رجع عنه، ويقويه أن المنقول عن اتباعه وفاق الجماعة في ذلك" (فتح الباری ... صفحہ ۴۷۴، جلد ۹)

ترجمہ: "جمہور علمائے سلف اور ائمہ فتویٰ کا قول یہ ہے کہ حاملہ عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو وضع حمل کے ساتھ ہی وہ آزاد ہوجائے گی۔ اور اسی کے ساتھ اس کی عدت پوری ہوجائے گی۔ حضرت علیؓ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ایسی عورت دونوں مدتوں میں سے بعد والی مدت تک عدت گزارے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہوگیا تو وہ چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی۔ صرف وضع حمل سے وہ آزاد نہ ہوگی۔ اور اگر مدت مذکورہ وضع حمل سے پہلے پوری ہوگئی تو وضع حمل تک انتظار کرے گی۔

حضرت علیؓ سے یہ فتویٰ سعید بن منصور اور عبد بن حمید نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں مذکور ہے۔ ابن عباسؓ کا قول

بھی یہی تھا۔ پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور ان سے اجماع
امت کے اجماع کا منقول ہونا اس (رجوع) پر قوی دلیل ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو فتویٰ نقل کیا ہے شیعہ مذہب کی معتمد کتابوں میں اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔ چنانچہ "فروع کافی" میں اس سلسلہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں۔ یہاں دو روایتیں نقل کرتا ہوں:

۴۔ محمد بن یحیی، عن أحمد بن محمد، عن علي بن الحكم، عن موسى بن بكر، عن زرارة، عن أبي جعفر عليه السلام قال: عدّة المتوفّى عنها زوجها آخر الأجلين لأنّ عليها أن تحدّ أربعة أشهر وعشراً وليس عليها في الطلاق أن تحدّ.

۵۔ عليّ بن إبراهيم، عن أبيه، وعدّة من أصحابنا، عن سهل بن زياد، عن ابن أبي نجران، عن عاصم بن حميد، عن محمد بن قيس، عن أبي جعفر عليه السلام قال: قضى أمير المؤمنين عليه السلام في امرأة توفّي عنها زوجها وهي حبلى فولدت قبل أن تنقضي أربعة أشهر وعشر فتزوّجت فقضى أن يخلّي عنها ثمّ لا يخطبها حتّى ينقضي آخر الأجلين فإن شاء أولياء المرأة أنكحوها وإن شاؤوا أمسكوها فإن أمسكوها ردّوا عليه ماله.

(الفروع من الکافی صفحہ ۱۱۳، جلد ۶۔ مطبوعہ تہران)

۴۔ ترجمہ: ...... "زرارہ نے ابو جعفرؒ سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت دونوں مدتوں میں سے آخر میں پوری ہونے والی ہوگی۔ کیونکہ وہ چار ماہ دس دن تو (بہرحال) سوگ منائے گی۔ جبکہ طلاق کی صورت میں اس سوگ کا سوال ہی نہیں۔"

۵۔ ترجمہ: ... "محمد بن قیس ابو جعفرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسی عورت کا مقدمہ آیا جس کا شوہر وفات پا چکا تھا اور وہ حاملہ تھی۔ اس کے ہاں چار ماہ دس دن گزرنے سے قبل ہی ولادت ہو گئی تو اس نے (کسی سے) نکاح کر لیا۔ تو آپؓ نے حکم فرمایا کہ شوہر اس کو اپنے سے علیحدہ کر دے اور آخری مدت پوری ہونے تک اس کو پیغام نکاح نہ بھیجے اس کے بعد اگر عورت کے اولیاء چاہیں تو اس کا نکاح کر دیں اور روکنا (منع کرنا) چاہیں تو روک دیں۔ البتہ روکنے (منع کرنے) کی صورت میں اس مرد سے (مہر وغیرہ میں) لیا ہوا

مل واپس لوٹا دیں۔"

ان روایات کی روشنی میں "تہذیب الاحکام" اور "من لا یحضرہ الفقیہ" میں بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے:

وإذا كانت المتوفى عنها زوجها حاملاً فعدتها أبعد الأجلين ، إن انقضت أربعة أشهر وعشراً ولم تضع حملها فعدتها أن تضع حملها ، وإن وضعت حملها قبل انقضاء الأربعة أشهر وعشراً كان عليها العدة أربعة أشهر وعشراً

(تہذیب الاحکام ۔۔ صفحہ ۱۵۰، جلد ۸)

ترجمہ: "اور اگر متوفی عنہا زوجہا حاملہ ہو تو اس کی عدت دونوں میں سے بعد والی مدت شمار ہوگی۔ یعنی اگر اس نے چار ماہ دس دن پورے کر لئے مگر وضع حمل نہ ہوا تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اور اگر چار ماہ دس دن گزرنے سے قبل ہی ولادت ہوگئی تو بھی اس کو چار ماہ دس دن تک عدت میں ہی رہنا ہوگا۔"

۹ — روی زرارة عن أبي جعفر عليه السلام قال : ....

والحبلى المتوفى عنها زوجها تعتد بأبعد الأجلين ، إن وضعت قبل أن تمضي أربعة أشهر وعشرة أيام لم تنقض عدتها حتى تمضي أربعة أشهر وعشرة أيام ، وإن مضت لها أربعة أشهر وعشرة أيام قبل أن تضع لم تنقض عدتها حتى تضع .

(من لا یحضرہ الفقیہ .... صفحہ ۳۲۹، جلد ۳)

ترجمہ: "حاملہ جس کا شوہر فوت ہوگیا وہ دونوں میں سے بعد والی مدت تک عدت میں رہے گی۔ اگر اس کے ہاں چار ماہ دس دن سے قبل ہی ولادت ہوگئی تو اس سے اس کی عدت پوری نہیں ہوگی، بلکہ وہ چار ماہ دس دن عدت میں رہے گی۔ اور اگر وضع حمل سے پہلے ہی چار ماہ دس دن پورے ہوگئے تو بھی اس کی عدت اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک کہ وضع حمل نہ ہو جائے۔"

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ابو السنابل؟ اس لئے لائق اعتماد نہیں رہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے ایک فتویٰ دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی

اصلاح فرمادی تھی تو آنجناب کے نزدیک وہ بزرگ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کیسے لائق احتکار ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ صادر ہو جانے کے بعد اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں؟ یہ کیسا اندھیر ہے کہ اگر ایک صحابیؓ کے استثاری فتویٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح فرمادیں تو وہ صحابیؓ آنجناب کے نزدیک قابل احتکار ٹھہرتے ہیں، اور دوسرے صحابیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح فتویٰ کے خلاف فتویٰ صادر فرماتے ہیں وہ آپ کے نزدیک معصوم عن الخطا قرار پاتے ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

خیر یہ تو ایک سخن معترضانہ بات تھی، کہنا یہ ہے کہ جمہور ائمہ فتویٰ کے خلاف ابن حزمؒ کا موقف غلط اور ان کا استدلال بے جان ہے۔

دوسری بحث: صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں، اس کے نقلی دلائل

آنجناب نے تحریر فرمایا تھا کہ عقلی و نقلی دلائل اتباع صحابہؓ کے ثبوت کا ساتھ نہیں دیتے۔ نقلی دلائل کی فہرست میں قرآن کریم، احادیث نبویہؐ اور اکابر امت کے ارشادات آتے ہیں۔ آیئے قرآن و سنت اور ارشادات اکابر کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لیں۔

اتباع صحابہؓ قرآن کریم کی نظر میں

سب سے پہلے قرآن مجید کو لیجئے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات سے تصریحاً و تلویحاً صحابہ کرامؓ کا دوسرے لوگوں کے لئے واجب الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک آیت میں "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں نقل کر چکا ہوں۔ جس میں صحابہ کرامؓ کے راستہ کو "سبیل المومنین" فرما کر اس سے انحراف کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ چار آیتیں اوپر ذکر کر چکا ہوں جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہؓ صراط مستقیم پر تھے اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ جو شخص "صراط مستقیم" پر چلنے کا خواہشمند ہو اسے صحابہ کرامؓ کی پیروی کرنی ہوگی۔ اور ان کے راستہ پر چلنا ہوگا۔ یہاں مزید چند آیات نقل کرتا ہوں جن میں صحابہ کرامؓ کی اتباع کا صراحتاً یا اشارۃً حکم فرمایا گیا ہے۔

پہلی آیت:

قوله تعالى: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ١٣)

"وأسند ابن جرير (١-١٢٨) عن ابن عباس وابن مسعود وناس من أصحاب النبي ﷺ والربيع بن أنس

وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم: في قوله: ﴿قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ﴾ يعنون أصحاب محمد ﷺ ويقول الحافظ ابن كثير في تفسيره (١-٥٠): ﴿قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ﴾ يعنون -لعنهم الله- أصحاب رسول الله ﷺ -رضي الله عنهم- قاله أبو العالية والسدي في تفسيره عن ابن عباس وابن مسعود وغير واحد من الصحابة، وبه يقول ابن أنس وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم وغيرهم. وأخرج ابن عساكر في تاريخه بسند رواه عن ابن عباس في قوله: ﴿آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ﴾ قال أبو بكر وعمر وعثمان وعلي كما في الدر (١-٣٠).

(سورۃ البقرہ ۱۳)

ترجمہ: "اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف۔ جان لو وہی ہیں بیوقوف لیکن جانتے نہیں۔" (ترجمہ شیخ الہند)

"ابن جریر طبری (۱/۱۲۸) نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحابؓ (کے علاوہ) ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے فرمان باری تعالیٰ " انؤمن کما آمن السفهاء " کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ " وہ اس سے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیتے تھے۔ " اور حافظ ابن کثیر (۱/۵۰) کہتے ہیں کہ " انؤمن کما آمن السفهاء " سے ان ملعونوں کی مراد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ابو العالیہ اور سدی نے بھی ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور بہت سے صحابہؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے اور یہی قول ابن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ حضرات کا ہے۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابن عباسؓ سے ایک کمزور سند کے ساتھ ان کا یہ قول درج کیا ہے کہ:

" امنوا کما آمن الناس " یعنی جیسے ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم ایمان لائے) ۔"

اس آیت شریفہ میں منافقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جیسا ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور اس کے جواب میں منافقین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ کیا ہم ان بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ منافق خود ہی احمق اور بیوقوف ہیں، مگر ان کو علم ہی نہیں کہ عقل و خرد کسے کہتے ہیں اور حماقت و بیوقوفی کیا چیز ہے؟ اس آیت شریفہ سے چند امور مستفاد ہوئے:

اول: صحابہ کرامؓ کا ایمان کامل اور معیاری تھا، جس کے مطابق ایمان لانے کی منافقین کو دعوت دی گئی، اگر ان کا ایمان ناقص یا مشتبہ ہوتا تو منافقین کو یہ دعوت ہرگز نہ دی جاتی کہ وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم کے جیسا ایمان لائیں۔

دوم: ایمان اور ایمانیات میں صحابہ کرامؓ کی اتباع واجب ہے اور وہ تمام لوگ جو ایمان کے مدعی ہیں ان کا فرض ہے کہ اپنے ایمان کا صحابہ کرامؓ کے ایمان کی کسوٹی پر امتحان کریں۔

سوم: صحابہ کرامؓ کے حق میں گستاخیاں کرنا، ان کو احمق و بے عقل کہنا اور ان کے بارے میں ناشائستہ زبان استعمال کرنا منافقوں کا وتیرہ ہے۔

چہارم: جو شخص صحابہ کرامؓ کے حق میں زبان درازی کرے حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے اس کو اسی طرح کا جواب دیا جاتا ہے۔ جو شخص ان کو احمق کہے، وہ عنداللہ خود احمق ہے۔ اور جو شخص ان کو بے ایمان یا منافق کہے وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں خود بے ایمان اور منافق ہے۔

پنجم: جو لوگ صحابہ کرامؓ پر طعن کرتے ہیں، ان کی یاوہ گوئی ان کی بے علمی، حقیقت ناشناسی اور جہل مرکب کا نتیجہ ہے۔

دوسری آیت:

﴿قُولُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

(البقرہ ... ۱۳۶ تا ۱۳۷)

ترجمہ: "تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیمؑ پر اور اسماعیلؑ پر اور اسحٰقؑ پر اور یعقوبؑ پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں۔

سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے تو ہدایت پائی انہوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر، سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

پہلی آیت میں صحابہ کرامؓ کو ایمانیات کے ایک حصہ کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اہل کتاب اگر تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت کو پالیں گے، ورنہ وہ شقاق و نفاق میں مبتلا رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے شر سے آپ کی کفایت فرمائیں گے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایمانیات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان معیاری ہے اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت کو ان کے جیسا ایمان لانے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ لہٰذا ایمان اور ایمانیات میں بھی صحابہ کرامؓ کی اتباع شرط ہدایت ہے۔

تیسری آیت: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾

(سورۃ توبہ .... ۱۰۰، ۱۰۱۔ ترجمہ شیخ الہندؒ)

ترجمہ: "اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں اور بعضے لوگ مدینہ والے، اڑ رہے ہیں نفاق پر۔ تو ان کو نہیں جانتا ہم کو وہ معلوم ہیں۔ ان کو ہم عذاب دیں گے دوبار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔"

اس آیت شریفہ میں چند ارشادات ہیں:

اول: حضرات مہاجرین و انصار میں سے جو السابقون الاولون ہیں ان سے غیر مشروط طور پر چار وعدے فرمائے گئے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ کے لئے راضی ہوا۔

۲۔ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

۳۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔

۴۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آخر میں فرمایا گیا کہ ان چار وعدوں کا حصول وہ عظیم الشان کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصور ناممکن ہے۔

دوم: مہاجرین و انصار کے علاوہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں سے بھی یہی چار وعدے ہیں، مگر اس شرط پر کہ یہ لوگ حسن و خوبی اور اخلاص کے ساتھ مہاجرین و

انصار کی پیروی کریں۔ اس سے واضح ہوا کہ بعد کی پوری امت پر مہاجرین و انصار کی اتباع بالاحسان لازم ہے اور یہ ان کی قبولیت عند اللہ کے لئے شرط اعظم ہے۔

سوم: دوسری آیت میں مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ تمہارے گردوپیش کے دیہاتوں میں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے نفاق میں پختہ کار ہیں۔ حضرات مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے منافقین کی اطلاع دینا اس امر کی دلیل ہے کہ السابقون الاولون مہاجرین و انصار میں سے کوئی شخص منافق نہیں تھا۔

الغرض اس آیت شریفہ میں آنے والی تمام امت پر مہاجرین و انصار کی پیروی لازم کی گئی ہے جس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں۔

چوتھی آیت:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾

(آل عمران ... ۱۱۰۔ ترجمہ شیخ الہندؒ)

ترجمہ: "تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں۔ حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔"

اس آیت شریفہ میں خطاب اولاً و بالذات ان صحابہ کرامؓ سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور ان کی چار صفات ذکر فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ ان کا سب سے بہتر جماعت ہونا۔

۲۔ تمام انسانیت کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کے لئے ان کا بروئے کار لایا جانا۔

۳۔ ان کا "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" ہونا۔

۴۔ اور ان کا قطعی و یقینی مومن ہونا۔

چونکہ آیت شریفہ میں صحابہ کرامؓ کو "خیر امت" کا تاج پہنا کر انہیں پوری

انسانیت کا مرشد و مربی قرار دیا گیا ہے اس لئے ان کے بعد کے تمام لوگوں پر ان کے ارشاد کی تعمیل واجب ہوگی۔

نیز ان حضرات کو آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر فرمایا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان حضرات نے جس چیز کا حکم دیا وہ عنداللہ معروف ہے، اس لئے اس کی تعمیل واجب ہے۔ اور جس چیز سے ان حضرات نے منع فرمایا وہ عنداللہ منکر ہے، اس لئے اس سے اجتناب واجب ہے۔

سردست انہی چار آیات پر اکتفا کرتا ہوں جن میں صحابہ کرامؓ کی اقتدا و اتباع پوری امت کے لئے واجب کی گئی ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بعد کی امت کا کوئی عقیدہ و عمل صحابہ کرامؓ کی اتباع کے بغیر لائق اعتبار نہیں۔

اتباع صحابہؓ احادیث نبویہ کی روشنی میں

احادیث شریفہ میں بھی صراحتاً و اشارۃً حضرات صحابہ کرامؓ کے ارشادات سے تمسک کا حکم فرمایا گیا ہے۔ یہاں چار احادیث ذکر کرتا ہوں:

پہلی حدیث:

"عن علی قال قلت یارسول الله إن نزل بنا أمر لیس فیه بیان أمر ولا نهی فما تأمرنی قال شاوروا فیه الفقهاء والعابدین ولا تمضوا فیه رأی خاصة، (رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله موثقون من أهل الصحیح)

(مجمع الزوائد صفحہ ۱۷۸، جلد ۱)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر (آپ کے بعد) ہمیں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جائے کہ اس میں امر و نہی کا کوئی بیان پہلے سے موجود نہ ہو تو آپ کا ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت فقہاء و عابدین سے مشورہ کرو اور کسی ایک خاص شخص کی رائے پر عمل پیرا مت ہونا۔"

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت ہے۔ چنانچہ حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے اس حدیث کو "باب الاجماع" کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اجماع صرف فقہاء وعابدین کا معتبر ہے۔ غیر فقہاء اور اہل اہواء کے اقوال لائق التفات نہیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی فقہاء وعابدین کے مشورہ کے محتاج تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطور خاص اس کی وصیت فرمائی تھی۔

دوسری حدیث:

"وعن ابی بردة عن أبيه قال رفع يعني النبي ﷺ رأسه إلى السماء وكان كثيرا مما يرفع رأسه إلى السماء فقال النجوم أمنة للسماء فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد وأنا أمنة لأصحابي فإذا ذهبت أنا أتى أصحابي ما يوعدون وأصحابي أمنة لأمتي فإذا ذهبت أصحابي أتى أمتي ما يوعدون" رواه مسلم

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۲)

ترجمہ: "حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا جیسا کہ اکثر آپ (انتظار وحی میں) اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ ستارے آسمان کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہیں، جس وقت یہ ستارے چلے جائیں گے تو آسمان کے لئے وہ چیز آجائے گی، جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور میں اپنے صحابہؓ کیلئے امن و سلامتی ہوں جب میں اٹھ جاؤں گا تو صحابہ اس چیز میں مبتلا ہوجائیں گے جو موعود و مقدر ہے۔ اور میرے صحابہؓ میری امت کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہیں۔ جب یہ دنیا سے اٹھ جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز آجائے گی جو موعود و مقدر ہے۔"

"قال في جامع الأصول (٥٥٥/٨) أي

أصحابي ما يوعدون) إشارة إلى وقوع الفتن، ومجئ الشر عند ذهاب أهل الخير، فإنه لما كان ﷺ بين أظهرهم كان يبين لهم ما يختلفون فيه، فلما فقد جالت الآراء واختلفت فكان الصحابة يسندون الأمر إلى رسول الله ﷺ في قول أو فعل أو دلالة حال، فلما فقد الصحابة قل النور وقويت الظلمة".

"صاحب جامع الاصول (۸/ ۵۵۵) لکھتے ہیں کہ " اتی اصحابی ما یوعدون" میں فتنوں کے ظہور اور اہل خیر کے اٹھ جانے کے باعث شر پھیلنے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے درمیان موجود تھے تو ان کے باہمی کسی اختلاف کی صورت میں آپؐ ان کو صحیح راہ بتلاتے رہے۔ مگر آپ کے وصال کے بعد مختلف آراء سامنے آئیں اور اختلافات رونما ہوا۔ البتہ صحابہ کرامؓ کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا دلالت حال (تقریر) سے رہنمائی حاصل کرتے رہتے۔ اور جب صحابہؓ اٹھ گئے تو نور (علم) معدوم ہو گیا اور ظلمت قوی تر ہو گئی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت اہواء و بدعات سے پاک تھی، اس لئے امت کو عقائد و اعمال میں ان حضرات کے نقش قدم کی پیروی لازم ہے۔

تیسری حدیث : "وعن عمران بن حصين رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم- قال عمران: فلا أدري أذكر بعد قرنه قرنين أو ثلاثة- ثم إن بعدهم قوم يشهدون ولا يستشهدون، ويخونون ولا يؤتمنون، وينذرون ولا يوفون، ويظهر فيهم السمن".

(بخاری صفحہ ۵۱۵، جلد ا۔ مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)

ترجمہ: "حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر لوگ میرے دور کے ہیں، پھر جو ان سے متصل ہوں گے، پھر وہ جو ان سے متصل ہوں گے۔ حضرت عمران کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ نے اپنے دور کے بعد دو ادوار کا ذکر فرمایا یا تین کا پھر اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے کہ وہ (خواہ مخواہ) قسمیں کھائیں گے حالانکہ ان سے قسم طلب نہ کی جائے گی۔ خائن ہوں گے امانت دار نہ ہوں گے، نذر مانیں گے مگر پوری نہ کریں گے۔ ان پر موٹاپا چڑھا ہو گا۔"

یہ حدیث متواتر ہے اور متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ ان میں سے چند اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ عبداللہ بن مسعود (بخاری صفحہ ۵۱۵، جلد ۱۔ مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
۲۔ عمر بن خطاب (ترمذی صفحہ ۵۳، جلد ۱۔ عبدالرزاق صفحہ ۳۴۱، جلد ۱۱؛ مسند حمیدی صفحہ ۱۹، جلد ۱۔ مجمع الزوائد صفحہ ۱۹)
۳۔ ابو ہریرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (صحیح مسلم ۔ صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
۴۔ عائشہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (صحیح مسلم ۔۔۔۔ صفحہ ۳۱۰، جلد ۲)
۵۔ بریدہ اسلمی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (مجمع الزوائد ۔۔۔ صفحہ ۱۹، جلد ۱۰)
۶۔ نعمان بن بشیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (" " ")
۷۔ انس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (" " ")
۸۔ سمرہ بن جندب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (" " ")
۹۔ ابو برزہ اسلمی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (مجمع الزوائد ۔۔۔۔۔ صفحہ ۲۰، جلد ۱۰)
۱۰۔ جعدہ بن ہبیرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (" " ")
۱۱۔ جمیلہ بنت ابی جہل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (" " ")

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الترتیب تین زمانوں کو خیر القرون فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا بہترین حصہ

حضرات صحابہ کرامؓ تھے۔ یہ حدیث گویا قرآن کریم کی آیت "کنتم خیر امۃ" کی تفسیر ہے۔ چونکہ صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سب سے افضل حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تھے اس لئے اس آیت و حدیث کی روشنی میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر، ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ صحابہ کرامؓ کے دور کو خیر القرون قرار دینے سے مدعا یہ ہے کہ بعد کی امت کے لئے وہ مثالی نمونہ ہیں۔ لہٰذا جو شخص صحابہ کرامؓ کی جس قدر پیروی کرے گا وہ اسی قدر موصوف بالخیر ہوگا۔

چوتھی حدیث:

"وعن معاذ بن جبل أنّ رسول الله ﷺ لما بعثه إلى اليمن قال: كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟ قال: أقضي بكتاب الله، قال فإن لم تجد في كتاب الله؟ قال: فبسنة رسول الله ﷺ، قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله؟ قال: أجتهد رأيي ولا آلو، قال فضرب رسول الله ﷺ على صدره، وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله. (رواه الترمذي وأبوداؤد والدارمي) (مشکوٰۃ۔ صفحہ ۳۲۴)

ترجمہ: "حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن (کا والی بنا کر) بھیجا تو پوچھا کہ جب تجھے کسی معاملہ کا فیصلہ کرنا پڑے تو کس طرح کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا، کتاب اللہ سے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اگر اس کا حل کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ (تو کیا کرو گے) عرض کیا، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپ نے فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ؟ (تو کیا کرو گے) عرض

کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر تھپکی دی اور فرمایا، اس اللہ ہی کے لئے حمد ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس نے رسول اللہ کو خوش کر دیا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ کے اجتہادی فیصلے بھی حجت شرعیہ ہیں اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر رضامندی ثبت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

وَسَيَهْلِكُ فِيَّ صِنْفَانِ : مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يَذْهَبُ بِهِ الْحُبُّ إِلَى غَيْرِ الْحَقِّ ، وَمُبْغِضٌ مُفْرِطٌ يَذْهَبُ بِهِ الْبُغْضُ إِلَى غَيْرِ الْحَقِّ ، وَخَيْرُ النَّاسِ فِيَّ حَالاً النَّمَطُ الْأَوْسَطُ فَالْزَمُوهُ ، وَالْزَمُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّ يَدَ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ . وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ !

فَإِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشَّيْطَانِ . كَمَا أَنَّ الشَّاذَّ مِنَ الْغَنَمِ لِلذِّئْبِ .

أَلَا مَنْ دَعَا إِلَى هَذَا الشِّعَارِ فَاقْتُلُوهُ ، وَلَوْ كَانَ تَحْتَ عِمَامَتِي هَذِهِ .

(نہج البلاغہ صفحہ ۱۸۴، خطبہ نمبر ۱۲۷)

ترجمہ... "مجھ سے متعلق دو گروہ ہلاکت میں مبتلا ہوں گے۔ ایک میری محبت میں حد سے بڑھ جانے والا گروہ کہ میری محبت ان کو گمراہی میں پہنچا دے گی۔ اور دوسرا گروہ مجھ سے شدید بغض رکھنے والا کہ ان کو میرا بغض گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔ اور بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے متعلق اعتدال کی راہ پر ہیں (کہ نہ مجھ سے بغض رکھتے ہیں نہ محبت میں غلو) لہٰذا تم اس روش کو لازم پکڑو اور سواد اعظم کے ساتھ منسلک رہو۔ اللہ کی نصرت یقیناً جماعت کے ساتھ ہوتی ہے پس تم افتراق سے بچتے رہو کیونکہ ریوڑ سے بچھڑنے والی بکری بھیڑیے کی ہی خوراک بنتی ہے۔ خبردار جو شخص بھی اس (افتراق) کی سمت بلائے اس کو قتل کر ڈالو خواہ وہ میرے اس عمامہ کے زیر سایہ ہی کیوں نہ ہو۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں فتنۂ ابن سبا اور فتنۂ خوارج کی وجہ سے تین فریق بن گئے تھے:

اول: جو محبتِ علیؓ میں غلو کر کے ان کو شیخینؓ سے افضل اور خلیفہ بلا فصل قرار دیتا تھا۔

دوم: جو بغضِ علیؓ کی بنا پر ان کو نہ صرف مقبولانِ الٰہی کی فہرست سے، بلکہ دائرہ اسلام ہی سے خارج قرار دیتا تھا۔

سوم: جو ان کو افاضل و اکابر صحابہؓ میں شمار کرتا تھا۔ اور انہیں رابع الخلفاء الراشدینؓ قرار دیتا تھا۔ یہی مسلمانوں کا سوادِ اعظم تھا جس کو لازم پکڑنے کی حضرتؓ نے تاکید فرمائی اور اول الذکر دونوں فریقوں کی تفرقہ پسندی سے مسلمانوں کو بچنے کی تاکید فرمائی۔

اس ارشادِ گرامی سے صحابہؓ و تابعینؒ کا، جو حضرتؓ کے زمانہ میں سوادِ اعظم کا مصداق تھے لائقِ اقتدا ہونا واضح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد:

"وعن ابن مسعود قال: من كان مستنًّا فليستنّ بمن قد مات فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة أولئك أصحاب محمد ﷺ كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا، إختارهم الله لصحبة نبيّه، ولإقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم على أثرهم، وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم" رواه رزين (مشکوٰۃ... صفحہ ۳۲)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو کسی کی اقتدا کرنی ہو تو ان حضرات کی اقتدا کرے جو وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ زندہ شخص فتنے سے مامون نہیں، یہ (لائقِ اقتدا حضرات) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں۔ جو اس امت میں سب سے افضل تھے۔ ان کے دل سب سے زیادہ پاکیزہ تھے۔ ان کا علم سب سے گہرا تھا۔ اور وہ سب سے

بڑھ کر تکلف سے بچنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کے لئے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے چن لیا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو۔ اور ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے چلو، جہاں تک ممکن ہو ان کی سیرت و اخلاق کو اپناؤ۔ کیونکہ یہ حضرات ہدایت اور صراط مستقیم پر تھے۔"

"وعن ابن مسعود قال: إنّ الله نظر في قلوب العباد فاختار محمداً ﷺ فبعثه برسالة وانتخبه بعلمه، ثم نظر في قلوب الناس بعده، فاختار له أصحاباً، فجعلهم أنصار دينه ووزراء نبيه، وما رآه المؤمنون حسناً فهو عند الله حسن، وما رآه المؤمنون قبيحاً فهو عند الله قبيح"

(مسند ابی داؤد طیالسی صفحہ ۳۳)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو چن لیا۔ پس آپ کو اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ کو اپنے علم کے ساتھ منتخب فرمایا۔ پھر آپ کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو آپ کے لئے صحابہ کرام کو چن لیا۔ اور ان کو دین کے مددگار اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر بنایا۔ اور جس چیز کو اہل ایمان (بالاتفاق) اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے۔ اور جس چیز کو اہل ایمان برا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بری ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد:

"قال كتب رجل إلى عمر بن عبد العزيز يسأله عن القدر فكتب أما بعد: أوصيك بتقوى الله والاقتصاد في أمره واتباع سنة نبيه صلى الله عليه وسلم وترك ما أحدث المحدثون بعد ما جرت به سنته وكفوا مؤنته، فعليك بلزوم السنة، فإنها لك بإذن الله عصمة، ثم اعلم أنه لم يبتدع

الناس بدعة إلا قد مضى قبلها ما هو دليل عليها أو عبرة فيها ، فإن السنة إنما سنها من قد علم ما في خلافها - ولم يقل ابن كثير من قد علم - من الخطأ والزلل والحمق والتعمق ، فارض لنفسك ما رضي به القوم لأنفسهم ، فإنهم على علم وقفوا ، وببصر نافذ كفوا ، ولهم على كشف الأمور كانوا أقوى ، وبفضل ما كانوا فيه أولى ، فإن كان الهدى ما أنتم عليه لقد سبقتموهم إليه ، ولئن قلتم إنما حدث بعدهم ما أحدثه إلا من اتبع غير سبيلهم ، ورغب بنفسه عنهم ، فإنهم هم السابقون ، فقد تكلموا فيه بما يكفي ، ووصفوا منه ما يشفي ، فما دونهم من مقصر ، وما فوقهم من محسر ، وقد قصر قوم دونهم فجفوا ، وطمح عنهم أقوام فغلوا ، وأنهم بين ذلك لعلى هدى مستقيم" ۔

(ابو داؤد صفحہ ۲۳۳ ، جلد ۲)

ترجمہ: "ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں خط لکھا، جس میں ان سے مسئلہ تقدیر کے بارے میں سوال کیا تھا۔ آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد تحریر فرمایا:

میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور اس کے معاملے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کی، اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنے کی، اور ان بدعات کو ترک کرنے کی جن کو اہل بدعت نے ایجاد کیا ہے، بعد اس کے کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاری ہو چکی ہے، اور لوگوں کو اس کی ذمہ داری اٹھانے سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی جان لو کہ لوگوں نے جو بدعت بھی ایجاد کی ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس بدعت کے وجود میں آنے سے پہلے ہی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعہ) اس بدعت (کے باطل ہونے) پر دلیل قائم ہو چکی ہے، یا اس کے بطلان کی مثال موجود ہے۔ کیونکہ جس

ذات نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ) سنت کو جاری کیا ہے اس کو علم تھا کہ اس سنت کی خلاف ورزی میں کیا غلطی، کیا لغزش، کیا حماقت اور کیا بے جا تکلف ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنی ذات کے لئے اسی طریق کو پسند کرو جو سلف صالحین نے اپنے لئے پسند کیا، کیونکہ یہ حضرات صحیح علم پر مطلع تھے، اور وہ گہری بصیرت کی بنا پر ان بدعات سے پرہیز کرتے رہے۔ بلاشبہ یہ حضرات معاملات کی تہہ تک پہنچنے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ اور جس علم و بصیرت کی بنا پر جو ان کو حاصل تھی اس کے زیادہ مستحق بھی تھے۔ پس اگر ہدایت کا راستہ وہ ہے جو سلف صالحین کے برخلاف تم نے اختیار کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم لوگ ہدایت کی طرف ان حضرات سے (نعوذ باللہ) سبقت لے گئے (اور یہ ناممکن اور باطل ہے) اور اگر تم کہو کہ یہ چیز تو سلف صالحین کے بعد پیدا ہوئی ہے تو خوب سمجھ لو کہ اس چیز کو انہی لوگوں نے ایجاد کیا ہے جو سلف صالحین کے راستے سے ہٹ کر دوسرے راستے پر چل پڑے۔ اور انہوں نے سلف صالحین سے کٹ جانے کو اپنے لئے پسند کیا (اور یہی تمام گمراہیوں کی جڑ ہے) کیونکہ یہ حضرات (خیر و ہدایت کی طرف) سبقت کرنے والے تھے۔ انہوں نے زیر بحث مسئلہ میں اتنا کلام کر دیا جو کافی ہے۔ اور انہوں نے اس کی اتنی تشریح فرما دی جو دلائل و شافی ہے۔ پس انہوں نے جو کچھ فرمایا اس میں تقلید اور کمی کرنا کوتاہی ہے۔ اور اس سے بڑھنا اور غلو سے کام لینا بجا طور پر اپنے کو عاجز و ہلکان کرنا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے سلف صالحین کی تشریح و وضاحت میں تفریط اور کوتاہی سے کام لیا تو جفا کے مرتکب ہوئے، اور کچھ لوگوں نے تشریح و وضاحت میں سلف صالحین سے آگے نکلنا چاہا تو غلو میں مبتلا ہو گئے۔ اور یہ حضرات افراط و تفریط کے درمیان رہتے ہوئے صراط مستقیم پر قائم تھے۔"

تیسری بحث: اتباع صحابہؓ کے وجوب پر عقلی دلائل

نقلی دلائل کے بعد اب عقل سلیم کی روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ جس طرح مندرجہ بالا آیات و احادیث اور آثار سے صحابہ کرامؓ کی اتباع کا ضروری ہونا ثابت ہے اسی طرح اتباع صحابہؓ عقلاً بھی ضروری و لازم ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ ابو زہرہ نے

تین عقلی دلائل ذکر فرماتے ہیں۔ یہ ناکارہ ان کے ذکر کردہ دلائل کو انہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ اس کے بعد چوتھی دلیل اپنی طرف سے عرض کرے گا۔ واللہ الموفق۔

"الصحابة شاهدوا النبي ﷺ وتلقوا عنه الرسالة المحمدية، وهم الذين سمعوا منه بيان الشريعة، ولذلك قرر جمهور الفقهاء إن أقوالهم حجة بعد النصوص، وقد احتج الجمهور لحجية أقوال الصحابة بدليل من النقل، وأدلة من العقل، أما النقل فقوله تعالى: ﴿وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ فإن الله سبحانه وتعالى مدح الذين اتبعوهم فكان اتباعهم في هديهم أمرا يستوجب المدح، وليس أخذ كلامهم على أنه حجة إلا نوعا من الاتباع، ولقد قال النبي ﷺ: «أنا أمان لأصحابي، وأصحابي أمان لأمتي» وليس أمانهم للأمة إلا بأن ترجع الأمة إلى قولهم، إذ أمان النبي لهم برجوعهم إلى هديه النبوي الكريم.

وأما العقل فمن وجوه:

أولها: أن الصحابة أقرب إلى رسول الله ﷺ من سائر الناس، وهم الذين شاهدوا مواضع التنزيل، ولهم من الإخلاص والعقل والاتباع للهدى النبوي ما يجعلهم أقدر على معرفة مرامي الشرع، إذ هم رأوا الأحوال إلى نزلت فيها النصوص، فإدراكهم لها يكون أكثر من إدراك غيرهم، ويكون كلامهم فيها أجدر الكلام بالاتباع،

ثانيها: أن احتمال أن تكون آرائهم سنة نبوية احتمال قريب، لأنهم كثيرا ما كانوا يذكرون الأحكام التي بينها النبي ﷺ لهم من غير أن يسندوها إليه ﷺ لأن أحدا لم يسألهم عن ذلك، ولما كان ذلك الاحتمال قائما مع أن رأيهم له وجه من القياس والنظر كان رأيهم أولى بالاتباع، لأنه قريب من القول موافق للمعقول.

ثالثها: إنهم إن أثر عنهم رأي أساسه القياس، ولنا من بعضهم قياس يخالفه، فالاحتياط اتباع رأيهم، لأن النبي ﷺ قال: «خير القرون قرني الذي بعثت فيه» ولأن رأي أحدهم قد يكون مجمعا عليه منهم، إذ لو كان رأي مخالف لعرفه العلماء الذين تتبعوا آثارهم، ولذا كان قد أثر عن بعضهم رأي، وأثر عن البعض الآخر رأي يخالفه، فالخروج عن مجموع آرائهم خروج على جمعهم، وذلك شذوذ في التفكير يرد على صاحبه، ولا يقبل منه".

ترجمہ ... "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے، انہوں نے آپ سے پیغام محمدی خود حاصل کیا اور بیان شریعت بلاواسطہ آپ سے سنا اسی بنا پر جمہور فقہا نے قرار دیا کہ نصوص شرعیہ کی عدم موجودگی میں صحابہؓ کے اقوال حجت ہیں۔ جمہور نے صحابہؓ کے اقوال کو نقلی وعقلی دلائل ہی کی بنا پر حجت قرار دیا ہے۔

نقلی دلیل تو یہ حقیقت ہے کہ قرآن باری تعالیٰ ہے: "اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔"
اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جنہوں نے صحابہ کرام کی

پیروی کی۔ لہٰذا ان کے طریقہ کی پیروی ایسا معاملہ ہے جو قابل مدح ہے۔ اور صحابہ کے اقوال کو بطور حجت اختیار کرنا یہ بھی اتباع کی ہی ایک صورت ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "میں اپنے صحابہؓ کیلئے امن و سلامتی کا باعث ہوں اور میرے صحابہؓ میری امت کیلئے امن و سلامتی کا باعث ہیں۔" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کیلئے امن و سلامتی کا ذریعہ اسی وقت قرار پائیں گے کہ امت ان کے اقوال کی طرف رجوع کرے کیونکہ نبیؐ ان کے لئے جبھی امان ہوئے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کی۔

اور عقلی دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام لوگوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین تھے۔ انہوں نے قرآن کے نزول کے مقامات و مواقع کو بچشم خود دیکھا۔ ان کو اخلاص، عقل سلیم اور تعلیم نبویؐ کی اتباع حاصل تھی جس کی بدولت وہ مقاصد شرع کی معرفت پر دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے وہ احوال خود ملاحظہ کئے تھے جن کے بارے میں کتاب و سنت نصوص نازل ہوئی ہیں۔ اس لئے کتاب و سنت کے بارے میں ان کا فہم اور فہم دوسروں سے بڑھ کر ہوگا اور اس بنا پر ان کا قول زیادہ لائق اتباع ہوگا۔

۲۔ اور یہ بھی احتمال قریب ہے کہ ان کی آراء سنت نبوی ہوں (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کیونکہ یہ حضرات بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ احکام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے بغیر بھی ذکر کر دیا کرتے تھے کیونکہ کسی نے ان سے اس کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا (کہ وہ جو حکم بیان کر رہے ہیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے یا خود اپنی رائے سے بیان کر رہے ہیں) چونکہ یہ احتمال قائم ہے (کہ انہوں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو) لہٰذا ان کی رائے قیاس اور نظر کے لحاظ سے معقولیت رکھتی ہو تو ان کی رائے زیادہ لائق اتباع ٹھہرے گی کیونکہ وہ منقول کے بھی قریب ہے اور عقل کے بھی موافق ہے۔

۳۔ اگر ان سے ایسی رائے منقول ہو جس کی بنیاد قیاس پر ہو۔ اور ان کے بعد دوسری رائے قیاس ہی کی بنیاد پر ان کے خلاف ہو تو احتیاط اسی میں ہے کہ ان کی رائے کی اتباع کی جائے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود

ہے کہ "سب سے بہتر اور میری بخشش والا تنکہ ہے" اور اس سے بھی کہ ان میں سے ایک کی رائے ان کی اجماعی رائے تھی کیونکہ اگر کسی کی رائے واقعتاً اس کے مخالف ہوتی تو آثار صحابہؓ کی تحقیق کرنے والے علماء کو معلوم ہو جاتی تھی۔ اور اگر کچھ حضرات سے ایک رائے منقول ہو اور بعض دوسرے حضرات سے ان کے مخالف رائے نقل کی گئی ہو تو ان کی آراء کے مجموعہ سے خروج درحقیقت ان کے اجماع سے خروج کے مترادف ہوگا۔ قاری مجمد کی ایسے طلاق سے منہ پر تھپڑ مار دی جائے گی اور ناقابل قبول ہوگی۔"

چوتھی عقلی دلیل:

حضرات صحابہ کرامؓ ہمارے محبوب ہیں، اور محبوب کی اقتدا و اتباع اہل عقل کے نزدیک مسلم ہے۔

رہا پہلا مقدمہ، یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کی محبوبیت! تو یہ چند وجوہ سے ظاہر و باہر ہے۔

اول: یہ کہ وہ ہمارے محبوب، محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق و محب اور جانثار و فداکار تھے۔ ان کی نظر محبت نے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کو آئینۂ قلب میں جذب کیا تھا۔ اس لئے ان سے محبت کا ہونا تقاضائے ایمان اور لازمۂ محبت رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل ارشاد گرامی میں اسی مضمون کو اپنے کلام بلاغت نظام میں بیان فرمایا ہے:

"وعن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ
الله الله في أصحابي، الله الله في أصحابي لا
تتخذوهم غرضا من بعدي فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن
أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن
آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه"

(رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب) (مشکوٰۃ ص:۵۵۴)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے معاملہ میں، مکرر
کہتا ہوں، اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو، میرے صحابہؓ کے معاملہ میں، ان کو
میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا۔ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت
کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر۔ جس نے ان
کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا
دی۔ اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔"

دوم: وہ حق تعالیٰ شانہ کے محب و محبوب تھے جیسا کہ یحبہم و یحبونہ
سے اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ گویا ان کے ہر بُن مُو سے یہ آواز آ رہی تھی:

اے زہے جذب محبت من فدائے خویشتن
حسن افگند است بر عشقم ردائے خویشتن

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾

(سورۂ مائدہ ...... ۵۴ تا ۵۶)

ترجمہ: "اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ
عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں۔
نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں
اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے
گا اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔ تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور
جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی

کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے۔" (ترجمہ شیخ الہند)

چونکہ ایمان واذعان ان کے جذر قلوب میں پیوست تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی اور ان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا. لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ الفتح ... ۴ تا ۵)

ترجمہ: "وہی ہے جس نے اتارا اطمینان دل میں ایمان والوں کے کہ اور بڑھ جائے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ ہے خبردار حکمت والا۔ تاکہ پہنچا دے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں، ہمیشہ رہیں ان میں اور اتار دے ان پر سے ان کی برائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی۔" (ترجمہ شیخ الہند)

﴿لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا. وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (سورۃ الفتح ... ۱۸، ۱۹)

ترجمہ: "تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا، پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک۔ اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔" (ترجمہ شیخ الہند)

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ، وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (سورۂ فتح ۔ ۲۶)

ترجمہ: "جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں کد نادانی کی ضد، پھر اتارا اللہ نے اپنی طرف کا اطمینان اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور قائم رکھا ان کو ادب کی بات پر اور وہی تھے اس لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے خبردار۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

سوم: محبت کا ایک منشا محبوب کے کمالات ہوتے ہیں۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد چشم فلک نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار خدام جیسے صاحب کمال افراد نہیں دیکھے۔ اس لئے یہ حضرات اپنے ان کمالات ظاہری و معنوی کی بنا پر بھی ہمارے محبوب ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے علمی، عملی، اخلاقی اور نفسیاتی کمالات کی شہادت دی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ، يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ، وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ، وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ، وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ، التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۂ توبہ ۔ ۱۱۱، ۱۱۲)

ترجمہ: "اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے

ہیں۔ وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے بری بات سے اور حفاظت کرنے والے ان حدود کی جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

چہارم: یہ حضرات ہمارے عظیم ترین محسن ہیں کہ ہمیں اسلام و ایمان کی دولت انہی کے دم قدم سے میسر آئی۔ اور قیامت تک آنے والی امت کے نیک اعمال ان کے نامۂ عمل میں درج ہیں۔

ان چار وجوہ سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ ہمارے محبوب و محترم ہیں۔ اور ان سے محبت رکھنا لازمۂ ایمان ہے۔

رہا دوسرا مقدمہ، یعنی محبوب کا مطاع ہونا! سو یہ ایک فطری امر ہے جس کو ہر خاص و عام جانتا ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہو اس کے نقش قدم کو اپناتا ہے، اسی کے اطوار و عادات سیکھتا ہے، اور بقدر محبت اس کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ ہرچند کہ یہ چیز نہ صرف فطری و وجدانی ہے بلکہ محسوس و مشاہد بھی ہے، تاہم اگر نقل سے بھی اس کی تائید لانا ضروری ہو تو سنئے! حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ، وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱)۔

ترجمہ: "تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ سے محبت کا دعویٰ ہے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہئے۔ کیونکہ آپؐ کی اتباع درحقیقت اطاعت الٰہی ہے، اسی بنا پر اس کے بعد فرمایا:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (آل عمران.... ۳۲)

ترجمہ: "تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

الغرض محبت مستلزم اتباع ہے اور اتباع خداوندی کی کوئی شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نہیں، لہٰذا مدعیان محبت خداوندی کو اتباع نبویؐ لازم ہے۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"المرء علی دین خلیلہ فلینظر أحدکم من یخالل"۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان، وقال الترمذی: ہذا حدیث حسن غریب وقال النووی: اسنادہ صحیح۔ کذا فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶)

ترجمہ: "انسان اپنے دوست کے طور طریقے اپنا لیتا ہے اس لئے ہر شخص اس کا خیال رکھے کہ کیسے انسان کو اپنا دوست بنا رہا ہے۔"

جب یہ دونوں مقدمے ثابت ہوئے یعنی صحابہ کرامؓ کا محبوب ہونا اور محبوب کا مطاع و مقتدا ہونا تو اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے لئے واجب الاتباع ہیں۔

اہل محبت کے لئے تو یہ دلیل مقنع ہے لیکن حضرات شیعہ اس کو شاید ہی قبول فرمائیں۔ کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ اول تو صحابہ کرامؓ لائق احترام و محبت نہیں، بالفرض ہوں بھی تو محبوب کی اطاعت ان کے نزدیک ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم سے بے پناہ محبت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود ان کی صورت و سیرت ان محبوبوں سے کوئی میل نہیں کھاتی۔ عوام کا تو کیا کہنا، ان کے مجتہدین تک کو ہم نے معفر اللحیہ دیکھا ہے۔ حالانکہ داڑھی منڈانا اور کٹانا ان اکابر کی سنت نہیں بلکہ دور قدیم کے مجوسیوں کا وطیرہ ہے۔ چنانچہ کسریٰ شاہ ایران کے دو قاصد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے ان کی مونچھیں بڑھی ہوئی اور داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

. . . . وقال: «ویلکما من أمرکما بهذا» قالا: أمرنا بهذا ربنا، یعنیان کسریٰ، فقال رسول الله ﷺ: «لکن ربي أمرني بإعفاء لحیتي وقص شاربي»۔

(حیات القلوب از علامہ باقر مجلسی۔ صفحہ ۳۴۰۔ جلد ۲)

"تمہاری ہلاکت ہو تمہیں ایسا کرنے کا حکم کس نے دیا، انہوں نے جواب دیا ہمارے رب یعنی کسریٰ نے ہمیں یہ (داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے کا) حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میرے رب نے تو مجھے اپنی داڑھی بڑھانے اور اپنی مونچھیں کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔"

خیر اس قصہ کو چھوڑیئے! گفتگو اس میں تھی کہ آنجناب نے فرمایا:

"احترام صحابہؓ سے اتباعِ صحابہؓ مطلقاً نہ کسی عالم نے ثابت کیا ہے اور نہ عقل و نقل اس کا ساتھ دیتے ہیں۔"

اس ناکارہ نے ثابت کیا کہ اکابر اہلِ تشیع صحابہؓ کے اقوال کو حجت سمجھتے ہیں اور یہ کہ قرآن کریم، احادیث نبویہ، اور آثار سلف سے بھی ثابت ہے اور دلائل عقلیہ سے بھی۔

بحث دوم

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں سنی اور شیعہ عقیدہ

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"صفحہ ۲۲ سے آپ نے شیعہ اور صحابہ کی مشہور بحث چھیڑی ہے۔ یہ معاملہ واقعی بہت نازک اور حساس ہے۔ اور یہی خلیج دونوں فرقوں کے درمیان اس لائق بحث سے پیدا ہوئی ہے کسی دوسری بحث سے پیدا نہیں ہوئی۔ آپ غالباً اس حقیقت کو مذاق سمجھیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں شیعہ فرقے کے وہی نظریات ہیں جو اکثر علماء اہل سنت کے ہیں، ان میں چنداں فرق نہیں۔"

سب جانتے ہیں کہ دونوں فریقوں کے نظریات کے درمیان آسمان و زمین کا فاصلہ اور مشرق و مغرب کا بُعد ہے۔ اس لئے آنجناب کے اس فقرہ کو اہل سنت ہی نہیں بلکہ اہل تشیع بھی مذاق ہی سمجھیں گے۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اہل سنت کے نظریات:

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں اکابر اہل سنت کے نظریات ان کی کتب عقائد وغیرہ میں مدون ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے رسالہ "فقہ اکبر" میں ہے:

أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ أبوبكر الصديق رضي الله عنه ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم علي بن أبي طالب رضوان الله تعالى عليهم أجمعين،

قاہرین علی الحق ومع الحق، ولا تذکر الصحابة إلا بخیر۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۷۵ تا ۱۷۶)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان بن عفان، پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ یہ سب حضرات ہمیشہ حق پر رہے اور حق کے ساتھ رہے، ہم ان سب سے محبت رکھتے ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کا ذکر خیر کے سوا نہیں کرتے۔"

عقیدۃ الطحاویہ میں ہے:

ونحب أصحاب رسول الله ﷺ ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم، وبغير الحق يذكرهم، ولا نذكرهم إلا بالخير وحبهم دين وإيمان وإحسان. وبغضهم كفر ونفاق وطغيان.

(عقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۱۰)

ترجمہ: "اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں، ان میں سے کسی کی محبت میں افراط و تفریط نہیں کرتے، اور کسی صحابیؓ سے برأت اختیار نہیں کرتے، اور ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھے اور ان کو برائی سے یاد کرے، اور خیر کے سوا ان کا ذکر نہیں کرتے۔ ان سے محبت رکھنا دین و ایمان اور احسان ہے، اور ان سے بغض رکھنا کفر و نفاق اور طغیان ہے۔"

"ونثبت الخلافة بعد رسول الله ﷺ أولا لأبي بكر الصديق رضي الله عنه تفضيلا له، وتقديما على جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه، ثم لعثمان رضي الله عنه. ثم لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه وهم

الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون"

(عقیدۃ طحاویہ صفحہ ۲۳)

ترجمہ: "اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں ان کو ساری امت سے افضل اور سب سے مقدم سمجھتے ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے، ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے۔ اور یہ چاروں اکابر خلفائے راشدین" اور ہدایت یافتہ امام ہیں۔"

"وأن العشرة الذين سماهم رسول الله ﷺ ونشهد لهم بالجنة، على ما شهد لهم رسول الله ﷺ، وقوله الحق، وهم: أبوبكر، وعمر، وعثمان، وعلي، وطلحة، والزبير، وسعد، وسعيد، وعبدالرحمن بن عوف، وأبو عبيدة بن أبي الجراح، وهو أمين هذه الأمة، رضي الله عنهم أجمعين" ومن أحسن القول في أصحاب رسول الله ﷺ وأزواجه وذرياته فقد برئ من النفاق.

(عقیدہ طحاویہ صفحہ ۱۲، ۲۳)

ترجمہ: "اور جن دس حضرات کا نام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی، ہم ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر جنت کی شہادت دیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد برحق ہے۔ ان عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح، جو اس امت کے امین ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔"

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ذریت طاہرہ سے حسن عقیدت رکھے وہ نفاق سے بری ہے۔"

اہل سنت کی تمام کتب عقائد میں یہی اصول اجمالاً و تفصیلاً مذکور ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے محبت رکھی جائے، ان کے بارے میں زبان طعن دراز نہ کی جائے، ان میں سے کسی کی توہین و تنقیص نہ کی جائے، ان کے عیوب تلاش نہ کئے جائیں، بھلائی کے سوا ان کا ذکر نہ کیا جائے، ان کے باہمی مراتب و فضائل کا لحاظ رکھا جائے، خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو علی الترتیب افضل سمجھا جائے، پھر عشرہ مبشرہ کو، پھر اہل بدر کو، پھر اہل حدیبیہ کو، وعلیٰ ہذا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں اہل تشیع کا نظریہ

اہل سنت کے برعکس اہل تشیع کے مذہب کی بنیاد ہی بغض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قائم ہے۔ پہلے گزر چکا کہ عبداللہ بن سبا ملعون نے "وصایت علی" کا عقیدہ ایجاد کرکے طعن صحابہؓ کا دروازہ کھولا اور اہل تشیع نے ابن سبا کی اس تلقین کو پلے باندھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے امام برحق حضرت علیؓ تھے۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانشینی کے لئے نامزد فرمایا تھا، لیکن صحابہؓ نے نص نبویؐ سے انحراف کرکے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بلافصل بنالیا، اور حضرت علیؓ کو چوتھے نمبر پر ڈال دیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی تین چار کے سوا باقی تمام صحابہؓ نعوذ باللہ۔ مرتد ہوگئے تھے۔ اہل تشیع کے یہ نظریات ان کی مستند کتابوں میں موجود ہیں اور زبان زد خاص و عام ہیں۔

چند روایتیں یہاں نقل کرتا ہوں:

۳٤۱ ـ حنان، عن أبيه، عن أبي جعفر عليه السلام قال: كان الناس أهل ردة بعد النبي صلى الله عليه وآله [۱] إلا ثلاثة فقلت: ومن الثلاثة؟ فقال: المقداد بن الأسود وأبو ذر الغفاري و سلمان الفارسي رحمة الله وبركاته عليهم

(روضہ کافی صفحہ ۲۴۵، جلد ۸)

ترجمہ: "حنان بن سدیر اپنے والد سے نقل کرتا ہے کہ امام باقرؒ فرماتے ہیں

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین آدمیوں کے سوا باقی سب مرتد ہو گئے تھے۔ میں نے پوچھا وہ تین کون تھے؟ فرمایا وہ تین آدمی یہ تھے۔ مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی۔"

٤٥٥ - حدثنا محمد بن يحيى، عن أحمد بن محمد بن عيسى، عن الحسين بن سعيد عن علي بن النعمان، عن عبدالله بن مسكان، عن عبدالرحيم القصير قال: قلت لأبي جعفر عليه السلام: إن الناس يفزعون إذا قلنا: إن الناس ارتدوا، فقال: يا عبدالرحيم إن الناس عادوا بعد ما قبض رسول الله صلى الله عليه وآله أهل جاهلية،

(روضہ کافی صفحہ ۲۹۶، جلد ۸)

ترجمہ: "عبدالرحیم قصیر کہتا ہے کہ میں نے امام باقر سے کہا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ لوگ مرتد ہو گئے تھے تو یہ سن کر لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ امام نے فرمایا کہ اے عبدالرحیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد لوگ جاہلیت کی طرف پلٹ گئے تھے۔"

٤٥٦ - حميد بن زياد، عن الحسن بن محمد الكندي، عن غير واحد من أصحابه عن أبان بن عثمان، عن أبي جعفر الأحول، والفضيل بن يسار، عن زكريا النقاض[1]، عن أبي جعفر عليه السلام قال: سمعته يقول: الناس صاروا بعد رسول الله صلى الله عليه وآله بمنزلة من اتبع هارون عليه السلام ومن اتبع العجل

(ايضاً)

ترجمہ: "زکریا نقاض کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کی دو قسمیں ہو گئی تھیں۔ ان میں کچھ تو وہ تھے جو ان لوگوں کی مثل تھے جنہوں نے ہارون علیہ السلام کی پیروی کی۔ اور کچھ وہ تھے جنہوں نے گوسالہ پرستی کی۔"

مطلب یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ نعوذ باللہ۔ سامری کا گوسالہ تھے، جن حضرات نے ان سے بیعت کی وہ گوسالہ پرست تھے۔

"عن حمران قال قلت لأبي جعفر (ع) ما أقلنا؟ لو اجتمعنا على شاة ما أفنيناها. قال فقال: ألا أخبرك بأعجب من ذلك؟ قال، فقلت بلى، قال: المهاجرون والأنصار ذهبوا إلا (وأشار بيده) ثلاثة"

(رجال کشی صفحہ ۷)

ترجمہ: "حمران کہتا ہے میں نے امام باقرؒ سے کہا کہ ہماری تعداد کتنی تھوڑی ہے؟ اگر ایک بکری پر جمع ہو جائیں تو اسے بھی ختم نہیں کر پائیں گے۔ امام نے فرمایا میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاؤں؟ میں نے کہا ضرور! فرمایا، مہاجرین و انصار، تین کے سوا سب چلے گئے۔"

شیعہ قرآن سے بڑھ کر ان سبائی روایات پر ایمان و عقیدہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

"و اعتقاد ما در برات آنست کہ بیزاری جویند از بت ہائے چہار گانہ، یعنی ابو بکر و عمر و عثمان و معاویہ، و از زنان چہار گانہ یعنی عائشہ و حفصہ و ہند و ام الحکم و از جمیع اشیاع و اتباع ایشاں، و آنکہ ایشاں بدترین خلق خدا اند، و آنکہ تمام نمی شود اقرار بخدا و رسول و ائمہ مگر بہ بیزاری از دشمنان ایشاں۔"

(حق الیقین ... صفحہ ۵۱۹)

ترجمہ: "اور تبرا کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ چار بتوں سے بیزاری اختیار کریں، یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و معاویہؓ سے اور چار عورتوں سے بیزاری اختیار کریں، یعنی عائشہؓ، حفصہؓ، ہندؓ اور ام الحکمؓ سے، اور ان کے تمام پیروکاروں سے۔ اور یہ کہ یہ لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر تھے۔ اور یہ کہ خدا پر، رسولؐ پر اور ائمہ پر ایمان مکمل نہیں ہو گا، جب تک کہ ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار نہ کریں۔"

اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

"در تقریب المعارف روایت کردہ کہ آزاد کردہ حضرت علی بن حسین علیہ السلام از آنحضرت پرسید کہ مرا بر تو حق خدمتی ہست، مرا خبر دہ از حال ابو بکر و عمر، حضرت فرمود، ہر دو کافر بودند، و ہر کہ ایشاں را دوست دارد کافر است۔"

"و ایضاً ... روایت کردہ است کہ ابو حمزہ ثمالی از آنحضرت از حال ابو بکر و عمر سوال کرد، فرمود کہ کافرند، و ہر کہ ولایت ایشاں را داشتہ باشد کافر است۔"

"و دریں باب احادیث بسیار است، و در کتب متفرق است، و اکثر در بحار الانوار مذکور است۔"

(حق الیقین ... صفحہ ۵۲۲)

ترجمہ: "تقریب المعارف میں روایت کی ہے کہ امام علی بن حسینؑ کے آزاد کردہ غلام نے حضرت سے پوچھا کہ میرا آپ کے ذمہ حق خدمت ہے مجھے ابو بکر و عمر کے حال کی خبر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ دونوں کافر تھے۔ اور جو شخص ان سے محبت رکھے وہ بھی کافر ہے۔

"نیز روایت کی ہے کہ ابو حمزہ ثمالی نے حضرت سے ابو بکر و عمر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ کافر ہیں۔ اور جو شخص ان سے دوستی رکھتا ہو وہ بھی کافر ہے۔

"اور اس باب میں بہت سی احادیث ہیں جو کتابوں میں متفرق ہیں ان میں سے اکثر بحار الانوار میں مذکور ہیں۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"مؤلف گوید کہ اگر نیک تأمل کنی میدانی کہ فتنہ ہائے کہ در اسلام بہم رسید و ظلمہائے کہ بر اہل بیت رسالت واقع شد ہمہ از بدعتہا و فتنہ ہا و تدبیرہائے ایں منافق بود۔" (حق الیقین صفحہ ۲۳۳)

ترجمہ: "مؤلف (ملا باقر مجلسی) کہتا ہے کہ اگر خوب غور کرو گے تو جان لو گے کہ اسلام میں جتنے فتنے برپا ہوئے ہیں اور اہل بیت رسالت پر جو ظلم ہوئے ہیں وہ سب اسی منافق (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی بدعتوں، فتنوں اور تدبیروں کا نتیجہ ہیں۔"

اس کے تین صفحے بعد لکھتے ہیں:

"بر ہیچ عاقل مخفی نخواہد بود و اشتمال ایں قصہ از جہات شتی بہ طعن و کفر و ضلالت و خطائے ابو بکر و عمر و عثمان و رفقاء و اعوان ایشان۔"

(حق الیقین صفحہ ۲۳۶)

ترجمہ: "کسی عاقل پر مخفی نہ رہا ہوگا کہ یہ قصہ کئی اعتبار سے ابو بکر و عمر و عثمان اور ان کے اعوان و انصار کے طعن و کفر اور ضلالت و خطاء پر مشتمل ہے۔"

حیات القلوب جلد دوم کے باب ۵۱ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کا ذکر ہے، اسی میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو

صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیاہ دی تھیں۔ اس کے حاشیہ میں علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

"واضح ہو کہ مخالفین شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عثمان مسلمان نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دو بیٹیوں کو ان سے تزویج نہ کرتے۔ یہ اعتراض چند وجوہ کی بناء پر باطل ہے۔ اول یہ کہ حضرت کا اپنی یا خدیجہؓ کی بیٹیوں کا ان کے ساتھ تزویج کرنا ممکن ہے قبل اس کے ہو کہ خدا نے کافروں کو بیٹیاں دینا حرام قرار دیا ہو، چنانچہ باتفاق مخالفین زینب کو مکہ میں ابو العاص سے تزویج فرما دیا تھا جبکہ وہ کافر تھا، اسی طرح رقیہ اور ام کلثوم کو مخالفین میں شہرت کی بناء پر عتبہ اور عتیق پسران ابولہب سے تزویج فرمایا جو کافر تھے، قبل اس کے کہ عثمان سے تزویج فرمائیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ عثمان کے مسلمان ہونے میں اس وقت جبکہ حضرتؐ نے اپنی بیٹیوں کو ان سے تزویج فرمایا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگرچہ انہوں نے آخر میں امیر المومنینؑ کے نص خلافت سے انکار کیا اور وہ تمام کام کئے جو موجب کفر ہیں۔ اور کافر اور مرتد ہو گئے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ سب سے زیادہ صحیح ہے یہ کہ وہ لوگ منافقوں میں داخل تھے اور خوف اور لالچ کے سبب بظاہر اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن باطن میں وہ کافر تھے، اور خداوند عالم نے مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر آنحضرتؐ کو حکم دیا تھا کہ ان کے ظاہری اسلام پر حکم جاری کیا کریں۔ اور طہارت اور مناکحت اور میراث وغیرہ تمام احکام ظاہری میں ان کو مسلمانوں کے ساتھ شریک رکھیں۔ لہذا آنحضرتؐ کسی حکم میں ان کو مسلمانوں سے الگ نہیں کرتے تھے، اور ان کے نفاق کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ خاصہ و عامہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کی تالیف قلب کے لئے عبداللہ بن ابی پر نماز جنازہ پڑھی جو نفاق میں مشہور تھا۔ تو اگر عثمان کو دختر دے دی اس بناء پر کہ ظاہر میں وہ مسلمانوں میں داخل تھے، تو یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ باطن میں کافر نہ تھے، اور ان کی تالیف قلب اور ان سے بیٹی لینا اور اپنی بیٹی ان کو دینا دین اسلام کی ترویج اور کلمہ حق کے بلند و رواج دینے میں نہایت درجہ دخل رکھتا تھا۔ اور اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جو غور و فکر کرنے والے کسی صاحب عقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر سرکار دو عالمؐ ان

> کے نفاق کا انکشاف فرماتے اور ان کے ظاہری اسلام کو قبول نہ فرماتے تو تھوڑے سے کمزور اور غریب لوگوں کے سوا حضرتؐ کے پاس کوئی نہ رہ جاتا جیسا کہ آنحضرتؐ کے بعد امیر المومنینؑ کے ساتھ چار افراد کے علاوہ نہ رہ گئے تھے۔" (ترجمہ حیات القلوب ۔ صفحہ ۸۱ا ۔ ۸۴۲)

اہل تشیع کی نکتہ آفرینیوں کی داد دیجئے، بتایا جا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) کافر و منافق تھے۔ اس کے باوجود شیخین رضی اللہ عنہما کی صاحب زادیوں سے عقد فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحب زادیاں بیاہ دیں، ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ اسلام انہی تین حضرات کے دم قدم سے پھیل رہا تھا۔ یہ تین بزرگ نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہی تین چار نفر رہ جاتے جو امیر المومنین کے ساتھ رہ گئے تھے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ فرمایئے! اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کیا ہو گی؟ اور اس سے بہتر حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی مدح و ستائش کیا ہو سکتی ہے کہ ان اکابر کے وجود کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی "مدارِ اسلام" قرار دیا جائے؟

اہلِ تشیع کے ممدوح صحابہؓ کا حال

اور جن تین چار حضرات کو اہل تشیع نے اپنے فتوائے ارتداد سے معاف رکھا تھا، آل سبا کی تصنیف کردہ روایات کی روشنی میں ان کا حال بھی دیکھ لیجئے۔

شیخ کشی روایت کرتے ہیں:

۲۱ - علی بن الحکم، عن سیف بن عمیرۃ، عن ابی بکر الحضرمی، قال، قال ابو جعفر (ع) ارتد الناس الا ثلاثۃ نفر سلمان و ابوذر و المقداد، قال، قلت فعمار؟ قال قد کان جاض جیضۃ ثم رجع، ثم قال ان اردت الذی لم یشک و لم یدخلہ شیء فالمقداد: فاما سلمان فانہ عرض فی قلبہ عارض ان عند امیر المؤمنین (ع) اسم اللہ الاعظم لو تکلم بہ لاخذتہم الارض و ہو ہکذا، فلبب و وجئت عنقہ حتی ترکت کالسلقۃ، فمر بہ امیر

المؤمنین (ع) فقال له یا اباعبداللہ هذا من ذاك بایع! فبایع، و اما ابوذر فامره امیر المؤمنین (ع) بالسکوت ولم یکن یاخذه فی اللہ لومة لائم فابی الا ان یتکلم فمر به عثمان فامر به، ثم اناب الناس بعد فکان اول من اناب ابو ساسان الانصاری و ابو عمرة و شتیرة و کانوا سبعة، فلم یکن یعرف حق امیر المؤمنین (ع) الا هؤلاء السبعة. (رجال کشی ... روایت نمبر ۲۴)

ترجمہ: "ابو بکر حضرمی کہتا ہے کہ امام ابو جعفرؑ نے فرمایا کہ تین افراد کے علاوہ باقی سب لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ تین افراد یہ ہیں، سلمان۔ ابو ذر غفاری اور مقداد۔ میں نے کہا، عمار؟ فرمایا، ایک دفعہ تو وہ بھی منحرف ہو گئے تھے، لیکن پھر لوٹ آئے۔ پھر فرمایا، اگر تم ایسا آدمی دیکھنا چاہتے ہو جس کو ذرا بھی شک نہیں ہوا اور اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہوئی تو وہ مقداد تھے۔ سلمان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ امیر المومنین کے پاس تو اسم اعظم ہے، اگر آپ اسم اعظم پڑھ دیں تو ان لوگوں کو زمین نگل جائے (پھر کیوں نہیں پڑھتے؟) وہ اسی خیال میں تھے کہ ان کا گریبان پکڑا گیا اور ان کی گردن چلی گئی، یہاں تک کہ ایسی ہو گئی جیسے اس کی کھال کھینچ لی گئی ہو، چنانچہ امیر المومنین ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ اے ابو عبداللہ! یہ اسی خیال کی سزا ہے۔ ابو بکر کی بیعت کر لو، چنانچہ انہوں نے بیعت کر لی۔ باقی رہے ابوذر؟ تو امیر المومنین نے ان کو خاموش رہنے کا حکم دیا تھا، مگر وہ خاموش رہنے والے کہاں تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ پس عثمانؓ ان کے پاس سے گزرے تو ان کی پٹائی کا حکم دیا۔ پھر کچھ لوگ تائب ہو گئے۔ سب سے پہلے جس نے توبہ کی وہ ابو ساسان انصاری، ابو عمرہ اور شتیرہ تھے، تو یہ سات آدمی ہو گئے۔ پس ان سات آدمیوں کے سوا کسی نے امیر المومنین کا حق نہیں پہچانا۔"

لیجئے! شک و تردد سے صرف ایک مقدادؓ بچے، عمارؓ پہلے منحرف ہو گئے تھے، بعد میں لوٹ آئے، یعنی وہ بھی مرتد ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان ہوئے، سلمانؓ کے دل میں بھی شبہ پیدا ہو گیا تھا، جس کی ان کو سزا ملی، اور ابو ذرؓ کو امیر المومنین نے سکوت کا حکم فرمایا تھا، مگر

وہ تغربل کرتے تھے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ:

ما بقي أحد إلا وقد جال جولة إلا المقداد بن الأسود فإن قلبه كان مثل زبر الحديد۔

(رجال کشی روایت نمبر ۳۳)

ترجمہ: "مقداد کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا جو ایک مرتبہ اِدھر اُدھر نہ بھاگا ہو، ہاں! مقداد کا دل لوہے کے ٹکڑوں جیسا تھا۔"

ایک مقداد باقی بچے تھے، اب ان کے بارے میں بھی سنئے!

(۳) عن أبي بصير قال سمعت أبا عبد الله (ع) يقول قال رسول الله ﷺ: يا سلمان لو عرض علمك على مقداد لكفر، يا مقداد لو عرض علمك على سلمان لكفر

(رجال کشی۔ روایت نمبر ۳۰)

ترجمہ: "ابو بصیر کہتا ہے کہ میں نے امام صادق کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اے سلمان! اگر تیرا علم مقداد کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔ اور اے مقداد! اگر تیرا علم سلمان کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔"

یہ تو شکر ہے کہ مقداد اور سلمان کے دل کی حالت ایک دوسرے کو معلوم نہیں تھی، ورنہ نتیجہ کفر کے سوا کچھ نہ تھا۔

(۴) عن جعفر عن أبيه قال ذكرت التقية يوما عند علي (ع) فقال: إن علم أبو ذر ما في قلب سلمان لقتله۔

(رجال کشی۔ روایت نمبر ۴۰)

ترجمہ: "امام جعفر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے تقیہ کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اگر ابوذر کو سلمان کے قلب کی حالت معلوم ہو جائے تو ان کو قتل کر ڈالیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین چار حضرات بھی اپنے دل کا بھید آپس میں

کسی کو نہیں بتاتے تھے۔ رہا یہ عقدہ کہ وہ دل کا بھید کیا تھا جو ایک دوسرے کو نہیں بتاتے تھے؟ اس کا حل یہ ہے کہ وہ بظاہر حضرت علیؓ سے موالات رکھتے ہوں گے۔ مگر دل میں خلفائے ثلاثہؓ سے عقیدت و محبت اور موالات رکھتے تھے، چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کا خلفاء ثلاثہؓ سے موالات رکھنا اس سے واضح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدائن کا گورنر بنایا تھا اس وقت سے حضرت علیؓ کے دور تک یہ مدائن کے گورنر چلے آتے تھے، اسی حالت میں ۳۶ھ میں ان کا وصال ہوا۔

(ترجمہ حیات القلوب۔۔ باب ۵۹، صفحہ ۹۵۶، جلد ۲)

اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی حضرات خلفاء سے موالات رکھتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے مسیلمۂ کذاب کے مقابلہ میں جنگ یمامہ میں شرکت فرمائی، اور ۲۱ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم و وزیر بنا کر بھیجا تھا۔ اور اہل کوفہ کے نام تحریر فرمایا تھا:

"أما بعد فإني بعثت إليكم عمارا أميرا وعبد الله بن مسعود معلما ووزيرا وهما من النجباء من أصحاب رسول الله ﷺ فأطيعوا لهما، واقتدوا بهما"۔

(الاصابہ صفحہ ۵۰۶، جلد ۲۔ الاستیعاب برحاشیہ اصابہ صفحہ ۴۸۰)

ترجمہ: "میں تمہارے پاس عمارؓ کو امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم و وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں، یہ دونوں بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ اصحابؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ سو ان کا حکم مانو اور ان کی اقتدا کرو۔"

حضرت مقداد اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما بھی حضرات خلفاءؓ سے موالات رکھتے تھے، لیکن ان دونوں بزرگوں نے کسی علاقے کی حکومت قبول نہیں فرمائی۔ حضرت مقدادؓ کے عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قسم کھائی تھی کہ میں آج کے بعد دو آدمیوں کی امارت بھی قبول نہیں

کروں گا (مستدرک حاکم...... صفحہ ۳۵۰، جلد ۳) اور حضرت ابوذرؓ کو ان کے غلبۂ زہد کی وجہ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عہدہ کے قبول کرنے سے منع کر دیا تھا۔ چنانچہ:

"شیخ طبرسی نے بہ سند معتبر روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر! میں تمہارے واسطے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، میں تم کو کمزور و ناتواں پاتا ہوں، چند اور شخصوں پر بھی امیر مت بننا اور مال یتیم کے متکفل نہ ہونا۔"

(حیات القلوب... صفحہ ۷۰۹، جلد ۲)

الغرض جن بزرگوں کے بارے میں شیعہ کہتے ہیں کہ وہ ارتداد سے محفوظ رہے، وہ بھی حضرات خلفاءؓ سے موالات رکھتے تھے اور انہوں نے عہدے اور مناصب بھی قبول فرمائے، غالباً ان کی یہی قلبی کیفیت تھی، جس کی بنا پر شیعہ روایات میں کہا گیا ہے کہ اگر ایک کے دل کا حال دوسرے کو معلوم ہو جاتا تو اس کو قتل کر دیتا، یا کافر ہو جاتا۔

حضرت عباسؓ اور ابن عباسؓ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو "صنوابی" فرماتے تھے۔ یعنی "میرے والد کے مثل"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے توسل سے استسقاء فرماتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد خاص سمجھتے ہیں، لیکن شیعہ راویوں نے حضرت عباسؓ اور ان کے جلیل القدر صاحب زادے کو بھی معاف نہیں کیا۔ رجال کشی میں ہے کہ فضیل بن یسار کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

قال امیر المؤمنین (ع) اللھم العن ابنی فلان[1] و اعمم ابصارھما کما عمیت قلوبھما۔

(رجال کشی..... روایت نمبر ۱۰۲)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ! فلاں کے دونوں بیٹوں (عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ ابن عباس) پر لعنت فرما، انکی آنکھوں کو اندھا کر دے، جیسا کہ ان کے دل اندھے ہیں۔"

یہی فضیل بن یسار کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؒ سے سنا کہ میرے والد (امام زین العابدینؒ) فرماتے تھے کہ قرآن کریم کی دو آیتیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے باپ (حضرت عباسؓ) کے بارے میں نازل ہوئیں۔

پہلی آیت:

ومن كان في هذه اعمى فهو في الآخرة اعمى و اضل سبيلا .

ترجمہ: "اور جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اور زیادہ گمراہ۔"

اور دوسری آیت:

ولا ينفعكم نصحي ان اردت ان انصح لكم .

(رجال کشی .... روایت نمبر ۱۰۳)

ترجمہ: "اور تم کو نفع نہیں دے گی میری نصیحت، اگر میں تمہاری خیرخواہی کرنا چاہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

یہ دونوں آیتیں کافروں کے بارے میں ہیں، لیکن طرفہ تماشا ہے کہ امام ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ پر چسپاں کر رہے ہیں۔

شیعہ راوی یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا، یہ حضرت بصرہ کے بیت المال کا سارا مال سمیٹ کر مکہ چلے گئے، اور حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ گئے، مال کی مقدار دو لاکھ درہم تھی، حضرت علیؓ کو یہ اطلاع ملی تو منبر پر بیٹھ کر رونے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کا باوجود ان کی قدر و منزلت اور علم و فضل کے یہ حال ہے تو جو لوگ ان سے کم مرتبہ ہیں ان کا کیا حال ہوگا؟ اس کے بعد دعا فرمائی کہ "اے اللہ! میں ان سے اکتا گیا ہوں، پس مجھے ان سے راحت دے اور مجھے اپنی طرف قبض کر لے۔"

پھر حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو ایک زوردار خط لکھا اور ان کو بڑی غیرت دلائی۔ مگر انہوں نے ایک پیسہ بھی لوٹا کر نہ دیا، بلکہ حضرت علیؓ کو جواب میں لکھا کہ جتنا روپیہ میں نے لیا ہے اس سے زیادہ میرا حق بیت المال کے ذمہ باقی ہے۔ حضرتؓ نے پھر خط لکھا تو ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا کہ تم نے مسلمانوں کے اتنے خون کئے ہیں، میں نے تو مال ہی لیا ہے۔ ساری دنیا کے خزانے اگر میرے ذمہ ہوں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں کسی مسلمان کا خون اپنے ذمہ لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضری دوں۔"

(رجال کشی روایت نمبر ۱۰۹۔ ۱۱۰)

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ اہلسنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ "خیر امت" اور "امت وسط" ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے ان کے حق میں شہادت دی ہے۔ لیکن اہل تشیع کے نزدیک وہ معاذ اللہ منافقین و مرتدین کا ٹولا تھا جن کو "شر امت" کا خطاب ملنا چاہئے تھا۔

۲۔ اہل سنت کے نزدیک خلفائے اربعہؓ بالترتیب افضل البشر بعد الانبیاء ہیں اور اہل تشیع کے نزدیک خلفائے ثلاثہ۔ نعوذ باللہ۔ خلق خدا میں سب سے بدتر ہیں۔

۳۔ اہل سنت کے نزدیک حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں بدگوئی کرنا کفر و نفاق کی علامت ہے۔ اور اہل تشیع کا اس کے سوا کوئی مشغلہ ہی نہیں، کہ یہ ان کے نزدیک اعلیٰ ترین عبادت ہے۔

۴۔ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا گمراہی اور باطل پر جمع ہونا ناممکن تھا، اور اہل تشیع کے نزدیک وہ باطل کے سوا کسی اور چیز پر کبھی متفق ہی نہیں ہوئے۔

۵۔ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوات و تسلیمات کے گواہ تھے، بقولہ تعالیٰ: "محمد رسول اللہ والذین معہ" اور اہل تشیع کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گروہ چار کے سوا باقی سب منافق جمع تھے۔

ان نکات سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ کا یہ فقرہ کس حد تک مبنی بر حقیقت و صداقت ہے کہ "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں شیعہ فرقے کے

وہی نظریات ہیں جو اکابر اہل سنت کے ہیں۔ ان میں چنداں فرق نہیں۔ ''

صحابہ کرامؓ کے بارے میں شیعہ کے آٹھ اصول

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

''وہ اصولی باتیں جو اس ضمن میں (یعنی صحابہ کرامؓ کے بارے میں) اہل سنت اور اہل تشیع دونوں مانتے ہیں، درج ذیل ہیں:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل صحبت میں منافقین بھی تھے جن کے بارے میں قرآن مجید میں بار بار تنبیہ کی گئی اور یہ بھی کہا گیا کہ اے رسول! تم ان منافقین کو نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔

۲۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی لیکن وہ دل سے مسلمان نہ ہوئے تھے، چنانچہ وہ مرتد ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل اور جلاوطنی وغیرہ کے احکام دیئے۔

۳۔ بیشتر صحابہ کرامؓ مومنین صالحین تھے، لیکن وہ معصوم نہ تھے، لہٰذا بہ تقاضائے بشری ان سے گناہ بھی ہوئے اور لغزشیں بھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حدیں بھی لگانے کا حکم دیا، جیسا کہ اکابرین علمائے اہل سنت نے اس کی وضاحت کی ہے۔

۴۔ بعض اہل صحبت وہ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تغیر زمانہ اور مسلمانوں کی باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھا کر بصورت جاہلیت کی روش پر چلے گئے۔ ہم انہیں ایسے صحابیٔ رسولؐ نہیں مانتے جن کے بارے میں بشارتیں آئی ہیں، انہیں کی طرف حدیث حوض میں اشارہ ہے۔

۵۔ حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں حضرت عائشہؓ اور حضرت

امیر معاویہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی اس فعل پر پشیمانی اور توبہ ثابت ہے۔ یہی اکابرین اہل سنت کا نظریہ ہے۔

۶۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی میں "الصحابۃ کلہم عدول" کے تحت دو مقامات پر جو تشریحات کی ہیں وہ بھی حقیر کے نزدیک درست ہیں جن سے صحابہ کرام کا غیر معصوم اور "عدول" ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ اسی طرح مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا مفتی محمد شفیع نے "مقام صحابہ" نامی کتاب میں جو بحثیں کی ہیں وہ بھی درست ہیں۔

۸۔ صحیح بخاری شریف میں حدیث حوض (معروف باب حوض کی سولہ حدیثیں) اس سے موقف کی تائید کرتی ہیں اور اس سلسلے میں امام خطابی اور امام نووی کی تشریحات درست ہیں۔"

آنجناب کے مندرجہ بالا آٹھ نکات در حقیقت چھ ہیں، کیونکہ دوسرے، چوتھے اور آٹھویں نکتے میں آپ نے ایک ہی چیز کا ذکر کیا ہے یعنی مرتدین کا۔ لہٰذا یہ کل چھ نکات ہوئے۔ اب میں آنجناب کے ان چھ نکات میں سے ہر نکتے کے بارے میں مختصراً عرض کرتا ہوں:

اول: صحابہ کرامؓ اور منافقین

آپ نے پہلے نکتے میں منافقین کا ذکر فرمایا، حالانکہ صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں منافقین کا قصہ لے بیٹھنا نہایت دل آزار مغالطہ اور ابلہ فریبی ہے۔ کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافق بھی تھے اور چونکہ وہ اپنے نفاق میں ایسے پکے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے نفاق کا علم نہیں ہو سکا، اور چونکہ بعض ایسے منافق تھے کہ بعض مصالح کی بنا پر ان کے نفاق کا علم ہو جانے کے باوجود ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جاتا تھا، لہٰذا ہر صحابیؓ کے بارے میں یہی رائے رکھی جائے کہ وہ ___ نعوذ باللہ ___ منافق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا تو اس کے نفاق کو جانتے نہیں تھے، یا اس کے ذی اثر ہونے کی وجہ سے مصلحت کی بنا پر تقیہ فرماتے تھے، اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ فرماتے تھے۔ یہ ہے وہ ناحق وسوسہ جس کی بنیاد عبداللہ بن سبا نے رکھی اور جو روافض کے سلب ایمان کا موجب ہوا۔

اسی وسوسہ کی بنا پر انہوں نے حضرات خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم) تک کو منافقین کی فہرست میں شامل کر لیا۔ اور آنجناب نے بھی بظاہر بڑے معصومانہ انداز میں اسی پُرفریب وسبائی وسوسہ کی ترجمانی فرمائی ہے۔ لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین و دیانت اور عقل و فہم کا کوئی شمہ نصیب فرمایا ہو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منافقین کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کبھی جرأت نہیں کرے گا، کیونکہ :

اولاً : قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بے شمار فضائل و مناقب اور ان کے ظاہری و باطنی کمالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ اجمالاً بھی اور تفصیلاً بھی، تلویحاً بھی اور تصریحاً بھی، کسی کے نام کی تعیین کے بغیر بھی اور ایک ایک کے نام کی تعیین کے ساتھ بھی۔ جبکہ دوسری طرف قرآن کریم میں بھی اور احادیث شریفہ میں بھی منافقوں کی شدید ترین مذمت کی گئی ہے، ان کے اقوال و افعال پر نفرین کی گئی ہے، ان کی دنیوی اور اخروی سزاؤں کو ذکر کیا گیا ہے اور انہیں "الدرک الاسفل من النار" یعنی دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

ان دونوں قسم کی آیات و احادیث کو سامنے رکھئے! اگر یہ فرض کر لیا جائے۔ جیسا کہ آپ نے سبائی وسوسہ کے ذریعہ یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ علم نہیں تھا کہ کون آپ کے مخلص صحابیؓ ہیں اور کون منافق ہیں؟ تو گویا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ قرآن و حدیث میں کن حضرات کی مدح و ستائش فرمائی جا رہی ہے؟ اور کن لوگوں کی مذمت و نکوہش بیان ہو رہی ہے؟ فرمایئے کیا آپ اس اندھیر نگری کو اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز رکھتے ہیں؟

ثانیاً : میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی بدبخت ملعون خارجی نعوذ باللہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ اور ان کے تین چار رفقاء کے بارے میں، جن کو شیعہ، مخلص صحابیؓ مانتے ہیں، ہی یاوہ گوئی کرے اور ان آیات کو جو منافقین کے حق میں وارد ہیں، ان اکابر پر چسپاں کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات ان اکابر کی فضیلت و منقبت میں وارد ہیں، ان کے بارے میں یہ کہے کہ یہ مخلص لوگوں کے خود ساختہ اور من

کھتے ہیں یا ان کو تقیہ پر محمول کرتے تو فرمایئے کہ اس ملعون خارجی کا کیا علاج کیا جائے گا؟ اور اس کا یہ طرز عمل گستاخی میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر حضرت امیرؓ اور ان کے دو چار رفقاء کے بارے میں یہ دعوی اور یہ طرز عمل نہایت دل آزار اور کفر آمیز گستاخی ہے تو روافض آل سبا کا ان آیات مقدسہ کو حضرات ثلاثہ اور جلیل القدر مہاجرین و انصار اور پوری جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر چسپاں کرنا کیا اس سے بدتر گستاخی نہیں؟

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلاشبہ معدودے چند منافقین بھی تھے، مگر منافقوں کو صحابی کون احمق کہتا ہے؟ اور منافقوں کے حوالے سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پر کیچڑ اچھالنے کے آخر کیا معنی ہیں؟ آنجناب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرہ میں منافقوں کا حوالہ دینے کی ضرورت آخر کیسے لاحق ہوئی؟

ثانیاً: یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین کو نہیں جانتے تھے تو سوال یہ ہے کہ روافض آل سبا کو کہاں سے وحی ہوگئی کہ حضرات خلفائے ثلاثہ، عشرہ مبشرہ اور اکابرین مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) منافق تھے؟

قرآن کریم کی شہادت کہ مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا

پہلی شہادت:

آنجناب نے منافقوں کے بارے میں قرآن مجید کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے اگر آنجناب فہم و انصاف سے اس پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ خود یہی آیت شریفہ شہادت دے رہی ہے کہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں کوئی منافق نہیں تھا، جیسا کہ میں اوپر "صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں" کے زیر عنوان تیسری آیت کے ذیل میں اس طرف اشارہ کر آیا ہوں۔ شرح اس کی یہ ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں حضرات سابقین اولین، مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی اور ان کے متبعین بالاحسان کی مدح فرمائی اور ان کے بارے میں چار وعدے فرمائے:

۱۔ ... اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔

۲۔ .... وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

۳۔ ..... اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔
۴۔ ...... وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اور پھر فرمایا کہ ان درجات عالیہ کا حصول وہ عظیم الشان کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصور ناممکن ہے۔

اس کے بعد آیت ۱۰۱ میں انہی مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ "تمہارے گرد و پیش کے دیہاتیوں میں کچھ منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں، اے نبیؐ! آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں، ہم ان کو بہت جلد دوہرا عذاب دیں گے، پھر ان کو بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔"

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾

(سورۃ التوبہ ۱۰۱)

ترجمہ: "اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں اور بعضے لوگ مدینے والے، اڑ رہے ہیں نفاق پر، تو ان کو نہیں جانتا، ہم کو وہ معلوم ہیں، ان کو ہم عذاب دیں گے دوبار، پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

یہ آیت شریفہ تین وجہ سے اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا۔

پہلی وجہ: یہ کہ اس آیت میں خود مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ: "تمہارے گرد و پیش کے دیہاتیوں میں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں ایسے لوگ ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں۔" اہل عقل جانتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے کسی تیسرے فریق کی اطلاع دی جا رہی ہے۔ لہٰذا ان کو منافقین کی اطلاع دینا اس امر کی دلیل ہے کہ سابقین اولین مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا، بلکہ منافقوں کا ٹولہ ان دونوں فریقوں کے علاوہ تھا جس کی ان حضرات کو اطلاع دی جا رہی ہے۔

دوسری وجہ: یہ کہ منافقوں کی دو قسمیں ذکر فرمائی ہیں، ایک گردوپیش کے دیہاتی اور دوسرے مدینہ کے قدیم باشندے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بالخصوص مہاجرین اولین میں کوئی منافق نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا شمار نہ تو گردوپیش کے دیہاتیوں میں ہوتا ہے، نہ مدینہ کے قدیم باشندوں میں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مہاجرین میں ایک شخص بھی منافق نہیں تھا۔

تیسری وجہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو دو مرتبہ عذاب دینے کی دھمکی دی۔ (ایک مرتبہ دنیا میں اور دوسری مرتبہ قبر میں)۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو دنیا میں کوئی عذاب نہیں ہوا، بلکہ وہ اپنے آخری لمحات حیات تک اعلائے کلمۃ اللہ اور خدمت دین میں مشغول اور مظفر و منصور رہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ان حضرات میں سے کوئی منافق نہیں تھا، ورنہ وعدۂ الٰہی کے مطابق یہ حضرات (نعوذ باللہ) ضرور معذب و مخذول ہوتے۔

دوسری شہادت:

انہی مہاجرین و انصار کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے اسی سورہ میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾

(سورۃ التوبہ ۱۱۷)

ترجمہ: "اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے، مشکل کی گھڑی میں، بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے، پھر مہربان ہوا ان پر۔ بے شک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا۔" (ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت شریفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاص عنایت خداوندی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال تھی، اس سے وہ حضرات مہاجرین و انصار بھی بہرہ یاب تھے جو غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق تھے۔ ظاہر ہے کہ کوئی منافق

اس عنایت خاصہ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

تیسری شہادت :

پھر انہی مہاجرین و انصار کو سورۂ انفال آیت ۷۴ میں ان کے سچے مومن ہونے کی قطعی سند عطا فرمائی اور ان سے مغفرت اور اجر کریم کا وعدہ فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (سورۃ الانفال ۷۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔"
(ترجمہ شیخ الہند)

قرآن کریم کی اس قطعی شہادت کے بعد ان حضرات کے حق میں یہ یاوہ گوئی کرنا کہ وہ منافق تھے اور جو آیات منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو ان حضرات پر چسپاں کرنا خود سوچئے کہ یہ قرآن کریم کی تکذیب ہے یا نہیں؟

چوتھی شہادت :

سورۂ حشر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے تین طبقات کا ذکر فرمایا ہے۔ مہاجرین، انصار اور ان کے بعد آنے والے حضرات، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾، ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ
وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي

صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿ ◦ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ ۔

(سورۂ حشر: ۸، ۹، ۱۰)

ترجمہ: "واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے، ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی، اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے۔ اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے، وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس، اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ۔ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد، کہتے ہوئے اے رب! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں، اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا، اے رب! تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

پہلی آیت مہاجرین کے بارے میں ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے اس ضمن میں ان کی چار صفات ذکر فرمائی ہیں:

۱۔ ان کی جانثاری و قربانی کہ وہ اسلام کی خاطر گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہوئے۔

۲۔ ان کا اخلاص و للّٰہیت کہ اس ہجرت سے ان کا مقصود صرف رضائے الٰہی تھا۔

۳۔ ان کا اللہ و رسول کا مددگار ہونا۔

۴۔ اور آخری بات یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے قول و فعل اور دین و ایمان میں قطعاً سچے ہیں۔

دوسری آیت میں حضرات انصار کے چند فضائل بیان فرمائے:

۱۔ مہاجرین کی آمد سے پہلے یہ حضرات دارالاسلام میں اور ایمان میں قرار پذیر تھے۔

۲۔ جو حضرات ہجرت کر کے ان کے پاس آتے وہ محض ایمان کی بنیاد پر ان سے محبت رکھتے تھے۔

۳۔ حضرات مہاجرین کو کچھ دیا جاتا تو ان کے دل میں رشک پیدا نہیں ہوتا تھا۔

۴۔ یہ حضرات اپنی حاجت مندی کے باوجود دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طبیعت کے بخل اور مال کی حرص سے محفوظ رکھا تھا۔ اس لئے یہ حضرات بڑے کامیاب و بامراد تھے۔

تیسری آیت میں مہاجرین و انصار کے بعد قیامت تک آنے والی امت کا تذکرہ ہے اور ان کی دو صفتیں ذکر فرمائی ہیں۔

اول: یہ کہ وہ اپنے پیشرو اہل ایمان مہاجرین و انصار کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

دوم: یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے دل میں اہل ایمان مہاجرین و انصار کی جانب سے کینہ اور کدورت نہ ہو۔

اہل ایمان کے ان تین طبقات کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے گیارہویں آیت سے منافقین کا ذکر شروع فرمایا ہے۔ اس تفصیل سے چند امور کھلے طور پر ثابت ہوئے:

اول: یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات شریفہ میں حضرات مہاجرین و انصار کے ایمان و اخلاص کی قطعی شہادت دی ہے۔ اہل ایمان کو تو شہادت خداوندی کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، لیکن حضرات شیعہ اس شہادت ربانی کے بعد بھی ان حضرات پر نفاق و ارتداد کی تہمت دھرتے ہیں۔ انصاف کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی کو قبول نہ کرنے والوں کا اسلام میں کتنا حصہ ہے؟

دوم: اللہ تعالیٰ نے "اولئک ھم الصادقون" فرما کر ان حضرات کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ اور باتفاق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو "خلیفہ رسول اللہ" کہتے تھے۔ اگر یہ حضرات اپنے قول میں سچے تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ برحق ہونا ثابت ہوا اور اگر یہ حضرات اس قول میں جھوٹے تھے تو نعوذ باللہ قرآن نے جھوٹوں کو سچا کہا۔

سوم: اللہ تعالیٰ نے ان آیات شریفہ میں قیامت تک کی امت کے تین طبقے ذکر فرمائے ہیں۔ (۱) مہاجرینؓ، (۲) انصارؓ، (۳) اور بعد کے وہ لوگ جو ان مہاجرین و انصار کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور ان سے کینہ نہیں رکھتے۔ اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ جو شخص ان تینوں میں داخل نہ ہو وہ امت مسلمہ سے خارج ہے۔ ملا فتح اللہ کاشانی تفسیر "منہج الصادقین" میں لکھتے ہیں:

"و مخفی نیست کہ بغض مومنان داراد و بدی با ایشان از حیثیت ایمان کفر است و از حیثیت غیر آن فسق۔ و صاحب انوار آوردہ کہ حق جل و علا مومنان را بر سہ فرقہ فرود آورد مہاجر و انصار و تابعین کہ موصوف باشند بپاکی عقیدت و پاکیزگی طینت پس ہر کہ بدین صفت نبود از اقسام مومنان خارج است۔ و از ابن ابی لیلی مروی است کہ اہل ایمان سہ طبقہ اند۔ از مہاجر و انصار کہ خدای تعالیٰ در حق ایشان فرمودہ کہ "والذین تبوءو الدار والایمان" و تابعین و اتباع تابعین تا بقیامت کہ خدای در شان ایشان فرمودہ کہ "والذین جاءو من بعدہم" پس جہد کن تا از این سہ گروہ بیرون نیائی و جدا از صف مہاجر و انصار و تابعین بیان اخوان منافقان نعوذ باللہ منہم (انتہی)"

(منہج الصادقین۔ صفحہ ۲۳۴، جلد ۹)

ترجمہ: "اور پوشیدہ نہیں ہے کہ اہل ایمان سے بغض رکھنا اور ان سے برائی کا ارادہ کرنا اگر ان کے ایمان کی وجہ سے ہو تو کفر اور کسی دوسری وجہ سے ہو تو فسق ہے۔ اور صاحب انوار نے ذکر کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اہل ایمان کے تین طبقے ذکر فرمائے ہیں۔ (۱) مہاجرین، (۲) انصار، (۳) اور ان کے بعد آنے والے وہ لوگ، جو عقیدہ کی پاکی اور دل کی صفائی کے ساتھ موصوف ہوں۔ پس جو شخص اس صفت کے ساتھ موصوف نہ ہو وہ اہل ایمان کی قسموں سے خارج ہے۔

"اور ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ اہل ایمان کے تین طبقے ہیں۔ (۱) مہاجرین صحابہؓ، (۲) انصار جن کے بارے میں فرمایا "اور وہ لوگ جنہوں نے قرار پکڑا دارالاسلام اور ایمان میں"، (۳) ان دونوں فریقوں

کے بعد آنے والے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اور وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد آئے" پس کوشش کرو کہ تم ان تین گروہوں سے باہر نہ رہو۔ مہاجرین و انصار اور ان کے تابعین کی مدح کے بعد اللہ تعالیٰ منافقین کا حال ذکر فرماتے ہیں۔ (یعنی اگلی آیت میں)۔"

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"امام جعفر اپنے والد ماجد محمد باقر سے اور وہ اپنے والد امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے! آپ عثمانؓ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے بھائی! کیا تم اس گروہ میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "للفقراء المهاجرين" ؟ کہا نہیں، فرمایا اچھا اگر تم اس فریق میں سے نہیں تو دوسرے فریق میں سے ہو گے جن کے بارے میں فرمایا ہے: "والذين تبوؤا الدار والايمان" ؟ کہا نہیں! فرمایا اب صرف تیسری آیت باقی رہ گئی، اگر تم اس آیت کا مصداق بھی نہیں ہو گے تو اسلام ہی سے نکل جاؤ گے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ:

"امام زین العابدین کے پاس اہل عراق کے کچھ لوگ آئے۔ پہلے شیخینؓ کے بارے میں، پھر عثمانؓ کے بارے میں بدگوئی کرنے لگے۔ حضرت نے فرمایا کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو؟ بولے نہیں۔ فرمایا پھر کیا تم ان لوگوں میں سے ہو۔ "جنہوں نے ٹھکانا پکڑا دارالاسلام میں اور ایمان میں مہاجرین کے آنے سے پہلے۔" بولے، نہیں۔ فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

"اور واسطے ان لوگوں کے، جو آئے ان کے بعد، کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا۔ اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔"

"میرے پاس سے نکل جاؤ! اللہ تعالیٰ تمہارا استیصال کرے۔ یہ واقعہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔" (تفسیر قرطبی ۔ صفحہ ۳۱۔ ۳۲۔ جلد ۱۸)

قرآن کریم کی ان شہادتوں سے بخوبی واضح ہے کہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں سے کوئی منافق نہیں تھا۔ اس لئے آل سبا کا یہ کہنا کہ یہ حضرات منافق تھے (نعوذ باللہ) قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے۔ حضرات خلفائے ثلاثہؓ، حضرات مہاجرین و انصار" کے رئیس و امام تھے، اب اگر مہاجرین و انصار" اہل ایمان تھے (اور بلاشبہ اہل ایمان تھے) تو خلفائے ثلاثہؓ رئیس المہاجرین اور امام المسلمین تھے۔ بے شمار نصوص سے ان کا مومن عند اللہ ہونا ثابت ہے۔ یہاں بطور نمونہ ایک ایک حوالہ ذکر کرتا ہوں:

ابو بکر رضی اللہ عنہ "صدیق" تھے:

رجال کشی میں حضرت ابن عباسؓ کا ایک طویل مناظرہ ام المومنین عائشہؓ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک فقرہ یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا:

انا جعلناك للمؤمنين اما و انت بنت ام رومان وجعلنا اباك صديقا وهو ابن ابي قحافة.

(رجال کشی ... صفحہ ۵۲، روایت ۱۰۸)

ترجمہ: "ہم نے تجھ کو ام المومنین بنا دیا، حالانکہ تو ام رومان کی بیٹی تھی اور ہم نے تیرے ابا کو "صدیق" بنا دیا، حالانکہ وہ ابو قحافہ کے بیٹے تھے۔"

اس روایت سے ثابت ہوا کہ تمام اہل ایمان حضرت عائشہؓ کو ام المومنین اور ان کے والد گرامی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو "صدیق" سمجھتے اور کہتے تھے۔

ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما:

رجال کشی میں بریدہ اسلمیؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے کہا گیا کہ "اے ابو بکر! آپ صدیق ہیں اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

یار غار ہیں۔" آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ وہ تیسرے آدمی کون ہیں؟ مگر انہوں نے عذر کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ "آپ فاروق ہیں، جن کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے۔"

(رجال کشی صفحہ ٣٠، روایت ٥٨)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرات صحابہؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق اور "یار غار" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "فاروق" کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرتے ہیں

علامہ کلینی نے "روضہ کافی" میں امام صادقؒ سے غزوۂ حدیبیہ کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

وكان رسول الله ﷺ أراد أن يبعث عمر، فقال: يا رسول الله إنّ عشيرتي قليلٌ وإنّي فيهم على ما تعلم ولكنّي أدلّك على عثمان بن عفّان، فأرسل إليه رسول الله ﷺ، فقال: انطلق إلى قومك من المؤمنين فبشّرهم بما وعدني ربّي من فتح مكة فلمّا انطلق عثمان لقي أبان بن سعيد فتأخّر عن السرج[1] فحمل عثمان بين يديه ودخل عثمان فأعلمهم وكانت المناوشة[2] فجلس سهيل بن عمرو عند رسول الله ﷺ وجلس عثمان في عسكر المشركين وبايع رسول الله ﷺ المسلمين وضرب بإحدى يديه على الأخرى لعثمان[3] وقال المسلمون: طوبى لعثمان قد طاف بالبيت وسعى بين الصفا والمروة وأحلّ، فقال رسول الله ﷺ: ما كان ليفعل فلمّا جاء عثمان قال له رسول الله ﷺ أطفت بالبيت، فقال: ما كنت لأطوف بالبيت ورسول الله ﷺ لم يطف به

(روضہ کافی صفحہ ٣٢٢ ج ٨)

ترجمہ: "اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو مکہ کے لوگوں کی طرف بنا کر بھیجنا چاہا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہاں میرے قبیلے کے لوگ تھوڑے ہیں اور مجھے کفار مکہ جس نظر سے دیکھتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ عثمان بن عفانؓ کو بھیجئے۔ چنانچہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا: مکہ میں اپنے اہل ایمان بھائیوں کے پاس جاؤ اور ان کو اس کی خوشخبری دو کہ میرے رب نے مجھ سے فتح مکہ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ عثمان بن عفانؓ گئے تو راستہ میں ان کو ابان بن سعید ملے، انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنی سواری پر اپنے آگے سوار کر لیا اور حضرت عثمانؓ مکہ میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ کی تیاری ہونے لگی تو سہیل بن عمرو (مخالفین کے نمائندے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور حضرت عثمانؓ کفار کے لشکر میں روک لئے گئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت لی اور اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا: "یہ میں عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔"

اور مسلمانوں نے کہا کہ عثمانؓ بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کر لیا اور صفا و مروہ کی سعی کر کے احرام سے فارغ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: "عثمانؓ ایسا نہیں کرتے۔" جب حضرت عثمانؓ واپس آئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تم نے بیت اللہ کا طواف کر لیا؟ عرض کیا کہ جس حالت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف نہ کیا ہو، میں کیسے طواف کر سکتا تھا؟"

یہ حدیث چند اہم فوائد پر مشتمل ہے:

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور سفیر اہل مکہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ کرنا، ان کے مومن مخلص ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ ایسی نازک سفارت کے لئے کسی مشتبہ آدمی کو بھیجنا کسی معمولی عقل و فہم کے آدمی کا کام بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ سید العقلاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا وسوسہ کیا جائے۔

دوم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دینا اور آپؐ کا ان کے مشورہ پر عملدر آمد کرنا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا مشورہ نہایت مخلصانہ تھا، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص مشیر تھے۔

سوم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ "میں اہل مکہ کی نظر میں جیسا ہوں، وہ آپ کو معلوم ہے" اس سے ثابت ہوا کہ اہل مکہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عداوت و دشمنی معروف تھی اور یہ محض ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے تھی۔ اگر وہ سچے مسلمان نہ ہوتے تو اہل مکہ کو ان سے دشمنی کیوں ہوتی؟

چہارم: حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر مکہ مکرمہ بھیجنا، اور ان سے یہ فرمانا کہ اہل ایمان کو خوشخبری دو، ان کے اخلاص و ایمان کی شہادت ہے۔

پنجم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "عثمانؓ ہمارے بغیر بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتے" ان کے ایمان و اخلاص پر کامل اعتماد کی دلیل ہے۔

ششم: یہ "بیعت رضوان" اس وقت ہوئی تھی جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، گویا اس بیعت رضوان کی علت غائیہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینا تھا۔

ہفتم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے دست مبارک سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرنا، ان کی ایسی فضیلت و منقبت ہے جس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں، جو شخص اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہو اس کے بارے میں تو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) منافقانہ طور پر بیعت کر رہا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جس کی طرف سے بیعت فرمائیں اس کے بارے میں ایسا خیال کرنا تو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت اور مقدس ہاتھ کی توہین ہے، جو کفر خالص ہے۔

۲۔ صحابہ کرامؓ اور مرتدین

دوسرے نکتہ میں آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرتد ہو گئے تھے۔ اور چوتھے نکتہ میں ان مرتدین کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ آپ نے لکھا ہے کہ حدیث حوض میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔ اور آخری نکتہ میں بھی حدیث حوض کا ذکر

ہے۔

گویا آپ کے تین نمبروں کا خلاصہ ایک ہے کہ ان میں مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے، اس ضمن میں چند گزارشات ہیں:

اول: آنجناب نے ان مرتدین کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"ہم انہیں ایسے صحابیؓ رسول نہیں مانتے، جن کے بارے میں بلند تعریف کی گئی ہو۔"

سوال یہ ہے کہ جب آپ ان مرتدین کو "صحابی" نہیں مانتے (اور اہلسنت میں سے بھی کوئی اس کا قائل نہیں کہ مرتدین کو بھی صحابہؓ میں شامل کیا جائے) تو صحابہؓ کی بحث میں مرتدین کا تذکرہ درمیان میں لانے کا کیا مطلب؟

دوم: آپ نے مرتدین کے لئے صحیح بخاری کی حدیث حوض کا حوالہ دیا ہے، اس حدیث میں جن مرتدین کا ذکر آیا ہے، یہ وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاہلیت کی روش پر لوٹ گئے تھے اور جن سے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے جہاد کیا۔ ان ہی حضرات کے حق میں قرآن کریم کی درج ذیل پیش گوئی صادق آئی:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا مَنْ یَرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِینِهِ فَسَوْفَ یَأْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهُ، أَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِینَ أَعِزَّةٍ عَلَی الْکَافِرِینَ یُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیهِ مَنْ یَشَاءُ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیمٌ﴾ (سورۃ المائدہ ۵۴)

ترجمہ: "اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں، نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا، دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اوپر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے تذکرے میں تفصیل سے ذکر کرچکا ہوں کہ اس آیت شریفہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے رفقاء کے وہ فضائل و کمالات بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی فضیلت متصور نہیں۔ آپ صحیح بخاری کی حدیث حوض، جس کو اعدائے صحابہؓ، صحابہؓ کی مذمت میں پیش کرتے ہیں، در حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اعلیٰ درجہ کی منقبت پر مشتمل ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الانبیاء "باب نزول عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم" سے نقل مذکور ہے:

«هم المرتدون الذين ارتدوا على عهد أبي بكر، فقاتلهم أبو بكر رضي الله عنه»

(صحیح بخاری صفحہ ۴۹۰، جلد ۱)

ترجمہ: "یہ مرتدین (جن کا حدیث حوض میں ذکر ہے) وہی لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرتد ہوگئے تھے اور جن کے خلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔"

امام خطابیؒ فرماتے ہیں:

"لم يرتد من الصحابة أحد، وإنما ارتد قوم من جفاة الأعراب ممن لا نصرة له في الدين، وذلك لا يوجب قدحا في الصحابة المشهورين، ويدل قوله "أصيحابي" بالتصغير على قلة عددهم"

(فتح الباری صفحہ ۳۸۵، جلد ۱۱۔ کتاب الرقاق، باب الحشر)

ترجمہ: "صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی مرتد نہیں ہوا، البتہ اکھڑ قسم کے دیہاتیوں کی ایک جماعت ضرور مرتد ہوئی، جن کی دین میں کوئی خدمت نہیں تھی، اور یہ بات مشہور صحابہؓ میں موجب قدح نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صیغہ تصغیر کے ساتھ "اصیحابی" فرمانا ان مرتدین کی قلت کو بتاتا ہے۔"

جن صحابہؓ نے مال و جان کے ساتھ جہاد کیا وہ ارتداد سے محفوظ تھے

اوپر امام خطابیؒ کے اس قول میں کہ "مرتد صرف وہی لوگ ہوئے جن کی دین

میں کوئی نصرت نہیں تھی" اس طرف اشارہ ہے کہ جن اکابر نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان و مال کی قربانیاں دیں وہ ارتداد سے محفوظ تھے۔ یہ مضمون قرآن کریم سے مستنبط ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً، وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً، وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (سورۃ النساء ۹۵، ۹۶)

ترجمہ: "برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں، اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔ اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں۔ جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔" (ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت شریفہ میں مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں سے عظیم ترین درجات کا وعدہ فرمایا ہے۔ جبکہ مجاہدین اور قاعدین دونوں کے بارے میں فرمایا:

وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى

"اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا۔"

اور سورۃ الحدید میں ارشاد ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (سورۃ الحدید ۱۰)

ترجمہ: "برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتح کہ سے پہلے اور لڑائی کی۔ ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔" (ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت شریفہ میں دو مضمون ذکر فرمائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جن مقدور والوں نے فتح مکہ (یا بقول بعض حدیبیہ) سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور جہاد کیا، بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقل قلیل تھے۔ اور دنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی و مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی۔ اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال و غنائم وغیرہ کی توقعات بہت کم تھیں۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان و مال لٹا دینا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ و رزقنا اللہ اتباعہم و محبتہم آمین۔ (فوائد عثمانی)

دوسرا مضمون یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہؓ سے "الحسنیٰ" کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جن حضرات نے فتح سے قبل انفاق و قتال کیا ان سے بھی اور جنہوں نے بعد میں انفاق و قتال کیا ان سے بھی۔

اور سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۱)

ترجمہ: "جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے (یعنی دوزخ سے) دور رہیں گے۔" (ترجمہ شیخ الہند)

ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن صحابہؓ نے انفاق و قتال فی سبیل اللہ کیا وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ لہٰذا ان کا خاتمہ بر ایمان یقینی ہے۔ اگر وہ خدانخواستہ مرتد ہو جائیں تو وعدۂ الٰہی میں تخلف لازم آئے گا، جو شرعاً و عقلاً ممتنع ہے۔

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو حضرات اخلاص کے ساتھ ایمان لے آئے اور انہیں شرفِ صحابیت حاصل ہو گیا وہ بھی مرتد نہیں ہو سکتے اس لئے "الحسنیٰ" کا وعدہ ان کے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔ مرتد صرف وہی لوگ ہوئے جن کا اسلامی خدمات اور جان و مال کی قربانیوں میں کوئی حصہ نہیں تھا اور وہ سچے دل سے مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔ الغرض جن اکابر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جان و مال کی قربانیوں کی سعادت میسر آئی، ان کا مرتد ہونا مندرجہ بالا آیات کی رو سے ناممکن تھا۔ واللہ الموفق لکل خیر و سعادۃ۔

۳۔ صحابہ کرامؓ معصوم نہیں تھے، لیکن محفوظ تھے

تیسرے نکتہ میں آنجناب لکھتے ہیں کہ: "بیشتر صحابہؓ مومنین صالحین تھے لیکن وہ معصوم نہیں تھے۔" آنجناب کا یہ فقرہ نہ اہل سنت کے اصول پر صحیح ہے، نہ اہل تشیع کے اصول پر۔ اس لئے کہ اہل سنت کے نزدیک "بیشتر" صحابہؓ نہیں، بلکہ "کل کے کل" مومنین و صالحین تھے۔ "الصحابۃ کلہم عدول" ان کا طے شدہ اصول ہے۔ اور اہل تشیع کے نزدیک دو چار کے سوا باقی تمام صحابہؓ نعوذ باللہ مرتد ہو گئے تھے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

رہا یہ کہ صحابہؓ معصوم نہیں تھے، اہل سنت کے نزدیک یہ فقرہ صحیح ہے۔ لیکن آنجناب نے جس مفہوم میں اس کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے بقول "کلمۃ حق ارید بہا الباطل" کے قبیل سے ہے۔ بلاشبہ اہل سنت کے نزدیک تمام صحابہؓ بشمول حضرت علی اور حضرات حسنینؓ۔ غیر معصوم تھے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ وہ فاسق و فاجر تھے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، لیکن اکابر اولیاء اللہ محفوظ ہیں۔ اور حضرات صحابہؓ تمام اولیاء اللہ کے سرتاج اور مقتدا و پیشوا ہیں۔ اس لئے وہ اعلیٰ درجہ کے متقی و پرہیزگار تھے۔ ارشاد خداوندی "اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم" اگر ان کے حق میں نہیں تو امت میں اور کون ہو گا جو اس کا مصداق ہو؟

آنجناب کا یہ ارشاد کہ :

"لہٰذا بتقاضائے بشری ان سے گناہ بھی ہوئے اور لغزشیں بھی۔
چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حدیں بھی لگانے کا حکم دیا،
جیسا کہ اکابرین علمائے اہل سنت نے اس کی وضاحت کی ہے۔"

اس میں چند امور لائق توجہ ہیں :

اول : صحابہ کرام ؓ اسلام سے قبل جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور اپنے جاہلی ماحول کی وجہ سے وہ قبیح ترین جرائم کے عادی تھے، ان کا معاشرہ (فطری خوبیوں اور جوہری صفات اور صلاحیتوں کے باوجود) بدترین معاشرہ شمار کیا جاتا تھا لیکن جب یہ حضرات اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے تو وحی الٰہی کے نور سے ان کے قلوب منور اور "خورشید بداماں" ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت اور نظر کیمیا اثر نے ان کی کایاپلٹ دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تزکیہ کی برکت سے ان کا معاشرہ "رشک ملائک" بن گیا۔ اس قلب ماہیت کے بعد ان میں جرائم کی شرح اس قدر حیرتناک حد تک کم ہوگئی کہ عقل انگشت بدنداں ہے۔ حدیث و سیرت کی کتابوں سے کرید کرید کر لائق تعزیر واقعات تلاش کئے جائیں تو پورے دور نبوی ؐ میں ایسے واقعات کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اور بغیر کسی مبالغہ کے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ایسے پاکیزہ معاشرہ اور ایسے فرشتہ خصلت انسانوں کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ الغرض صحابہ کرام ؓ میں لائق تعزیر واقعات اگر پیش بھی آئے تو نہایت شاذ ونادر۔ اور عقلاء کا قاعدہ ہے کہ "النادر کالمعدوم" یعنی شاذ ونادر واقعات معدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ اب ان حضرات کے معاشرہ کی پاکیزگی اور اس کی مجموعی کیفیت کو نظرانداز کرکے جرائم کے ان معدودے چند واقعات کو اچھالنا اور ان واقعات سے صحابہ کرام ؓ کی پوری جماعت پر قدح کرنا، جیسا کہ آپ نے کیا ہے، کیا یہ صحت فکر کی علامت ہے؟

دوم : جن حضرات سے ایسے افعال کا صدور ہوا، ان کا شمار مشاہیر صحابہ ؓ میں نہیں۔

اور غالباً ان کو طویل صحبت بھی میسر نہیں آئی۔ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ، جن کے رجم کا واقعہ مشہور ہے، اگر ان کا یہ واقعہ پیش نہ آتا تو شاید کوئی شخص ان کے نام سے بھی آشنا نہ ہوتا۔ اسی طرح جتنے صحابہؓ کے ایسے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں، اکثر اسی قسم کے گمنام صحابہؓ ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت سے ان گمنام صحابہؓ میں بھی پاکیزہ نفسی کی یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ جب ان سے نفس کے فوری جذبہ کی بنا پر گناہ کا صدور ہوا تو وہ گناہ ان کے دل کی پھانس بن گیا کہ جب تک ان کی تطہیر نہیں ہو گئی انہیں کسی کروٹ چین نہیں آیا۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کوئی زبردستی پکڑ کر نہیں لایا بلکہ اپنے ضمیر کے بوجھ سے دب کر وہ از خود آکر اپنے گناہ کے معترف ہوئے۔ انہیں مشورہ دیا گیا کہ جا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کریں، مگر یہ تلقین بھی ان کی بے چینی و بے قراری کو ختم نہ کر سکی جب تک انہوں نے خدا کے راستہ میں جان نہ دے دی۔

اس ناکارہ کے نزدیک یہ ان گمنام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم ترین منقبت ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت کا عظیم الشان شاہکار اعجاز ہے۔ اس لئے یہ حضرات، جن سے مختلف قسم کے گناہ صادر ہوئے، اہل حق کے نزدیک بعد کے تمام اولیاء امت سے افضل ہیں۔ کیونکہ کردار کی یہ بلندی اور تقویٰ و طہارت اور پاکیزہ نفسی کی یہ کیفیت، جو ان حضرات کو صحبت نبویؐ کی برکت سے میسر آئی بعد کے کسی شخص کو نصیب نہیں۔

سوم: یہ گمنام صحابہؓ جن سے جرائم کا صدور ہوا، انہوں نے ایسی سچی توبہ کی جو ہم سب کے لئے لائق رشک ہے اور گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں ۔

تر دامنی پہ اپنی اے زاہد نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

یہاں تین واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جن سے ان حضرات کی توبہ و انابت ثابت ہوتی ہے:

پہلا واقعہ :

رجم کا سب سے مشہور واقعہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ صحیح مسلم (صفحہ ۶۸، جلد ۲) میں بروایت بریدہ مروی ہے کہ لوگوں کی ماعزؓ کے بارے میں دو جماعتیں بن گئیں، کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ شخص ہلاک ہوگیا، اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ ماعزؓ کی توبہ سے بڑھ کر کس کی توبہ ہو سکتی ہے، وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دے کر کہا کہ مجھے پتھروں سے قتل کیجئے۔ لوگ اسی حال میں دو یا تین دن ٹھہرے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، لوگ بیٹھے تھے، آپؐ نے سلام کیا، پھر تشریف فرما ہوئے۔ پھر فرمایا، ماعزؓ بن مالک کے لئے استغفار کرو۔ لوگوں نے دعا کی، "غفراللہ لماعز بن مالک" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة لوسعتهم.

ترجمہ: "اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت پر تقسیم کر دی جاتی تو پوری امت کو کافی ہوتی۔"

نسائی میں بروایت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لقد رأيته بين أنهار الجنة ينغمس.

(کنز العمال ج ۱۲۔ ۱۳۰) عزواہ الی النسائی۔ وہو عند النسائی فی الکبریٰ (۴۔ ۲۷۷) باالفاظ مختلفۃ)

ترجمہ: "میں نے اسے دیکھا کہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے"

مسند احمد میں بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ ارشاد مروی ہے:

غفر له وأدخل الجنة.

(مسند احمد ص ۱۷۹ ج ۵)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔"

ابوداؤد (۲۔ ۲۵۲) مصنف عبدالرزاق (۷۔ ۳۲۳) اور موارد الظمآن

(صفحہ ۳۶۳) میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو یہ کہتے سنا کہ "اس شخص کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا تھا، مگر اس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگسار کیا گیا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ آگے ایک مرے ہوئے گدھے کے پاس سے گزر ہوا تو آپؐ نے ان دونوں سے فرمایا:

انزلا فکلا من جیفة هذا الحمار ،

ترجمہ: "اتر کر اس گدھے کی لاش کو کھاؤ۔"

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کو کون کھا سکتا ہے؟ فرمایا:

فلما نلتما من عرض أخیکما آنفا أشد من أکل المیتة والذی نفسی بیده إنه الآن لفی أنهار الجنة ینغمس فیها .

ترجمہ: "جو تم نے اپنے بھائی کی غیبت کی ہے وہ اس مردار کھانے سے بدتر ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔"

صحیح ابو عوانہ میں بروایت جابرؓ یہ الفاظ ہیں:

"فقد رأیته یتخضخض فی انهار الجنه"

(فتح الباری صفحہ ۱۲۰، جلد ۱۲)

دوسرا واقعہ:

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرا مشہور واقعہ غامدیہؓ کا ہے۔ یہ خاتون بھی بغیر کسی کی نشاندہی کے خود بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئیں۔ صحیح مسلم (۲۔ ۶۸) میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ان کا واقعہ اس طرح منقول ہے:

"عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے مجھے پاک کیجئے۔ آپؐ نے اسے واپس کر دیا۔ اگلے دن پھر آئی، کہنے لگی یا رسول اللہ! آپ مجھے واپس کیوں کرتے ہیں، شاید آپ مجھے بھی واپس کرنا چاہتے ہیں جیسے

باعزّ کو واپس کرنا چاہتے تھے۔ مگر میں تو یہ کلرّی کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے پھر رہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، تو پھر ولادت کے بعد آنا۔ بچے کی پیدائش کے بعد وہ پھر آئی، تو فرمایا، بچے کی دودھ چھڑائی کے بعد آنا۔ دودھ چھڑا کر بچے کو لائی، اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ کہنے لگی، یارسول اللہ! اب تو یہ روٹی بھی کھانے لگا ہے۔ آپؐ نے اس کے رجم کا حکم دیا، لوگ رجم کر رہے تھے کہ حضرت خالدؓ نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا، جس سے خون کے چھینٹے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے منہ پر آگرے۔ انہوں نے اس خاتون کو کوئی نامناسب لفظ کہا (سبّہا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا:

مهلا يا خالد! فوالذي نفسي بيده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له.

ترجمہ: "خالد! برا بھلا کہنے سے باز رہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ٹیکس وصول کرنے والا کرتا تو اس کی بھی بخشش ہو جاتی۔"

پھر آپ نے اس پر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا اور اسے دفن کیا گیا۔"

یہی روایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ رجم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا نبی اللہ! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، اس نے تو زنا کا ارتکاب کیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا:

لقد تابت توبة لو قسمت بين سبعين من أهل المدينة لوسعتهم وهل وجدت توبة أفضل من أن جادت بنفسها لله تعالى

(صحیح مسلم ..... صفحہ ۶۹، جلد ۲)

ترجمہ: "اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینے کے ستر گنہگاروں پر تقسیم کر دی جائے تو ان کو بھی کافی ہو۔ کیا تمہیں اس سے افضل توبہ مل سکتی ہے کہ اس نے اللہ کی رضا کے لئے اپنی جان قربان کر دی؟"

تیسرا واقعہ :

۳: ابوداؤد (۲ ـ ۲۵۲ ـ ۲۵۳) مسند احمد (۳ ـ ۴۷۹) میں ایک اور واقعہ مذکور ہے :

"حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک عورت بچے کو اٹھائے ہوئے گزری۔ لوگ اس کے ساتھ ہو لئے، میں بھی ان میں شریک تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس بچے کا باپ کون ہے؟ عورت خاموش رہی، ایک نوجوان نے کہا، یا رسول اللہؐ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پھر سوال کیا۔ نوجوان نے پھر کہا، یا رسول اللہؐ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے تحقیق فرمائی (کہ اس کو جنون تو نہیں، عرض کیا گیا) یہ تندرست ہے۔ آپؐ نے اس نوجوان سے فرمایا کہ تم شادی شدہ ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا، آپؐ نے اس کے رجم کا حکم فرمایا۔ ہم نے اسے سنگسار کر کے دفن کر دیا۔ ایک شخص اس مرحوم کے بارے میں پوچھتے آیا، ہم اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ ہم نے کہا، یہ شخص اس خبیث کے بارے میں پوچھتے آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

هو أطيب عند الله عزوجل من ريح المسك .

ترجمہ: "وہ خبیث نہیں۔ بخدا! وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشبو سے زیادہ پاکیزہ تر ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو کلمات طیبات ارشاد فرمائے، کون مسلمان اس کی تمنا نہ کرے گا کہ کاش! نبوت کی زبان وحی ترجمان سے یہ دو جملے اس کو میسر آجائیں!

جس گنہگار کو توبہ کی توفیق ہو جائے، پھر اس کی توبہ قبول بھی کر لی جائے اور پھر اس کی قبولیت کی اطلاع بھی کر دی جائے اس سے بڑھ کر خوش بخت اور کون ہو سکتا ہے؟ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا

اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔"
(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۰۶)

کا قانون تو ہم گنہگاروں کے لئے ہے، صحابہ کرامؓ جن کے مقبول التوبہ ہونے کی بشارتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے ملتی تھیں، ان کا کیا پوچھنا؟ ان کے ایسے گناہوں پر صد زہد و طاعت قربان! الغرض جبکہ ساری تگ و دو اور سعی و عمل سے مقصود رضائے الٰہی اور قرب عند اللہ ہے اور یہ دولت ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بالفعل حاصل ہے تو یوں کہو کہ بہ برکت فیض صحبت نبویؐ ان حضرات کے گناہ بھی ہم جیسے ظالمات ٹھہرے۔ اس کے بعد ان اکابر کے ان مغفور گناہوں کا ذکر کرنا میں نہیں سمجھتا کہ بجز اپنے نامہ عمل کو سیاہ کرنے کے اور کیا فائدہ رکھتا ہے؟

صحابہ کرامؓ سے معاصی کے صدور کی تکوینی حکمت

جن حضرات کو حق تعالیٰ شانہ نے حقیقت و معرفت سے بہرہ ور فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے ان افعال میں بھی، جن کو شریعت نے لائق تعزیر قرار دیا، حق تعالیٰ شانہ کی تکوینی حکمت کارفرما تھی۔ اس لئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت دور میں ایسے واقعات رونما نہ ہوتے تو حدود شرعیہ کا نفاذ کیسے ہوتا؟ اور دین کی تکمیل کے عملی مظاہر کیسے سامنے آتے؟ کارکنان قضا و قدر نے تکمیل دین محمدیؐ کے لئے صحابہ کرامؓ کو پیش کرکے ان پر حدود کا نفاذ کرایا اور ان کے پاک دامن پر گناہ کے جو داغ دھبے آگئے تھے فوری طور پر توبہ و انابت کے ذریعہ ان دھبوں کو صاف کردیا گیا۔ اور تاکید کردی گئی کہ خبردار! آئندہ کوئی شخص ان نفوس قدسیہ کا ذکر برائی سے ساتھ نہ کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"اللہ اللہ فی اصحابی اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی"
(مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۴)

ترجمہ: "اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں، اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنا لینا۔"

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی " تذکرۃ الخلیل " میں قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ بعد عصر حسب معمول آپ صحن باغ میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے اور چاروں طرف مونڈھوں پر خدام و حاضرین کا ایک کثیر مجمع چاند کا ہالہ بنا بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خان صاحب نے حضرات صحابہؓ کی باہمی جنگ و رنجش کا تذکرہ شروع کر دیا اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ہمیں یوں کرنا چاہئے تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعتاً حضرت کو جوش آگیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ جھرجھری لے کر حضرت سنبھلے اور فرمایا، راؤ صاحب ایک مختصر سی بات میری سن لیجئے۔ بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمام ضروریات دین و دنیا سے باخبر کرنے کے لئے تشریف لائے تھے اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کے لئے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا۔ اس تعلیم کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے حوادث اور واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور عمل مرتب ہو تو دنیا دیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہئے۔ پس اصول کے درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں، جو حضرت روحی فداہ کے زمانۂ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو۔ اب واقعات تھے دو قسم کے۔ ایک وہ جو منصب نبوت کے خلاف نہیں، اور دوسرے وہ جو عظمت شان نبوت کے منافی ہیں۔ پس جو واقعات منصب نبوت کے خلاف نہ تھے وہ تو خود حضرت پر پیش آئے مثلاً عزیز اور اولاد کا پیدا ہونا، ان کا مرنا، نفقہ کفنانا وغیرہ وغیرہ، تمام خوشی و غمی کے واقعات حضرت کو پیش آگئے اور دنیا کو عملاً یہ سبق مل گیا۔ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب۔ اور کسی کی ولادت و ختنہ و نکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلاف سنت۔

مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آویں تو عظمت رسالت کے خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیم محمدی ناتمام رہے۔ مثلاً زنا و چوری وغیرہ ہو تو اس طرح حد شرعی ہونا چاہئے اور باہم جنگ و قتل یا نفسانی اغراض پر

دنیاوی امور میں نزاع در پیش ہو تو اس طرح اصلاح ہونا چاہئے۔ یہ امور ذاتِ محمدیؐ پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے اور ضرورت تھی پیش آنے کی۔

لہٰذا حضرات صحابہؓ نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدام و غلام آخر کس مصرف کے ہیں، جو امور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں اور حکم و نتیجہ مرتب کیا جائے تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ پر وہ سب ان کو پیش آیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لئے رشد و ہدایت بنا اور دنیا کے ہر چھوٹے بڑے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب۔ بھی کوئی ہو تو ایسا باہمت جانثار جو تکمیل دین محمدیؐ کی خاطر ہر ذلت کو عزت اور عیب کو ہنر سمجھ کر نشانۂ ملامت بننے پر فخر کرے اور بزبان حال کہے کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شہرت و نیک نامی اور عزت و نام آوری سب چاہا کرتے ہیں مگر اس کا مزہ کسی عاشق سے پوچھو کہ جاں نثاری میں کیا لطف ہے اور کوچۂ معشوق کی ننگ و عار کیا لذیذ شے ہے۔

ز ننگ چہ گوئی مرا ہم ز ننگ ست
و از نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام است

یہ عشق تو اس طرح ہماری تمہاری اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو نثار کریں اور ہم ان کے منصف و قاضی بن کر تیرہ سو برس بعد ان کے مقدمات کا فیصلہ دینے کے لئے بیٹھیں اور نکتہ چینیاں کر کے اپنی عاقبت گندی کریں، اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جواہرات سینہ کے قدردان نہیں بن سکتے تو کم سے کم بدزبانی و طعن ہی سے اپنا منہ بند رکھیں کہ "اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضاً۔"
(تذکرۃ الخلیل ... صفحہ ۲۲۹ تا ۲۳۰)

۴۔ مشاجرات صحابہؓ

پانچویں نکتہ میں آپ نے لکھا ہے کہ:

"حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں حضرت عائشہؓ اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا لیکن حضرت عائشہ کی اس فعل پر پشیمانی اور توبہ ثابت ہے۔ یہی اکابرین اہل سنت کا نظریہ ہے۔"

اس بحث میں چند امور قابل ذکر ہیں:

اول: امیرالمومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو حالات پیش آئے اور جو بالآخر جنگ جمل اور جنگ صفین پر منتج ہوئے، وہ تاریخ میں مدون ہیں۔ یہ حالات ایسے ہوشربا تھے کہ عقل حیران تھی کہ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان شہیدؓ کے بعد بار خلافت اٹھانے کی جب درخواست کی گئی تو ارشاد فرمایا:

دَعُونِي وَالْتَمِسُوا غَيْرِي، فَإِنَّا مُسْتَقْبِلُونَ أَمْراً لَهُ وُجُوهٌ وَأَلْوَانٌ، لَا تَقُومُ لَهُ الْقُلُوبُ، وَلَا تَثْبُتُ عَلَيْهِ الْعُقُولُ [illegible]، وَإِنَّ الْآفَاقَ قَدْ أَغَامَتْ [illegible]، وَالْمَحَجَّةَ [illegible] قَدْ تَنَكَّرَتْ [illegible]

(نہج البلاغہ صفحہ ۱۳۶، خطبہ نمبر ۹۲)

ترجمہ: "مجھے رہنے دو، کسی اور کو تلاش کرو، کیونکہ ہمیں ایسے امر کا سامنا ہے جس کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں۔ جس کے سامنے نہ دل تاب رہ سکتے ہیں، نہ عقلیں ٹھہر سکتی ہیں۔ افق پر گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور راستہ مشتبہ ہو گیا ہے۔"

یہ ہے حالات کا صحیح نقشہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس وقت درپیش تھے۔

دوم: ظاہر ہے کہ وحی کا دروازہ تو بند ہو چکا تھا، اب ان سنگین حالات میں ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف تھا اور اس ضمن میں آراء کا اختلاف بھی ایک فطری چیز تھی۔ چنانچہ ان حالات میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء میں بھی اختلاف رونما ہوا۔

جن صاحب نے اپنے اجتہاد سے جس چیز کو عنداللہ حق سمجھا محض رضائے الٰہی کی خاطر اس کو اختیار کیا۔

ایک فریق نے یہ سمجھا کہ حق علیؓ کے ساتھ ہے اس نے آپ کی حمایت میں جانبازی کے جوہر دکھائے۔ دوسرے فریق نے یہ سمجھا کہ مفسدین کا ٹولہ، جس نے خلیفہ مظلومؓ کو شہید کر کے خلافت اسلامیہ کے پرخچے اڑا دیئے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں ہے بلکہ عملاً وہی بااقتدار ہے یہ ٹولہ خلیفہ کے قابو میں نہیں بلکہ خود ادارۂ خلافت اس ٹولے کے قابو میں ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے حضرت امیرؓ سے ان فتنہ پردازوں کی گوشمالی کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا:

يَا إِخْوَتَاهُ! إِنِّي لَسْتُ أَجْهَلُ مَا تَعْلَمُونَ، وَلٰكِنْ كَيْفَ لِي بِقُوَّةٍ وَالْقَوْمُ الْمُجْلِبُونَ عَلَىٰ حَدِّ شَوْكَتِهِمْ، يَمْلِكُونَنَا وَلَا نَمْلِكُهُمْ! وَهَا هُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ ثَارَتْ مَعَهُمْ عُبْدَانُكُمْ، وَالْتَفَّتْ إِلَيْهِمْ أَعْرَابُكُمْ، وَهُمْ خِلَالَكُمْ يَسُومُونَكُمْ مَا شَاءُوا، وَهَلْ تَرَوْنَ مَوْضِعاً لِقُدْرَةٍ عَلَىٰ شَيْءٍ تُرِيدُونَهُ

(نہج البلاغہ ص ۲۴۳)

ترجمہ: "بھائیو! جو بات تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں، لیکن میرے پاس یہ قوت کہاں ہے؟ (کہ ان لوگوں کی گوشمالی کروں) جبکہ فوج کشی کرنے والے پوری قوت و شوکت میں ہیں۔ وہ ہم پر مسلط ہیں، ہم ان پر حاوی نہیں، یہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور تمہارے بدوی بھی ان کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ تمہارے درمیان (رہ رہے) ہیں، جس طرح چاہتے ہیں تمہیں آزار پہنچاتے ہیں۔ کیا تمہیں کوئی ایسی صورت نظر آتی ہے کہ جو کچھ تم چاہتے ہو، اس کی قدرت حاصل ہو؟"

اس دوسرے فریق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب، ان کے ظاہر و باطنی کمالات اور ان کے مقبول عنداللہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں تھا۔ ان کو جو مشکل درپیش تھی وہ یہ تھی کہ جب تک ان مفسدوں کو بالادستی حاصل ہے، حضرت علی رضی

اللہ عنہ کا ساتھ کیسے دیا جائے؟ ان حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ ان مفسدین کا قلع قمع کرنا اور خلافت کو ان کے چنگل سے نجات دلانا ضروری ہے۔

تیسرے فریق نے یہ خیال فرمایا کہ اب تک ہم کفار کے مقابلے میں صف آرا تھے اور ہماری تلواریں کافروں کو کاٹ رہی تھیں، لیکن اب مفسدوں کی فتنہ پردازی نے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا دیا ہے۔ جن تلواروں سے ہم نے کافروں پر جہاد کیا انہی کو مسلمانوں کی گردن پر کیسے چلائیں؟ ان حضرات نے ورع و احتیاط کے طور پر اس فتنہ کی آگ میں کودنے سے کنارہ کشی کی۔ تاکہ کسی مسلمان کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین نہ ہوں جیسا کہ احادیث میں متعدد صحابہ کرامؓ سے منقول ہے۔

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جیسا کہ حضرت امیرؓ نے فرمایا، افق پر فتنہ کی گھٹائیں چھا گئیں، راستہ مشتبہ اور بے پہچان ہو گیا، اور حالات نے کئی رخ اور کئی رنگ اختیار کر لئے۔ اس لئے جس فریق نے اپنے اجتہاد اور اپنی صوابدید کے مطابق جو پہلو اختیار کیا وہ محض رضائے الٰہی کے لئے تھا، اور ہر فریق اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف تھا۔ صحابہ کرامؓ کو جو حالات در پیش تھے ان کی مثال ایسی سمجھنی چاہئے کہ ایک قافلہ دن کی روشنی میں سفر کر رہا تھا کہ ادھر آفتاب غروب ہوا، اور ادھر نہایت کالی گھٹا اٹھی اور آندھی کے جھکڑ چلنے لگے کہ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ اور فضا ایسی تاریک ہو گئی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتے۔ راستے میں نماز کا وقت ہوا۔ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہو گئے۔ مگر کسی کو معلوم نہیں کہ قبلہ کس طرف ہے۔ اس لئے ہر شخص نے اپنی تحری اور اپنے اجتہاد سے قبلہ کا رخ متعین کیا۔ ان رفقاء میں کسی کا منہ کسی طرف ہے اور کسی کا کسی طرف۔ مگر چونکہ ہر ایک اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ قبلہ رخ متوجہ ہونا چاہتا ہے، اور چونکہ ایسے اشتباہ کی حالت میں ہر شخص اپنی صوابدید اور تحری پر عمل کرنے کا مکلف ہے، اس لئے سب کی نماز صحیح ہے، اور وہ عند اللہ مقبول ہے۔ ٹھیک اسی طرح اُس فتنہ کی تاریکی کے دور میں صحابہ کرامؓ کا حال سمجھنا چاہئے، کہ اگرچہ بظاہر دیکھنے میں وہ مختلف نظر آتے ہیں، مگر چونکہ ہر ایک کا مقصد "قبلۂ رضائے الٰہی" کی طرف رخ کرنا ہے، اور چونکہ ان میں سے

ہر ایک اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک عند اللہ ماجور اور "رضی اللہ عنہ و رضوا عنہ" کا مصداق ہے۔

سوم: اس سے بھی بڑی مشکل یہ تھی کہ ان قتنہ پرداز مفسدوں کی پروپیگنڈہ مشینری پوری قوت اور شدت کے ساتھ اہل الخیر کے درمیان منافرت پھیلانے میں مصروف تھی، ایک دوسرے کے خلاف کدورتیں پیدا کرنے کے لئے افواہیں گھڑی جاتی تھیں اور دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ اکابر صحابہ کرامؓ کی پوزیشن دگرگوں کی جارہی تھی۔ جیسا کہ امیر المومنینؓ نے مندرجہ بالا اقتباس میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

"وہ جس طرح چاہتے ہیں تمہیں آزار پہنچاتے ہیں۔"

حد یہ ہے کہ جب جنگ جمل سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمروؓ کو حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس بطور سفیر بھیجا اور ان کی گفتگو سے دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت پر اتفاق رائے ہو گیا تو ان مفسدین نے رات کی تاریکی میں دونوں فریقوں پر شبخون مارا، ہر فریق نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے بد عہدی کی ہے اور پھر جو ہونا تھا ہوا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں طبری کے حوالے سے لکھا ہے:

"ثم بعث علي إلى طلحة والزبير يقول: إن كنتم على ما فارقتم عليه القعقاع بن عمرو فكفوا حتى ننزل فننظر في هذا الأمر، فأرسلا إليه في جواب رسالته: إنا على ما فارقنا القعقاع بن عمرو من الصلح بين الناس، فاطمأنت النفوس وسكنت، واجتمع كل فريق بأصحابه من الجيشين، فلما أمسوا بعث علي عبدالله بن عباس إليهم، وبعثوا إليه محمد بن طليحة السجاد وبات الناس بخير ليلة، وبات قتلة عثمان بشر ليلة، وباتوا يتشاورون وأجمعوا على أن يثيروا الحرب من الغلس، فنهضوا من

قبل طلوع الفجر وهم قريب من ألفي رجل فانصرف كل
فريق إلى قراباتهم فهجموا عليهم بالسيوف، فثارت كل
طائفة إلى قومهم ليمنعوهم، وقام الناس من منامهم إلى
السلاح، فقالوا طرقتنا أهل الكوفة ليلاً، وبيتونا وغدروا
بنا، وظنوا أن هذا عن ملأ من أصحاب علي فبلغ الأمر
عليا فقال: ما للناس؟ فقالوا: بيتنا أهل البصرة، فثار
كل فريق إلى سلاحه ولبسوا اللأمة وركبوا الخيول، ولا
يشعر أحد منهم بما وقع الأمر عليه في نفس الأمر، وكان
أمر الله قدرا مقدورا وقامت الحرب على ساق وقدم!"

البداية والنهاية ص ۲۳۹ ج ۷

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام
بھیجا کہ اگر تم لوگ اس گفتگو پر قائم ہو جو قعقاع بن عمروؓ سے طے ہوئی تھی
تو کسی مزید کارروائی سے باز رہو، یہاں تک کہ ہم اس معاملہ میں غور
کر لیں۔ ان دونوں حضرات نے پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ "قعقاع
بن عمروؓ سے لوگوں کے درمیان مصالحت کی جو بات ہوئی ہے۔ ہم اس پر قائم
ہیں۔" پس لوگوں کے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوا۔ اور دونوں
لشکروں کے لوگ اپنے دوستوں سے ملنے لگے۔ جب شام ہوئی تو حضرت علی
رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ
عنہما کو بھیجا اور ان حضرات نے آپ کے پاس محمد بن طلحہ سجاد کو بھیجا،
تمام لوگوں نے نہایت سکون و اطمینان اور خیریت سے رات گزاری۔ مگر
قاتلین عثمانؓ نے یہ رات نہایت بے کلی میں گزاری۔ وہ ساری رات
مشورے کرتے رہے اور انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ صبح ہونے سے پہلے
رات کے اندھیرے میں جنگ کی آگ بھڑکا دیں۔ چنانچہ یہ لوگ صبح صادق
سے پہلے اٹھے۔ جو قریباً دو ہزار آدمی تھے۔ پس ہر فریق اپنے اہل قرابت کے

پاس گئے اور ان پر تلواروں سے حملہ کر دیا۔ پھر ہر گروہ اپنی قوم کی طرف اٹھا
تاکہ ان کی حفاظت کرے۔ اور لوگ نیند سے اٹھے تو سیدھے ہتھیاروں کی
طرف گئے، اور انھوں نے کہا کہ اہل کوفہ نے ہم پر شب خون مارا ہے اور انھوں
نے یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ سے سوچی
سمجھی اسکیم کے مطابق ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ
لوگوں کو کیا ہوا؟ ان کو بتایا گیا کہ اہل بصرہ نے ان پر شب خون مارا ہے، چنانچہ ہر
فریق ہتھیاروں کی طرف بھاگا۔ زرہیں پہنیں اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے، اصل
قصہ کیا ہوا؟ اس کی کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ یوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر نافذ ہو
کر رہی اور جنگ بھڑک اٹھی۔"

چہارم: غلط فہمی کی بنا پر نفوس قدسیہ کے درمیان کشاکش کا پیدا ہو جانا .... بعید نہیں،
قرآن کریم میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا قصہ مذکور ہے، سورۂ اعراف
میں ہے:

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ
بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى
الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا
تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (الاعراف: ۱۵۰)

ترجمہ: "اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصہ میں بھرا ہوا افسوسناک،
بولا کیا بری نیابت کی تم نے میری میرے بعد، کیوں جلدی کی تم نے اپنے
رب کے حکم سے؟ اور ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا، لگا کھینچنے
اس کو اپنی طرف، وہ بولا کہ اے میری ماں کے جنے، لوگوں نے مجھ کو کمزور
سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو مار ڈالیں، سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ
کو گنہگار لوگوں میں۔" (ترجمہ شیخ الہند)

اور سورۂ طٰہٰ میں ہے:

﴿قَالَ يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا أَلَّا

تَتَّبِعَنِ ، اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ، قَالَ يَا ابْنَ اُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ، اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴾ ۔

(سورۃ طٰہٰ ۔ ۔ ۹۲ تا ۹۴)

ترجمہ: "کہا موسیٰ نے اے ہارون! کس چیز نے روکا تجھ کو جب دیکھا تھا تو نے کہ وہ بہک گئے کہ تو میرے پیچھے نہ آیا، کیا تو نے رد کیا میرا حکم؟ وہ بولا اے میری ماں کے جنے نہ پکڑ میری ڈاڑھی اور نہ سر، میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے جو سلوک کیا، یہ ایک نبی کی صریح توہین تھی اور غیر نبی اگر کسی نبی کی ایسی توہین کرے تو اس پر جو حکم جاری ہوگا وہ سب کو معلوم ہے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ محض للّٰہ فی اللّٰہ تھا، اور اس کا منشا غلط فہمی تھا، اس لئے ان کا یہ فعل مدح و ستائش کے طور پر قرآن کریم میں ذکر کیا گیا۔

ٹھیک یہی حیثیت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان واقعات سے سمجھنی چاہئے، جن حضرات نے جو موقف اختیار کیا، اگرچہ اس کا منشا غلط فہمی تھا تب بھی انہوں نے جو کچھ کیا چونکہ محض للّٰہ فی اللّٰہ تھا اس لئے ان کا یہ طرزِ عمل لائقِ طعن نہیں، بلکہ موجبِ مدح و ستائش ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان اکابر کو شرفِ صحابیت کے ساتھ مشرف فرمایا ہے اور بغیر کسی مبالغہ کے ان اکابر کے مقابلہ میں ہماری حیثیت وہی ہے جو شہزادوں کے مقابلہ میں ایک جنگلی کی ہو سکتی ہے۔ شہزادوں کی لڑائی میں اگر جنگلی کسی ایک پر طعن کرنے بیٹھ جائے تو شہزادوں کی شان میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا، البتہ جنگلی کی رذالت میں اضافہ ہوگا۔

پنجم: اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے، اولی الطائفتین بالحق تھے۔ لیکن دوسرے اکابر پر نہ طعن و تشنیع جائز ہے، اور نہ ان کو قطعیت کے ساتھ اہل باطل کہنا صحیح ہے۔ کیونکہ ۔۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ۔۔ ہر فریق

اپنے اجتہاد کے مطابق اپنے تئیں حق پر سمجھتے ہوئے محض رضائے الٰہی کے لئے کوشاں تھے۔ ان تمام حضرات نے اپنے اجتہاد سے حق کو پانے کی کوشش کی۔ اور مجتہد کبھی مصیب ہوتا ہے اور کبھی اس سے چوک ہو جاتی ہے۔ پہلی صورت میں اس کو دہرا اجر ملتا ہے اور دوسری صورت میں وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دہرا اجر ہے، بلکہ ایک روایت کے مطابق دس گنا اجر ہے اور دوسرے حضرات بھی اپنے اجتہاد کے مطابق معذور و ماجور ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اجر سے محروم نہیں۔

ششم: مشاجرات کے دوران جو امور غیر ارادی طور پر پیش آئے وہ بہر حال لائق افسوس تھے۔ ان واقعات کو سن کر آج ہم ایسے سیاہ باطن اور سنگدل لوگوں تک کو صدمہ ہوتا ہے، جن اکابر کے سر سے یہ واقعات گزرے ان نفوس قدسیہ کے تاثر و تأسف کا کیا عالم ہو گا؟ اظہار تأسف کے الفاظ حضرت ام المومنین حبیبۂ حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وعلیہا وسلم) ہی سے منقول نہیں، بلکہ امیر المومنین و یعسوب المسلمین مولانا علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں نقل کیا ہے کہ جنگ کے خاتمہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتولوں کے لاشوں میں گھوم رہے تھے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک دیکھی، آپ ان کے چہرے سے مٹی صاف کرنے لگے اور فرما رہے تھے:

"رحمة الله عليك أبا محمد، يعز علي أن أراك مجدولا تحت نجوم السماء. ثم قال: إلى الله أشكو عجري وبجري، والله لوددت أني كنت مت قبل هذا اليوم بعشرين سنة"

(البدایہ والنہایہ...... صفحہ ۲۴۴، جلد ۷)

ترجمہ: "ابو محمد! تم پر اللہ کی رحمت ہو، مجھ پر یہ بات نہایت شاق گزر رہی ہے کہ میں تجھے آسمان کی چھت کے نیچے مقتول پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا: میں اپنے غم و حزن کی اللہ کے سامنے شکایت کرتا ہوں، بخدا! میں تمنا

کرتا ہوں کہ میں آج کے دن سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا۔"

اس واقعہ کو حاکمؒ نے "مستدرک" (۳/ ۳۷۴) میں، حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" (۱-۳۹) میں اور حافظ نور الدین ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" (۹/ ۱۵۰) میں بھی ذکر کیا ہے، نیز مجمع الزوائد میں طبرانی کے حوالے سے بہ سند جید یہ روایت نقل کی ہے:

"عن قيس بن عباد قال شهدت عليا يوم الجمل يقول لابنه حسن: يا حسن! وددت أني مت منذ عشرين سنة" رواه الطبراني وإسناده جيد

(مجمع الزوائد۔ صفحہ ۱۵۰۔ جلد ۹)

ترجمہ: "قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ کے پاس موجود تھا، آپ اپنے صاحب زادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے، حسن! میں تمنا کرتا ہوں کہ آج سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا۔"

الغرض اظہار تاسف کے کلمات دونوں طرف سے منقول ہیں، اس لئے امیر المومنینؓ کے حق میں توبہ کے الفاظ استعمال کرنا سوءِ ادب سے خالی نہیں، ہاں! اس کو "حسنات الابرار سیئات المقربین" میں شمار کرنا چاہئے۔

ہفتم: حضرات شیعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں۔ اور ان کا نام برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ انصاف سے کام لیتے تو جس طرح وہ دیگر صحابہؓ کا نام کم سے کم رسمی طور پر تعظیم کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں، اسی طرح انہیں چاہئے تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کا نام بھی تعظیمی الفاظ میں ذکر کرتے۔ کیونکہ:

اولاً حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے خلافت ان کے حوالے کر دی تھی۔ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی، جیسا کہ اس سے قبل نقل کر چکا ہوں۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ

عنہ مومن صالح نہ ہوتے تو نہ خلافت ان کے سپرد کی جاتی اور نہ یہ اکابر ان کے ہاتھ پر بیعت فرماتے۔ روایات کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے شیعوں سے افضل اور بہتر مسلمان سمجھتے تھے، کیونکہ شیعہ مومنین نے حضرت امام کو اس قدر ستایا کہ آپ نے تنگ آکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران صفحہ ۱۴۸ میں ہے:

عن زيد بن وهب الجهني قال: لما طعن الحسن بن علي عليه السلام بالمدائن أتيته وهو متوجع فقلت: ما ترى يا ابن رسول الله فإن الناس متحيرون؟ فقال: أرى والله معاوية خيراً لي من هؤلاء، يزعمون أنهم لي شيعة ابتغوا قتلي وانتهبوا ثقلي، وأخذوا مالي، والله لأن آخذ من معاوية عهداً أحقن به دمي وآمن به في أهلي خير من أن يقتلوني فتضيع أهل بيتي و أهلي، والله لو قاتلت معاوية لأخذوا بعنقي حتى يدفعوني إليه سلماً.

(بحار الانوار ... صفحہ ۲۰، جلد ۴۴)

ترجمہ: "زید بن وہب جہنی سے روایت ہے کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کو مدائن میں نیزہ مارا گیا تو میں ان کے پاس گیا اس وقت ان کو زخم کی تکلیف تھی۔ میں نے کہا اے فرزند رسول! آپ کی کیا رائے ہے، لوگ بہت متحیر ہو رہے ہیں۔ امام نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں معاویہؓ کو اپنے لئے ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں، جو اپنے کو میرا شیعہ کہتے ہیں۔ انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرا اسباب لوٹا اور میرا مال لے لیا۔ اللہ کی قسم! میں معاویہ سے کوئی معاہدہ کر لوں جس سے میری جان اور میرے متعلقین کی حفاظت ہو جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ شیعہ مجھے قتل کر دیں اور میرے متعلقین ضائع ہو جائیں۔ واللہ! اگر میں معاویہؓ سے لڑتا تو شیعہ میری گردن پکڑ کر مجھے معاویہ کے حوالے کر دیتے۔"

اس روایت سے ثابت ہوا کہ شیعوں کو اپنے اماموں سے کیسی محبت و عقیدت تھی؟ ان کے گھر کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے اور ان کے قتل تک کے درپے ہوتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو اپنے شیعوں کے "حسن عقیدت" کی وجہ سے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ باعزت طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لیں اور یہ بھی

ثابت ہوا کہ حضرت امام، امیر معاویہؓ کو کم سے کم شیعوں سے بہتر مسلمان سمجھتے تھے۔

الغرض جب شیعوں کے دو عالی قدر اماموں (حضرات حسنین رضی اللہ عنہما) نے امیر معاویہؓ سے مصالحت کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت فرمالی اور خلافت ان کے سپرد کر دی تو ان کے تمام شیعوں پر ان کی بیعت لازم ہو گئی۔ اس لئے حضرات شیعہ کو لازم ہے کہ ائمہ کی اقتداء میں اپنے تئیں بیعت معاویہؓ کا پابند سمجھیں اور ان اکابر کی محبت و عقیدت کے تقاضے سے حضرت امیر معاویہؓ کا احترام کریں۔ اب یہ کتنی بری بات ہوگی کہ باپ تو ایک شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے اور ناخلف بیٹا اس کو گالیاں بکے۔ امام ایک شخص کے حلقہ بیعت میں داخل ہو اور مقتدی اس کو برا کہیں۔

ثانیاً: اگر شیعہ امامین ہمامین الحسن والحسین رضی اللہ عنہما کی نہیں مانتے تو کم سے کم ان کے پدر بزرگوار اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ارشاد ہی پر کان دھریں:

۱۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرتؓ نے جنگ صفین کے دوران اپنے لشکر کے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ اہل شام کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں تو آپ نے ان کو منع فرمایا۔ اہل شام کے لئے دعائے خیر کرنے کا حکم فرمایا:

إِنِّي أَكْرَهُ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا سَبَّابِينَ، وَلٰكِنَّكُمْ لَوْ وَصَفْتُمْ أَعْمَالَهُمْ، وَذَكَرْتُمْ حَالَهُمْ، كَانَ أَصْوَبَ فِي الْقَوْلِ، وَأَبْلَغَ فِي الْعُذْرِ، وَقُلْتُمْ مَكَانَ سَبِّكُمْ إِيَّاهُمْ: اللّٰهُمَّ احْقِنْ دِمَاءَنَا وَدِمَاءَهُمْ، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَبَيْنِهِمْ، وَاهْدِهِمْ مِنْ ضَلَالَتِهِمْ، حَتّٰى يَعْرِفَ الْحَقَّ مَنْ جَهِلَهُ، وَيَرْعَوِيَ عَنِ الْغَيِّ وَالْعُدْوَانِ مَنْ لَهِجَ بِهِ

(نہج البلاغہ صفحہ ۳۲۳)

ترجمہ: "بے شک میں تمہارے لئے اس امر کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں بکنے والے بن جاؤ۔ لیکن اگر تم ان کے اعمال اور ان کے صحیح حالات بیان کرتے تو یہ زیادہ صحیح بات ہوتی۔ اور اس سے حجت بھی تمام ہو جاتی۔ اور تم

ان کے سب و شتم کے بجائے ان کے لئے یہ دعا کرتے کہ :

"یا اللہ! ہمارے اور ان کے خونوں کو محفوظ رکھ، ان کے اور ہمارے درمیان تعلقات کی اصلاح فرما اور ان کو اس گمراہی سے ہدایت فرما"

تو جو شخص حق سے بے خبر ہے وہ حق کو پہچان لیتا اور جو گمراہی و سرکشی کی باتیں کرتا ہے وہ اس سے باز آجاتا۔"

۲۔ حضرت امیرؓ اہل شام کو کافر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کو اپنے بھائی سمجھتے تھے اور یہ کہ انہوں نے اطاعت سے جو سرتابی کی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ وہ لوگ ہمیں خون عثمانؓ میں متہم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ جنگ صفین کے بعد حضرتؓ نے اہل امصار کے نام گشتی فرمان جاری فرمایا جس میں اس قضیہ کی تشریح فرمائی :

"وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا أَنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ، وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ، وَدَعْوَتَنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ، وَلَا نَسْتَزِيدُهُمْ فِي الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَالتَّصْدِيقِ بِرَسُولِهِ وَلَا يَسْتَزِيدُونَنَا : الْأَمْرُ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ، وَنَحْنُ مِنْهُ بَرَاءٌ"

(نہج البلاغہ صفحہ ۴۴۸)

ترجمہ: "ہمارے قضیہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہمارا اور اہل شام کا مقابلہ ہوا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہمارا خدا ایک ہے، نبی ایک ہے اور دعوت فی الاسلام ایک ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا تعلق ہے، نہ ہم ان سے اس بارے میں کوئی مزید مطالبہ کرتے تھے نہ وہ ہم سے، ہمارا معاملہ ایک تھا، سوائے اس کے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملہ میں ہمارا اختلاف ہوا اور ہم اس سے بری ہیں ....."

حضرت امیر کے اس نامۂ عنبر شمامہ سے واضح ہے کہ اہل شام بھی ایسے ہی پکے سچے مسلمان ہیں جیسا کہ خود حضرت امیرؓ کے رفقاء۔ اختلاف ہے تو صرف اس نکتہ میں کہ چونکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بلوہ کرنے والوں میں سے بقیۃ السیف حضرت امیرؓ کے

سایۂ عاطفت میں پناہ گزین تھے اور حضرتؓ کو ان کے خلاف کسی تادیبی کارروائی کا موقع میسر نہیں آیا تھا اس لئے کل شہر حضرت امیرؓ سے برگشتہ ہو گئے۔ بلکہ انہیں یہ شک ہوا کہ خون عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا بھی ہاتھ ہے۔ وحاشا جنابہ من ذالک

۳۔ اور جنگ صفین سے واپسی کے بعد لوگوں سے حضرت امیرؓ فرماتے تھے کہ امارت معاویہؓ کو بھی برا نہ سمجھو کیونکہ وہ جس وقت نہ ہوں گے تو تم سروں کو گردنوں سے اڑتے ہوئے دیکھو گے۔

(مقام صحابہؓ صفحہ ۱۰۳، بحوالہ عبید و مسند صفحہ ۵۰)

۳۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خون عثمانؓ کے قصاص کی وجہ سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے برسرپیکار ہوئے، ورنہ وہ حضرت امیرؓ کے علم و فضل کے دل و جان سے معترف تھے۔ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ علانیہ فرماتے تھے کہ "علی مجھ سے بہتر اور افضل ہیں" اور یہ کہ میرا اور ان کا اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے مسئلہ میں ہے۔ اگر وہ خود خون عثمانؓ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا۔

(البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۵۹، جلد ۷۔ ۱۲۹، جلد ۸)

۵۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ رونے لگے، اہلیہ نے پوچھا کہ آپ زندگی میں ان سے لڑتے رہے، اب روتے ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم نہیں جانتیں کہ ان کی وفات سے کیسی فقہ اور کیسا علم دنیا سے رخصت ہو گیا۔" (البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۲۹، جلد ۸)

۶۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ضرار صدائی سے کہا کہ "میرے سامنے علیؓ کے اوصاف بیان کرو" اس پر انہوں نے غیر معمولی الفاظ میں حضرت علیؓ کی تعریف کی، حضرت معاویہؓ نے فرمایا: "اللہ ابوالحسن (علیؓ) پر رحم کرے، خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔"

(الاستیعاب تحت الاصابہ صفحہ ۴۳۔ ۴۴، جلد ۳)

۷۔ قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصر کے نام

ایک خط لکھا:

"اگر تم نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھان لی تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کر لوں گا۔ پھر تمہارے خلاف ان کا جو لشکر روانہ ہوگا اس کے پہلے سپاہی کا نام معاویہؓ ہوگا۔ اور میں قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا، اور تمہاری حکومت کو گاجر مولی کی طرح اکھاڑ پھینکوں گا۔" (تاج العروس ... صفحہ ۲۰۸، جلد ۷، مادہ "اصطفلین")

۸۔ متعدد مورخین نے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین وغیرہ کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جاکر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ۔ صفحہ ۲۷۷، جلد ۷)

الغرض جب حضرت امیرؓ اور ان کے رفقاء، حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں تو جناب امیرؓ کے نام لیواؤں کو یہی لازم ہے کہ ان کو مسلمان سمجھیں اور یہ کہ شبہ کی بنا پر ان حضرات سے چوک ہوگئی اور جیسا کہ حضرت امیرؓ نے ہدایت فرمائی اس پر ان کو برا بھلا کہنے کے بجائے ان کے لئے دعائے خیر کریں۔

ثالثاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو شرف صحابیت حاصل تھا اور جس کثرت و شدت اور تواتر و تسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب، ان کے مزایا و خصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف و کمالات کو بیان فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افراد امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے۔ ان حضرات کا تعلق چونکہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہے، اس لئے ان کی محبت عین محبت رسولؐ ہے اور ان سے بغض، بغض رسولؐ کا شعبہ ہے۔ ان کے حق میں ادنیٰ سب کشائی ناقابل معافی جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"الله الله في أصحابي، الله الله في أصحابي لا

تتخذوهم غرضا من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه"

(ترمذی ص ۲۲۶ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

ترجمہ: "اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے معاملہ میں، میں کہتا ہوں، پھر اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔"

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے ان پر زبان تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه"

(بخاری ص ۵۱۸ ج ۱، مسلم ص ۳۱۰، مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

ترجمہ: "میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہو سکتا ہے چنانچہ) تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشیر کو۔"

مقام صحابہؓ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں۔ فرمایا:

"إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شركم"

(ترمذی ص ۲۲۷ ج ۲)

ترجمہ: "جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت۔ (ظاہر ہے کہ صحابہؓ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)۔"

آج سے تئیس سال پہلے اس ناکارہ نے متوخر الذکر حدیث کے چند فوائد ہفت روزہ بینات محرم الحرام ۱۳۹۰ھ میں ذکر کئے تھے۔ بتصرف یسیر ان فوائد کو یہاں نقل کرتا ہوں:

۱۔ حدیث میں "سب" سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں، بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں، بلکہ یہ ایسے شخص کے ملعون و مطرود ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے۔ (وقد صرح بہ بقولہ فمن اٰذاھم فقد اٰذانی) اور آپؐ کے قلب اطہر کو ایذا دینے میں حبط اعمال کا خطرہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ: ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون لہٰذا سب صحابہؓ میں سلب ایمان کا اندیشہ ہے۔

۳۔ صحابہ کرامؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملت اسلامیہ کا فرض ہے۔ (فان الامر للوجوب)

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہؓ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا، بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے: لعنۃ اللّٰہ علیٰ شرکم

۵۔ "شرکم" کے لفظ میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ "شر" مصدر مضاف ہے فاعل کی طرف، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تمہارے پھیلائے ہوئے شر پر اللہ کی لعنت! دوسرا احتمال یہ ہے کہ "شرکم" اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ "تم میں سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم

سے جو بھی بدتر ہو، اس پر اللہ کی لعنت۔ " اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
بعد میں صحابہؓ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے
لئے تنقیدِ صحابہؓ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ خلاصہ اس کنایہ کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل
کھلی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے۔ تم ہوا
پر اڑلو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی لو۔ مگر تم سے صحابیؓ تو نہیں بنا جاسکے گا، آخر تم
وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمالِ جہاں آرائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا
دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں! تم وہ دل
کہاں سے لاؤ گے جو انفاسِ مسیحائی محمدیؐ سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو
انوارِ قدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرۂ محمدیؐ سے مس
ہوئے اور ساری عمر ان کی بوئے عنبرین نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیتِ
محمدیؐ میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم
وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ
گے جہاں سعادتِ دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر کے دیئے جاتے اور تشنہ کامانِ
محبت، "ہل من مزید" کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے، جو
"کانی اری اللہ عیاناً" کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں
"کانما علی رؤسنا الطیر" کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشین تختِ رسالت کہاں سے
لاؤ گے، جس کی طرف "ھذا الابیض المتکی" سے اشارے کئے جاتے تھے؟ (صلی اللہ
علیہ وسلم) تم وہ نسیم عنبر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کے گلی
کوچے معطر ہو جاتے تھے؟ تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دیدارِ محبوب میں خوابِ نیم شبی
کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟
تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوتؐ سے ناپ ناپ کر ادا کئے جاتے تھے؟ تم وہ
اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدیؐ سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ
کہاں سے لاؤ گے جو "صبغۃ اللہ" کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے
جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں

کے امام تھے یا تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میرے صحابہ کو ناحق برا کہو۔ ذرا اپنے ضمیر کا دامن جھنجوڑ کر دیکھو! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی (نعوذ باللہ) میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید وملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت وغضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میں انصاف وحیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو۔

علامہ طیبیؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسانؓ کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے ؎

"أتهجوه ولست له بكفوء
فشركما لخيركما الفداء"

ترجمہ: "کیا تو آپؐ کی ہجو کرتا ہے جبکہ تو آپؐ کے برابر کا نہیں ہے؟
پس تم دونوں میں کا بدتر تمہارے بہتر پر قربان۔"

۶۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "تنقید صحابہؓ" کا منشا اور کا نفسیاتی شر اور خبث وتکبر ہے۔ آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے۔ اب جب کوئی شخص کسی صحابیؓ کے بارے میں منشا یہ کہے گا کہ اس نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابیؓ کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل وانصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے، گویا ان میں صحابیؓ سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے۔ یہ ہے تکبر کا وہ "شر" اور نفس کا وہ "خبث" جو "تنقید صحابہؓ" پر ابھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی "شر" کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷۔ حدیث میں بحث ومجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے۔ یعنی خصم کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا

چاہئے۔ اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں۔ اب رہا یہ قصہ کہ "تم دونوں میں برا" کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں۔ دونوں کے مجموعی حالات کو سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابیؓ برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

۸۔ حدیث میں نقولیوا کا خطاب امت سے ہے، گویا ناقدین صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں۔ اور یہ ناقدین کے لئے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دوسرے مواقع پر "فلیس منا" کی وعید سنائی گئی ہے۔

۹۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ناموس شریعت کا اہتمام تھا، اسی طرح ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا۔ کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہؓ کی جماعت بھی ان "مدافعین" سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے۔ یہ مضمون کئی احادیث میں صراحتاً بھی آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رابعاً: جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مومن بھی ہیں اور صحابیؓ بھی، اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل ایمان کو خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیامت کے دن رسوا نہیں کریں گے بلکہ توبہ کی برکت سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و حرمت کی برکت سے ان کی غلطیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ

لنا نورنا واغفر لنا إنك على كل شيء قدير﴾

(سورۃ التحریم ۸)

ترجمہ: "اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف، صاف دل کی توبہ، امید ہے تمہارا رب اتار دے تم پر سے تمہاری برائیاں اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اس کے ساتھ، ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے، کہتے ہیں اے رب ہمارے! پوری کردے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو، بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

انشاء اللہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء اس آیت شریفہ کا مصداق ہوں گے۔ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ پر بے مقصد تنقید کرنے کے بجائے ہمیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے اور ہمیں وہی دعا کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے:

﴿ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رءوف رحيم﴾

(سورۃ الحشر ۱۰)

ترجمہ: "اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا۔ اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

خامساً: حضرت امیرؓ اس پر تعجب کا اظہار فرماتے تھے کہ زمانہ کی بوالعجبی و ستم ظریفی دیکھو کہ ان کا تقابل معاویہؓ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرتؓ نے امیر معاویہؓ کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا:

"فيا عجبا للدهر! إذ صرت يقرن بي من لم يسع بقدمي، ولم تكن له كسابقتي"

(نہج البلاغہ صفحہ ۳۶۹)

ترجمہ: "زمانے کی بوالعجبی دیکھو! کہ میرے ساتھ ملایا جاتا ہے اس شخص کو جو مجھ سے قدم ملا کر نہیں چل سکا۔ اور جس کے سوابق اسلامیہ مجھ جیسے نہیں۔"

مطلب یہ کہ ایک طرف حضرت علیؓ کے فضائل و کمالات، ان کے سوابق اسلامیہ اور دین کی خاطر ان کی جاں فروشی کے واقعات کو رکھو اور دوسری طرف حضرت امیر معاویہؓ کے حالات کو دیکھو! دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق نظر آئے گا۔ حضرت امیر معاویہؓ کا حضرت علیؓ سے کیا مقابلہ؟ یہ السابقون الاولون کے ائمہ میں سے ہیں، اور وہ مسلمۃ الفتح کے لوگوں میں سے، یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی صف کے آدمی ہیں اور ان کا شمار طلقاء میں ہوتا ہے، دونوں کو ایک ہی ترازو سے تولنا اور ایک ہی باٹ سے ناپنا بوالعجبی اور ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے؟

یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کو حضرات خلفائے راشدینؓ سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح بعد کے لوگوں کو (خواہ وہ کتنے ہی بلند و بالا ہوں) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی نسبت نہیں، اگر امیر معاویہؓ خلفائے راشدینؓ کے مقابلہ میں فروتر نظر آتے ہیں تو بعد کے لوگ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں صفر نظر آتے ہیں۔ اگر وہاں آسمان و زمین کا فاصلہ ہے تو یہاں عرش سے تحت الثریٰ تک کا فاصلہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"فلم يكن من ملوك المسلمين خير من معاوية، ولا كان الناس في زمان ملك من الملوك خيرا منهم في زمن معاوية، إذا نسبت أيامه إلى أيام من بعده، وأما إذا نسبت إلى أيام أبي بكر وعمر ظهر التفاضل"

(منہاج السنہ، صفحہ ۱۸۵، جلد ۳)

ترجمہ: "جب تم حضرت معاویہؓ کے دور کا بعد کے زمانوں سے مقابلہ کر کے دیکھو گے تب معلوم ہوگا کہ سلاطین اسلام میں کوئی بھی معاویہؓ سے

اچھا نہیں تھا۔ نہ کسی بادشاہ کے زمانے میں لوگ اتنے اچھے تھے، جتنے کہ
حضرت معاویہؓ کے زمانے میں۔ ہاں! ان کے دور کا مقابلہ شیخینؓ کے دور
سے کرو گے تو دونوں زمانوں کا فرق ظاہر ہو گا۔"

الغرض جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کا مقابلہ خلفائے راشدینؓ سے کرنا بوالعجبی ہے، اسی طرح ناقدین معاویہؓ کا ان کو اپنے اوپر قیاس کرنا بھی کچھ کم بوالعجبی و ستم ظریفی نہیں۔ ان ناقدین میں آخر کون ہے جس کو بحالت ایمان زیارت نبویؐ کا شرف حاصل ہوا ہو، اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازیں پڑھنے کی سعادت میسر آئی ہو؟ ایسا کون ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب اور برادر نسبتی ہونے کا فخر حاصل ہو؟ ایسا کون ہے جس کے حق میں ہادی و مہدی ہونے کی دعا ہو؟

عن عبد الرحمن بن أبي عميرة عن النبي ﷺ أنه
قال لمعاوية «اللهم اجعله هاديا مهديا واهد به»

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ... صفحہ ۵۷۹)

ترجمہ: "عبدالرحمن بن ابی عمیرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی: اے اللہ! ان کو ہدایت کرنے والا، ہدایت یافتہ بنا دیجئے۔ اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دیجئے۔"

سلف صالحین اس فرق کو واضح طور پر محسوس کرتے تھے اور حضرت معاویہؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے۔ امام قتادہؒ فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ حضرت معاویہؓ جیسے عمل کرنے لگو تو اکثر لوگ تمہیں مہدی سمجھنے لگیں، امام مجاہدؒ فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ حضرت معاویہؓ کا زمانہ دیکھ لیتے تو ان کو مہدی سمجھتے۔ امام اعمشؒ کی مجلس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کا تذکرہ آیا تو فرمانے لگے اگر تم معاویہؓ کو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ عرض کیا گیا، کیا ان کے حلم و بردباری کو دیکھ کر؟ فرمایا نہیں! اللہ کی قسم! ان کے عدل و انصاف کو دیکھ کر۔ امام ابو اسحٰق سبیعیؒ فرماتے ہیں اگر تم حضرت معاویہؓ کو اور ان کے زمانہ کو دیکھ لیتے تو یہ کہتے کہ یہ تو

سعدی ہیں۔ امام ابو اسحٰق یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے حضرت معاویہؓ کے بعد ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔
(منہاج السنۃ۔ صفحہ ۱۸۵، جلد ۳)

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان کا ارشاد ہے:

"لمشهد رجل منهم مع رسول الله ﷺ يغبر فيه وجهه، خير من عمل أحدكم عمره، ولو عمر عمر نوح"

(ابوداؤد کتاب السنۃ صفحہ ۶۳۹)

ترجمہ: "ان میں سے ایک آدمی کا کسی ایک موقع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا، جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا، تمہارے عمر بھر کے اعمال سے بہتر ہے، خواہ کسی کو عمر نوحؑ نصیب ہو جائے۔"

قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے کہ امام معافی بن عمرانؒ سے عرض کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا درجہ کیا ہے؟ سن کر نہایت غضبناک ہوئے اور فرمایا:

"لا يقاس بأصحاب النبي ﷺ أحد، معاوية صاحبه، وصهره، وكاتبه، وأمينه على وحي الله"

(تطہیر الجنان: ابن حجر مکی۔ صفحہ ۱۰)

ترجمہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے مقابلہ میں کسی کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ معاویہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ ہیں، آپؐ کے برادر نسبتی ہیں، آپؐ کے کاتب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر آپؐ کے امین ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا:

"والله إن الغبار الذي دخل في أنف فرس معاوية مع رسول الله ﷺ أفضل من عمر بألف مرة، صلى

معاوية خلف رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ:
«سمع الله لمن حمده» فقال معاوية رضي الله عنه: ربنا
لك الحمد، فما بعد هذا الشرف الأعظم؟"
(حوالہ بالا)

ترجمہ: "اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو غبار
حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا، وہ بھی عمر بن عبدالعزیزؒ
سے ہزار درجہ افضل ہے۔ حضرت معاویہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اقتدا میں نماز پڑھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے اٹھتے
ہوئے سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہا۔ پیچھے سے حضرت معویہؓ نے کہا۔
ربنا لک الحمد بس اس عظیم تر شرف کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟"

انصاف کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت، رفاقت اور صحابیت کا جو شرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میسر آیا کیا بعد کے لوگوں کو اس دولت کا کوئی شمہ نصیب ہو سکتا ہے؟ تو کیا پھر ناقدین معاویہؓ کو "ایاز! قدر خویش بشناس!" کا مشورہ نہ دیا جائے؟

حضرت معاویہؓ کے لئے تو زبان نبوتؐ سے جنت واجب ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری "باب ما قیل فی قتال الروم" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

«أول جيش من أمتي يغزو البحر قد أوجبوا»
(صحیح بخاری ۔ صفحہ ۴۱۰، جلد ۱)

ترجمہ: "میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا، انہوں نے (جنت کو اپنے لئے) واجب کر لیا۔"

بالاجماع اس "اول جیش" کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اس لئے ان کا جنتی ہونا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔ کیا ناقدین میں سے بھی کسی کو جنت کی سند حاصل ہے؟ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

۵۔ فتاویٰ عزیزی میں الصحابۃ کلہم عدول کی بحث

آنجناب نے چھٹے نکتہ میں فرمایا ہے کہ :

"حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتاویٰ عزیزی میں " الصحابۃ کلہم عدول " کے تحت دو مقامات پر جو تصریحات کی ہیں وہ اس حقیر کے نزدیک درست ہیں، جن سے صحابہ کرامؓ کا غیر معصوم اور " محدود " ہونا ثابت ہوتا ہے۔ "

حضرت شاہ صاحب نے " الصحابۃ کلہم عدول " کی بحث میں دو باتیں ذکر فرمائی ہیں۔

اول : یہ کہ اکابر صحابہ کرامؓ گناہوں سے محفوظ تھے لیکن معصوم نہیں تھے۔ صحابہؓ میں سے بعض پر حدود کا بھی اجرا ہوا۔ اس کے باوجود شرف صحابیت کا مقتضا یہ ہے کہ ان پر طعن نہ کیا جائے جس طرح کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے زلات پر طعن جائز نہیں۔

دوم : یہ کہ تمام صحابہ کرامؓ روایت حدیث میں ثقہ اور عادل ہیں۔ شاہ صاحب کی عبارت بقدر حاجت درج ذیل ہے :

"علم عقائد کے متون میں جو مذکور ہے کہ صحابی کی شان میں طعن نہ کرنا چاہئے، تو متون میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ لیکن کسی حدیث کی روایت جو متضمن ہو کسی وجہ کو وجوہ طعن سے، خواہ بعض صحابہ کے بارہ میں ہو، تو اس روایت سے عقائد کے اس مسئلہ میں کچھ حرج لازم نہیں آتا ہے اور اصحاب متون کی یہ مراد نہیں کہ سب صحابہ معصوم ہیں اور کوئی وجہ وجوہ طعن میں سے کسی صحابی میں نہیں اس واسطے کہ کسی صحابی کے بارہ میں شرب خمر ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے اور بارہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم نے حدود ان پر قائم کیا ہے۔ اور حسانؓ بن ثابت اور مسطح بن اثاثہؓ سے قذف کا صادر ہونا ثابت ہوا۔ ان پر حد بھی جاری ہوئی اور ماعز اسلمیؓ سے زنا صادر ہوا اور وہ رجم کئے گئے۔ "

"البتہ حضرات صحابہ کرامؓ بحیثیت صحابہ ہونے کے واجب الاحترام ہیں۔ اہل اسلام کو چاہئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں طعن کی زبان درازی نہ کریں تاوقتیکہ ان میں سے کسی کا نفاق و ارتداد قطعی طور پر معلوم نہ ہو، مثلاً ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:

انک امرء فیک جاھلیۃ

ترجمہ: "تو ایک ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے۔"

تو اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ حضرت ابوذرؓ مرد جاہل تھے اور ایسے ہی ابو جہمؓ کے بارے میں، جو بہترین صحابہ میں سے تھے، صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:

لا یضع عصاہ عن عاتقہ

ترجمہ: "اپنے کندھے سے اپنی لٹھ نہیں اتارتا۔"

یہ کنایہ ہے اس سے کہ آپ بہت زدوکوب اور سیاست اپنی عورتوں اور خادموں کی کرتے تھے، اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ ابو جہم مرد ظالم تھے۔ بلکہ اگر ان سے اوپر نظر کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے لفظ عتاب آمیز وارد ہوا، تو امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان الفاظ کے لحاظ سے ان انبیاء علیہم السلام کی شان میں کچھ کلمہ کریں۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے:

وعصی آدم ربہ فغوی

ترجمہ: "اور آدم نے سرکشی کی اور بے راہ ہو گیا۔"

حالانکہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عاصی و غاوی کہنا کفر ہے اور مثلاً یہ کلام پاک میں ہے:

﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾

ترجمہ: "نہیں ہے معبود دیگر سوا تیرے، پاک ہے تو، میں ظالموں میں سے ہوں۔"

اور یہ کلام پاک میں ہے :۔

﴿إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ، فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ، فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ﴾ (الصافات) .

یہ آیتیں شان میں حضرت یونس علیہ السلام کے ہیں۔ حالانکہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں "بھگوڑا" اور ظالم و ملیم کہنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ متون کی عبارت بھی صحیح ہے کہ بلحاظ رعایت ادب کے امت کے افراد کو چاہئے کہ کسی صحابیؓ کی شان میں طعن نہ کریں اور حدیث مذکور بھی صحیح ہے اور وہ بعقیدہ واقع کے ہے اور یہی صحیح عقیدہ اہل سنت کا ہے۔ شکر اللہ سعیہم اور کتب اصول میں جو مرقوم ہے کہ :۔

الصحابۃ کلہم عدول

ترجمہ : "یعنی سب حضرات صحابہؓ عادل ہیں۔"

تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کے بارے میں معتبر ہیں۔ ہرگز صحابہؓ سے کذب روایت حدیث میں ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ تجربہ و تحقیق سے ثابت نہ ہوا کہ کسی بارے میں کسی صحابیؓ نے کچھ دروغ کہا ہے۔ نہ یہ کہ ان میں سے کسی سے کچھ گناہ کبھی نہ ہوا ہو۔ چنانچہ عنقریب بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بسبب ارتکاب بعض گناہ کے حدود ہوئے۔ البتہ صحابہؓ کبار سے عمداً گناہ صادر نہ ہوئے۔ وہ ان سے محفوظ رہے۔" (فتاویٰ عزیزی اردو صفحہ ۳۹۹، ۴۱۷)

کاش ! کہ حضرات اہل تشیع حضرت شاہ صاحبؒ کی ان دونوں باتوں کو پلے باندھ لیتے تو سارا جھگڑا ختم ہو جاتا۔

۲۔ مقام صحابہؓ : از مفتی محمد شفیعؒ

ساتویں نکتہ میں آنجناب نے مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے رسالہ "مقام صحابہؓ" میں ذکر کی گئی بحثوں کی تصویب فرمائی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے رسالہ کے مباحث اوپر ضمناً آچکے ہیں۔ تاہم "سلف صالحین اور عام امت کے

اور تاویلات کا خلاصہ" کے عنوان سے حضرت مفتی صاحبؒ نے ان مباحث کا جو خلاصہ درج کیا ہے اس کو جناب کی عبرت کے لئے نقل کر دیتا ہوں :

"۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بلا استثناء سب صحابہ کرامؓ کے حق میں فرمایا: "وہ پاک دل، عادات و اخلاق میں سب سے بہتر، اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں۔ ان کی قدر کرنا چاہئے۔"

"۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے جب حضرت عثمان غنیؓ پر تین الزام لگائے گئے، تو باوجودیکہ ان تین الزاموں میں ایک بھی صحیح نہ تھا مگر حضرت ابن عمرؓ نے بالصراحت فریق اور الزام لگانے والوں کو ملزم ٹھہرایا۔"

"۳۔ افضل التابعین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بلا استثناء سب صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا کہ صحابہ کرام امت کے مرجع اور ان کے مقتداء ہیں اور صراط مستقیم پر ہیں۔"

"۴۔ حضرت حسن بصریؒ سے قتال صحابہؓ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اس میں حاضر اور موجود تھے اور ہم غائب، وہ حالات و معاملات کی صحیح حقیقت جانتے تھے، ہم نہیں جانتے۔ اس لئے جس چیز پر وہ متفق ہو گئے ہم نے ان کا اتباع کیا اور جس چیز میں ان کا اختلاف ہوا اس میں ہم نے توقف اور سکوت کیا۔"

"۵۔ حضرت محاسبیؒ نے فرمایا کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حضرت حسنؒ نے فرمائی کہ ان حضرات صحابہؓ نے جو عمل اختیار کیا ہے وہ اس کو ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ اس لئے ہمارا مسلک یہ ہے کہ جس معاملہ میں ان کا اتفاق ہو تو ہم ان کا اتباع کریں اور جس میں اختلاف ہو وہاں توقف اور سکوت اختیار کریں، کوئی نئی رائے اپنی طرف سے قائم نہ کریں۔ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اپنے اجتہاد کی بناء پر کیا اور ان کا مقصود اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل تھی کیونکہ یہ حضرات دین کے معاملہ میں متہم نہیں تھے۔"

"۶۔ حضرت امام شافعیؒ نے مشاجرات صحابہؓ میں گفتگو کرنے کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ (کیونکہ ہم اس وقت موجود نہ تھے) اس لئے ہمیں چاہئے کہ ا

زبانوں کو بھی اس خون سے آلودہ نہ کریں (یعنی کسی صحابیؓ پر حرف گیری نہ کریں اور کوئی الزام نہ لگائیں بلکہ سکوت اختیار کریں)۔"

"۷۔ امام مالکؒ کے سامنے جب ایک شخص نے بعض صحابہ کرامؓ کی تنقیص کی تو آپ نے قرآن کی آیت، "والذین معہ" سے "لیغیظ بہم الکفار" تک تلاوت فرمائی اور کہا کہ جس شخص کے دل میں کسی صحابیؓ کی طرف سے غیظ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے۔
ذکرہ الخطیب ابو بکر اور حضرت امام مالکؒ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو صحابہ کرامؓ کی تنقیص کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اصل مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے۔ مگر اس کی جرأت نہ ہوئی تو آپ کے صحابہؓ کی برائی کرنے لگے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ معاذ اللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برے آدمی تھے، اگر وہ اچھے ہوتے تو ان کے صحابہؓ بھی صالحین ہوتے۔"

"۸۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ صحابہ کرامؓ کی برائی کا تذکرہ کرے یا ان پر کسی عیب اور نقص کا طعن کرے۔ اور اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو اسے سزا دینا واجب ہے اور فرمایا کہ تم جس شخص کو کسی صحابیؓ کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے دیکھو تو اس کے اسلام و ایمان کو مشتبہ و مشکوک سمجھو۔"

"اور ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود مارا ہو مگر ایک شخص جس نے حضرت معاویہؓ پر سب و شتم کی، اس کو انہوں نے خود کوڑے لگائے۔"

"۹۔ امام ابو زرعہ عراقیؒ، استاذ مسلمؒ نے فرمایا کہ تم جس شخص کو کسی صحابیؓ کی تنقیص کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے جو قرآن و سنت سے امت کا اعتماد زائل کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کو زندیق اور گمراہ کہنا ہی حق و صحیح ہے۔"

"یہ تو چند اسلاف امت کے خصوصی ارشادات ہیں اس کے علاوہ ... شرح العقیدہ و روایات و عبارات میں اس کو امت کا اجماعی عقیدہ بتلایا ہے جس سے انحراف کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔"

"مشاجرات صحابہؓ کے معاملہ میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا عقیدہ اور فیصلہ ہے کہ خواہ اس وجہ سے کہ ہم ان پورے حالات سے واقف نہیں جن میں یہ حضرات صحابہؓ گزرے ہیں یا اس وجہ سے کہ قرآن و سنت میں ان کی مدح و ثنا اور رضوان خداوندی کی بشارت اس کو مقتضی ہے کہ ہم ان سب کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سمجھیں، اور ان سے کوئی لغزش بھی ہوئی ہے تو اس کو معاف قرار دے کر ان کے معاملے میں کوئی ایسا حرف زبان سے نہ نکالیں جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص یا کسر شان ہوتی ہو، یا جو ان کے لئے سبب ایذا ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کی ایذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہے۔ بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جو اس معاملہ میں محقق بن کر بیباکی کا مظاہرہ کرے اور ان میں سے کسی کے ذمہ الزام ڈالے۔"

(مقام صحابہ۔ صفحات ۱۱۰ تا ۱۱۱)

صحابہؓ کی سیرت، سیرت نبویؐ کا جز ہے

اس ناکارہ کے اس فقرہ پر کہ "صحابہؓ کی سیرت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک حصہ ہے" آنجناب نے شدید احتجاج فرمایا، مجھے توبہ کی تلقین فرمائی اور یہ لکھا کہ "ایسا دعویٰ تو کوئی پڑھا لکھا نہیں کر سکتا، کیونکہ اس طرح صحابہ کرامؓ کے سارے گناہ اور لغزشیں بھی آنحضرتؐ کی سیرت کے کھاتے میں چلی جائیں گی۔" اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ مجھے توبہ سے تو عذر نہیں جو شخص بھی اس گنہگار کو توبہ کی تلقین کرے وہ اس کا محسن ہے، لیکن آنجناب کی توجہ چند امور کی طرف دلانا چاہتا ہوں:

اولاً: آپ اوپر ساتویں نکتہ میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے رسالہ "مقام صحابہؓ" سے اتفاق کر چکے ہیں، اور یہ مفتی صاحب کے الفاظ ہیں جن پر مجھے آپ توبہ کی تلقین فرما رہے ہیں: "ان کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جزو ہے۔"

(مقام صحابہؓ صفحہ ۸)

ثانیاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہؓ سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں ان پر اوپر گفتگو آچکی ہے کہ اول تو وہ معدوم کے حکم میں ہیں۔ پھر ان سے توبہ و انابت ثابت

ہے، جس سے گناہ مٹ جاتا ہے اور اس کی جگہ نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ "فاولٰئک یبدل اللّٰہ سیاٰتہم حسنات" آپ حضرات کے لئے "یاران تیز" کے عیب عربے لے لے کر بیان کرنا ایک لذیذ مشغلہ ہے، لیکن اس ناکارہ کے لئے ان الفاظ کا سننا بھی شدید مجاہدہ ہے، آپ کی نظر صفائی انسپکٹر کی طرح ہمیشہ گندی جگہوں پر ہی جاتی ہے اور اس ناکارہ کو "حسن محبوب" کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اب میں اپنی نظر کو کیا کروں؟ اور آپ کو اپنی نظر کہاں سے خرید کر لادوں؟

ثالثاً: زبان و محاورہ کی عدالت میں میرا زیر بحث فقرہ پیش کر دیجئے، کیا کوئی عقل والا اس سے وہ مفہوم کشید کرے گا جو آپ نے کشید کرنا چاہا ہے؟ بندۂ خدا! "سیرت" کا لفظ بول کر گناہ اور لغزشیں کون مراد لیا کرتا ہے؟ آپ نے "سیرت" کے لفظ میں گناہوں اور برائیوں کا مفہوم ٹھونس کر لفظ "سیرت" ہی کی مٹی پلید کر ڈالی۔

رابعاً: اچھا فرض کر لیجئے کہ یہ لفظ برائیوں کو بھی شامل ہے، میں پوچھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ سے جو لغزشیں سرزد ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جو عتاب یا عقاب فرمایا، کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا حصہ نہیں؟ کیا صحابہ کرامؓ کا ذکر کئے بغیر سیرت نبویؐ کی تکمیل ہو سکتی ہے؟ الغرض صحابہ کرامؓ کے کمالات تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تربیت کا مرقع ہیں ہی۔ ان اکابر کی لغزشیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تادیبی پہلو کو نمایاں کرتی ہیں۔ اور ان سے حسنِ جمالِ محبوبؐ کی جھلک نظر آتی ہے۔

باب سوم

شیعہ اور قرآن

اس ناکارہ نے اختلاف امت میں ایک مختصر سا نوٹ لکھا تھا کہ شیعوں کا قرآن کریم پر ایمان نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، اس ضمن میں درج ذیل نکات کی طرف اشارہ کیا تھا:

۱۔ شیعوں کے عقیدۂ امامت اور بغض صحابہؓ کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے کہ ان کا قرآن کریم پر ایمان نہ ہو۔

۲۔ شیعوں کے ائمہ معصومین کی دو ہزار سے زیادہ روایات کتب شیعہ میں موجود ہیں کہ ظالموں نے قرآن کریم میں تحریف کر دی۔

۳۔ ان روایات کے بارے میں شیعہ علماء کے تین اقرار ہیں:

پہلا اقرار یہ کہ یہ روایات متواتر ہیں۔

دوسرا اقرار یہ کہ یہ روایات تحریف قرآن کریم پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں اور ان میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

تیسرا اقرار یہ کہ شیعہ کا ان روایات کے مطابق عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ہاتھ میں جو قرآن ہے، وہ نعوذ باللہ تحریف شدہ ہے۔

۴۔ تیسری صدی تک شیعوں کے ائمہ، مجتہدین اور علماء اس پر متفق تھے کہ اصل قرآن ائمہ کے پاس ہے اور موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے۔ البتہ چوتھی اور پانچویں صدی میں گنتی کے چار آدمی ایسے تھے جنہوں نے عقیدہ تحریف قرآن کا انکار کیا۔

۵۔ ان اشخاص کا انکار محض تقیہ پر مبنی تھا۔ ورنہ وہ تحریف قرآن کے خود بھی قائل تھے۔

۶۔ یہ بیچارے اشخاص اپنے دعوؤں کی تائید میں اپنے ائمہ معصومین کا قول پیش نہیں کر سکتے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔

۷۔ جن شیعوں نے تحریف کا انکار کیا انہیں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کی بزرگی و عظمت پر ایمان لانا پڑا، جس سے شیعہ مذہب کی جڑ بنیاد اکھڑ کر رہ جاتی ہے۔ اور تشیع کی پوری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

ان سات نمبروں سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح "آتش و پنبہ" کو جمع کرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح شیعہ عقیدہ ایمان بالقرآن کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو ایمان بالقرآن عزیز ہے تو اس کو لازم ہے کہ شیعہ مذہب سے توبہ کر لے اور اگر کسی کو شیعہ مذہب سے عشق ہے تو یہ دولت اسے اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کہ ایمان بالقرآن سے دستبردار ہو جائے۔ اگر کوئی شخص شیعہ مذہب کا بھی دم بھرتا ہے اور قرآن پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو یا تو وہ اپنے مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ یا پھر دیدہ و دانستہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے اور اپنے مذہب کو چھپانے کی غرض سے "دروغ مصلحت آمیز" سے کام لے کر تقیہ کرتا ہے، کیونکہ سید ابو الحسن شریف کے بقول عقیدۂ تحریف مذہب تشیع کے ضروریات میں سے ہے۔

مومن قرآن شدن با رفض دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

مختصر یہ کہ اگر قرآن سچا ہے تو شیعہ مذہب جھوٹا ہے اور اگر شیعہ مذہب سچا ہے تو قرآن کریم کو (نعوذ باللہ) غلط کہے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

آنجناب نے میرے ذکر کردہ مندرجہ بالا نکات میں سے نہ کسی پر جرح کی، اور نہ میرے کسی جملہ سے تعرض فرمایا۔ اس کے باوجود ارشاد فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کے بارے میں آپ نے شیعہ نظریات کی صحیح ترجمانی نہیں کی۔ ہمارے عقیدے کے مطابق یہ وہی قرآن مجید ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آغاز بعثت سے لے کر تا وقت وفات وحی الٰہی کے ذریعہ نازل ہوتا رہا اور بلا کم و کاست ہم تک لفظ بلفظ پہنچا ہے۔ جہاں تک اس کی ترتیب کا تعلق ہے تو وہ زمانی اعتبار سے مطابق نزول نہ ہونے کے قائل [illegible] ہیں اور

ترتیب، جس طرح اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اس کی ترتیب مطابق نزول نہیں بلکہ توقیفی ضرور ہے اسی طرح ہمارے نزدیک بھی اس کی ترتیب توقیفی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم نے قائم کی تھی اور یہ قرآن بلا حذف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک بغیر تبدیل چلا آرہا ہے۔"

آنجناب کا یہ الزام کہ راقم الحروف نے شیعہ نظریات کی صحیح ترجمانی نہیں کی، یا تو اپنے مذہب سے بے خبری پر مبنی ہے، یا آپ نے تقیہ کر کے اپنے مذہب کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال میں نے جو اوپر سات نمبر ذکر کئے ہیں، شیعوں کی معتمد کتابوں کے حوالوں سے ان کی شرح و تفصیل کئے دیتا ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ راقم الحروف نے شیعہ نظریات کی صحیح ترجمانی کی تھی، یا آنجناب لیلائے تشیع کے حسین چہرے کو تقیہ کی سیاہ نقاب میں چھپانے کی کوشش بے سود فرما رہے ہیں۔

والله الموفق و ہو المستعان

کسی شیعہ کا قرآن پر ایمان نہیں، نہ ہو سکتا ہے   اس کی تین وجوہ

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کسی شخص کے لئے شیعہ مذہب پر رہتے ہوئے ایمان بالقرآن ممکن ہی نہیں۔ اس کی بہت سی وجوہ ہیں۔ ان میں سے یہاں صرف تین وجوہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پہلی وجہ: راویان قرآن (نعوذ باللہ) جھوٹے تھے

یہ بات تو ہر خاص و عام بلکہ ہر مسلم و کافر جانتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو تقریباً سوا لاکھ افراد اپنی نبوت کے گواہ چھوڑ گئے، جن کو صحابہ کرامؓ کہا جاتا ہے۔ دین و ایمان کی ایک ایک چیز بعد کی امت کو صحابہ کرامؓ ہی کی نقل و روایت اور ان ہی کے واسطہ سے پہنچی، قرآن کریم بھی انہیں کے ذریعہ سے پہنچا۔
شیعہ مذہب کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ساری کی ساری جماعت جھوٹی تھی۔ کیونکہ شیعوں کے مطابق اس جماعت کے دو گروہ تھے۔ پہلا گروہ خلفاء ثلاثہ اور ان

کے ہم نواؤں کا۔ یہی بڑا گروہ تھا اور چار پانچ کے علاوہ باقی تمام صحابہؓ اسی گروہ میں شامل تھے۔ دوسرا گروہ حضرت علیؓ کا اور ان کے رفقاء کا، جس میں گنتی کے کل چند پانچ آدمی شامل تھے اور بس۔ چنانچہ پہلے گزر چکا ہے کہ شیعہ مذہب کے بقول تین چار کے سوا باقی تمام صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر کے مرتد ہو گئے تھے۔

یہاں احتجاج طبرسی کی روایت کا ایک جملہ مزید ملاحظہ فرمائیے:

"ما من الأمة أحد بايع مكرها غير علي وأربعتنا"

(احتجاج طبرسی صفحہ ۴۰)

ترجمہ: "امت میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جس نے ناخوشی سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی ہو، سوائے حضرت علیؓ کے اور ہمارے چار اشخاص کے۔"

چار اشخاص سے مراد سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ اور عمارؓ ہیں۔ روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ اشخاص کے علاوہ پوری امت نے دل و جان سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی۔ صرف یہ پانچ آدمی تھے، جن کی زبان تو ابوبکرؓ کے ساتھ تھی، مگر دل کسی اور طرف تھے۔ بہرحال حضرت ابوبکرؓ کی (جو بقول شیعہ رئیس المرتدین تھے) بیعت ان پانچ نے بھی کی۔

شیعہ مذہب کہتا ہے کہ پوری امت نے (سوائے ان پانچ افراد کے) دل و جان سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر کے ارتداد و نفاق کا راستہ اختیار کیا اور ان پانچ افراد نے بامر مجبوری حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر کے تقیہ کا راستہ اختیار کیا، اس لئے صحابہ کرامؓ کی پوری کی پوری جماعت جھوٹی تھی۔ فرق یہ ہے کہ پہلے گروہ کے جھوٹ کا نام نفاق ہے۔ اور دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام تقیہ ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلا گروہ جھوٹ کو عبادت نہیں سمجھتا تھا اور دوسرا گروہ تقیہ کے نام سے جھوٹ کو بہت بڑی عبادت سمجھتا تھا۔ جیسا کہ تقیہ کی بحث میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اب انصاف سے بتائیے کہ جب شیعہ مذہب کی رو سے صحابہ کرامؓ کی ساری کی ساری جماعت جھوٹی ٹھہری، تو جو قرآن (نعوذ باللہ) ان جھوٹوں کی نقل و روایت کے ذریعہ بعد کی امت کو پہنچا اس پر شیعوں کو ایمان کیسے ہو سکتا ہے؟ اور نہ صرف قرآن کا

بلکہ دین کی کسی چیز کا شیعوں کو کسی طرح اعتبار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی ہر چیز صحابہ کرامؓ کی نقل و روایت ہی سے بعد والوں کو پہنچی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جھوٹوں اور جھوٹ پر اتفاق کرنے والوں کی نقل و روایت پر کسی طرح یقین و ایمان نہیں ہو سکتا۔

حضرات خلفاء ثلاثہ" کو برحق نہ ماننے کا یہ بدیہی نتیجہ ہے کہ دین کی کوئی ایک بات بھی لائق اعتبار نہیں رہتی۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" "ازالۃ الخفاء" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> "لاجرم نور توفیق الٰہی در دل ایں بندۂ ضعیف علمی را مشروح و مبسوط گردانید تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواران اصلی ست از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل را محکم نگیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود"

(ازالۃ الخفاء ... صفحہ ا، جلد ا)

> ترجمہ: "بغیر شک و شبہ کے نور توفیق الٰہی نے اس بندۂ ضعیف کے دل میں ایک عظیم الشان علم کو کھولا، یہاں تک علم الیقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت کا اثبات، اصول دین میں سے ایک اہم ترین اصول ہے۔ جب تک کہ اس اصل کو محکم نہ پکڑیں، تب تک مسائل شریعت میں سے کوئی مسئلہ بھی محکم نہیں ہو سکتا۔"

چند سطر بعد لکھتے ہیں:

> "ہر کہ در شکستن ایں اصل سعی می کند بحقیقت ہدم جمیع فنون دینیہ خواہد۔"

> ترجمہ: "جو شخص کہ اس اصل کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ درحقیقت تمام علوم دینیہ کو منہدم کرنا چاہتا ہے۔" (ایضاً)

شیعوں کے قرآن پر ایمان نہ ہونے کی دوسری وجہ

یہ وجہ تین مقدمات سے مرکب ہے:

اول: شیعوں کے ائمہ معصومین کی روایات اس پر متفق ہیں کہ یہ قرآن مجید، جو اس

وقت دنیا میں موجود ہے، جو ہمیشہ سے پڑھا پڑھایا جاتا ہے اور جس کے ہزاروں لاکھوں حافظ دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں، اور انشاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔ الغرض یہ قرآن مجید جو سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہے، حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے اہتمام و انتظام سے جمع ہوا اور انہیں کے ذریعہ پوری دنیا میں پھیلا۔

دوم: شیعوں کے ائمہ معصومین کی طرف سے اس قرآن مجید کی کوئی قابل اعتماد توثیق و تصدیق بھی منقول نہیں۔

سوم: خلفائے ثلاثہؓ کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف بے دین تھے، بلکہ دین کے بدترین دشمن تھے۔ دین کے خلاف سازشیں کرنا ان کا پیشہ تھا۔ اسی کے ساتھ وہ ایسی مافوق الفطرت قوت و طاقت کے مالک تھے جو ناممکن کو ممکن بنا لیتی تھی۔ چنانچہ ہزاروں افراد کے مختلف المزاج اور مختلف الاغراض مجمع کو جھوٹی بات پر متفق کر لینا اور ایک ایسا واقعہ جو ہزاروں آدمیوں نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہو، ان سب کو اس واقعہ کے انکار پر متفق کر لینا عقلاً ناممکن ہے، لیکن یہ ناممکن ان کے لئے بڑا آسان تھا۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرات شیعہ کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم میں ستر ہزار انسانوں کے عظیم مجمع کے سامنے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب بیان کر کے ان کی خلافت و ولی عہدی کا اعلان فرمایا۔ خطبہ کے بعد تمام حضرات نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔ تین دن تک مسلسل بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جتنے لوگ وہاں موجود تھے سب نے بیعت کی۔ (ترجمہ حیات القلوب صفحہ ۳۸۰، جلد ۲)

لیکن تھوڑے دنوں بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت علیؓ کی خلافت کا وقت آیا تو شیعہ روایت کے مطابق خلفائے راشدینؓ نے ان بے شمار انسانوں کو اس بات پر متفق کر دیا کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کرنے کا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں۔ اور سب سے کہلوا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "علی کی جانشینی" کا کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کیا اور حسنؓ اور حسینؓ کی انگلی پکڑ کر مہاجرین و انصار میں سے ایک ایک کے دروازے پر گئے

مگر خدا جانے خلفائے ثلاثہؓ نے لوگوں پر کیا جادو کر دیا تھا کہ سوائے تین چار آدمیوں کے ایک فرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ (احتجاج طبری ... صفحہ ۷۴)

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں حضرت ابو بکرؓ کو امام نماز نہیں بنایا تھا۔ مگر خلفائے ثلاثہ نے خلاف واقعہ اس بات کو تمام صحابہؓ سے منوالیا کہ مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا گویا خلفائے ثلاثہ نے اس جھوٹ کو متواتر بنا دیا اور سب کو اس پر متفق کر دیا۔ چنانچہ جب بھی کسی صحابیؓ کے سامنے یہ سوال آیا کہ مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے کس کو مقرر فرمایا تھا؟ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ حضرت ابو بکرؓ کو! کسی نے بھی ابو بکرؓ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا۔

الغرض کسی متواتر واقعہ سے دنیا بھر کے آدمیوں کو مکرا دینا اور جو واقعہ کبھی پیش نہ آیا ہو اس کو متواتر بنا دینا خلفائے ثلاثہؓ کے لئے، بقول شیعہ، نہایت آسان کام تھا، مزید بر آں یہ کہ یہ حضرات بڑی پر شوکت سلطنت اور تاج و تخت کے مالک تھے۔ شیعوں کے بقول دین کے خلاف سازشیں کرنا اور دعوٰی اور دھاندلی کے ساتھ کسی چیز کو منوا لینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

ان تین امور کو سامنے رکھو اور پھر انصاف کرو کہ جو قرآن، شیعوں کے بقول، ایسے مکار دشمنانِ دین کے ذریعہ پہنچا ہو اور کسی باوثوق ذریعہ سے اس قرآن کی تصدیق بھی نہ ہو سکی ہو، کیا دنیا کا کوئی عقلمند شیعہ ایسے قرآن پر ایمان رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی لکھتے ہیں:

"ان تینوں باتوں کو غور کرنے کے بعد انصاف سے کہو کہ قرآن مجید کا کیا اعتبار رہ گیا؟ دین کی اتنی بڑی چیز اس دین کے دشمن کے ہاتھ سے ملے اور دشمن بھی کیسا طاقتور اور پھر اس کے بعد کاذب و خائن بھی ہو۔ کسی دوسرے ذریعہ سے اس چیز کی تصدیق بھی نہ ہو۔ تو کیا وہ چیز لائق اعتبار ہو سکتی ہے؟ اور

کس طرح یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس دشمن نے اس میں کچھ تصرف نہ کیا ہوگا؟ حاشا ثم حاشا ہرگز نہیں!

وہ زمانہ تو بالکل آغاز اسلام کا تھا اس وقت پریس وغیرہ بھی نہ تھے، آج اگر کوئی یہودی یا آریہ قرآن شریف لکھ کر فروخت کرے تو کوئی مسلمان اس پر اعتبار نہ کرے گا نہ اس کو خریدے گا، تاوقتیکہ کسی معتبر حافظ کو دکھا کر یا کسی صحیح نسخہ سے مقابلہ کر کے اطمینان نہ کر لے۔ پس معلوم ہوا کہ کسی شیعہ کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہو سکتا۔"

(افادات الطیبات علیٰ من الشیعۃ اعراء القرآن۔ مجموعہ پارہ دوم صفحہ ۱۵)

شیعوں کے قرآن پر ایمان نہ ہونے کی تیسری وجہ

اس وجہ میں چند امور لائق توجہ ہیں:

۱۔ شیعوں کی نہایت معتبر کتابوں میں جن پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے، اس مضمون کی دو ہزار سے زائد روایتیں ان کے ائمہ معصومین سے مروی ہیں کہ (نعوذ باللہ) قرآن کریم کے جمع کرنے والوں نے قرآن کریم میں تحریف کر دی ہے۔ اور یہ تحریف پانچ قسم کی ہے:

اول: قرآن کریم کی بہت سی آیتیں اور سورتیں نکال دیں۔

دوم: اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر قرآن میں داخل کر دیں۔

سوم: قرآن کے الفاظ بدل دیئے۔

چہارم: حروف تبدیل کر دیئے۔

پنجم: اس کی ترتیب الٹ پلٹ کر دی۔

قرآن کریم میں ترتیب چار قسم کی ہے۔

اول: سورتوں کی ترتیب۔

دوم: آیتوں کی ترتیب۔

سوم: الفاظ کی ترتیب۔

چہارم: حروف کی ترتیب۔

ان چاروں قسم کی ترتیب کے خراب کیے جانے کا بیان شیعہ روایات میں موجود ہے۔

۲۔ علمائے شیعہ نے تحریف قرآن کی ان روایات کے بارے میں تین باتوں کا اقرار کیا ہے

پہلا اقرار: یہ کہ تحریف کی روایات متواتر ہیں اور ان کی تعداد مسئلہ امامت کی روایت سے کسی طرح کم نہیں۔

دوسرا اقرار: یہ کہ یہ روایات تحریف قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، ان کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

تیسرا اقرار: یہ کہ شیعہ ان روایات کے مطابق تحریف قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

میں اپنے رسالہ "ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر" میں تحریف قرآن کی روایات اور علمائے شیعہ کے یہ تینوں اقرار نقل کر چکا ہوں۔ یہاں مزید اضافوں کے ساتھ پانچ قسم کی تحریف کی روایات اور علمائے شیعہ کے تینوں اقرار دوبارہ نقل کرتا ہوں۔

قرآن کریم میں کم کیے جانے کی روایات

۱۔ اصول کافی شیعہ مذہب کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے جس کے مصنف جناب محمد بن یعقوب کلینی "ثقۃ الاسلام" کے لقب سے ملقب ہیں۔ اور وہ گیارہویں امام معصوم مفترض الطاعہ امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ یہ کتاب امام غائب کی غیبت صغریٰ کے زمانے میں لکھی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سفیروں کے ذریعہ یہ کتاب امام غائب کی خدمت میں بھیجی گئی۔ امام غائب نے اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی تصدیق فرمائی۔ اور فرمایا: "ہذا کاف لشیعتنا" یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ اس لئے اس کا نام "الکافی" رکھا گیا۔ (مقدمہ اصول کافی صفحہ ۲۰ جلد ۱۔ مطبوعہ ایران)

اصول کافی کتاب الحجۃ کے ایک باب کا عنوان ہے:

" باب انہ لم یجمع القرآن کلہ الا الائمۃ علیہم السلام

(صفحہ ۲۲۸، جلد ۱)

اس باب کی احادیث میں ثابت کیا گیا ہے کہ پورا قرآن ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ ائمہ کا جمع کیا ہوا نہیں۔ لہذا اس کا ناقص ہونا ثابت ہوا۔

۲۔ اسی کتاب میں ایک باب کا عنوان ہے " باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ " یعنی "یہ باب ہے اس بیان میں کہ امامت کے متعلق قرآن میں قطع و برید کی گئی۔" اس باب میں ایک روایت یہ ہے:

بعد الحسین بن محمد ، عن معلی بن محمد ، عن علی بن أسباط ، عن علی بن أبی حمزة ، عن أبی بصیر ، عن أبی عبداللہ ﷺ فی قول اللہ عز وجل: «ومن یطع اللہ ورسولہ (فی ولایة علی [وولایة] الأئمة من بعده) فقد فاز فوزاً عظیماً» [۱] ، هکذا نزلت .
(اصول کافی. صفحہ ۴۱۴، جلد ۱)

ترجمہ "ابو بصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول " ومن یطع اللہ و رسولہ، فی ولایہ علی و ولایہ الائمہ من بعدہ فقد فاز فوزا عظیما " اسی طرح نازل ہوا تھا"۔

اب قرآن مجید میں "فی ولایۃ علی و ولایۃ الائمہ من بعدہ" کے الفاظ نہیں۔ ان الفاظ کے بغیر آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا، وہ کامیاب ہوگا۔ مگر ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کامیابی کا وعدہ صرف ان احکامات سے متعلق ہے جو حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ کی امامت سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں عبداللہ بن سنان سے روایت ہے:

عن أبی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ (ولقد عهدنا إلی آدم من قبل (کلمات فی محمد وعلی وفاطمة والحسن والحسین والأئمة من ذریتهم فنسی هکذا واللہ أنزلت علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ . (صفحہ ۴۱۶، جلد ۱)

ترجمہ: "امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول

" ولقد عہدنا الی آدم من قبل کلمات فی محمد و علی و فاطمہ و الحسن والحسین والائمة من ذریتہم فنسی۔ " اللہ کی قسم اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل کیا گیا تھا۔ "

ف : اب قرآن شریف میں " کلمات فی محمد و علی و فاطمہ والحسن والحسین والائمة من ذریتہم " کے الفاظ نہیں۔ بغیر ان الفاظ کے آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے ہی حکم دیا تھا، مگر وہ بھول گئے۔ اور وہ حکم دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک درخت کے کھانے کی ممانعت کی گئی تھی۔ مگر ان الفاظ کے ساتھ یہ مطلب ہوا کہ آدم علیہ السلام کو محمد و علی و فاطمہ و حسنین و دیگر ائمہ کے متعلق کوئی حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ حکم کافی کی دوسری روایات میں، نیز اور بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت آدم کو ائمہ پر حسد کرنے کی ممانعت کی گئی تھی مگر انہوں نے حسد کیا اور اسی کی سزا میں جنت سے نکال دیئے گئے۔ (یہ روایات مسئلہ امامت کی چھٹی بحث کے گیارہویں غلو کے ذیل میں نقل کر چکا ہوں، وہاں ملاحظہ فرمایئے)۔

۴۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں روایت ہے :

عن أبي جعفر علیه السلام قال : نزل جبرئیل بهذه الآیة علی محمد صلی الله علیه وآله "بئسما اشتروا به أنفسهم أن یکفروا بما أنزلنا في علي بغیا"

(صفحہ ۲۶۱، جلد ۱)

ترجمہ : "امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جبرئیل اس آیت کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر اس طرح لے کر آئے تھے " بئسما اشتروا به انفسہم ان یکفروا بما انزل اللّٰہ (فی علی) بغیا "

ف : اب قرآن مجید میں "فی علی" کے الفاظ نہیں، بغیر اس لفظ کے اس آیت میں خدا کی ہر نازل کی ہوئی چیز کے انکار کی مذمت تھی، مگر اس لفظ کے ساتھ صرف امامت علی کے انکار کی مذمت ہوئی۔

۵۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں

نے فرمایا:

نزل جبرئيل عليه السلام بهذه الآية على محمد هكذا: «وإن كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا (في علي) فأتوا بسورة من مثله [۴]».

(صفحہ ۴۱۷ جلد ۱)

ترجمہ: "جبرئیل اس آیت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح لے کر آئے تھے۔ " ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا (فی علی) فاتوا بسورة من مثله "

ف: اب اس آیت میں "فی علی" کا لفظ نہیں ہے۔ اس آیت میں قرآن شریف کا معجزہ ہونا بیان فرمایا ہے کہ اس کے مثل ایک سورت بھی کوئی نہیں بنا سکتا۔ "فی علی" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ پورا قرآن مجید معجزہ نہیں تھا، بلکہ اعجاز صرف ان آیتوں میں تھا جو حضرت علی کے متعلق تھیں، مگر افسوس کہ اب وہ آیتیں قرآن مجید میں نہیں ہیں۔

۲- اسی کتاب کے باب مذکور میں امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے:

قول الله عزّ وجلّ: «كبر على المشركين (بولاية عليّ) ما تدعوهم إليه [۱]» يا محمد من ولاية عليّ هكذا في الكتاب مخطوطة [۲].

(صفحہ ۴۱۸ جلد ۱)

ترجمہ: "اللہ عز و جل کا قول" کبر علی المشرکین (بولایۃ علی) ما تدعوھم الیہ (یا محمد من ولایہ علی) " اسی طرح قرآن میں لکھا ہوا ہے۔"

ائمہ کے قرآن میں اسی طرح ہوگا۔ مگر ہمارے قرآن پاک میں تو اب "ولایۃ علی" اور "یا محمد من ولایۃ علی" کہیں نہیں۔ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ مشرکوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دین ناگوار ہے، مگر ان اتو کے الفاظ کے ملانے سے مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی کی امامت میں جو لوگ شرک کرتے ہیں، صرف ان کو آپ کی دعوت دین اور وہ بھی فقط امامت علی کے متعلق ناگوار ہے۔ باقی حصہ آپ کی دعوت کا کسی کو ناگوار نہیں، نہ توحید ناگوار ہے، نہ رسالت، نہ اور کچھ۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

۷۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

قوله تعالى : سأل سائل بعذاب واقع للكافرين (بولاية علي) ليس له دافع[۱] ، ثم قال : هكذا والله نزل بها جبرئيل ﷺ على محمد ﷺ .
(صفحہ ۴۲۲، جلد ۱)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا قول " سال سائل بعذاب واقع للکافرین (بولایۃ علی) لیس له دافع " اسی طرح اللہ کی قسم جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے تھے۔"

ف: اب " بولایۃ علی " کا لفظ آیت میں نہیں ہے۔ آیت میں مطلق کافروں کے عذاب کا ذکر تھا کہ اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ مگر اس لفظ کے ملانے سے آیت میں صرف امامت علی کے کفر کرنے والوں کا عذاب بیان ہوا کہ اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

۸۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

٥٨ ـ أحمد بن مهران ، عن عبدالعظيم بن عبدالله ، عن محمد بن الفضيل ، عن أبي حمزة ، عن أبي جعفر ﷺ قال: نزل جبرئيل ﷺ بهذه الآية على محمد ﷺ هكذا « فبدّل الذين ظلموا (آل محمد حقهم) قولاً غير الذي قيل لهم فأنزلنا على الذين ظلموا (آل محمد حقهم) رجزاً من السّماء بما كانوا يفسقون »[۱] .
(صفحہ ۴۲۳، جلد ۱، روایت ۵۸)

ترجمہ...... "جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے، " فبدل الذین ظلموا (آل محمد حقہم) قولا غیرالذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا (آل محمد حقہم) رجزا من السماء بما کانوا یفسقون۔"

ف: اب قرآن مجید میں اس آیت میں " آل محمد حقہم " کا لفظ دونوں جگہ سے نکلا ہوا ہے، بغیر اس لفظ کے آیت میں بنی اسرائیل کے واقعہ کا بیان ہے کہ ان سے خدا نے فرمایا تھا کہ اس بستی میں جاؤ اور بستی میں داخل ہوتے وقت " حطۃ " کہنا، مگر

انھوں نے ازراہ شرارت اس لفظ کو بدل دیا، جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ مگر اس لفظ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ آیت میں ذکر بنی اسرائیل کا نہیں، بلکہ (نعوذباللہ) صحابہ کرامؓ کا حال بیان ہو رہا ہے کہ انھوں نے آل محمد پر ظلم کیا اور اسی کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب آیا۔ مگر افسوس کہ واقعات سے اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی۔ براہ عنایت کوئی مجتہد صاحب بتادیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کون سا ظلم آل محمد پر کیا تھا اور کون سا عذاب ان پر آسمان سے آیا تھا؟

اسی قسم کی روایات اس کتاب کے باب مذکور میں بکثرت ہیں۔

۹۔ اسی کتاب میں "کتاب فضل القرآن" کے باب النوادر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

ان القرآن الذی جاء به جبریل علیه السلام الی محمد صلی الله علیه وآله سبعة عشر الف آیة.

(صفحہ ۶۳۷۔ جلد ۲)

ترجمہ: "بے تحقیق جو قرآن جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ و آلہ پر لے کر آئے تھے، اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔"

ف: اب قرآن شریف میں علی اختلاف الروایت چھ ہزار چھ سو سولہ آیتیں ہیں۔ لہٰذا آدھے سے بہت زیادہ قرآن نکل گیا۔

۱۰۔ کتاب احتجاج شیعہ مذہب کی بڑی معتبر کتاب ہے۔ اس کے مصنف شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی نے دیباچہ کتاب میں لکھ دیا ہے کہ اس کتاب میں سوا امام حسن عسکری کے اور جس قدر ائمہ کے اقوال ہیں، ان پر اجماع ہے، یا وہ عقل کے موافق ہیں، یا اس قدر سیر وغیرہ کی کتب میں ان کی شہرت ہے کہ مخالف و موافق سب کا ان پر اتفاق ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۹ سے لے کر صفحہ ۱۳۲ تک ایک طویل روایت حضرت علی مرتضیٰؓ سے منقول ہے کہ ایک زندیق نے آنجناب کے سامنے کچھ اعتراض قرآن پر کئے، اور آپ نے قریب قریب ہر اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ قرآن میں تحریف

ہو گئی ہے۔ اس روایت سے قرآن شریف میں پانچوں قسم کی تحریف ثابت ہوتی ہے۔ کمی کے متعلق جو مضامین اس روایت میں ہیں، وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک اعتراض ایک زندیق نے یہ کیا تھا کہ قرآن مجید میں " فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ماطاب لکم من النساء " یعنی اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو جن عورتوں سے چاہو نکاح کر لو۔ زندیق نے کہا کہ شرط و جزا میں کوئی ربط نہیں معلوم ہوتا۔ یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو تو عورتوں سے نکاح کر لو، ایک بالکل بے جوڑ بات ہے۔ جناب امیر علیہ السلام اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

وأما ظهورك على تناكر قوله فإن خفتم ألا تقسطوا في اليتامى فانكحوا ما طاب لكم من النساء وليس يشبه القسط في اليتامى نكاح النساء ولا كل النساء أيتاما فهو مما قدمت ذكره من أسقاط المنافقين من القرآن وبين القول في اليتامى وبين نكاح النساء من الخطاب والقصص أكثر من ثلث القرآن وهذا وما أشبه مما ظهرت حوادث المنافقين فيه لأهل النظر والتأمل ووجد المعطلون وأهل الملل المخالفين للإسلام مساغا إلى القدح في القرآن

(احتجاج صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ ... "اور تجھ کو جو اللہ کے قول " فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ماطاب لکم من النساء " کے بے تکے ہونے پر اطلاع ہوئی اور تو کہتا ہے کہ یتیموں کے حق میں انصاف کرنا عورتوں سے نکاح کرنے کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور نہ کل عورتیں یتیم ہوتی ہیں، پس اس کی وجہ وہی ہے جو میں پہلے تجھ سے بیان کر چکا ہوں کہ منافقوں نے قرآن سے بہت کچھ نکال ڈالا۔ " فی الیتامٰی " اور " فانکحوا " کے درمیان میں بہت سے احکام اور قصے تھے۔ تہائی قرآن (یعنی دس پارے) سے زیادہ،

سب نکال ڈالے گئے۔ اسی وجہ سے بے ربطی ہو گئی۔ اس قسم کی منافقتوں کی
تحریفات کی وجہ سے جو اہل نظر و تامل کو ظاہر ہو جاتی ہیں، بے دینوں اور اسلام
کے مخالفوں کو قرآن پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا۔"

جناب امیر اس زندیق کے کسی اعتراض کا جواب نہ دے سکے۔ اس روایت کو دیکھ کر صاف کہنا پڑتا ہے کہ شیعوں کی طرح ان کے جناب امیرؓ بھی (نعوذ باللہ) قرآن کے سمجھنے سے عاجز و قاصر تھے۔ حالانکہ آج اہل سنت کے ایک ادنیٰ طالب علم سے پوچھو تو وہ بھی اس آیت کا ربط اچھی طرح بیان کر دے گا۔ آیت میں بنا ئی سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں، بعض لوگ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرتے تھے اور ان کا مہر بھی کم باندھتے تھے، دوسرے حقوق بھی ادا نہ کرتے تھے، کیونکہ ان یتیموں کی طرف سے کوئی لڑنے جھگڑنے والا تو تھا ہی نہیں، لہٰذا آیت میں حکم دیا گیا کہ اگر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ان سے نکاح نہ کرو، بلکہ اور عورتوں سے نکاح کر لو۔

میں نے "ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر" میں لکھا تھا کہ قرآن کریم میں "فان خفتم" کا لفظ نہیں بلکہ "وان خفتم" (واؤ کے ساتھ) ہے۔ زندیق تو خیر زندیق تھا، وہ قرآن کریم کو صحیح کیوں پڑھتا؟ تعجب ہے کہ اس روایت کے مطابق جناب امیرؓ نے بھی اپنے جواب میں آیت کو غلط ہی نقل کیا۔ گویا حضرت علیؓ کو (نعوذ باللہ) نہ تو قرآن کے الفاظ صحیح یاد تھے، اور نہ وہ قرآن کریم کے جملوں میں ربط و تعلق سے آگاہ تھے۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؓ نے اس زندیق سے فرمایا:

ولو شرحت لك ما أسقط وحرف وبدل مما يجرى

هذه المجرى لطال وظهر ما تحظر التقية اظهاره۔

(ایضاً ۔ صفحہ ۱۲۸)

ترجمہ: "اگر میں تجھ سے تمام وہ آیتیں بیان کردوں جو قرآن سے
نکال ڈالی گئیں اور تحریف کی گئیں اور بدل دی گئیں جو اسی قسم کی

کار روائیاں ہوتیں تو بہت طویل ہو جائے اور تقیہ جس چیز کو روکتا ہے ، وہ ظاہر ہو جائے۔ "

ف : تعجب ہے کہ قرآن کو محرف کہنے اور جامعین قرآن کو منافق کہنے سے تقیہ نے نہ روکا۔ مگر مقامات تحریف معین کرنے سے تقیہ نے روک دیا۔ کیونکہ مقامات تحریف کے معلوم ہو جانے سے بقیہ قرآن بکار آمد ہو جاتا، تقیہ کو یہ کب گوارا تھا؟

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے اس زندیق سے کہا :

لو علم المنافقون لعنهم الله من ترک هذه الآیات التی بینت لک تاویلها لاسقطوها مع ما اسقطوا منه ۔

(احتجاج طبری ص ۱۲۹)

ترجمہ : "اگر منافقوں کو، خدا انہیں لعنت کرے، معلوم ہو جاتا کہ ان آیتوں کے باقی رکھنے میں کیا خرابی ہے جن کی تاویل میں نے بیان کی تو وہ ان آیتوں کو بھی نکال ڈالتے جس طرح اور آیتیں نکال ڈالیں۔ "

۱۱۔ تفسیر برہان اور تفسیر صافی کے مقدمہ میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا :

إن القرآن قد طرح منه آی کثیرة

(مقدمہ تفسیر البرہان، مقدمہ ثالثہ۔ فصل اول صفحہ ۳۷)

ترجمہ : "بے تحقیق قرآن سے بہت سی آیتیں نکال ڈالی گئیں۔ "

نیز اسی کتاب میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ

ولو قری القرآن کما أنزل لا لفیتنا فیه مسمّین .

(صفحہ ۳۷)

ترجمہ : "اگر قرآن اسی طرح پڑھا جائے، جیسا کہ نازل کیا گیا تو یقیناً تم قرآن میں ہمارے نام پاؤ گے۔ "

۱۲۔ تفسیر قمی جس کے مصنف علی بن ابراہیم قمی امام حسن عسکری کے شاگرد اور محمد بن یعقوب کلینی کے استاد ہیں، بڑی معتبر کتاب ہے اور روایات تحریف سے بھری ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ :

وأما ما هو محذوف منه فهو قوله لكن الله يشهد

بما أنزل إليك في علي كذا أنزلت (ثم قال) ومثله كثير

(مقدمہ صفحہ ۱۰ جلد ۱)

ترجمہ: "لیکن وہ آیتیں جو قرآن سے نکال ڈالی گئیں ان کی ایک مثال یہ ہے: "لكن الله يشهد بما انزل اليك في علي" یہ آیت اس طرح نازل ہوئی (پھر چند مثالوں کے بعد لکھا ہے کہ) اس کے مثل بہت ہے۔"

قرآن شریف میں بڑھائے جانے کی روایتیں

۱۔ کتاب احتجاج مطبوعہ ایران کی اس طویل روایت میں، جس کا ذکر اوپر ہوا، اس زندیق کا ایک اعتراض یہ ہے کہ خدا نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام نبیوں پر بیان کی ہے۔ حالانکہ جتنی تعریف بیان کی ہے اس سے کہیں زیادہ ان کی برائی اور توہین قرآن میں ہے کہ اس قدر توہین اور کسی نبی کی قرآن میں نہیں ہے۔ زندیق کے اس اعتراض کو بھی شیعوں کے جناب امیر نے تسلیم کر لیا اور تسلیم کر کے حسب ذیل جواب دیا کہ:

والذي بدا في الكتب من الإزراء على النبي صلى

الله عليه وآله من فرية الملحدين (صفحہ ۱۳۲)

ترجمہ: "کتاب یعنی قرآن میں جو برائی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہے یہ ملحدوں کی افترا کی ہوئی (یعنی بڑھائی ہوئی) ہے۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؓ نے اس زندیق سے کہا:

أنهم أثبتوا في الكتب ما لم يقله الله ليلبسوا على

الخليقة۔ (صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: "ان منافقوں نے قرآن میں وہ باتیں درج کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تھیں تاکہ خلق کو فریب دیں۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؑ نے کہا:

وليس يسوغ مع عموم التقية التصريح بأسماء المبدلين ولا الزيادة في آياته على ما أثبتوه من تلقائهم في الكتاب لما في ذلك من تقوية حجج أهل التعطيل والكفر والملل المنحرفة عن ملتنا وإبطال هذا العلم الظاهر الذي قد استكان له الموافق والمخالف

(صفحہ ۲۷۱)

ترجمہ: "تقیہ کی ضرورت اس قدر ہے کہ نہ میں ان لوگوں کے نام بتا سکتا ہوں، جنھوں نے قرآن میں تحریف کی، نہ اس میں زیادتی کو بتا سکتا ہوں جو انھوں نے قرآن میں درج کی۔ جس سے اہل تعطیل و کفر اور مذاہب مخالفہ اسلام کی تائید ہوتی ہے اور اس علم ظاہر کا ابطال ہوتا ہے جس کے موافق و مخالف سب قائل ہیں۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ اس زندیق سے جناب امیرؑ نے جمع قرآن کا قصہ یوں بیان کیا:

ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عما لا يعلمون تأويله إلى جمعه وتأليفه وتضمينه من تلقائهم ما يقيمون به دعائم كفرهم فصرخ مناديهم من كان عنده شيء من القرآن فليأتنا به ووكلوا تأليفه ونظمه إلى بعض من وافقهم إلى معاداة أولياء الله فألفه على اختيارهم.

(صفحہ ۱۳۱-۱۳۲)

ترجمہ: "پھر جب ان منافقوں سے وہ مسائل پوچھے جانے لگے جن کو وہ نہ جانتے تھے تو مجبور ہوئے کہ قرآن کو جمع کریں، اس کی تفسیر کریں اور قرآن میں وہ باتیں بڑھائیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم کریں۔ تو ان کے منادی نے اعلان کیا کہ جس کے پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو وہ ہمارے پاس لے آئے اور ان منافقوں نے قرآن کی جمع و ترتیب کا کام اس شخص کے سپرد کیا جو دوستانِ خدا کی دشمنی میں ان کا ہم خیال تھا اور اس نے ان کی پسند کے موافق قرآن کو جمع کیا۔"

پھر اسی روایت میں بڑی وضاحت کے ساتھ جناب امیرؓ کا یہ قول بھی ہے:

وزادوا فیہ ما ظہر تناکرہ وتنافرہ (ص: ۱۳۲)۔

ترجمہ: "اور بڑھا دیں انہوں نے قرآن میں وہ عبارتیں جن کا خلافِ فصاحت اور قابلِ نفرت ہونا ظاہر ہے۔"

ف: احتجاج طبرسی کی ان روایات سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے۔

اول: یہ کہ اس قرآن میں (نعوذ باللہ) نبیؐ کی توہین قرآن کے جمع کرنے والوں نے بڑھائی ہے۔

دوم: یہ کہ قرآن مذہب باطلہ اور مخالفین اسلام کی تائید کرتا ہے، شریعت کو مٹاتا ہے، کفر کے ستون اس سے قائم ہوتے ہیں۔

سوم: اس قرآن میں ایسی عبارتیں بڑھا دی گئیں ہیں جو قابل نفرت اور خلاف فصاحت ہیں۔

چہارم: یہ نہیں معلوم کہ یہ بڑھائی ہوئی عبارتیں کون کون اور کہاں کہاں ہیں۔

پنجم: اس قرآن کے جمع کرنے والے منافق اور کفر کے ستون قائم کرنے والے اور دین خدا کے دشمن تھے۔ انہوں نے اپنی پسند و خواہش کے مطابق قرآن کو جمع کیا۔

۔ تفسیر البرہان اور تفسیر صافی کے مقدمہ میں، تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

لو لا أنہ زید فی القرآن ونقص ما خفی حقنا علی ذی حجی (مقدمہ ششم، فصل اول ۔ صفحہ ۴)

ترجمہ: "اگر قرآن میں بڑھایا نہ گیا ہوتا اور گھٹایا نہ گیا ہوتا تو ہمارا حق کسی عقلمند پر پوشیدہ نہ ہوتا۔"

ف: خیر اور کچھ ہو یا نہ ہو، مگر اتنا تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن شریف مذہب شیعہ کے بالکل خلاف ہے، حتیٰ کہ مسئلہ امامت اور ائمہ کا حق بھی اس سے ثابت نہیں ہو سکتا، اور یہ قرآن سنیوں کی تائید کرتا ہے، ان کے ستون قائم کرتا ہے۔

قرآن شریف کے حروف والفاظ کے بدلے جانے کی روایتیں

تفسیر قمی میں ہے:

وأما ما كان خلاف ما أنزل الله فهو قوله تعالى:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ الآية.

قال أبو عبد الله عليه السلام لقارئ هذه الآية خير أمة يقتلون أمير المؤمنين والحسين بن علي فقيل له فكيف نزلت يا ابن رسول الله فقال: إنما أنزلت خير أئمة أخرجت للناس

(تفسیر قمی ۱۰)

ترجمہ: "اور وہ چیزیں جو قرآن میں موجود ہیں خلاف ما انزل اللہ ہیں۔ پس وہ (مثلاً) یہ آیت ہے کنتم خیر امۃ یعنی "تم لوگ تمام امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہیں۔" امام جعفر صادق نے اس آیت کے پڑھنے والے سے کہا کہ کیا وہ امت بہتر ہے جس نے امیر المومنین اور حسین بن علی کو قتل کر دیا۔ پوچھا گیا کہ پھر یہ آیت کس طرح اتری تھی اے فرزند رسول؟ تو فرمایا کہ یہ آیت اس طرح اتری تھی "کنتم خیر ائمۃ" یعنی "اے ائمہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو۔""

ف: معلوم ہوا کہ قرآن میں "خیر امۃ" کا لفظ غلط ہے۔ "خیر ائمۃ" نازل ہوا تھا الفاظ تبدیل کر دیے گئے۔

۲۔ نیز اسی تفسیر میں ہے:

ومثله آية قرأت على أبي عبد الله ﴿الذين يقولون ربنا هب لنا من أزواجنا وذرياتنا قرة أعين واجعلنا للمتقين إماما﴾ عليه السلام: لقد سألوا الله عظيما أن يجعلهم للمتقين إماما فقيل له يا ابن رسول الله كيف

نزلت فقال: إنما نزلت واجعل لنا من المتقين اماما
(صفحہ ۰)

ترجمہ: "امام جعفر صادق کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی "والذین
یقولون" یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ "اے رب ہمارے! بخش دے ہم
کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے ٹھنڈک آنکھوں کی اور بنا دے ہم کو
متقیوں کا امام" تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ سے بڑی چیز
مانگی کہ ان کو متقیوں کا امام بنا دے۔ پوچھا گیا کہ اے فرزند رسول اللہ!
یہ آیت کس طرح اتری تھی؟ تو فرمایا کہ اس طرح اتری تھی۔ "واجعل
لنا من المتقین" یعنی ہمارے لئے متقیوں میں سے کوئی امام مقرر
کر دے۔"

چونکہ امامت کا مرتبہ شیعوں کے یہاں نبوت سے بھی بڑھا ہوا ہے جیسا کہ
امامت کی بحث میں گزر چکا ہے، اس لئے امام نے آیت کو غلط کہہ دیا کہ اس میں
امامت کی درخواست خدا سے کی گئی۔ اس روایت میں حروف کی تبدیلی ہے۔

۳۔ اصول کافی کتاب الحجہ "باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ"
میں ہے:

٦٢ ـ أحمد ، عن عبد العظيم ، عن الحسين بن مياح ، عمّن أخبره قال : قرأ
رجلٌ عند أبي عبدالله عليه السلام : « قل اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله والمؤمنون »[٢] فقال :
ليس هكذا هي ، إنّما هي والمأمونون ، فنحن المأمونون [٦]؛

ترجمہ: "ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت
پڑھی۔ "قل اعملوا" یعنی "اے نبی کہہ دو کہ تم لوگ عمل کرو، تمہارا
عمل اللہ دیکھے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے۔" امام نے فرمایا یہ
آیت اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے "والمامونون" یعنی مامون لوگ
دیکھیں گے اور "مامونون" ہم ائمہ اثنا عشر ہیں۔"

۴۔ کتاب احتجاج کی اسی مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ زندیق نے ایک اعتراض یہ
بھی کیا کہ قرآن میں پیغمبروں کی مذمت تو نام لے کر خدا نے بیان کی ہے، مگر منافقوں

کی مذمت اشارات وکنایات میں ہے، ان کا نام نہیں لیا گیا، یہ کیا بات ہے؟ تو جناب امیرؓ نے جواب دیا کہ:

إن الكناية عن أسماء ذو الجرائر العظيمة من المنافقين ليست من فعله تعالى وإنها من فعل المغيرين والمبدلين الذين جعلوا القرآن عضين واعتاضوا الدنيا من الدين (صفحہ ۱۲۹)

ترجمہ: "بڑے بڑے جرم والے منافقوں کے نام کا کنایت میں ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تو صاف صاف نام ذکر کئے تھے، بلکہ یہ فعل ان تحریف کرنے والوں، بدلنے والوں کا ہے جنھوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے اور دنیا کے عوض دین کو بیچ ڈالا۔ (انھوں نے ناموں کو نکال ڈالا اور بجائے ان کے کنایے کے الفاظ رکھ دیئے)۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؓ نے اس زندیق کو یہ نفیس جوابات دے کر فرمایا:

فحسبك في الجواب في هذه المواضع ما سمعت فإن شريعة التقية تحظر التصريح بأكثر منه (صفحہ ۱۳۰)

ترجمہ: "پس ان مقامات میں یہ جواب تجھے کافی ہیں جو تو نے سنے اس لئے کہ تقیہ کی شریعت اس سے زیادہ صاف بیان کرنے کو روکتی ہے۔"

نمونے کے طور پر تحریف کی چار قسموں کی روایتیں تھوڑی نقل کی گئیں۔ اگر کوئی شخص کتب شیعہ کو دیکھے تو ایک انبار ان روایتوں کا پائے گا۔ جن سے ایک بڑا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ اور اس کو معلوم ہوگا کہ بڑا مقصد ان لوگوں کا یہی تھا کہ قرآن کریم کو تحریف شدہ قرار دیا جائے۔

باقی رہی تحریف کی پانچویں قسم یعنی قرآنی ترتیب آیات کی اور ترتیب سورتوں

کی وہ تو اس قدر مشہور ہے کہ حاجت کسی حوالہ کی نہیں، علاوہ ازیں روایات منقولہ بالا سے وہ بھی ثابت ہورہی ہے اور آئندہ بھی اس کے متعلق عبارتیں نقل کی جائیں گی۔ تاہم دو حوالے یہاں بھی پڑھ لیجئے!:

۱۔ علامہ نوری طبرسی فصل الخطاب میں چوتھی دلیل کے ضمن میں فرماتے ہیں:

كان لأمير المؤمنين عليه السلام قرآنا مخصوصا جمعه بنفسه بعد وفاة النبي صلى الله عليه وآله وعرضه على القوم فأعرضوا عنه فحجبه عن أعينهم وكان عند ولده عليهم السلام يتوارثه إمام عن إمام كسائر خصائص الإمامة وخزائن النبوة وهو عند الحجة عجل الله فرجه، يظهره للناس بعد ظهوره ويأمرهم بقراءته وهو مخالف لهذا القرآن الموجود من حيث التأليف وترتيب السور والآيات بل الكلمات أيضا ومن جهة الزيادة والنقيصة وحيث أن الحق مع علي عليه السلام وعلي مع الحق ففي القرآن الموجود تغير من جهتين وهو المطلوب.

ترجمہ: "امیر المومنین علیہ السلام کا ایک قرآن مخصوص تھا جس کو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خود جمع کیا تھا اور اس کو صحابہ کے سامنے پیش کیا، مگر ان لوگوں نے توجہ نہ کی، لہٰذا آپ نے ان لوگوں سے پوشیدہ کر دیا اور وہ قرآن ان کی اولاد کے پاس رہا، ایک امام سے دوسرے امام کو میراث میں ملتا رہا۔ مثل اور خصائص امامت و خزائن نبوت کے۔ اور اب وہ قرآن امام مہدی کے پاس ہے، خدا ان کی مشکل جلد آسان کرے۔ وہ اس قرآن کو اپنے ظاہر ہونے کے بعد نکالیں گے اور لوگوں کو اس کی تلاوت کا حکم دیں گے اور وہ قرآن اس قرآن موجود کے خلاف ہے، سورتوں اور آیتوں بلکہ کلمات کی ترتیب میں بھی، اور کمی بیشی کے لحاظ

سے بھی۔ چونکہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہیں، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ قرآن موجود میں دونوں حیثیتوں سے تحریف ہے اور یہی (ہم شیعوں کا) مقصود ہے۔"

۲۔ علامہ مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں:

پس بخواند قرآن را بنحوے کہ حق تعالیٰ بر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ بے آنکہ تغییر یافتہ باشد و تبدیل یافتہ باشد چنانچہ در قرآن ہائے دیگر شدہ۔

(حق الیقین صفحہ ۵۰۳، مطبوعہ تہران ۱۳۵۳ھ)

ترجمہ: "پس امام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہو، جیسا کہ دوسرے قرآنوں میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔"

علمائے شیعہ کے تینوں اقرار

اب علمائے شیعہ کے تینوں اقرار ملاحظہ فرمائیے، یعنی:
پہلا اقرار یہ کہ تحریف قرآن کی روایات کثیر اور متواتر ہیں۔
دوسرا اقرار یہ کہ یہ متواتر روایات تحریف قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔
تیسرا اقرار یہ کہ ان روایات کے مطابق شیعہ تحریف قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

ذیل میں ان تینوں اقراروں کے حوالے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ کتاب فصل الخطاب مطبوعہ ایران میں تحریف قرآن کی گیارہویں دلیل کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الأخبار الكثيرة المعتبرة الصريحة فى وقوع السقط

ودخول النقصان في الموجود من القرآن زيادة على ما مر في ضمن الأدلة السابقة وأنه أقل من تمام ما نزل إعجازا على قلب سيد الإنس والجان من غير اختصاصها بآية أو سورة وهي متفرقة في الكتب المتفرقة التي عليها المعول عند الأصحاب جمعت ما عثرت عليها في هذا الباب۔

(صفحہ ۳۳)

ترجمہ: "بہت سی حدیثیں جو معتبر ہیں اور قرآن موجود میں کمی اور نقصان پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، علاوہ ان احادیث کے جو دلائل سابقہ کے ضمن میں بیان ہوچکیں، اور یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قرآن مقدار نزول سے بہت کم ہے اور یہ کمی کسی آیت یا کسی سورت کے ساتھ مخصوص نہیں اور یہ حدیثیں ان کتب متفرقہ میں نقل ہوئی ہیں۔ جن پر ہمارے مذہب کا اعتماد اور اہل مذہب کا ان کی طرف رجوع ہے۔ میں نے وہ سب حدیثیں جمع کردی ہیں جو میری نظر سے گذریں۔"

اس کے بعد بکثرت کتابوں کے نام گنائے ہیں اور روایات تحریف کے انبار لگا دیے ہیں۔

۲۔ نیز اسی کتاب میں محدث جزائری کا قول نقل کیا ہے کہ:

قال السيد المحدث الجزائري في الأنوار ما معناه أن الأصحاب قد أطبقوا على صحة الأخبار المستفيضة بل المتواتر الدالة بصريحها على وقوع التحريف في القرآن كلاما ومادة وإعرابا والتصديق بها (ص: ۳۱)۔

ترجمہ: "سید محدث جزائری نے کتاب انوار میں لکھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اصحاب امامیہ نے اتفاق کیا ہے ان روایات مستفیضہ بلکہ متواترہ کی صحت پر جو صراحتاً قرآن کے محرف ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔"

تحریفِ قرآن۔ کلام میں بھی ہے، مادہ میں بھی، اعراب میں بھی۔ اور تحقیق
کی ہے میں نے اس بات کی تصدیق پر۔"

۳۔ اسی فصل الخطاب میں علاوہ محدث جزائری کے اپنے دوسرے علماء سے بھی روایاتِ تحریف کا متواتر ہونا نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وهي كثيرة جدا قال السيد نعمت الله الجزائري في بعض مؤلفاته كما حكي عنه أن الأخبار الدالة على ذلك تزيد على ألفي حديث وادعى استفاضتها جماعة كالمفيد والمحقق الداماد والعلامة المجلسي وغيرهم بل الشيخ أيضا صرح في التبيان بكثرتها بل ادعى تواترها جماعة يأتي ذكرهم (صفحہ ۲۵۱)

ترجمہ: "روایاتِ تحریفِ قرآن بکثرت ہیں، حتیٰ کہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض تصنیفات میں لکھا ہے، جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ جو حدیثیں تحریف پر دلالت کرتی ہیں وہ دو ہزار احادیث سے زیادہ ہیں۔ اور ایک جماعت نے ان کے مستفیض ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسے مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم، بلکہ شیخ طوسی نے بھی تبیان میں تصریح کی ہے کہ یہ روایات بکثرت ہیں۔ بلکہ ایک جماعت محدثین نے ان روایتوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔"

پھر بفاصلہ چند سطور لکھا ہے کہ:

واعلم أن تلك الأخبار منقولة من الكتب المعتبرة التي عليها معول أصحابنا في إثبات الأحكام الشرعية والآثار النبوية. (صفحہ ۲۵۲)

ترجمہ: "جاننا چاہئے کہ یہ حدیثیں تحریف کی ان معتبر کتابوں سے نقل کی

گئی ہیں جن پر ہمارے اصحاب کا اعتماد ہے احکام شرعیہ کے ثابت کرنے اور آثار نبویہ کے نقل کرنے میں۔"

۴۔ پھر صاحب فصل الخطاب نے اپنے وعدہ کو پورا کیا ہے اور آخر کتاب میں ان تمام محدثین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے روایات تحریف کو متواتر کہا ہے۔ ان ناموں میں علامہ مجلسی کا نام نامی بھی ہے اور ان کی عبارت کا حسب ذیل فقرہ نقل دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وعندي أن الأخبار في هذا الباب متواترة معنى وطرح جميعها يوجب رفع الاعتماد من الأخبار رأسا بل ظني أن الأخبار في هذا الباب لا يقصر عن أخبار الإمامة فكيف يثبتونها بالخبر. (۳۵۳)

ترجمہ: "میرے نزدیک تحریف قرآن کی روایتیں معناً متواتر ہیں، اور ان سب روایتوں کو ترک کر دینے سے ہمارے تمام فن حدیث کا اعتبار جاتا رہے گا۔ بلکہ میرا ظن یہ ہے کہ تحریف قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی روایتوں سے کم نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر تحریف قرآن کی روایتوں کا اعتبار نہ ہو تو مسئلہ امامت بھی روایتوں سے ثابت نہ ہو سکے گا۔"

۵۔ علامہ محسن کاشی تفسیر صافی کے دیباچہ میں تحریف کی (تجس) روایات نقل کر کے فرماتے ہیں:

المستفاد من مجموع هذه الأخبار وغيره من الروايات من طريق أهل البيت عليهم السلام أن القرآن الذي بين أظهرنا ليس بتمامه كما أنزل على محمد صلى الله عليه وآله بل منه ما هو خلاف ما أنزل الله ومنه ما هو مغير ومحرف وأنه قد حذف منه أشياء كثيرة منها اسم علي في كثير من المواضع ومنها غير ذلك وأنه ليس أيضا

علی الترتیب المرضی عند اللہ وعند رسولہ وبہ قال علی
بن ابراھیم (تفسیر الصافی، المقدمۃ السادسۃ... صفحہ ۱۴۔ جلد ۱)

ترجمہ: "ان تمام حدیثوں کا اور ان کے علاوہ جس قدر حدیثیں اہل بیت علیہم السلام کی سند سے نقل کی گئی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جو قرآن ہمارے درمیان میں ہے وہ پورا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوا تھا نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کچھ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے خلاف ہے۔ اور کچھ متغیر و محرف ہے، اور علاوہ اس میں سے بہت سی چیزیں نکال ڈالی گئی ہیں، جیسے علی کا نام بہت سے مقامات سے، علاوہ اس کے ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قرآن کی ترتیب بھی خدا اور اس کے رسول کی پسند کی ہوئی ترتیب نہیں ہے، انہیں سب باتوں کے قائل ہیں علی بن ابراہیم قمی۔"

۶۔ دور آخر کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب عماد الاسلام میں فرماتے ہیں، ہم ان کی عبارت "استقصاء الافحام" سے نقل کرتے ہیں:

"قال آیۃ اللہ فی العالمین أحلہ اللہ دار السلام فی عماد الإسلام بعد ذکر نبذ من أحادیث التحریف المأثورۃ من سادات الأنام علیہم الآف التحیۃ والسلام: مقتضی تلک الأخبار أن التحریف فی الجملۃ فی ھذا القرآن الذی بین أیدینا بحسب زیادۃ بعض الحروف ونقصانہ بل بحسب بعض الألفاظ وبحسب الترتیب فی بعض المواضع قد وقع بحیث لا یشک فیہ مع تسلیم تلک الأخبار۔

ترجمہ: "آیۃ اللہ فی العالمین یعنی مولوی دلدار علی نے عماد الاسلام میں چند احادیث تحریف کی، جو سرداران خلق یعنی ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سے مروی ہیں، نقل کر کے فرمایا ہے کہ ان احادیث کا مقتضی یہ

ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریف اس قرآن میں، جو ہمارے سامنے ہے، ضرور ہوئی ہے بلحاظ زیادہ اور کم ہو جانے بعض حروف کے، بلکہ بعض الفاظ کے۔ اور بلحاظ ترتیب کے بھی بعض مقامات میں۔ ان احادیث کے تسلیم کر لینے کے بعد اس میں کچھ شک نہیں کیا جا سکتا۔"

عبارت منقولہ کے بعد تحریف قرآن کی کچھ صورتیں بھی مولوی دلدار علی صاحب نے بیان فرمائی ہیں، منجملہ ان کے ایک نفیس بات قابل داد یہ لکھی ہے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی پورا قرآن امت کو دیا ہی نہیں، صحابہ کے خوف سے بہت سی آیتیں آپ نے چھپا ڈالیں، جس قدر قرآن کا ظاہر کرنا آپ کو مصلحت معلوم ہوا اسی قدر آپ نے صحابہ کو دیا، باقی سب تقیہ کی نذر ہو گیا۔ اصل عبارت عماد الاسلام کی بحوالہ ازالۃ الغین سے نقل کرتے ہیں:

ومنها أنه معلوم من حال النبي كما لا يخفى على المتفحص الذكي ذي الحدس الصائب أنه مع كمال رغبته على تخليفه عليا كان في غاية التقية من قومه، لهذا عندي دلائل وأمارات لا يسع المقام ذكرها، فيحتمل عند العقل أن النبي حفظا لبيضة الإسلام الظاهري أودع القرآن النازل المشتمل على نصوص أسماء الأئمة وأسماء المنافقين مثلا عند محارم أسراره كعلي بأمر الله، لئلا يرتد القوم بأسرهم لما علم من حالهم عدم احتمال ذلك، وأظهرهم بقدر ما علم المصلحة في إظهاره، ولما كانوا هم الباعثين للنبي على ذلك كان الإسناد إليهم في محله،

(اقامۃ البرہان علیٰ ان ..... ہد اعداء القرآن ..... صفحہ ۳۸، مقدمہ چہارم، تالیف نجم الدین اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی)

ترجمہ: "..... منجملہ تحریف کی صورتوں کے ایک یہ ہے کہ نبی کا حال

معلوم ہے اور سمجھ دار ذہین آدمی جو تلاش کرے اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آپ باوجود یکہ نہایت رغبت اس بات کی رکھتے تھے کہ علی کو اپنا خلیفہ بنائیں مگر اپنی قوم کی طرف سے بہت تقیہ کرتے تھے، اس بات کیلئے میرے پاس دلائل و علامات ہیں۔ پس یہ احتمال قرین عقل ہے کہ نبی نے اسلام ظاہری کی حفاظت کے لئے بحکم خدا اصلی قرآن، جس میں ائمہ کے نام اور منافقوں کے نام کی آیتیں تھیں، اپنے محرم راز مثلاً علی کے پاس ودیعت رکھوا دیا، تاکہ تمام لوگ مرتد نہ ہو جائیں، کیونکہ آپ کو ان کا حال معلوم تھا کہ وہ ان آیات کی برداشت نہ کر سکیں گے، اور آپ نے صرف اسی قدر قرآن ان پر ظاہر کیا جس کا ظاہر کرنا آپ کے نزدیک قرین مصلحت تھا، اور چونکہ اصلی قرآن کے چھپا دالنے کا سبب صحابہ تھے اس لئے یہ کہنا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کر دی، بالکل صحیح ہے۔"

۷۔ امام الشیعہ مولوی حامد حسین لکھنوی نے اپنی کتاب استقصاء الافحام جلد اول میں جابجا اقرار کیا ہے کہ تحریف قرآن کی روایات کتب شیعہ میں بہت ہیں اور وہ تحریف قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ:

الف: صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں:

"ورود روایات تحریف قرآن بطریق اہل حق"

ترجمہ: "یعنی شیعوں کی کتابوں میں روایات تحریف قرآن کا وارد ہونا۔"

ب: صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں:

"اگر بیچارہ شیعے بمقتضائے احادیث کثیرہ اہل بیت طاہرین معصومین بوقوع نقصان در قرآن حرف تحریف و نقصان بر زبان آرد ہدف سہام طعن و ملام و مورد استہزاء و تشنیع گردد۔"

ترجمہ: "اگر بیچارہ کوئی شیعہ، اہل بیت طاہرین کی بہت سی احادیث کے موافق، جو قرآن کے ناقص ہونے کی تصریح کرتی ہیں، تحریف و نقصان کا لفظ زبان سے نکالے تو طعن و ملامت کے تیروں کا نشانہ بن جاتا ہے۔"

ج: صفحہ ۳۴ میں لکھتے ہیں:

"اگر اہل حق از حافظان اسرار الٰہی و حاملان آثار جناب رسالت پناہی کہ ہداۃ اسلام و ائمہ انام اند روایت کنند احادیثے راکہ دال است بر آنکہ در قرآن شریف مبطلین واہل ضلال تحریف نمودند ونقص معنی ابطل آوردند واصل قرآن کما انزل نزد حافظان شریعت موجود است کہ درین صورت اصلاً بر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نقصے وطعنے عائد نمی شود فریاد وفغان آغاز کنند۔"

(ازالۃ البرہان علی ان الشیعۃ اعداء القرآن۔۔ صفحہ ۲۹)

ترجمہ: "اگر اہل حق (یعنی شیعہ) حافظان اسرار الٰہی اور حاملان آثار جناب رسالت پناہی سے، جو کہ اسلام کے ہادی اور لوگوں کے امام ہیں، ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن شریف میں باطل پرست اور اہل ضلال (یعنی خلفائے ثلاثہؓ) نے تحریف کردی اور اس کے الفاظ میں گڑبڑ کردی اور اصل قرآن، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا، حافظان شریعت (ائمہ اثنا عشر) کے پاس موجود ہے کہ اس صورت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز کوئی نقص اور طعن عائد نہیں ہوتا، تو سنی لوگ شور وواویلا شروع کردیتے ہیں۔"

عبارات منقولہ بالا سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے:

۱۔ روایات تحریف قرآن شیعوں کی ان اعلیٰ ترین معتبر کتابوں میں ہیں، جن پر مذہب شیعہ کی بنیاد ہے۔

۲۔ روایات تحریف کثیرہ مستفیض بلکہ متواتر ہیں۔

۳۔ روایات تحریف رد کردی جائیں تو شیعوں کا فن حدیث بیکار و بے اعتبار ہوجائے۔

۴۔ تحریف قرآن کی روایتیں کتب شیعہ میں دو ہزار سے زیادہ ہیں۔

۵۔ تحریف قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ مذہب شیعہ میں جس درجہ ضروری مسئلہ امامت ہے اسی درجہ تحریف قرآن کا عقیدہ بھی ضروری ہے۔ حضرت علیؓ اور دوسرے ائمہ کی امامت کا ماننا جیسا فرض ہے اسی درجہ کا فرض قرآن کو محرف ماننا بھی ہے۔ جو شخص قرآن کو محرف نہ مانے وہ

از روئے مذہب شیعہ ویسا ہی گناہگار و بد دین اور مذہب شیعہ سے خارج ہو گا جیسا ائمہ اثنا عشری کی امامت کا منکر۔

۲۔ یہ روایات، قرآن کے محرف ہونے اور پانچوں قسم کی تحریف سے ملوث ہونے پر ایسی صاف اور واضح دلالت کرتی ہیں کہ اس میں شک نہیں ہو سکتا اور نہ ان کی کوئی معقول توجیہ و تاویل ہو سکتی ہے۔

ان عبارات میں دو اقرار تو بالکل واضح ہیں۔ یعنی روایات کے کثیر و متواتر ہونے کا اور ان روایات کے تحریف پر صریح دلالت کرنے کا، تیسرا اقرار یعنی معتقد تحریف ہونے کا اس درجہ واضح نہیں ہے، لہٰذا اس کے لئے اور عبارتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ علامہ محسن کاشانی تفسیر صافی کے مقدمہ سادسہ میں لکھتے ہیں:

وأما اعتقاد مشائخنا رحمهم الله في ذلك فالظاهر من ثقة الإسلام محمد بن يعقوب الكليني طاب ثراه أنه كان يعتقد التحريف والنقصان في القرآن، لأنه روى روايات في هذا المعنى في كتابه الكافي، ولم يتعرض لقدح فيها، مع أنه ذكر في أول الكتب أنه كان يثق بما رواه فيه، وكذلك أستاذه علي بن إبراهيم القمي، فإن تفسيره مملوء منه وله غلو فيه، وكذلك الشيخ أحمد بن أبي طالب الطبرسي قدس سره، فإنه نسج على منوالهما في كتاب الاحتجاج،

(تفسیر صافی، مقدمہ سادسہ۔ صفحہ ۲۰۔ طبع جدید بیروت)

ترجمہ: "رہا ہمارے بزرگوں کا اعتقاد اس بارے میں، سو ظاہر یہ ہے کہ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی قرآن کی تحریف و نقصان کے معتقد تھے۔ کیونکہ انہوں نے اس مضمون کی بہت روایتیں اپنی کتاب کافی میں نقل کی ہیں اور ان روایتوں پر کوئی جرح نہیں کی، باوجودیکہ انہوں نے آغاز کتاب

میں لکھ دیا ہے کہ جتنی روایتیں اس کتاب میں ہیں ان پر مجھے وثوق ہے اور اسی طرح ان کے استاد علی بن ابراہیم قمی کہ ان کی تفسیر بھی روایات تحریف سے پُر ہے اور ان کو اس عقیدہ میں غلو ہے۔ اور اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی کہ وہ بھی کتاب الاحتجاج میں انہیں دونوں کے طرز پر چلے ہیں۔"

۴۔۔۔۔۔۔ سید ابوالحسن شریف تفسیر مرآۃ الانوار میں (جو مقدمہ تفسیر البرہان کی حیثیت سے شائع ہوئی ہے) لکھتے ہیں:

الفصل الرابع

في بيان خلاصة أقوال علمائنا في تغيير القرآن وعدمه وتزييف استدلال من أنكر التغيير اعلم أن الذي يظهر من ثقة الإسلام محمد بن يعقوب الكليني طاب ثراه أنه كان يعتقد التحريف والنقصان في القرآن لأنه روى روايات كثيرة في هذا المعنى في كتاب الكافي الذي صرح في أوله بأنه كان يثق فيما رواه فيه ولم يتعرض لقدح فيها ولا ذكر معارض لها، وكذلك شيخه علي بن أبراهيم القمي فإن تفسيره مملوء منه وله غلو فيه، قال رضي الله عنه في تفسيره أما ما كان من القرآن خلاف ما أنزل الله فهو قوله تعالى......ثم ذكر من تفسير القمي بعض أمثلة أنواع التحريف....... إلى أن قال: ووافق القمي والكليني جماعة من أصحابنا المفسرين، كالعياشي، والنعماني، وفرات بن أبراهيم، غيرهم وهو مذهب أكثر محققي محدثي المتأخرين، وقول الشيخ الأجل أحمد بن أبي طالب الطبرسي كما ينادي به كتابه الاحتجاج وقد نصره شيخنا العلامة باقر علوم أهل البيت وخادم أخبارهم في كتابه بحار الأنوار، وبسط الكلام فيه

بما لا مزید علیه وعندی فی وضوح صحة هذا القول بعد تتبع الأخبار وتفحص الآثار بحیث یمکن الحکم بکونه من ضروریات مذهب التشیع وانه من اکثر مقاصد غصب الخلافة

(مقدمہ تفسیر البرہان مقدمہ ثانیہ الفصل الرابع ص ۳۷)

ترجمہ: "چوتھی فصل اس مسئلہ میں کہ قرآن میں کوئی تبدیلی ہوئی یا نہیں؟ ہمارے علماء شیعہ کے اقوال کا خلاصہ اور منکرین تحریف کے استدلال کی تردید۔"

"جاننا چاہئے کہ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کے کلام سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ قرآن میں تحریف و نقصان کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس مضمون کی بہت سی روایات کتاب "الکافی" میں روایت کی ہیں۔ جبکہ اس کتاب کے شروع میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں جو روایتیں ذکر کی ہیں، ان پر وثوق رکھتے ہیں۔ اور موصوف نے نہ تو ان روایات کو ذکر کرکے ان پر کوئی جرح کی ہے اور نہ اس کے معارض کوئی روایت ذکر کی ہے۔ اسی طرح ان کے شیخ علی بن ابراہیم القمی بھی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کی تفسیر اس سے بھری پڑی ہے۔ اور ان کو اس عقیدہ میں غلو ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جو آیتیں "ما انزل اللہ" کے خلاف ہیں، پس وہ یہ ہیں"

(یعنی تفسیر قمی سے انواع و اقسام کی تحریف کی مثالیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں)

"اور قمی اور کلینی کی موافقت کی ہے ہمارے شیعہ مفسرین کی ایک جماعت نے جیسے عیاشی، نعمانی، فرات بن ابراہیم وغیرہم۔ اور یہی مذہب ہے اکثر متاخرین، محققین، محدثین کا۔ اور یہی قول ہے شیخ اجل احمد بن ابی طالب طبرسی کا۔ جیسا کہ ان کی کتاب "الاحتجاج" اس کا اعلان کررہی ہے۔ اور اسی کی تائید کی ہے ہمارے شیخ علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الانوار"

ہیں۔ اور اس میں کھل کر کلام کیا ہے جس پر اضافے کی گنجائش نہیں۔
اور میرے نزدیک ائمہ کی احادیث کے تتبع و تلاش اور آثار کی چھان
بین کے بعد اس قول کا صحیح ہونا یہاں تک واضح ہے کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ
عقیدہ تحریف مذہب تشیع کے ضروریات میں سے ہے اور غصب
خلافت کا سب سے بدترین نتیجہ تحریف قرآن ہے۔"

۳۔ علامہ نوری طبرسی فصل الخطاب میں لکھتے ہیں:

الأول وقوع التغيير والنقصان فيه وهو مذهب الشيخ
الجليل علي بن إبراهيم القمي شيخ الكليني في تفسيره
صرح بذلك في أوله وملأ كتابه من أخباره مع التزامه
في أوله بأن لا يذكر إلا ما رواه مشائخه وثقاته ومذهب
ثقة الإسلام الكليني رحمه الله على ما نسبه إليه جماعة
لنقله الأخبار الكثيرة الصريحة في هذا المعنى في كتاب
الحجة خصوصا في باب النكت والنتف من التنزيل وفي
الروضة من غير تعرض لردها أو تأويلها واستظهر المحقق
السيد محسن الكاظمي في شرح الوافية مذهبه من الباب
الذي عقده فيه وسماه باب انه لم يجمع القرآن كله إلا
الأئمة عليهم السلام فان الظاهر من طريقة أنه إنما يعقد
الباب لما يرتضيه قلت وهو كما ذكره فان مذاهب القدماء
تعلم غالبا من عناوين أبوابهم وبه صرح أيضا العلامة
المجلسي في مرآة العقول.

(فصل الخطاب۔۔ صفحہ ۲۶)

ترجمہ: "پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغیر و نقصان ہوگیا۔ اور یہی مذہب

> ہے شیخ جلیل علی بن ابراہیم قمی استاذ کلینی کا۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے اور اپنی تفسیر روایت تحریف سے بھر دی ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی تفسیر کے شروع میں انہوں نے یہ پابندی ظاہر کی ہے کہ وہی روایتیں ذکر کروں گا جو میرے اساتذہ اور معتبر لوگوں نے روایت کی ہیں۔ اور یہی مذہب ہے ثقۃ الاسلام کلینی رحمہ اللہ کا، جیسا کہ ایک جماعت نے ان کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس مضمون کی بہت سی صریح روایتیں کافی کی کتاب الحجۃ خصوصاً باب " النکت والنتف من التنزیل " میں اور روضہ میں نقل کی ہیں۔ اور ان روایت کو نہ رد کیا نہ ان کی توجیہ و تاویل کی، اور محقق سید محسن کاظمی نے شرح وافیہ میں کلینی کا مذہب اسی باب سے ثابت کیا ہے جو انہوں نے کافی میں منعقد کیا ہے اور اس کا نام رکھا ہے " باب انہ لم یجمع القرآن کلہ الا الائمۃ علیہم السلام " کیونکہ ان کے طریقہ سے ظاہر ہے کہ وہ اسی مضمون کے لئے باب قائم کرتے ہیں جو مضمون ان کو پسند ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ محقق کاظمی کا یہ کہنا ٹھیک ہے۔ محدثین کا مذہب اکثر ان کے بابوں کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اور کلینی کے مذہب کی تصریح علامہ مجلسی نے بھی " مرآۃ العقول " میں بھی کی ہے۔"

اس کے بعد مصنف فصل الخطاب نے پورے سات صفحوں میں ان اکابر شیعہ کے نام گنائے ہیں جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

شیعوں کے مشائخ اربعہ، جو تحریف کے منکر ہیں

بانیان مذہب شیعہ کا اصل مقصد قرآن کریم کو مشکوک بنانا تھا۔ چنانچہ جب وہ بزعم خود عداوت قرآن کا حق ادا کر چکے، راویان قرآن یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی خوب جرح کر لی اور ان کو ___ نعوذ باللہ ___ مرتد اور منافق قرار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس پر بھی صبر نہ ہوا تو تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں

حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ کے نام سے تصنیف کر کے شیعوں میں پھیلا دیں۔ وہ سمجھے تھے لوگ قرآن کریم کی طرف سے شک و شبہ میں پڑ جائیں گے اور اسلام کی بنیاد منہدم ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن یہ ان کی بھول تھی، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس آہنی دیوار سے ٹکرا رہے ہیں اور یہ کہ اس کتاب مقدس کی شان "لاریب فیہ" ہے، اس سے کھیلنے والوں کے اپنے سر پاش پاش ہو جائیں گے۔ مگر وہ اس آہنی دیوار کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ کتاب مٹنے کے لئے نہیں، بلکہ رہتی دنیا تک چمکنے کے لئے آئی ہے، اور اس کے بارے میں پہلے دن سے اعلان کر دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (حٰم سجدہ ۴۱ — ۴۲)

ترجمہ: "جو لوگ منکر ہوئے نصیحت سے جب آئی ان کے پاس اور وہ کتاب ہے نادر۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہیں، آگے سے اور نہ پیچھے سے، اتاری ہوئی ہے حکمتوں والے، سب تعریفوں والے کی۔"
(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

بانیان مذہب شیعہ کی ان تمام مکروہ حرکتوں کے باوجود دنیا نے دیکھ لیا کہ حق تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم سے نہ تو اسلام کا کچھ بگڑا، نہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت مسلمانوں کے سینۂ بے کینہ سے نکلی۔ اور نہ قرآن کریم ہی کے بارے میں کسی کے دل میں شک و شبہ کا کوئی کانٹا چبھا۔ جب شیعوں کو تحریف قرآن کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے تین چار صدیاں گزر گئیں اور کچھ نہ ہوا، بلکہ الٹا لینے کے دینے پڑ گئے اور شیعوں کو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے "کافر" قرار دیا جانے لگا تو شیعہ اکابر کو بڑی فکر لاحق ہوئی، مگر تقیہ کا تجویز موجود تھا۔ اس لئے چار بزرگوں نے ازراہ تقیہ تحریف قرآن کے عقیدہ سے انکار کر دیا۔ یہ پوری بحث امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے رسالہ "تنبیہ الحائرین" سے نقل کرتا ہوں، جو لاہور کے شیعہ مجتہد جناب سید علی حائری کے رسالہ "موعظۂ تحریف قرآن" کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ حضرت لکھتے ہیں:

"حقیقت یہی ہے کہ شیعوں کے تمام محدثین اور بڑے بڑے اکابر مذہب شیعہ کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں، نہ کوئی شیعہ تحریف قرآن کا منکر ہوا نہ ہو سکتا ہے، ان کے مذہب کی بنیاد ہی عداوت قرآن پر ہے۔

"شیعوں میں گنتی کے صرف چار آدمی از راہ تقیہ تحریف قرآن کے منکر ہو گئے ہیں۔ ا۔ شریف مرتضٰی، ۲۔ شیخ صدوق، ۳۔ ابو جعفر طوسی، ۴۔ شیخ ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان۔ جب علمائے شیعہ کو سنیوں کے مقابلہ میں ضرورت پیش آتی ہے یا اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کی ہوس خام پیدا ہوتی ہے تو انہیں چار میں سے کسی نہ کسی کا قول پیش کر دیتے ہیں اور بڑی صفائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اوپر بالکل بے جا الزام ہے۔ ہم تو تحریف قرآن کے قائل ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ حائری صاحب نے بھی اپنے رسالہ " موعظۂ تحریف قرآن " میں یہی کارروائی کی ہے۔ ناواقف شخص بے شک اس کارروائی سے دھوکا کھا جاتا ہے، مگر جو لوگ مذہب شیعہ سے واقف ہیں، ان کے سامنے یہ کارروائی نہیں چل سکتی۔

"اب بعونہ تعالیٰ ان چاروں شخصوں کے اقوال اور ان کی حقیقت و اصلیت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ جب بانیان مذہب شیعہ عداوت قرآن کا حق ادا کر چکے اور راویان قرآن یعنی صحابہؓ کو بھی بخیال خود خوب مجروح کر لیا تب بھی صبر نہ آیا اور تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں حضرت علی و امام باقر کے نام سے تصنیف کر کے اپنی کتابوں میں درج کر دیں۔ سمجھے تھے کہ اب دین اسلام مٹ چکا۔ مسلمان قرآن مجید کی طرف سے ضرور شک میں پڑ جائیں گے۔ مگر خدا کی قدرت نہ اسلام مٹا، اور نہ قرآن مجید میں کسی کو شک پیدا ہوا، مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں نے بھی ان روایات تحریف کو گوز شتر سے بدتر سمجھا اور ان کو بھی قرآن شریف کے محرف ہونے کا وہم نہ پیدا ہوا۔ مثلاً سر ولیم میور، جو صوبہ متحدہ کے لیفٹنٹ گورنر تھے، باوجود متعصب عیسائی ہونے کے اور باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کی انجیلوں کو محرف کہا جاتا ہے تو بھی وہ قرآن کو محرف نہ کہہ سکے اور اپنی کتاب " لائف آف محمد " (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھ گئے:

ترجمہ: "یہ بالکل صحیح اور کامل قرآن ہے اور اس میں ایک حرف کی بھی تحریف نہیں ہوئی۔ ہم ایک بڑی مضبوط بنا پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیت خاص اور غیر متغیر صورت میں ہے اور آخر کار ہم اپنی بحث کو ان نیم صاحب کے فیصلہ پر ختم کرتے ہیں وہ فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن ہے ہم کامل طور پر اس میں ہر لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سمجھتے ہیں، جیسا کہ مسلمان اس کے ہر لفظ کو خدا کا لفظ خیال کرتے ہیں۔"

"بلکہ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے طعن و ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی اور واقعی اس سے بڑھ کر نمک حرامی کیا ہو گی کہ جس دین کا نام لیتے تھے اسی کی جڑ کاٹنا شروع کی۔ اسلام کو کیا مٹاتے خود ہی اسلام سے خارج ہو گئے۔ خدا کے نور کو جو شخص بجھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کو یہی پھل ملتا ہے۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آں کو پف زند ریشش بسوزد

"بالآخر شریف مرتضیٰ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی طرح یہ کلنک کا ٹیکہ مٹانا چاہئے، لہٰذا انہوں نے تقیہ کر کے تحریف قرآن کا انکار کر دیا۔ مگر افسوس کہ انہوں نے ایک ایسے کام کا ارادہ کیا جس میں کامیابی محال تھی، وہ اپنے قول کی کوئی دلیل مذہب شیعہ کے اصول کے مطابق نہ پیش کر سکے، نہ اپنی تائید میں کوئی روایت ائمہ معصومین کی لا سکے، نہ روایات تحریف کا کوئی جواب دے سکے، بلکہ انکار کی دھن میں وہ باتیں لکھ گئے جو ان کے مذہب کے لئے سم قاتل تھیں، اور وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ قرآن پر ایمان کا دعویٰ بغیر مذہب شیعہ کی بیخ کنی کے ممکن ہی نہ تھا۔

"تلاش و تتبع سے معلوم ہوا کہ کُل کے چار شخص اکابر قدمائے شیعہ میں ہیں جنہوں نے ازراہ تقیہ قرآن شریف کی تحریف کا انکار کیا اور ہر قسم کی تحریف سے اس کو پاک بتلایا۔ اول شریف مرتضیٰ، دوم شیخ صدوق، سوم ابو جعفر طوسی، چہارم شیخ ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان۔ ان چار کے سوا قدمائے شیعہ میں کسی نے ازراہ تقیہ بھی تحریف قرآن کا انکار نہیں کیا۔

فصل الخطاب صفحہ ۳۴ میں ہے:

الثانی عدم وقوع التغیر والنقصان فیہ وجمیع ما نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ھو الموجود فی أیدی الناس فیما بین الدفتین والیہ ذھب الصدوق فی عقائدہ والسید المرتضی وشیخ الطائفۃ فی التبیان ولم یعرف من القدماء موافق لھم۔

ترجمہ: "دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن میں تحریف اور کمی نہیں ہوئی اور یہ کہ جس قدر قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، وہ لوگوں کے ہاتھوں میں اور دفتیوں کے بیچ میں موجود ہے اور اسی طرف گئے ہیں صدوق اپنی کتاب عقائد میں، اور سید مرتضی اور شیخ الطائفہ (ابو جعفر طوسی) تبیان میں۔ اور متقدمین میں کوئی ان کا موافق معلوم نہیں ہوا۔"

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۳۲ میں ہے:

والی طبقتہ (ای المرتضی) لم یعرف الخلاف صریحاً الا من ھذہ المشائخ الاربعۃ

ترجمہ: "شریف مرتضی کے طبقہ تک مسئلہ تحریف قرآن کی صراحتاً مخالفت سوائے ان چار بزرگواروں کے اور کسی سے معلوم نہیں ہوئی۔"

"یہ چاروں اشخاص اول تو ازراہ تقیہ تحریف کا انکار کر رہے ہیں، ان کے انکار کے ازراہ تقیہ ہونے کی روشن دلیل تین ہیں۔

"اول: یہ کہ وہ اپنی سند میں کوئی حدیث امام معصوم کی نہیں پیش کرتے، نہ پیش کر سکتے تھے۔ اور نہ ان زائد از دو ہزار احادیث ائمہ کا جواب دیتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ انکار ان کا اصلی عقیدہ نہ تھا۔

"دوم: یہ کہ وہ منکرین تحریف کو کافر کیا معنی گمراہ بھی نہیں کہتے۔ اگر واقعی ان چاروں کا اصلی عقیدہ یہی ہوتا جو وہ زبان سے کہہ رہے ہیں تو قرآن پر ایمان رکھنا ضروریات دین میں سمجھتے، اور قائل تحریف کو ہماری طرح کافر بلکہ اکفر جانتے۔

"سوم: یہ کہ یہ چاروں صاحبان قرآن شریف کے محفوظ ہونے کو صحابہ کرام کی

مسائی جمیلہ اور ان کی حمیت دینی اور قوت ایمانی سے ثابت کرتے ہیں۔ بھلا اگر اصول نے تقیہ نہ کیا ہوتا تو صحابہ کرامؓ کے ان اوصاف کا اقرار کرتے؟ کیا اگر کوئی مرزائی کہے کہ میں مرزا غلام احمد کو نہ نبی مانتا ہوں نہ مجدد تو اس کا یہ قول صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟ یا کوئی خارجی کہے کہ میں حضرت علیؓ سے حسن ظن و محبت رکھتا ہوں تو اس کی بات قابل اعتبار ہو سکتی ہے؟

"بہر کیف خواہ ان چار اشخاص کا انکار از راہ تقیہ ہو یا نہ ہو، مگر جبکہ زائد از دو ہزار احادیث ائمہ معصومین کی ان کے قول کے خلاف ہیں اور ان کے موافق ایک ٹوٹی پھوٹی روایت بھی نہیں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ اگر ان کی دلیل مان لی جائے تو مذہب شیعہ فنا ہوا جاتا ہے، لہٰذا ان کا یہ انکار ہرگز ہرگز از روئے مذہب شیعہ قابل اقتدا نہیں ہو سکتا، نہ اس کی بناء پر شیعوں کو منکر تحریف کہنا کسی طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اب ان چاروں شخصوں کے اقوال اور ان کے دلائل سنئے اور انصاف کیجئے۔

"تفسیر مجمع البیان کے فن خامس میں ہے:

ومن ذلك الكلام في زيادة القرآن ونقصانه فانه لا يليق بالتفسير، فاما الزيادة فمجمع على بطلانه، وأما النقصان فقد روى فيه جماعة من أصحابنا وقوم من حشوية العامة ان في القرآن تغييرا ونقصانا والصحيح من مذهب أصحابنا خلافه وهو الذي نصره المرتضى رحمه الله واستوفى الكلام فيه غاية الإستيفاء في جواب المسائل الطرابلسيات وذكر في مواضع ان العلم بصحة نقل القرآن كالعلم بالبلدان والحوادث الكبار والوقائع العظام والكتب المشهورة وأشعار العرب المسطورة، فان العناية اشتدت والدواعي توفرت على نقله وحراسته، وبلغت حدا لم تبلغه فيما ذكرناه لأن القرآن معجزة النبوة ومأخذ العلوم الشرعية

والأحكام الدينية، وعلماء المسلمين قد بلغوا في حفظه
وحمايته الغاية حتى عرفوا كل شيء اختلف فيه من
اعرابه وقراءته وحروفه، فكيف يجوز أن يكون مغيرا
ومنقوصا مع العناية الصادقة والضبط الشديد، وقال أيضا
قدس الله روحه أن العلم بتفصيل القرآن وأبعاضه في صحة
نقله كالعلم بجملته، وجرى ذلك مجرى ما علم ضرورة من
الكتب المصنفة ككتاب سيبويه والمزني، فان أهل العناية
بهذا الشأن يعلمون من تفصيلهما ما يعلمون من جملتهما
حتى لو ان مدخلا ادخل في كتاب سيبويه بابا في
النحو ليس من الكتاب يعرف وميز وعلم انه ملحق وليس
من أصل الكتاب وكذلك القول في كتاب المزني، ومعلوم
ان العناية بنقل القرآن وضبطه أصدق من العناية بضبط
كتاب سيبويه ودواوين الشعراء، وذكر أيضا رضي الله عنه
أن القرآن كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله
مجموعا مؤلفا على ما هو عليه الآن واستدل على ذلك بأن
القرآن كان يدرس ويحفظ جميعه في ذلك الزمان حتى
عين على جماعة من الصحابة في حفظهم له وانه كان
يعرض على النبي صلى الله عليه وآله ويتلى عليه وان من
الصحابة مثل عبدالله بن مسعود وأبي بن كعب وغيرهما
ختموا القرآن على النبي صلى الله عليه وآله عدة ختمات
وكل ذلك يدل ادنى تامل على انه كان مجموعا مرتبا غير
مبتور ولا مبثوث، وذكر ان من خالف في ذلك من

الإمامية والحشوية لا يعتد بخلافهم فإن الخلاف في ذلك مضاف إلى قوم من أصحاب الحديث نقلوا أخباراً ضعيفة ظنوا صحتها لا يرجع بمثلها عن المعلوم المقطوع على صحته. انتهى (ص ۱۰ ج ۱)

ترجمہ: "اور متجسند اس کے قرآن میں زیادتی اور کمی کی بحث ہے، مگر یہ بحث تفسیر کی کتابوں میں ذکر کرنے کے لائق نہیں، کیونکہ قرآن میں زیادتی نہ ہونے پر تو سب کا اجماع ہے۔ رہ گئی کمی تو اس کے متعلق ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے اور حشویہ عامہ کی ایک قوم نے یہ روایت کی ہے کہ قرآن میں کچھ تغیر و تبدل اور کچھ کمی ہو گئی ہے مگر ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے۔ اور اسی کی تائید شریف مرتضیٰ نے کی ہے، اور انہوں نے مسائل طرابلسیہ کے جواب میں اس کے متعلق پوری بحث کی ہے، اور انہوں نے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے کہ قرآن کے صحت کے ساتھ منقول ہونے کا علم ایسا قطعی ہے جیسا شہروں کے وجود اور بڑے بڑے حادثوں اور واقعات اور مشہور کتابوں اور عرب کے لکھے ہوئے اشعار کا علم، کیونکہ قرآن کے نقل و حفاظت کے اسباب بہت تھے۔ اور اس کثرت کے ساتھ تھے کہ مذکورہ بالا چیزوں میں نہ تھے، کیونکہ قرآن معجزہ نبوت ہے اور علوم شرعیہ و احکام دینیہ کا ماخذ ہے۔ اور علمائے مسلمین قرآن کی حفاظت میں انتہا تک پہنچ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کے جس جس مقام میں اعراب اور قرأت اور حروف کا اختلاف ہے سب انہوں نے معلوم کر لیا ہے، پس باوجود اتنی بڑی توجہ اور سخت توجہ کے کیونکر ممکن ہے کہ قرآن میں تغیر و تبدل اور کمی ہو جائے۔ نیز شریف مرتضیٰ نے کہا ہے کہ قرآن کی ہر ہر آیت اور اس کے ٹکڑوں کے صحیح النقل ہونے کا علم بھی ویسا ہی قطعی ہے جیسا کہ اس کے مجموعہ کے صحیح النقل ہونے کا۔

"اور یہ علم اس درجہ میں ہے جس درجہ میں کتب مصنفہ کا علم جیسے سیبویہ اور مزنی کی کتاب کہ اس فن کے لوگ اس کے ہر ہر ٹکڑے کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اس کے مجموعہ کو، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کتاب

سیبویہ میں ایک باب نحو کا بڑھا دے جو اصل کتاب میں نہ ہو تو یقیناً پہچان لیا جائے گا اور امتیاز کر لیا جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ وہ الحاق ہے۔ اصل کتاب کا نہیں ہے۔ یہی حال کتاب مزنی کا بھی ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ نقل و حفاظت قرآن کی توجہ بہ نسبت کتاب سیبویہ کے اور شعراء کے دیوانوں کے بہت کامل تھی۔

"نیز شریف مرتضیٰ نے لکھا ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کے زمانہ میں مجموع و مرتب تھا۔ جیسا کہ وہ اب ہے۔ اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ قرآن اس زمانہ میں پورا پڑھایا جاتا تھا اور حفظ کرایا جاتا تھا یہاں تک کہ صحابہؓ کی ایک جماعت حفظ قرآن میں مامور کی گئی ہے اور قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور آپ کو پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ اور یقیناً صحابہؓ میں مثل عبداللہؓ بن مسعود و ابی بن کعبؓ کے بہتوں نے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ کو کئی کئی ختم قرآن کے سنائے تھے اور یہ سب باتیں ایک تھوڑے غور کے ساتھ بتاتی ہیں کہ بے شک قرآن مجموع و مرتب تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے اور پراگندہ نہ تھا۔ اور شریف مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو لوگ امامیہ اور حشویہ میں اس کے مخالف ہیں ان کا خلاف لائق اعتبار نہیں کیونکہ اس مسئلہ میں ایک جماعت محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے چند ضعیف روایتیں نقل کر کے ان کو صحیح سمجھ لیا حالانکہ ایسی روایتوں کی بناء پر قطعی چیز نہیں چھوڑی جا سکتی۔"

"تفسیر مجمع البیان کی اسی عبارت کو جناب حاجری صاحب نے درمیان سے قطع و برید کر کے نقل کیا ہے اور ناواقفوں کو فریب دیا ہے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں۔

"یہ لطیفہ بھی قابل تماشا ہے کہ جناب حاجری صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ "شیعہ مسلمان قطعاً تحریف قرآن کے قائل نہیں" دیکھو رسالہ "موعظہ تحریف صفحہ ۵۱" مگر آگے چل کر صفحہ ۵۹ میں آپ اقرار کرتے ہیں کہ اکثر اخباری شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں اور اخباری کے معنی آپ اہلحدیث غیر مقلد بیان کرتے ہیں۔ پھر انہیں قائلین تحریف میں اپنے شیخ الاسلام کلینی اور ان کے استاد قمی اور طبرسی مصنف احتجاج کو بھی شمار

کرتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا تناقض نہیں تو کیا ہے؟ کوئی ان سے پوچھے کہ یہ بزرگوار جن کو آپ خود قائل تحریف مان رہے ہیں، شیعہ تھے کہ نہیں؟ اگر تھے اور یقیناً تھے تو آپ کا یہ کہنا کہ شیعہ قطعاً قائل تحریف نہیں، خود آپ کے قول سے غلط ہو گیا۔ ایسی متناقض اور بے علمی کی باتیں اس رسالہ میں بہت ہیں۔

" مجمع البیان کے علاوہ تین کتابوں کی عبارتیں حائری صاحب نے اور نقل کی ہیں ان عبارتوں میں بھی انہیں منکرین تحریف کا قول ہے لیکن مجمع البیان میں پورے بسط و تفصیل کے ساتھ مع دلائل ہے اور ان میں دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا ہم اسی عبارت مجمع البیان پر اکتفا کرکے شریف مرتضیٰ کے دلائل کا حال اور ان کا نتیجہ حوالہ قلم کرتے ہیں۔

"۱۔ شریف مرتضیٰ قرآن میں زیادتی نہ ہونے پر اپنے فرقہ کا اجماع بتاتے ہیں یہ ایسا صریح جھوٹ ہے کہ سوا شیعوں کے کسی مذہب کا عالم ایسے دروغ بے فروغ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کا جھوٹ ہونا روایات احتجاج وغیرہ کے علاوہ، جو اوپر منقول ہوئیں، خود حائری صاحب کی نقل کردہ عبارت توضیح الاصول سے ظاہر ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

فعن أكثر الأخباريين انه وقع فيه التحريف والزيادة والنقصان وهو الظاهر من الكليني وشيخه علي بن إبراهيم القمي والشيخ أحمد بن أبي طالب الطبرسي صاحب الاحتجاج.

ترجمہ: "اکثر محدثین سے منقول ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی، بیشی بھی ہوئی اور کمی بھی۔ اور یہی ظاہر ہے کلینی اور اس کے استاذ علی بن ابراہیم قمی سے اور شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی مصنف احتجاج سے۔"

" پس جب اکثر محدثین اور اتنے بڑے بڑے اکابر شیعہ کو قرآن میں کمی بیشی کیے جانے کا قائل آپ خود مان رہے ہیں تو شریف مرتضیٰ کا یہ کہنا کہ قرآن میں بیشی نہ ہونے پر سب شیعوں کا اجماع ہے، جھوٹ ہوا کہ نہیں؟

۲۔ شریف مرتضیٰ قرآن میں کمی کی روایتوں کا وجود اپنے یہاں مان کر کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے، یہ بھی غلط ہے۔ صحیح ہونے کا کیا مطلب؟ صحیح تو وہی قول

ہو سکتا ہے جس کی تائید معصوم کی حدیث سے ہوتی ہو۔ ت کہ وہ قول جو زائد از دو ہزار احادیث معصوم کے خلاف ہو۔

"۳۔ شریف مرتضٰی اپنی روایات تحریف کو لکھتے ہیں کہ ضعیف ہیں۔ محدثین نے ان کو صحیح خیال کر کے ان کے موافق عقیدہ بنا لیا۔ یہ قول بھی کس قدر پُر فریب ہے، ان روایتوں کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ بیان کرنی چاہئے تھی، یا لکھنا راویوں پر جرح کرتے یا اور کوئی نقص سند میں بتاتے، بغیر اس کے کسی روایت کو ضعیف کہہ دینا کسی کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوتا۔ اچھا بالفرض یہ روایتیں جو دو ہزار سے زائد ہیں سب ضعیف ہیں تو شریف مرتضٰی کوئی صحیح روایت ایسی پیش کر دیتے کہ فلاں امام معصوم نے فرمایا ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ صحیح نہ سہی، کوئی ضعیف ہی روایت اس مضمون کی اپنی کتابوں میں دکھلا دیتے۔ مگر یہ بات ان کے امکان میں نہ تھی۔

"۴۔ شریف مرتضٰی کہتے ہیں کہ قرآن کی حفاظت کے اسباب بہت تھے۔ قرآن معجزہ نبوتؐ اور ماخذ دین تھا۔ صحابہؓ بڑے محافظ دین تھے۔ قرآن کی حفاظت میں بے انتہا اور بے مثل کوشش کرتے تھے، بہت سے صحابہؓ مثل عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے پورے قرآن کے حافظ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو کئی کئی بار ختم سنا چکے تھے اور آپؐ کے زمانے میں لوگوں کو درس قرآن دیتے تھے۔ صحابہؓ کے اس بے مثل اہتمام اور کوشش کے سامنے قرآن میں تحریف ہو جانا محال ہے۔

" حضرات شیعہ خصوصاً حائری صاحب ایمان سے ارشاد فرمائیں کہ کیا واقعی شیعوں کا عقیدہ صحابہ کرامؓ کے متعلق یہی ہے جو شریف مرتضٰی نے بیان کیا؟ آیا مذہب شیعہ صحابہ کرامؓ کو ایسا ہی دیندار اور دین کا محافظ، قرآن کا نگہبان مانتا ہے؟

" یقیناً شریف مرتضٰی کی یہ تقریر مذہب شیعہ کے بالکل خلاف ہے۔ شیعہ مذہب تو صحابہ کرامؓ کو (معاذ اللہ) دشمن دین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ پورے قرآن کا حافظ سوا ائمہ کے نہ کوئی تھا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ صحابہ کرام ہرگز قرآن کے نگہبان نہ تھے، اور کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن کے محرف ہو جانے کے اسباب زیادہ تھے، نہ محفوظ رہنے کے، کیونکہ تمام صحابہؓ دشمن دین تھے اور

صاحب قوت و شوکت تھے۔ مومن صرف چار یا پانچ تھے اور وہ ہر طرح سے عاجز اور کمزور بے دست و پا تھے۔

شریف مرتضیٰ کی یہ تقریر بالکل مذہب اہلسنت کے مطابق ہے۔ صحابہ کرامؓ کے یہ فضائل اہلسنت کا عقیدہ ہیں نہ کہ شیعوں کا۔ اسی وجہ سے خود علمائے شیعہ نے بھی شریف موصوف کے قول کو رد کیا ہے۔ حائری صاحب کو لازم تھا کہ اس رد کو بھی نقل کرتے اور اس کا جواب دیتے مگر یہ ایمانداری ان کی وضع کے خلاف تھی۔ خیر اب میں اس کو لکھتا ہوں، حائری صاحب غور فرما کر ملاحظہ کریں۔

علامہ محمد بن محسن کاشی تفسیر صافی میں شریف موصوف کے قول کو اس طرح رد کرتے ہیں:

أقول لقائل ان يقول كما أن الدواعي كانت متوفرة على نقل القرآن وحراسته من المؤمنين كذلك كانت متوفرة على تغييره من المنافقين المبدلين للوصية المغيرين للخلافة لتضمنه ما يضاد رأيهم والتغيير فيه ان وقع فانما وقع قبل انتشاره في البلدان واستقراره على ما هو عليه الآن والضبط الشديد إنما كان بعد ذلك فلا تنافي بينهما بل لقائل انه ما تغير في نفسه وانما التغيير في كتابتهم اياه وتلفظهم به فانهم ما حرفوا الا عند نسخهم من الأصل وبقي الأصل على ماهو عليه عند العلماء. فليس بمحرف وانما المحرف ما أظهروه لأتباعهم واما كونه مجموعا في عهد النبي صلى الله عليه وآله على ما هو عليه الآن فلم يثبت وكيف كان مجموعا وانما كان ينزل نجوماً وكان لا يتم إلا بتمام عمره صلى الله عليه وآله وأنما درسه وختمه فانما كانوا يدرسون ويختمون ما كان عندهم لاتمامه.

ترجمہ: "میں کہتا ہوں کہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جس طرح قرآن کی حفاظت کے اسباب ایمان داروں کی طرف سے زیادہ تھے اسی طرح منافقوں کی طرف سے۔ جنہوں نے وصیت رسول خدا کو بدل دیا خلافت کو متغیر کر دیا۔ قرآن کے محرف ہو جانے کے اسباب زیادہ تھے۔ کیونکہ قرآن ان کی رائے کے خلاف تھا اور قرآن میں اگر تحریف ہوئی ہے تو قبل اس کے کہ وہ شہروں میں پھیلے اور حالت موجودہ پر قرار پکڑے۔ اور یہ سخت حفاظت بعد اس کے ہوئی ہے۔ پس اس سخت حفاظت اور تحریف قرآن میں کچھ منافات نہیں۔ بلکہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اصل قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ تحریف صرف ان کے لکھنے اور تلفظ میں ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے اصل سے نقل کرتے وقت تحریف کی اور اصل قرآن اپنی حالت پر اپنے اہل یعنی علمائے قرآن (ائمہ اہل بیت) کے پاس موجود ہے۔ پس جو قرآن ائمہ کے پاس ہے وہ محرف نہیں ہے۔ محرف تو وہ ہے جس کو جامعین قرآن نے اپنے پیروؤں کے لئے ظاہر کیا۔ باقی رہا یہ کہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ و آلہ کے وقت میں جمع ہو چکا تھا جیسا کہ اب ہے، یہ بات ثابت نہیں۔ اور اس زمانہ میں کیسے جمع ہو سکتا تھا کیونکہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور اس کا اختتام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کی عمر کے اختتام پر موقوف تھا۔ رہا قرآن کا درس اور ختم تو جس قدر ان کے پاس تھا اسی کا درس ختم کرتے تھے نہ پورے کا۔"

لیجئے شریف مرتضیٰ کا قول رد ہو گیا جو دلائل انہوں نے پیش کئے تھے، وہ مذہب شیعہ کی رو سے بالکل غلط ثابت ہو گئے۔

علامہ خلیل قزوینی نے بھی صافی شرح کافی میں شریف مرتضیٰ کے اس قول کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

دعویٰ اینکہ قرآن ہمیں است کہ در مصاحف مشہور است خالی از اشکال نیست و استدلال بر ایں باہتمام اصحاب و اہل اسلام بضبط قرآن بغایت رکیک است بعد اطلاع بر عمل ابی بکر و عمر و عثمان۔

ترجمہ: "اس بات کا دعویٰ کرنا کہ قرآن یہی ہے جو مصاحف مشہورہ میں ہے، مشکل ہے اور اس پر صحابہ اور اہل اسلام کے اہتمام سے جو انہوں نے حفاظت قرآن میں کیا، استدلال کرنا نہایت کمزور ہے۔ بعد اس امر کے

معلوم کر لینے کے کہ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ نے کیا کیا کام کئے۔"

اور علامہ نوری طبرسی نے فصل الخطاب میں . . . .

. . . . بہت بسط کے ساتھ منکرین تحریف کے قول کو رد کیا ہے اور ان کے دلائل کو توڑا ہے۔ خاص کر شیخ صدوق کی تو بہت سی چوریاں پکڑی ہیں اور آخر میں صاف لکھ دیا ہے کہ تحریف کے انکار میں جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ مذہب شیعہ کے لئے سم قاتل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

قلت إنه لشدة حرصه على إثبات مذهبه يتعلق بكل ما يحتمل فيه تأييد لمذهبه ولا يلتفت إلى لوازمه الفاسدة التي لا يمكنه الإلتزام به فان ما ذكره من الشبهة هي الشبهة التي ذكرها المخالفون بعينها وأوردها على أصحابنا المدعين لثبوت النص الجلي على امامة مولينا علي عليه السلام وأجابوا عنها بما لا يبقى معه ريبه وقد أحياها بعد طول المدة غفلة او تناسيا عما هو مذكور في كتب الإمامية

(فصل الخطاب صفحہ ۷۵۳)

ترجمہ: "میں کہتا ہوں کہ صدوق اپنے مذہب کے ثابت کرنے کا اتنا سخت حریص ہے کہ جس بات میں ذرا سا بھی احتمال اپنے مذہب کی تائید کا پاتا ہے اس کو لے لیتا ہے۔ اور اس کے نتائج فاسدہ کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ ان نتائج کو تسلیم کرنا اس کے امکان میں نہیں۔ جو اعتراض اس نے تحریف قرآن پر کیا ہے بعینہ یہ وہی اعتراض ہے جو مخالفین ہمارے اصحاب پر حضرت علی کی امامت پر نص جلی موجود ہونے کے متعلق کیا کرتے ہیں۔ اور ہمارے اصحاب نے ان کے اعتراض کا جواب ایسے عمدہ دلائل سے دیا ہے کہ پھر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ مگر صدوق وغیرہ نے ایک زمانہ دراز کے بعد پھر اس اعتراض کو زندہ کر دیا اور جو کچھ کتب امامیہ میں لکھا ہے اس سے غفلت یا فراموشی اختیار کی۔"

"واقعی علامہ نوری نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اگر منکرین تحریف کی دلیل صحیح ہو اور صحابہ ایسے کامل، ایماندار اور محافظ دین متین لئے جائیں کہ ان کی دینداری اور حفاظت دین کے بھروسہ پر قرآن میں تحریف کا ہونا محال ہو تو پھر خلافت کے معاملہ میں بھی ماننا پڑے گا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا ہوتا تو نا ممکن تھا کہ ایسے دیندار اور دین کے جاں نثار حکم رسولؐ کے خلاف کسی دوسرے کو خلیفہ بنا تے۔ جلی ہٰذ فدک " اگر حضرت فاطمہؓ کا حق ہوتا تو کبھی یہ دیندار جماعت رسولؐ کی بیٹی کی حق تلفی نہ کرتی۔ غرض صحابہؓ کے تمام مظالم کے افسانے بے بنیاد ہو جائیں گے۔

"خلاصہ یہ ہوا کہ سنی ہو جاؤ، سنیوں کی طرح صحابہ کرامؓ کی دینداری اور تقدس کا عقیدہ رکھو اور شیعوں کی تمام روایات کو زور و بہتان سمجھو تو قرآن پر ایمان ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

مومن قرآن شدن با رفض دول
ایں خیال است و محال است و جنوں

"الحمد للہ کہ یہ بحث پوری ہو چکی اور قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ اصلی مذہب شیعوں کا یہی ہے کہ قرآن شریف محرف ہے۔ کمی، بیشی، تغیر و تبدل الفاظ و حروف کا اور آیات و سور بلکہ کلمات کی ترتیب کا خراب ہونا۔ غرض ہر قسم کی تحریف اس میں ہے۔ جو شیعہ تحریف کا انکار کرتا ہے وہ تقیہ کر رہا ہے۔ حائری صاحب اگر شیعوں کی پیشانی سے اس داغ کو مٹانا چاہتے ہیں تو ہماری اس تحریر کا جواب لکھیں اور اپنا وعدہ پورا کریں اور جواب میں ان کو تین کام کرنا ضروری ہیں۔

"اول: یہ کہ زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی جو ان کی کتابوں میں ہیں، جن کو محدثین شیعہ متواتر و مستفیض کہتے ہیں، ان کے غیر معتبر ہونے کی کوئی ایسی معقول وجہ بیان کریں جو ان کے اصول حدیث کے مطابق ہو اور ان روایات کے غیر معتبر ہونے سے کوئی اثر ان کے فن حدیث پر خصوصاً روایات امامت پر نہ پڑنے پائے۔

"دوم: یہ کہ اپنی کتابوں سے کچھ معتبر حدیثیں ائمہ معصومین کی پیش کریں جن میں اس مضمون کی تصریح ہو کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ اگر کوئی صحیح روایت نہ

دستیاب ہو تو کوئی ضعیف ہی روایت دکھلا دیں۔

سوم: ایک فتویٰ تیار کریں کہ جو شخص تحریف قرآن کا قائل ہو وہ کافر ہے اور قطعاً دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ان علماء و اکابر شیعہ کو، جو تحریف قرآن کے قائل تھے، جن میں اصحاب ائمہ و سفرائے امام غائب بھی ہیں، کافر مرتد کی گمراہ تو لکھ دیں۔ اور اس فتویٰ پر اپنی مہر کرکے شائع کر دیں، اور اچھا ہو کہ دوسرے مجتہدین شیعہ مقیم لکھنؤ وغیرہ سے بھی اس فتویٰ پر تصدیقی مہریں کرا دیں۔

بغیر ان تین کاموں کے کئے، صرف یہ کہہ دینا کہ ہم تحریف کے قائل نہیں ہیں، کسی طرح لائق سماعت نہیں ہو سکتا بلکہ بدیہیات کا انکار کرنا اور بے حیائی کی دلیل ہو گا۔"

(تنبیہ الحائرین صفحہ ۳۰ تا صفحہ ۴۱)

ان شیعہ اکابر کا انکار تحریف محض تقیہ پر مبنی ہے

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اکابر شیعہ میں سے جن چار بزرگوں (یعنی شیخ صدوق، شریف مرتضیٰ، شیخ الطائفہ طوسی اور ابو علی طبرسی صاحب مجمع البیان) نے تحریف کا انکار کیا وہ محض ازراہ تقیہ تھا۔ خود علمائے شیعہ نے بھی ان کے تقیہ کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ سید نعمت اللہ جزائری "انوار نعمانیہ" میں لکھتے ہیں:

والظاهر أن هذا القول إنما صدر منهم لأجل مصالح كثيرة.... كيف وهؤلاء الأعلام رووا في مؤلفاتهم أخبارا كثيرة تشتمل على وقوع تلك الأمور في القرآن وإن الآية هكذا أنزلت ثم غيرت إلى هذا.

(انوار نعمانیہ ...... صفحہ ۳۵۷، طبع جدید ۱۳۸۹ھ تبریز)

ترجمہ: "ظاہر یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ انکار محض چند مصلحتوں پر مبنی ہے ..... یہ حضرات قرآن کریم کے غیر محرف ہونے کا عقیدہ کیسے رکھ سکتے ہیں، جبکہ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن میں یہ یہ تحریفات ہوئی ہیں اور فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی تھی، پھر اس کو یوں بدل دیا گیا۔"

صورت نعمت اللہ جزائری نے جو بات کہی ہے نہایت معقول ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی ایک روایت کو غلط بھی سمجھے اور پھر اس کو استدلال میں پیش کر کے اس پر اپنے عقیدہ کا محل بھی تعمیر کرے۔

" تحفہ اثنا عشریہ " میں حضرت شاہ صاحب " نے امام حسن عسکری کی ایک روایت صدوق کے حوالے سے نقل کی ہے، جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

أعوذ بالله من قوم حذفوا محكمات الكتاب ونسوا رب الأرباب.

ترجمہ: " اللہ کی پناہ ان لوگوں سے جنہوں نے کتاب اللہ کے محکمات کو حذف کر دیا اور رب الارباب کو بھول گئے۔ " (یہ روایت اس سے قبل صفحہ ۱۵۵ پر " ساتویں غلط " کے ذیل میں باحوالہ نقل کر چکا ہوں)۔ "

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

ترجمہ: " شیخ صدوق سے تعجب ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب " الاعتقادات " میں ایمان مفصلہ ذکر کی ہیں اور سخت قسمیں کھائی ہیں کہ اہلسنت ہم پر افترا کرتے ہیں، ہم ہرگز کتاب اللہ کی تحریف کے اور اس میں سے سورتوں اور آیتوں کے اتار دیے جانے کے قائل نہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے یہ مجہول روایت، جس کے شروع میں ہی تحریف قرآن کا مضمون ہے، اپنی کتاب میں نقل کر دی۔ یہاں بھی ان حضرات کی طرف سے وہی طے شدہ عذر پیش کرنا پڑے گا۔

" دروغ گو را حافظہ نبی باشد "

(تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۸۲)

علامہ نوری ان بزرگواروں کے تقیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: قد عد هو في الشافي والشيخ في تلخيصه من مطاعن عثمان ومن عظيم ما أقدم عليه جمع الناس على قراءة زيد وإحراقه المصاحف وإبطاله ما شك إنه من القرآن، ولو لا جواز كون بعض ما أبطله أو جميعه من القرآن لما كان ذلك طعنا۔ (فصل الخطاب صفحہ ۳۳)

ترجمہ: "میں کہتا ہوں کہ شریف مرتضیٰ نے "شافی" میں اور شیخ الطائفہ طوسی نے اس کی تلخیص میں حضرت عثمانؓ کے مطاعن اور ان کے عظیم ترین اقدام کو ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو ابی اور حضرت زید کی قرات پر جمع کر دیا، دیگر مصاحف کو جلا ڈالا، اور جن الفاظ کے قرآن ہونے میں شک تھا، ان کو ختم کر دیا۔" اب حضرت عثمانؓ نے جن چیزوں کو تلف کر دیا اگر وہ سب کی سب یا ان کا کچھ حصہ قرآن نہیں تھا، تو حضرت عثمانؓ پر کیا طعن ہوا؟"

مطلب علامہ نوری کا یہ ہے کہ شریف مرتضیٰ اور شیخ الطائفہ (اسی طرح دیگر شیعہ اکابر بھی) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لئے یہ واویلا کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے امت کو "مصحف امام" پر جمع کر دیا اور دیگر مصاحف کو تلف کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ ان مصاحف میں، جن کو تلف کیا گیا، "مصحف امام" کے علاوہ بھی کچھ قرآن تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیا طعن ہوا؟ اور ان کو بلاوجہ بدنام کرنے کے کیا معنی؟ اور اگر ان مصاحف میں کچھ زائد قرآن بھی تھا تو حضرت عثمانؓ پر طعن تو بجا رہا مگر اس کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا، خالص جھوٹ اور تقیہ نہیں تو اور کیا ہے؟ جو شخص حضرت عثمانؓ جامع القرآن پر طعن کرتا ہے وہ ایمان بالقرآن کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے؟ اور جو شخص ایمان بالقرآن کے دعویٰ میں سچا ہو اس کے لئے حضرت عثمانؓ پر طعن کی کیا گنجائش ہے؟

وجد و سُکر بادہ اے زاہد چہ کافر نعمتی است
منکر مے بودن و ہم رنگ مستان زیستن

علامہ نوری لکھتے ہیں کہ شیخ الطائفہ کی کتاب "التبیان" تقیہ و فریب دہی کا شاہکار ہے، جس کا اعتراف ان کے خاندان کے اکابر نے بھی بڑی صفائی سے کیا ہے:

ثم لا يخفى على المتأمل في كتاب التبيان أن طريقته فيه على نهاية المداراة والمماشاة مع المخالفين . . . . . ومما يؤيد كون وضع هذا الكتاب على

التقية ما ذكر السيد الجليل علي بن طاؤس في "سعد السعود"، وهذا لفظه: ونحن نذكر ما حكاه جدي أبو جعفر محمد بن الحسن الطوسي في كتاب التبيان، وحمله التقية على الإقتصار عليه۔۔۔۔

(فصل الخطاب ۔۔ صفحہ ۳۵)

ترجمہ: "پھر کتاب التبیان میں غور کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں کہ شیخ طوسی کا طریقہ اس کتاب میں مخالفین کے ساتھ انتہائی تقیہ پر مبنی ہے۔۔۔ اور اس کتاب کی بنیاد ہی تقیہ پر ہے۔ اس امر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو سید جلیل علی بن طاؤس نے "سعد السعود" میں لکھی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"اور ہم ذکر کرتے ہیں اس بات کا جو میرے دادا شیخ ابو جعفر طوسی نے اپنی کتاب التبیان میں نقل کی ہے اور شیخ کو تقیہ نے مجبور کیا کہ وہ اسی پر اکتفا کریں۔"

خلاصہ یہ کہ ان چاروں بزرگواروں نے جو دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے، یہ ان کا اپنے دین و مذہب کے خلاف تقیہ ہے۔ ورنہ اصول تشیع پر یہ دعویٰ ناممکن ہے۔ چنانچہ خود علمائے شیعہ کو بھی ان کے قول کے مبنی بر تقیہ ہونے کا اعتراف ہے۔

پاک و ہند کے شیعہ اکابر کا عقیدہ

جس طرح شیعوں کے مندرجہ بالا چار اکابر نے اپنے عقیدے کے خلاف تقیہ کرتے ہوئے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا کہ ہم تحریف قرآن کے قائل نہیں، ان کے بعد کے شیعہ علماء نے یہ روش مستقل طور پر اپنالی اور آج تک اپنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب موقع ملتا ہے برملا اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں اور جب اہل سنت سے گفتگو کا موقع آتا ہے تو تقیہ کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور اپنے اصل عقیدہ پر "کتمان" کا پردہ ڈال کر عقیدۂ تحریف سے برأت کا اظہار کر دیتے ہیں۔ پاک و ہند کی خاص فضا اور ماحول

میں عقیدہ تحریف کا اظہار کچھ آسان نہیں۔ اس لئے یہاں کے شیعہ حضرات عموماً نقاب تقیہ میں روپوش رہتے ہیں۔ اس کے باوجود شیعہ علماء کو جب بھی موقع ملتا ہے اپنے دل کا بھید ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس لئے پاک و ہند کے اکابر شیعہ کی بھی چند تصریحات درج کرتا ہوں:

ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی

شیعوں کا یہ ترجمہ ۱۳۲۷ھ میں لکھا گیا تھا اور جب سے اب تک برابر پاک و ہند میں شائع ہو رہا ہے۔ میرے سامنے "افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور، پاکستان" کا شائع کردہ چھٹا ایڈیشن ہے۔ اور اس پر بارہ اماموں کی تعداد کے برابر ۱۲ مجتہدین اور اکابر شیعہ کی تقریظات اور دستخط موجود ہیں کہ یہ ترجمہ تفسیر اہل بیت کے بالکل مطابق ہے۔ اور مومنین کا کوئی گھر اس سے خالی نہ رہنا چاہئے۔ وہ علماء و مجتہدین شیعہ درج ذیل ہیں:

۱۔	آیت اللہ، اعلم العصر سید احمد علی مفتی۔ لکھنؤ	متوفی ۱۳۸۸ھ
۲۔	شمس الواعظین سید محمد مجتہد۔ دہلی	متوفی ۱۳۹۲ھ
۳۔	مجتہد العصر سید کلب حسین عمدۃ العلماء۔ لکھنؤ	متوفی ۱۳۸۳ھ
۴۔	سرکار شریعت مدار مجتہد العصر سید نجم الحسن۔ لکھنؤ	متوفی ۱۳۵۷ھ
۵۔	ممتاز الافاضل مجتہد العصر سید ظہور حسین۔ لکھنؤ	متوفی ۱۳۵۷ھ
۶۔	بحر العلوم مجتہد العصر سید یوسف حسین امروہوی۔ ہند	متوفی ۱۳۵۳ھ
۷۔	قمر الملۃ مجتہد سید سبط نبی نوگانوی	متوفی ۱۳۵۷ھ
۸۔	فقیہ اہل بیت مجتہد سید محمد باقر۔ لکھنؤ	متوفی ۱۳۴۶ھ
۹۔	آغائے سید مجتہد محمد ہادی۔ لکھنؤ	متوفی ۱۳۵۷ھ
۱۰۔	صدر المحققین مجتہد اعظم سید ناصر حسین۔ لکھنؤ	متوفی ۱۳۶۱ھ
۱۱۔	قدوۃ العلماء مجتہد سید آقا حسن۔ لکھنؤ	متوفی ۱۳۴۸ھ

۱۲۔ ناصر الملت مجتہد پنجاب سید علی الحائری۔ لاہور متوفی ۱۳۴۰ھ
اس ترجمہ کے حواشی میں، مندرجہ بالا مجتہدین شیعہ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ، جگہ جگہ تصریحات کی گئی ہیں کہ قرآن کریم میں تحریف کر دی گئی، یہاں بطور نمونہ پانچ تصریحات نقل کرتا ہوں:

۱۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۳۳ " ان اللہ اصطفی آدم و نوحا و آل ابراھیم و آل عمران علی العلمین " کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"تفسیر قمی میں وارد ہے کہ یہ آیت اس طرح تھی " ان اللہ اصطفی آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران و آل محمد علی العلمین " تو لوگوں نے اصل کتاب سے لفظ آل محمدؐ کو مٹا دیا۔ تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ لفظ آل محمدؐ اس آیت میں موجود تھا لوگوں نے مٹا دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اصل آیت یوں تھی " آل ابراھیم و آل محمد " بجائے لفظ محمدؐ کے عمران بنا دیا گیا۔ " (تفسیر قمی صفحہ ۱۰۵)

۲۔ سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۴۹ " ثم یاتی من بعد ذالک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون " کا ترجمہ کیا ہے کہ:

" پھر اس کے بعد ایک ایسا برس آئے گا جس میں لوگ سیراب ہو جائیں گے اور جس میں وہ نچوڑیں گے۔ " (سورۂ یوسف ۴۹)

پھر اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ:

"تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے یہ آیت یوں تلاوت کی:

" ثم یاتی من بعد ذالک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون "
یعنی نچوڑوں کو معروف پڑھا جیسا کہ آپ موجودہ قرآن شریف میں دیکھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر وہ کیا نچوڑیں گے؟ کیا نچوڑیں گے؟ اس شخص نے عرض کی یا امیر مومنین! پھر کس طرح ہے؟ کیونکر

پڑھوں؟ فرمایا: خدا نے تو یوں نازل فرمایا ہے: "ثم یاتی من بعد ذالک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یُعصَرون" یعنی یُعصَرون" کو مجہول بتلایا، جس کے معنی میں یہ فرمایا کہ ان کو بادلوں سے پانی بکثرت دیا جائے گا اور دلیل اس امر پر خدا کا یہ قول لائے "وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجاً" (اور ہم لوگوں نے بدلیوں سے موسلا دھار پانی اتارا۔)

آگے مترجم اور محشی مقبول احمد دہلوی "قول مترجم" کا عنوان قائم کر کے لکھتا ہے:

"معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں اعراب لگائے گئے ہیں تو شراب خور خلفاء کی خاطر یُعصَرون کو یَعصِرون سے بدل کر معنی کو زیر و زبر کیا گیا ہے۔ یعنی مجہول کو معروف سے بدل کر لوگوں کے لئے ان کے کرتوت کی معرفت آسان کر دی۔ ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اسی کے حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو۔ قرآن مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے اور ان ہی کے وقت میں وہ حسب تنزیل خدائے تعالیٰ پڑھا جائے گا۔"

(صفحہ ۴۷۹)

۳۔ سورۂ احزاب کی آخری آیت کے آخری کلمات "وکان اللّٰہ غفوراً رحیماً" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

"ثواب الاعمال" میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ طویل تھی۔ مگر چونکہ اس میں عرب کے مردوں اور عورتوں کی عموماً اور قریش کی خصوصاً بداعمالیاں ظاہر کی گئی تھیں اس لئے اسے کم کر دیا گیا اور اس میں تحریف کر دی گئی ہے۔"

(صفحہ ۸۵۳)

۴۔ سورۂ الرحمٰن کی آیت ۳۹ "فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"مناقب الشیعہ" میں ہے: میسر کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام رضا

> علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ تم میں سے دو بھی جہنم میں نہ دکھائی دیں گے۔ نہیں واللہ! بلکہ ایک بھی نہیں۔ میں نے عرض کی کہ یہ بات کتاب خدا میں بھی کہیں ہے؟ پس حضرتؑ نے ایک سال تک جواب نہ دیا۔ میسرہ کہتے ہیں کہ سال بھر کے بعد ایک دن میں حضرتؑ کے ساتھ طواف میں تھا کہ یکایک فرمایا اے میسرہ! مجھے تیرے فلاں سوال کے جواب دینے کی اجازت آج ملی ہے۔ میں نے عرض کی اچھا حضور! وہ مقام قرآن مجید میں کہاں ہے؟ فرمایا سورۂ رحمٰن میں ہے اور وہ خداتعالیٰ کا یہ قول ہے " فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ منکم انس ولا جان " میں نے عرض کی کہ اس جگہ " منکم " تو نہیں ہے۔ فرمایا پہلی آیت جس میں ابن اروی (عثمان بن عفان) نے تغیر کیا گئی ہے۔ " (صفحہ ۱۰۶۳)

۵۔ سورۂ محمد کی آیت ۹ " ذالک بانھم کرھوا مآ انزل اللہ فاحبط اعمالھم " کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> " ذالک بانھم کرھوا مآ انزل اللہ۔ " الخ۔ تفسیر قمی میں جناب امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جبرئیل امینؑ نے جناب رسولؐ خدا کو یہ آیت یوں پہنچائی تھی " ذالک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فی علی " مگر مرتدین نے نام اڑا دیا۔ پس اس کا نتیجہ جنتیں گے جو آگے بیان فرمایا ہے۔ " فاحبط اعمالھم " (صفحہ ۱۰۱۱)

ان لغو ولایعنی خرافات کے نقل کرنے سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ پاک و ہند کے شیعہ مجتہدین تحریف قرآن کے قائل ہیں اور اگر کوئی شیعہ عالم یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ تحریف کا قائل نہیں، تو وہ ازراہ تقیہ جھوٹ بولتا ہے، علاوہ یہاں چند امور لائق توجہ ہیں۔

اول: مولوی مقبول نے تحریف کے جو حوالے نقل کئے ہیں وہ اپنے ائمہ کی من گھڑت روایات کے حوالے سے نقل کئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایک روایت بھی کسی امام کی نقل نہیں کی کہ یہ قرآن تحریف سے پاک ہے۔

دوم: مولوی مقبول نے پوری جسارت سے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں، " قرآن میں

تحریف کر دی گئی۔ "، "عثمان بن عفان نے تغیر کیا"، "شراب خور خلفاء کی خاطر "یُحبَرُون" کو "یُحبِرُون" سے بدل کر معنی کو زیر و زبر کر دیا گیا۔" "مرتدین نے نام اڑا دیا، پس اس کا نتیجہ بھگتیں گے۔" "اس آیت میں فلاں لفظ تھا لوگوں نے اس کو گرا دیا، مٹا دیا اور اس کے بجائے فلاں لفظ بنا دیا۔" کیا ان جسارت آمیز تصریحات کے بعد یہ کہنا ممکن ہے کہ مولوی مقبول احمد دہلوی اور ان کے ترجمہ کی تصدیق و توثیق کرنے والے مجتہدین قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ تحریف قرآن کے قائل نہیں؟

سوم: مندرجہ بالا حوالوں میں ایک حوالہ "ثواب الاعمال" کا بھی آیا ہے۔ چشم بد دور یہ شیعوں کے "شیخ صدوق" کی تالیف ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف کے منکر ہیں۔ اس حوالے کو استدلال کے طور پر پیش کرنے کے بعد دنیا کا کون عقلمند ہو گا جو یہ بات ماننے کے لئے تیار ہو کہ شیعوں کا شیخ اعظم "شیخ صدوق" قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہے اور اس کو تحریف سے پاک اور منزہ سمجھتا ہے؟

ترجمہ سید فرمان علی

جناب سید فرمان علی صاحب کا یہ ترجمہ ہند و پاک میں بار بار شائع ہوا ہے اور اس پر مندرجہ ذیل اکابر شیعہ کی تصدیقات ہیں:

۱۔	جناب السید نجم الحسن مجتہد	متوفی ۱۳۵۷ھ
۲۔	جناب السید محمد باقر مجتہد	متوفی ۱۳۴۶ھ
۳۔	جناب السید ظہور حسین مجتہد	متوفی ۱۳۵۷ھ
۴۔	جناب السید کلب حسین مجتہد	متوفی ۱۳۸۳ھ
۵۔	جناب سید ناصر حسین مجتہد	متوفی ۱۳۶۱ھ

میرے سامنے "پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ نمبر ۱۳۹ فاران ہاؤسنگ سوسائٹی، حیدر علی روڈ کراچی نمبر ۵" کا مطبوعہ نسخہ ہے۔ اس میں مندرجہ بالا مجتہدین کی تصدیق کے ساتھ

لفظی تحریف کے نمونے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ آیت تطہیر میں تحریف

سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع (آیات ۲۸ تا ۳۴) پورے کا پورا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات" سے متعلق ہے۔ اسی ذیل میں آیت ۳۳ کا یہ جملہ بھی ہے جو "آیت تطہیر" کے نام سے موسوم ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اے (پیغمبر کے) اہل بیت! خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔" (ترجمہ فرمان علی)

اس آیت کریمہ میں ازواج مطہرات" کو "اہل بیت" سے خطاب کرکے ان کی تطہیر کامل کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم کی اس نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات" "اہل بیت" بھی ہیں اور فیصلہ خداوندی کے مطابق پاک اور مطہر بھی۔

مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو "اہل بیت" سے عداوت اور اللہ تعالیٰ کے اس قطعی فیصلہ سے انحراف ہے۔ وہ اس آیت کی کوئی ایسی تاویل بھی نہیں کر سکتے جس کے ذریعہ آیت تطہیر کا روئے سخن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ہٹا کر کسی اور کی طرف پھیرا جاسکے۔ اس لئے کہ ماقبل و مابعد میں خطاب ازواج مطہرات" ہی سے چلا آرہا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان کا ٹکڑا کسی اور سے متعلق قرار دے دیا جائے۔ جناب مترجم نے اس مشکل کا حل یہ نکالا ہے کہ یہاں قرآن میں تحریف کر دی گئی ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا کسی اور جگہ کا تھا جسے (نعوذ باللہ) خود غرضی کی وجہ سے یہاں جڑ دیا گیا ہے۔ مترجم کے الفاظ یہ ہیں:

"اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ماقبل و مابعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ بلکہ ربط اور بڑھ جاتا ہے جس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں، بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کر دی گئی ہے۔"
(صفحہ ۶۷۶)

مترجم کی اس عبارت سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ اگر قرآن کریم صحیح ہے، برحق ہے اور تغیر و تبدل سے محفوظ ہے تو یہ آیت تطہیر لامحالہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ہے اور وہی قرآنی خطاب "اہل البیت" کا مصداق ہیں۔
دوم یہ کہ مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کے نزدیک قرآن کریم تحریف شدہ ہے، اس میں کسی "خاص غرض" کی وجہ سے تغیر و تبدل کر دیا گیا ہے۔ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔

۲۔ آیت رحمت و برکات میں تحریف

مترجم کی بدقسمتی سے قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی "اہل البیت" کا خطاب "نبی کی بیوی" کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ سورۂ ہود آیت ۷۳ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ مقدسہ کے ساتھ فرشتوں کا مکالمہ مذکور ہے جس میں فرشتوں نے ان کو "اہل البیت" کے لفظ سے خطاب کیا:

﴿قَالُوٓا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ ٱللَّهِ رَحْمَتُ ٱللَّهِ وَبَرَكَٰتُهُۥ عَلَيْكُمْ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ إِنَّهُۥ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾
(سورۂ ہود ۷۳)

ترجمہ: "وہ فرشتے بولے (بی بی) تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت (نبوت) تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں، اس میں شک نہیں کہ وہ قابل حمد (و ثنا) بزرگ ہے۔"
(ترجمہ فرمان علی)

چونکہ اس آیت کریمہ میں "نبی کی بیوی" کو فرشتوں نے "اہل البیت" کے لفظ سے خطاب کیا ہے، جس سے ہر قاری قرآن کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوگا کہ نبی

کی بیوی بھی اس کے "اہل بیت" میں شامل ہے اور یہ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ ان کے اہل بیت میں شامل ہے (جس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے دے رہے ہیں) تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کے اہل بیت میں کیوں شامل نہ ہوں گی؟ آیت شریفہ کا یہ مفہوم اور یہ نتیجہ ایسا کھلا ہوا اور بدیہی ہے کہ کسی معمولی عقل و فہم کے آدمی کو بھی اس کے سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آسکتی، اور نہ اس میں کسی ادنیٰ تاویل کی گنجائش ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ ۔۔۔ نعوذ باللہ ۔ قرآن کریم کی یہ آیت ہی غلط ہے۔ چنانچہ مترجم نے اہل بیت نبوی کی عداوت سے مجبور ہو کر یہی راستہ اختیار کیا۔ مترجم صاحب لکھتے ہیں:

> "اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو خدا نے اہل بیت میں داخل کیا ہے۔ کیونکہ اس کے قبل کی آیت میں (قبل کی آیت میں نہیں، بلکہ اسی آیت کے پہلے جملہ میں۔ ناقل) جتنا خطاب حضرت سارہ کی طرف ہے، واحد مونث کے صیغہ میں۔ اور اس آیت میں ضمیر "کم" جمع مذکر "حاضر" کی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں اور یہ آیت یہاں تو اتفاقاً داخل کر دی گئی ہے۔"
>
> (صفحہ ۳۱۱)

گویا مصنف کو صاف صاف اقرار ہے کہ اگر قرآن کریم صحیح ہے اور ہر قسم کی غلطی اور تحریف سے پاک ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی نص قطعی کی رو سے "ازواج نبی" بغیر کسی شک و شبہ کے اہل بیت میں شامل ہیں، اور اگر اس عقیدہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ قرآن کریم کو غلط کہا جائے (نعوذ باللہ من الکفر و الشقاق)

موصوف کی عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ وہ جس مسلک کے نقیب اور ترجمان ہیں وہ ڈنکے کی چوٹ پر قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ قرار دیتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہو اسے یہ بھی ایمان رکھنا ہوگا کہ

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں شامل ہیں۔ قرآن کریم نے جنہیں کو "اہل بیت" کا نام دیا ہے۔ اہل بیت (ازواج مطہرات") کی کرامت دیکھو کہ ان سے بغض و عداوت کے مریضوں کو اس کے سوا چارہ نظر نہیں آتا کہ وہ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہہ کر دین و ایمان سے خارج ہوں اور اپنے کفر کا صاف صاف اعلان کرنے پر مجبور ہوں۔ گویا خدائے عزیز و ذوالانتقام نے اہل بیت (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کے دشمنوں کے مقابلے میں اپنی کتاب عزیز کو پیش کر دیا کہ وہ اس آہنی دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہیں۔

۳۔ سورۃ الم نشرح میں تحریف

سورۃ الم نشرح کی آیت "فاذا فرغت فانصب" میں لفظ "فانصب" صاد کے فتح کے ساتھ ہے، جس کا ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے یہ کیا ہے:

"پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر۔"

لیکن مترجم اس کو "فانصِب" صاد کے کسرہ کے ساتھ قرار دیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

> "تو اب جب کہ تم (تبلیغ کے اکثر کاموں سے) فارغ ہو چکے تو اپنا جانشین مقرر کر دیجئے۔"

اور حاشیہ میں اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں:

> "خدا نے دوسرا احسان جتایا کہ تم پر جو نبوت اور احکام خدا پہنچانے کا بوجھ بہت بڑا تھا اس کو علی بن ابی طالب کی خلافت و وزارت سے ہلکا کر دیا۔ اور چونکہ اس حکم خدا یعنی حضرت علی کی خلافت کے اظہار کو حضرت رسول بہت مشکل کام سمجھتے تھے، اس واسطے خدا نے جس طرح دوسرے مقام پر دوسرے الفاظ میں فہمائش کی ہے اسی طرح یہاں بھی یوں فرمایا کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے پھر وقت مقرر فرما دیا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو خلیفہ مقرر کر دو۔ اس کے بعد پھر خدا کی طرف رجوع کرو، یعنی موت کی تیاری کرو۔" (صفحہ ۱۰۷۰)

یہ ترجمہ و تشریح اس پر مبنی ہے کہ لفظ " فانصب " کو صاد کے زیر کے ساتھ پڑھا جائے حالانکہ قرآن کریم میں " فانصب " کا لفظ زیر کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں۔ قرآن کریم میں تو " فانصب " صاد کے زبر کے ساتھ ہے۔ جناب نجم الحسن کراروی نے (جن کی نظر ثانی کے بعد یہ ترجمہ شائع ہوا ہے) اس پر ایک طویل نوٹ لکھا ہے۔ جو بطور ضمیمہ آخر میں ملحق ہے۔ اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ صحیح لفظ " فانصب " صاد کے کسرہ سے ہے، فتح کے ساتھ غلط اور تحریف شدہ ہے اور یہ تحریف حجاج بن یوسف ثقفی نے کی تھی۔ کراروی لکھتے ہیں:

"یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید پر اعراب حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے تھے۔ جس کا نصب العین بغض علی ہے۔ بروایت مشکوٰۃ اس نے پانچ لاکھ انسان قتل کرائے تھے۔ تواریخ میں ہے کہ شیعان علی کو قتل اس کی حکومت کے نصب العین میں شامل تھا۔ قرآن مجید پر اعراب لگانے میں بھی یہ جذبہ کار فرما تھا۔ حضرات ائمہ اہل بیت نے آیت " فاذا فرغت فانصب " کو بکسر صاد قرار دیا ہے۔" (ضمیمہ صفحہ ۳)

قرآن مجید کے الفاظ کی تحریف کو " ائمہ اہل بیت " کی طرف منسوب کرنا کراروی صاحب اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کا خالص افتراء ہے اسی وجہ سے علامہ زمخشری صاحب کشاف کو اسے رافضیوں کی بدعت و اختراع قرار دینا پڑا۔ جیسا کہ کراروی صاحب نے زمخشری کی عبارت نقل کی ہے:

ومن البدع ما روی عن بعض الرافضة انه قرأ

" فانصب " " بکسر الصاد " أی فانصب علیا للإمامة۔

(ضمیمہ صفحہ ۳)

ترجمہ: "اور منجملہ بدعات کے یہ روایت بعض رافضیوں سے نقل کی گئی ہے کہ فانصب، کو بہ کسر صاد پڑھ کر یہ مطلب لیا کہ علی کو امامت کے لئے مقرر کردو۔"

کراروی صاحب علامہ زمخشری کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تعجب ہے کہ انہوں (علامہ زمخشری) نے اعراب لگانے والے پر کوئی

اعتراض نہیں کیا۔ جس نے "فانصب" کے صاد کو مفتوح کر کے مقصود باری کو بدل دیا ہے وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں جس نے اسے مکسور قرار دے کر مقصود باری کے مطابق اس کا مطلب بیان کیا ہے۔"

(ضمیمہ ۔ صفحہ ۹۰)

مترجم کے ترجمہ و تشریح اور کراروی صاحب کے طویل ضمیمہ سے یہ امور الم نشرح ہو گئے کہ:

الف: شیعوں کے نزدیک "فانصب" بہ فتح صاد غلط ہے۔ یہ دراصل بکسر صاد تھا جسے تحریف کر کے بہ فتح صاد سے بدل دیا گیا۔

ب: یہ تحریف حجاج بن یوسف کی کارستانی ہے۔

ج: اور اس تحریف سے مقصود ربانی کو بدل دیا گیا۔ اور آیت کا مطلب کچھ کا کچھ بن گیا۔

یہاں میرا مقصود کراروی صاحب کے نظریہ تحریف قرآن کو ذکر کر کے، صرف یہ دکھانا ہے کہ شیعہ، قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہتے ہیں۔ تاہم مناسب ہو گا کہ کراروی صاحب کے الزام تحریف کا جواب خود ان ہی کے ایک اہم مسلک بزرگ کے قلم سے ہو جائے۔ مشہور شیعی عالم محمد جواد مغنیہ (جن کو اختاری صاحب نے "آیت اللہ العظمیٰ" کے وقیع خطاب سے یاد کیا ہے) کی تفسیر "الکاشف" میرے سامنے ہے وہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وبجدر الإشارة إلى أن بعض المأجورين للفتنة وبث النعرات بين أهل المذاهب الإسلامية قد نسب إلى الشيعة الإمامية انهم يفسرون كلمة فانصب في الآية الكريمة بالنصب عليا للخلافة ويكفي في الرد على هذا الإفتراء ما قاله صاحب مجمع البيان وهو من شيوخ المفسرين عند الشيعة الإمامية قال عند تفسير هذه الآية ما نصه

بالحروف: ومعنى انصب من النصب وهو التعب لا تشتغل بالراحة۔ (کشاف... صفحہ ۵۸۲، جلد ۴ - طبع بیروت)

ترجمہ: "یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ بعض کرائے کے ٹٹو جنہیں فتنہ انگیزی اور اسلامی مذاہب کے درمیان تشویش پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے شیعہ امامیہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کے لفظ "فانصب" کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ علی کو خلافت کے لئے مقرر کر دو۔ لہذا اس افتراء کی تردید کے لئے صاحب مجمع البیان کا، جو شیعہ امامیہ کے نزدیک شیخ مفسرین میں سے ہے، قول نقل کر دینا کافی ہے، وہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں "انصب" کا لفظ "نصب" سے ہے۔ جس کے معنی تعب و مشقت کے ہیں، یعنی راحت میں مشغول نہ ہو۔"

غور فرمائیے کہ کراروی صاحب تو "فانصب" بہ فتح صاد کو غلط قرار دینے پر چار پانچ صفحے سیاہ کرتے ہیں، اسے حجاج بن یوسف کی کارستانی بتا کر تحریف شدہ ثابت کرتے ہیں اور اس کے بجائے "فانصب" بکسر صاد کو صحیح بتاتے ہیں۔ لیکن ان کے ہم مسلک دوسرے صاحب ان کی اس بات کو افتراء و بہتان کہتے ہیں اور جو لوگ ایسی بات کریں انہیں "فتنہ انگیز" اور "کرائے کے ٹٹو" کہتے ہیں۔ گویا یہ بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے اور حضرات اہل بیت کی کرامت ہے کہ جو لوگ پردہ تقیہ سے نکل کر اپنے عقیدۂ تحریف قرآن کا کچھ کچھ اظہار کر دیتے ہیں خود انہی کے ہم مسلک لوگ (از راہ تقیہ) ان کو "فتنہ انگیز" اور "کرائے کے ٹٹو" کہہ کر ان کی بات کو بہتان اور افتراء قرار دیتے ہیں۔ "وکفی اللہ المؤمنین القتال" واقعی اس مسلک کے بزرگوں نے صحیح فرمایا تھا کہ:

۳۔ علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن ابن أبي عمير، عن يونس بن عمّار، عن سليمان بن خالد قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: يا سليمان إنكم على دين من كتمه أعزّه الله ومن أذاعه أذلّه الله.

(اصول کافی، باب الکتمان... صفحہ ۲۲۲، جلد ۲)

ترجمہ: "تحقیق تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ اس کو عزت دے گا اور جو شخص اس کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔"

افسوس ہے کہ یہ حضرات "امام" کی نصیحت پر عمل نہیں کرتے اور اپنے اصل عقائد کا اظہار کر کے یہاں تک ذلیل ہوتے ہیں کہ اپنے ہی ہم مسلک لوگوں کی زبان سے "فتنہ انگیز" اور "گمراہ کے شتر" کا خطاب پاتے ہیں۔

تنبیہ: محمد جواد مغنیہ صاحب "الکاشف" کا یہ کہنا کہ "فانصب" کی یہ تشریح شیعہ امامیہ پر افتراء ہے صحیح نہیں، کیونکہ کراروی صاحب نے اپنے ضمیمہ میں شیعوں کے امام المفسرین علی بن ابراہیم القمی (متوفی۔ ۳۲۹ھ) سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔

قال إذا فرغت من حجة الوداع فانصب أمير المؤمنين علي بن أبي طالب.

(تفسیر قمی جلد ۲ ص ۴۲۹ طبع نجف اشرف ضمیمہ کراروی ص ۱۲)

ترجمہ: "اے رسول تم اب جبکہ حجۃ الوداع سے فراغت کر چکے تو علی کے نصب خلافت کا اعلان کر دو۔"

شیعہ مفسرین میں ابن ابراہیم قمی چوتھی صدی کے ہیں اور علامہ کلینی مصنف "الکافی" کے استاد ہیں۔ جبکہ تفسیر مجمع البیان کے مصنف فضل بن حسن بن فضل طبرسی (متوفی۔ ۵۴۸ھ) چھٹی صدی کے ہیں۔ اس لئے طبرسی کے حوالے سے یہ کہنا تو غلط ہے کہ یہ شیعہ امامیہ پر افتراء ہے، البتہ اگر موصوف یہ کہہ دیتے کہ یہ شیعہ امامیہ کا صریح افتراء ہے تو یہ واقعہ کی صحیح ترجمانی ہوتی۔

۴۔ تحریف شدہ قرآن کی تلاوت کرو۔ امام کا حکم

کراروی صاحب نے اپنے ضمیمہ میں ایک طرف تو "فانصب" بہ فتح صاد کو غلط اور تحریف شدہ ثابت کرنے پر پورا زور قلم صرف کر دیا ہے اور اس کے لئے بڑی تحقیق کے چار پانچ صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ لیکن بحث کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ:

"لیکن ہم حکم امام کے مطابق اسی طرح تلاوت کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح موجودہ قرآن میں مرقوم ہے۔" (صفحہ ۵)

"حکم امام" سے موصوف کا اشارہ اصول کافی کی درج ذیل روایت کی طرف ہے:

۲۳ ـ محمد بن يحيى ، عن محمد بن الحسين ، عن عبد الرحمن بن أبي هاشم ، عن سالم بن سلمة قال : قرأ رجل على أبي عبد الله عليه السلام وأنا أستمع حروفاً من القرآن ليس على ما يقرؤها الناس ، فقال أبو عبد الله عليه السلام : كفّ عن هذه القراءة اقرأ كما يقرأ الناس حتى يقوم القائم فإذا قام القائم عليه السلام قرأ كتاب الله عزّ وجلّ على حدّه ، وأخرج المصحف الذي كتبه علي عليه السلام وقال : أخرجه علي عليه السلام إلى الناس حين فرغ منه وكتبه فقال لهم : هذا كتاب الله عزّ وجلّ كما أنزله [الله] على محمد صلى الله عليه وآله وقد جمعته من اللوحين فقالوا : هو ذا عندنا مصحف جامع فيه القرآن لا حاجة لنا فيه ، فقال أما والله ما ترونه بعد يومكم هذا أبداً ، إنّما كان عليّ أن أخبركم حين جمعته لتقرؤوه .

(اصول کافی صفحہ ۶۳۳، جلد ۲۔ مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ: "سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے ایک شخص نے امام جعفر کی خدمت میں قرآن کریم پڑھا جس کے الفاظ ایسے تھے جو اس قرآن میں نہیں، جسے لوگ پڑھتے ہیں۔ امام نے فرمایا ابھی اس قرآن کے پڑھنے سے باز رہو۔ بلکہ اسی طرح پڑھو جس طرح لوگ پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام مہدی کا ظہور ہو، جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ کتاب اللہ کو اپنی حد پر پڑھیں گے۔"

اور امامؑ نے وہ مصحف نکالا جس کو حضرت علیؓ نے لکھا تھا۔ اور فرمایا کہ حضرت علیؓ جب اس کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو اس کو صحابہؓ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ ہے جو "ما انزل اللّٰہ" کے مطابق ہے۔ میں نے اس کو دو دفتیوں کے درمیان جمع کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس جامع مصحف موجود ہے جس میں قرآن لکھا ہوا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سنو! اللہ کی قسم! آج کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھو گے، جب میں نے اس کو جمع کیا تھا تو میرا فرض تھا کہ تم

کو اس کی خبر کر دینا تاکہ تم اس کو پڑھ لو۔ (سو میں نے فرض ادا کر دیا)۔"

کراروی صاحب کے اس فقرہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول: ان کے نزدیک قرآن دو ہیں۔ ایک "موجودہ قرآن" جس پر ان کا ایمان نہیں، بلکہ وہ اسے قولِ امام کی بنا پر تحریف شدہ سمجھتے ہیں۔ دوسرا اصلی قرآن جو ان کے نزدیک تحریف سے پاک ہے، مگر امام غائب کے ساتھ وہ بھی دنیا سے غائب ہے، گویا جو قرآن دنیا میں موجود ہے اس پر ان کا ایمان نہیں اور جس قرآن پر ان کا ایمان ہے وہ دنیا میں موجود نہیں۔

دوم: ان کے امام کے بقول موجودہ قرآن غلط اور تحریف شدہ ہے، اس کے باوجود اس کا پڑھنا فرض ہے۔ اس لئے کہ امام نے ان سے کہا ہے کہ غلط اور تحریف شدہ قرآن کو بس اسی طرح پڑھتے رہو۔

سوم: یہ ظاہر ہے کہ تحریف شدہ الفاظ کلام الٰہی نہیں ہو سکتے۔ اس کو کلام الٰہی کہنا اور کلام الٰہی کی حیثیت سے پڑھنا افتراء علی اللہ ہے۔ مگر کراروی صاحب کے بقول امام نے شیعوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ ہمارے خیال میں امام نے ایسا حکم کبھی نہ دیا ہوگا، بلکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ ثابت کرنے کے لئے شیعوں کے مقدس راویوں نے امام پر افتراء کیا ہے۔ ورنہ اگر "امام" اس کو تحریف شدہ سمجھتے تو اس کے پڑھنے کا حکم ہرگز نہ دیتے۔

چہارم: کراروی صاحب کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ "امام" کی طرف منسوب روایات پر کتنا مضبوط ایمان رکھتے ہیں کہ ان روایات پر اعتماد کر کے قرآن متواتر کو نعوذ باللہ غلط اور تحریف شدہ مان لیتے ہیں اور انہی روایات کی بنا پر وہ "امام" کے ایسے مطیع فرمانبردار ہیں کہ امام کی طرف خواہ کیسی ہی مہمل اور خلاف عقل و شرع بات منسوب کی گئی ہو وہ بے چون و چرا اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اگر روایات کے مطابق امام حکم دے کہ قرآن کو غلط کہو (جو صریح کفر ہے) تو یہ اس کی تعمیل کے لئے حاضر۔ اور اگر امام کہے کہ قرآن کو غلط پڑھو (جو افتراء علی اللہ ہے) تو یہ اس کے لئے بھی ہر طرح تیار ہیں۔

شیعہ راویوں نے جو روایات گھڑ کر "ائمہ" کی طرف منسوب کر دی ہیں کہ راوی صاحب اور ان کے گروہ کو ان راویوں پر اور ان کی روایات پر بھی ایمان ہے کہ ان کے بقول سے وہ قرآن کو غلط اور تحریف شدہ قرار دینا واجب سمجھتے ہیں۔ ان روایتوں سے انحراف ان کے نزدیک جائز نہیں۔

پنجم: ان شیعی روایات نے "ائمہ" کی جو تصویر پیش کی ہے، سوال یہ ہے کہ وہ "ائمہ ہدیٰ" کی ہے؟ یا نعوذ باللہ "ائمہ ضلالت" کی؟ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہنا پھر محرف قرآن کو پڑھنے کا حکم دینا کسی "امام ہدیٰ" کا کام نہیں ہو سکتا۔ مگر شیعی روایات یہ کہتی ہیں کہ "امام" قرآن کریم کو غلط بھی کہتے تھے اور اس کے پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے۔ نعوذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

۵۔ آیت "وانا لہ لحافظون" میں تحریف

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

(سورۃ الحجر ۹)

ترجمہ: "بے شک ہم نے ہی تو قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی تو اس کے نگہبان ہیں۔" (ترجمہ فرمان علی)

یہ آیت کریمہ مترجم (سید فرمان علی) کے عقیدۂ تحریف قرآن کی جڑ کاٹ دیتی ہے، مگر چونکہ ان کو قرآن کریم کے بجائے امام کی طرف منسوب روایات تحریف پر ایمان ہے، اس لئے مترجم نے اس آیت کی ایسی تاویل کر ڈالی جس سے ان کے امام کے عقیدۂ تحریف پر کوئی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے جس کو میں نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے۔ تب اس کی تحفظ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد ہونے نہ دیں گے۔ پس اگر شبہ ہو کہ دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو

تب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ محفوظ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے۔ کم سے کم اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی اور یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم ہر لفظ کو محفوظ رکھیں گے۔ کیونکہ اس زمانے میں چھاپہ خانوں کی طرف سے روزانہ سیکڑوں جزدان اوراق قرآن کے برباد کئے جاتے ہیں۔ دوسرے ذکر سے مراد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تب مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے شر سے خدا آپ کو محفوظ رکھے گا۔" (حاشیہ صفحہ ۴۹۶)

مترجم (سید فرمان علی) کی اس تاویل سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

اول: یہ کہ ان کے نزدیک حفاظت قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قرآن جو شرقاً و غرباً مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور جس کے لاکھوں حافظ ہر زمانے میں رہے ہیں، یہ ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے، بلکہ حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک صحیح نسخہ دنیا میں موجود رہے گا۔

"ایک صحیح نسخہ" سے ان کی مراد وہی نسخہ ہے جو امام غائب کے پاس ہے۔ جیسا کہ اصول کافی کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو قرآن کا "صحیح نسخہ" اپنے ساتھ لائیں گے اور اسے لوگوں کے سامنے پڑھیں گے۔

شیعہ روایات کے مطابق یہ "صحیح نسخہ" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا، مگر کسی نے اسے قبول ہی نہیں کیا، وہی "صحیح نسخہ" یکے بعد دیگرے اماموں کے پاس منتقل ہوتا رہا۔ تا آنکہ امام غائب کے ساتھ وہ بھی غائب ہو گیا۔ جیسا کہ اصول کافی کے حوالے سے ابھی گزرا ہے۔ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

> "پس بخواند قرآن را بنحوے کہ حق تعالیٰ بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ بے آنکہ تغیر یافتہ باشد۔ چنانچہ در قرآن ہائے دیگر شدہ"

ترجمہ: "پس امام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ بغیر اس کے کہ اس

میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہو جبکہ دوسرے قرآنوں میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔" (حق الیقین...... صفحہ ۳۵۸۔ مطبوعہ تہران ۱۳۵۴ھ)

دوم: مترجم صاف صاف لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اس (قرآن مجید) میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے ہیں۔"

مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے بعینہٖ کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ یہ ایک ایسی صداقت ہے جسے انصاف پسند غیر مسلم بھی ماننے پر مجبور ہیں۔ جو شخص کتاب اللہ میں تغیر و تبدل تسلیم کرتا ہے وہ کتاب اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ فرض کر لینے کے بعد نہ قرآن کریم کے کسی حرف پر اعتماد رہ جاتا ہے نہ دین اسلام کی کسی بات پر۔ چنانچہ اصول کافی کے محشی علامہ علی اکبر غفاری لکھتے ہیں:

لأنه لو كان تطرق التحريف والتغيير في ألفاظ القرآن لم يبق لنا اعتماد على شئ منه، اذ على هذا يحتمل كل آية منه أن تكون محرفة ومغيرة وتكون على خلاف ما أنزله الله فلا يكون القرآن حجة لنا، وتنتفي الفائدة، وفائدة الأمر باتباعه والوصية به وعرض الأخبار المتعارضة عليه

(حاشية أصول كافي ص٦٣٦ ج:٢، مطبوعة تهران ١٣٨٨هـ)

ترجمہ: "کیونکہ اگر قرآن کے الفاظ میں تحریف اور تغیر و تبدل فرض کر لیا جائے تو ہمارے لئے اس کے کسی حرف پر بھی اعتماد نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ اس صورت میں قرآن کریم کی ہر آیت میں یہ احتمال ہو گا کہ وہ محرف و مبدل اور ماانزل اللہ کے خلاف ہو، پس اندریں صورت قرآن ہمارے لئے حجت نہیں رہ جاتا۔ اس کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی پیروی کی تاکید و وصیت

اور متعارض روایات کو قرآن پر پیش کرنے کا اصول یہ سب باطل اور بیکار ہوجاتے ہیں۔"

لیکن مترجم کے نزدیک قرآن کریم میں نہ صرف یہ کہ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے بلکہ بہت سے تغیرات ہو چکے ہیں۔ (نعوذ باللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد)

مترجم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ ان کے عقیدہ کے مطابق قرآن میں کیا کیا تغیرات ہو چکے ہیں۔ صرف یہ کہا ہے کہ:

"مگر از کم اس میں تو شک نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی۔"

موصوف کے اس عقیدہ کی تشریح و وضاحت ان کے مسلک کی کتابوں کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ قرآن کریم میں (نعوذ باللہ) درج ذیل تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔

۱۔ قرآن کریم کا بہت سا حصہ ساقط کر دیا گیا۔

۲۔ بہت سی باتیں اس میں اپنی طرف سے ملا دی گئیں۔

۳۔ اس کے الفاظ بدل دیئے گئے۔

۴۔ حروف تبدیل کر دیئے گئے۔

۵۔ سورتوں، آیتوں، بلکہ کلمات کی ترتیب بدل دی گئی۔

۶ــــ آیت "ہذا صراط علیّ مستقیم" میں تحریف

سورۃ الحجر کے تیسرے رکوع میں ہے:

ھذا صراط علی مستقیم (الحجر۔ ۴۱) اس آیت کریمہ میں لفظ علیَّ (عین، لام اور یائے مشدد تینوں کے فتحہ کے ساتھ) ہے۔ سید فرمان علی صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے "یہی راہ سیدھی ہے کہ مجھ تک (پہنچتی ہے)" اس کے حاشیہ میں قرآن کریم کے ان الفاظ کو (نعوذ باللہ) غلط، بھونڈے اور خرابی کے حامل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ترجمہ قرآن کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے۔ لیکن اس میں علاوہ

بھونڈے معنی ہونے کے ایک بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس صورت میں
ایک نیا جملہ محذوف ماننا پڑے گا۔ "

قرآن کریم کے ظاہری الفاظ کو غلط قرار دینے کے لئے مترجم ایک دوسری قرأت نقل کرتے ہیں:

"بعض قراء نے " ھذا صراطٌ علیٌّ مستقیم " پڑھا ہے۔ "

مترجم کے نزدیک یہ قرأت بھی غلط ہے کیونکہ:

"اس بنا پر علیٌّ "فعیلٌ" کے وزن پر بلند کے معنی میں ہوگا اور آیت کا مطلب
یہ ہوگا کہ یہ بلند راستہ ہے حالانکہ یہ توجیہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ راستہ کی خوبی
سیدھا ہونا ہے، نہ بلند ہونا۔ "

قرآن مجید کی ان دونوں متواتر قرأتوں کو غلط قرار دے کر مترجم اپنی طرف سے ایک نئی قرأت تصنیف کرکے اس کے ذریعہ قرآن کریم کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

صراطُ علیٍ مستقیم کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اس میں نہ
کوئی لفظی خرابی لازم ہے نہ معنوی۔ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "یہ علیؑ کی
راہ سیدھی ہے۔ " اور اس میں خدا کی طرف سے حضرت علیؑ کے نام کی
تصریح اور اعلان عام ہے کہ حضرت علیؑ کا دین سیدھا اور مستقیم ہے اور انہی کے
پیرو جنت میں پہنچیں گے اور آپ کا شرف عظیم اور فخر جسیم ہے اور یہی تقاضہ
اہل بیتؑ کا بھی تھا ہے۔ "

(صفحہ ۳۷۳ ۔ ۳۷۴)

واضح رہے کہ صراطُ علیٍ قرآن کریم کے الفاظ نہیں، بلکہ مترجم نے یہ لفظ خود تصنیف کرکے انہیں قرآن کریم میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مقام پر مترجم نے دو جرائم کا ارتکاب کیا ہے:

۱۔ قرآن کریم کے الفاظ کو غلط قرار دینا اور اس کے لئے سوقیانہ الفاظ استعمال کرنا، جو کفر صریح ہے۔

۲۔ اپنے تصنیف کردہ الفاظ کو قرآن کریم میں داخل کرکے تحریف لفظی کا

ارتکاب کرنا۔

مترجم کی یہ تحریف ان کے اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ نعوذ باللہ قرآن کریم میں تحریف کر دی گئی۔ قرآن کے اصل الفاظ " صراط علی " ہونے چاہئیں مگر تحریف کرنے والوں نے اس کی جگہ " صراط علیّ " لکھ دیا۔

ترجمہ فرمان علی کے اقتباسات کا خلاصہ

ترجمہ فرمان علی اور اس کے حواشی کے جو اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں ان سے مندرجہ ذیل نتائج بالکل ظاہر ہیں۔

۱۔ مترجم اور ان کے گروہ کے نزدیک یہ قرآن کریم جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، بعینہ وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا بلکہ اس میں بہت سی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔

۲۔ یہ تبدیلیاں خود غرض لوگوں نے "کسی خاص غرض" کی بنا پر کی ہیں۔

۳۔ ان تبدیلیوں سے مراد الٰہی کو بدل دیا گیا۔ اور نعوذ باللہ بھونڈے الفاظ قرآن میں داخل کر دیئے گئے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ایک "صحیح نسخہ" اپنی اصلی حالت پر رہے گا۔

۵۔ اور یہ "صحیح نسخہ" حضرت علی نے مرتب کیا تھا جو یکے بعد دیگرے ائمہ کے پاس محفوظ چلا آتا تھا، اب وہ "صحیح نسخہ" امام غائب کے پاس غار میں محفوظ ہے۔

۶۔ اس "صحیح نسخہ" کے علاوہ اب روئے زمین پر قرآن کریم کا کوئی "صحیح نسخہ" موجود نہیں۔ چنانچہ مترجم کے مندرجہ بالا اقتباسات میں قرآن کریم کے تمام موجودہ نسخوں کی غلطیاں اور تبدیلیاں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

کیا ان تمام تفصیلات کو پڑھنے کے بعد کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ موجودہ دور کے

شیعہ مجتہدین اور علماء کا قرآن کریم پر ایمان ہے؟ ہرگز نہیں۔۔۔!!!

قرآن کریم میں شیعہ کی باطنی تاویلات اور تحریف معنوی

شیعہ مذہب کا تمام تر دار ان روایات پر ہے جو شیعہ راویوں نے ائمہ اطہار کے نام سے تصنیف کی ہیں۔ ان روایات میں جہاں بغیر کسی جھجک کے قرآن کریم کی تحریف لفظی کو ائمہ اطہار کی طرف منسوب کیا گیا ہے (جس کا مختصر سا خاکہ گزشتہ مباحث میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں) وہاں بے شمار روایات ایسی بھی ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں جن میں کلام الٰہی کو غیر مراد پر ڈھالا گیا ہے۔ اور پیٹ بھر کر قرآن کریم کی تحریف کی گئی ہے۔ اس تحریف کو "بطن قرآن" اور "تاویل قرآن" کا نام دیا گیا۔ اس "تاویل قرآن" کے ذریعہ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جن میں کسی قسم کی مدح و ثنا مذکور ہے ان کو ائمہ اور ان کے اتباع پر ڈھال دیا گیا۔ اور جہاں کہیں کفار و مشرکین کی مذمت و نکوہش بیان کی گئی ہے ان کو بلا تکلف خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ پر چسپاں کر دیا گیا۔

چنانچہ عقیدۂ امامت کی تیسری بحث کے تیسرے عقیدہ کے ذیل میں، میں علامہ مجلسی کی کتاب بحار الانوار کتاب الامامۃ سے باب ۲۱ کا یہ عنوان نقل کر چکا ہوں:

الباب الواحد والعشرون

تاویل المؤمنین والایمان والمسلمین والاسلام بہم و بولایتہم علیہم الصلاۃ والسلام، والکفار والمشرکین والکفر والشرک والجبت والطاغوت واللات والعزی والاصنام باعدائہم و مخالفیہم۔ وفیہ: ۱۰۰۔ حدیث

(بحار الانوار صفحہ ۳۵۴ جلد ۲۳)

یعنی: "قرآن کریم میں جہاں ایمان و اسلام اور مومنین و مسلمین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ائمہ اور ائمہ کی ولایت ہے۔ اور جہاں کفار و مشرکین، کفر و شرک، جبت و طاغوت، لات و عزیٰ اور اصنام کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہے ائمہ کے دشمن اور مخالفین (یعنی خلفائے راشدین اور صحابہؓ)۔"

علامہ مجلسی کے اس عنوان ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں اہل ایمان کی مدح و ستائش کی گئی ہے اس سے مراد ائمہ اور ائمہ کی امامت وولایت ہے۔ اور جہاں کہیں کافروں اور مشرکوں کا، منافقوں اور مرتدوں کا، ابلیس و شیطان کا، فرعون و ہامان کا، جبت و طاغوت کا، لات و عزیٰ کا اور اصنام کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہیں خلفائے راشدین اور اکابر صحابہؓ ...... گویا پورا قرآن بس عقیدۂ امامت کی مدح اور صحابہ کرامؓ کی مذمت میں ہے۔ دگر ہیچ۔

علامہ باقر مجلسی کے ایک نامور شاگرد جناب ملا ابوالحسن شریف ہیں۔ انہوں نے ان باطنی روایات کو سامنے رکھ کر "مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار" کے نام سے ایک مبسوط کتاب تالیف فرمائی، جو سید ہاشم بحرانی کی تفسیر "البرہان" کے مقدمہ کی حیثیت سے شائع ہوئی ہے، اس کی ابتداء میں فرماتے ہیں:

مقدمة الكتاب

"اما بعد يقول العبد الضعيف الراجي لطف ربه اللطيف خادم كلام الله ابوالحسن الشريف حشره الله مع مواليه وجعل مستقبله خيراً من ماضيه، ان من ابين الاشياء واظهرها واوضح الامور واشهرها ان لكل آية من كلام الله المجيد وكل فقرة من كتاب الله الحميد ظهراً وبطنا وتفسيراً وتاويلا، بل لكل واحدة منها كما يظهر من الاخبار المستفيضة سبعة بطون وسبعون بطنا، وقد دلت احاديث متكاثرة كادت ان تكون متواترة على ان بطونها وتاويلها بل كثيرا من تنزيلها وتفسيرها في فضل شان السادة الاطهار، واظهار جلالة حال القادة الاخيار، اعني النبي المختار وآله الائمة الابرار، عليهم صلوات الله الملك الغفار، بل الحق المتين والصدق المبين كما لا يخفى على البصير الخبير باسرار كلام العليم القدير، المرتوي من عيون علوم امناء الحكيم الكبير ان اكثر آيات الفضل والانعام والمدح والاكرام بل كلها فيهم وفي اوليائهم نزلت وان جل فقرات التوبيخ والتشنيع والتهديد والتفظيع بل جملتها في

مخالفيهم و اعدائهم وردت، بل التحقيق الحقيق كما سيظهر عن قريب ان تمام القرآن انما انزل للارشاد اليهم والاعلام بهم و بيان العلوم والاحكام لهم والامر باطاعتهم و ترك مخالفتهم وان الله عزوجل جعل جملة بطن القرآن في دعوة الامامة والولاية كما جعل جل ظهره في دعوة التوحيد والنبوة والرسالة ۔" (تفسیر مرآۃ الانوار صفحہ ۳)

اس طویل عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ:

"یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت کے لئے بلکہ اس کے ہر فقرہ کے لئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ایک تفسیر ہے اور ایک تاویل۔ بلکہ اخبار مستفیضہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے ایک ایک فقرہ کی ۷۰-۷۰ تاویلیں ہیں۔ اور بہت سی احادیث، جو قریب بہ تواتر ہیں، اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کی تاویل، بلکہ بیشتر تنزیل و تفسیر بھی اماموں کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ فضل و شیم اور مدح و اکرام کی اکثر آیات بلکہ تمام کی تمام آیات صرف ائمہ اور ان کے اولیاء کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اور توبیخ و تشنیع اور تہدید و تخویف کی بیشتر بلکہ تمام تر آیات ان کے مخالفین اور دشمنوں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ بلکہ کامل تحقیق یہ ہے کہ پورے کا پورا قرآن صرف ائمہ کی طرف رہنمائی کرنے، ان کا پتہ بتانے، ان کے علوم و احکام کو بیان کرنے، ان کی اطاعت کا حکم دینے اور ان کے مخالفین کو ترک کر دینے کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کا تمام بطن قرآن امامت و ولایت کی دعوت میں رکھا ہے۔ جیسا کہ ظاہر قرآن کا بیشتر حصہ توحید اور نبوت و رسالت کی دعوت میں رکھا ہے۔"

اسی کتاب کے مقدمہ اولیٰ میں لکھتے ہیں:

"ان الاصل في تنزيل القرآن بتاويلها انما هو الارشاد الى ولاية النبي والائمة صلوات الله عليهم، والاعلام عن شانهم، وذل حال شانئهم، بحيث لا خير خير به الا وهو فيهم وفي اتباعهم، ولا سوء ذكر فيه الا وهو

صادق علی اعدائہم وفی مخالفیہم۔ " (صفحہ ۴)

ترجمہ... تاویل کی روشنی میں نزول قرآن کا اصل مقصد صرف نبی اور ائمہ صلوات اللہ علیہم کی طرف رہنمائی کرنا، اور ان کی عزت شان اور ان کے دشمنوں کی ذلیل حالت کو بتانا ہے اور بس۔ جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس خیر کی بھی خبر دی ہے وہ صرف ائمہ میں اور ان کے پیروں میں پائی جاتی ہے۔ اور جس برائی کا بھی قرآن میں ذکر آیا ہے وہ ان کے دشمنوں اور مخالفین (یعنی خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ) پر صادق آتی ہے۔ "

گویا قرآن کریم کی ان باطنی تاویلات سے صرف ایک ہی مدعا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم کے بطن (پیٹ) سے ایسے معنی نکالے جائیں کہ پورا قرآن۔ عبداللہ بن سبا کے ایجاد کردہ ۔ عقیدۂ امامت وولایت کا راوی اور نقیب بن جائے۔ اور اس کے ذریعہ حضرات خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ کو خوب پیٹ بھر سب وشتم کیا جائے اور دنیا بھر کے عیوب ان اکابر پر چسپاں کئے جائیں۔

رہا یہ کہ قرآن کریم کی اس باطنی تاویل کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابوالحسن شریف نے بڑی دلچسپ اور نفیس باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

اعلم ان الحق الذی لامحیص عنہ بحسب الاخبار المتواترۃ الآتیۃ وغیرہا ان ھذا القرآن الذی فی ایدینا قد وقع فیہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیء من التغییرات واسقط الذین جمعوہ بعدہ کثیراً من الکلمات والآیات وان القرآن المحفوظ عما ذکر الموافق لما انزلہ اللہ تعالیٰ ماجمعہ علی علیہ السلام وحفظہ الی ان وصل الی ابنہ الحسن علیہ السلام وھکذا الی ان انتہی الی القائم علیہ السلام وھو الیوم عندہ صلوات اللہ علیہ ولہذا کما قد ورد صریحاً فی حدیث سنذکرہ لما ان کان اللہ عزوجل قد سبق فی علمہ الکامل صدور تلک الافعال الشنیعۃ

من المفسدین فی الدین وانہ بحیث کلما اطلعوا علی تصریح بما یضرھم ویزید فی شان علی علیہ السلام وذریتہ الطاھرین حاولوا اسقاط ذلک راسا او تغییرہ محرفین و کان فی مشیتہ الکاملۃ ومن الطافہ الشاملۃ محافظۃ اوامر الامامۃ والولایۃ ومحارسۃ مظاھر فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم والائمۃ بحیث تسلم من تغییر اھل التضییع والتحریف ویبقی لاھل الحق مفادہ مع بقاء التکلیف لم یکتف بما کان مصرحا بہ منھا فی کتابہ الشریف بل جعل جل بیاناتھا بحسب البطون وعلی نھج التاویل (مرآۃ الانوار صفحہ ۳۶)

ترجمہ ...... "جاننا چاہئے کہ وہ حقیقت، جس سے احادیث متواترہ کی رو سے مجال انکار نہیں، وہ یہ ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کچھ تبدیلیاں کر دی گئیں۔ اور جن لوگوں نے آپؐ کے بعد قرآن کو جمع کیا انہوں نے اس میں سے بہت سے کلمات و آیات نکال دیں۔ اور جو قرآن کہ اس رد و بدل سے محفوظ رہا ہے وہ قرآن تھا جو حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا۔ آپ نے اسے اپنے پاس محفوظ رکھا (کسی شیعہ اور غیر شیعہ کو اس کی ہوا تک لگنے نہ دی) یہاں تک کہ آپ کے بعد آپ کے صاحب زادہ حضرت حسنؓ تک پہنچا، اسی طرح یکے بعد دیگرے اماموں کو منتقل ہوتا ہوا امام غائب تک پہنچا۔ اور اب وہ ان کے پاس ہے۔ ہم آگے چل کر صریح حدیث (حدیث زندیق) ذکر کریں گے (جس میں بتایا گیا ہے کہ) چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کامل میں پہلے سے تھا کہ دین کے بگاڑنے والوں (جامعین قرآن) سے ایسے افعال شنیعہ سرزد ہوں گے اور چونکہ یہ مفسدین دشمنان دین جہاں ایسی تصریح دیکھیں گے جو ان کے خلاف ہوگی اور علیؓ اور ان کی ذریت طاہرہ کی شان میں اضافہ کرے گی یہ اس کو قرآن سے نکال دیں گے یا اس میں تبدیلی کرکے تحریف کر دیں گے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کاملہ اور طاقت شاملہ میں تھا امامت وولایت کے امر کو محفوظ رکھنا، اور نبی کریم اور ائمہ کے فضائل کے مظاہر کی حفاظت کرنا، ایسے طور پر کہ وہ اہل تحریف کی دستبرد سے محفوظ رہیں، اور اہل

حق کے لئے ان کا منافع مع جائے تکلیف کے باقی رہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب شریف میں ان امور کی تصریح پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ اس کا بیشتر مضمون قرآن کے پیٹ میں رکھ دیا، اور اس کو نکالنے کے لئے تاویل کا راستہ مقرر کر دیا۔ ۔ ۔ ۔"

موصوف کی یہ عبارت بڑے دلچسپ فوائد پر مشتمل ہے:

اول: حضرت علیؓ نے جو قرآن جمع کیا تھا، اور جو بغیر کسی ردو بدل کے ما انزل اللہ کے مطابق تھا، وہ دنیا میں کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔ حضرت علیؓ سے گیارہویں امام تک وہ ہمیشہ ان کے پاس محفوظ رہا۔ امام اس کی خود تلاوت فرماتے ہوں تو معلوم نہیں۔ ورنہ کسی سنی یا شیعہ کی اس تک رسائی نہ ہوئی۔ بارہویں امام، جب غار میں روپوش ہوئے تو اس "قرآن علی" کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ چنانچہ اب وہ ان کے پاس غار میں محفوظ ہے۔ اور ایسا محفوظ کہ نہ دنیا کو اس کی ہوا لگے۔ نہ اس کو دنیا کی ہوا لگے۔

دوم: حضرات خلفاء راشدینؓ نے قرآن کریم کا جو نسخہ مرتب فرمایا تھا، وہ جب سے اب تک دنیا میں ایسا مشہور ہے کہ چار دانگ عالم میں اسی کا شہرہ ہے۔ کلام الٰہی کی حیثیت سے ہمیشہ اسی کی تلاوت کی جاتی رہی۔ ہر زمانے میں لاکھوں اور کروڑوں اسی کے حافظ رہے۔ وہ ہمیشہ پوری دنیا کے سامنے رہا۔ عام وخاص اسی سے استفادہ کرتے رہے۔ اسی کے الفاظ و معانی کی خدمت میں اہل علم نے عمریں صرف کر دیں، اور ہمیشہ اسی سے مسائل و احکام کا استنباط ہوتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ جو قرآن کہ ما انزل اللہ کے مطابق تھا، موصوف کے بقول، وہ کبھی منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوا۔ اور کبھی دنیا کو اس کی ایک جھلک دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔ اور جو قرآن جامعین قرآن نے مرتب کیا تھا، اور جس میں اپنی خواہش کے مطابق پیٹ بھر کر ردو بدل کر دیا تھا خدا کی شان دیکھو! کہ آج تک دنیا میں اسی کا سکہ جاری ہے۔

سوم: اس قرآن میں امامت و ولایت ائمہ کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امامت و ولایت اور ائمہ کی شان میں جتنی آیت نازل کی تھیں جامعین قرآن نے چن چن کر ان کو قرآن سے نکال دیا۔ یا ان میں ایسا ردو بدل کر ڈالا کہ قرآن کریم سے عقیدۂ

امامت کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ (شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک کوئی شخص بھی عقیدۂ امامت و ولایت کا نام نہیں لیتا تھا۔ سب سے پہلا شخص عبداللہ بن سبا یہودی تھا، جس کو اس عقیدہ کا انکشاف ہوا، اور اس نے اس عقیدہ کی تبلیغ شروع کی) الغرض قرآن کریم کی کسی آیت میں عقیدۂ ولایت و امامت کو تلاش کرنا کارِ عبث ہے۔

چہارم: یہ تو ظاہر ہے کہ جب، موصوف کے بقول، جامعین قرآن نے قرآن میں رد و بدل کر کے (نعوذ باللہ) اس میں کفریہ مضامین بھر دیئے، اور امامت اور ائمہ سے متعلقہ مضامین اس میں سے نکال دیئے تو اس تحریف اور کتربیونت کے بعد یہ کتاب، کتاب ہدایت نہ رہی۔ بلکہ (نعوذ باللہ) یہ کتاب ضلالت بن گئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کتاب ہدایت کے طور پر نازل فرمایا تھا۔ اور اس کو رہتی دنیا تک دائم و قائم اور باقی رکھنے کا وعدہ بھی فرمایا تھا۔ مگر افسوس کہ، موصوف کے بقول، نہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ہدایت کی حفاظت فرمائی، اور نہ اپنے دو ٹوک وعدہ کا ایفا فرمایا، نہ حضرت علیؓ کے معصوم اور مقدس ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتاب ہدایت کو دنیا میں رائج کرنے کا انتظام فرمایا، حتیٰ کہ حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں بھی اس کو منظر عام پر نہ لا سکے۔

موصوف، ائمہ کی طرف منسوب کی گئی متواتر (مگر خالص جھوٹی) احادیث کی روشنی میں جو نتیجہ لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس پر بشرط فہم و انصاف غور کیا جائے تو واضح ہو گا کہ ان روایات کے تصنیف کرنے والے نہ خدا کو مانتے تھے۔ نہ رسولؐ کو، نہ قرآن کو ــ کیسی ستم ظریفی ہے کہ کتاب ہدایت کو تو علیؓ اور اولاد علیؓ کے ہاتھوں دنیا سے گم کرا دیا جائے، اور منافقوں کی جمع کی ہوئی کتاب ضلالت پوری دنیا میں رائج ہو جائے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ اور ائمہ الطاہر بھی اسی تحریف شدہ کتاب ضلالت کی "تلاوت" پر مجبور ہوں، علمائے شیعہ اسی کی تفاسیر لکھیں، اور شیعہ مومنین بھی اسی کتاب کے پڑھنے پڑھانے پر مجبور ہوں۔ کیا کوئی ادنیٰ عقل و فہم کا شخص جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اس شیعہ نظریہ کو قبول کر سکتا ہے؟ یا ایسا نظریہ رکھنے والوں کو مسلمان تسلیم کر سکتا ہے؟ کلا ورب الکعبہ۔

پنجم : یہ تو پہلے معلوم ہو چکا کہ حضرت علیؓ سے لے کر آخری امام تک تمام ائمہ ہمیشہ روائے تقیہ میں روپوش رہے۔ حتیٰ کہ آخری امام تو شدت تقیہ کی وجہ سے روئے زمین ہی سے غائب ہو گئے۔ اوپر مولوی دلدار علی کی عبارت سے معلوم ہو چکا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کبار سے بہت تقیہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جو قرآن من جانب اللہ نازل ہوتا تھا وہ بھی تقیہ کے مارے ان حضرات کے سامنے نہیں پڑھتے تھے۔ اور اب جناب علامہ ابو الحسن شریف کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ خود اللہ تعالیٰ بھی ان حضرات سے بہت تقیہ فرماتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر قرآن کریم کے ظاہری الفاظ میں امامت و ولایت کو بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا تو یہ حضرات ایسے الفاظ کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بطون قرآن (قرآن کے پیٹ) میں امامت و ولایت کو بھر دیا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ سے تقیہ تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بھی اماموں کی طرح تقیہ کیا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے راشدینؓ کا اللہ تعالیٰ نے شیعوں کے دل میں کیسا رعب ڈالا ہے، کہ ان کے خیال میں علیؓ شیر خدا بھی ان سے ڈرتے تھے، بعد کے ائمہ معصومین بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ اور نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ بھی...... لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ششم : جناب علامہ ابو الحسن شریف بتاتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو عقیدۂ امامت و ولایت اور شان ائمہ کی حفاظت منظور تھی اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت تھی کہ قرآن کے پیٹ میں ان مضامین کو بھر کر امامت و ولایت کو محفوظ کر دے، اس لئے اس نے یہی کیا کہ عقیدۂ امامت کو قرآن کے پیٹ میں رکھ دیا۔ مگر شاید ابو الحسن شریف کے نزدیک ائمہ کی ولایت و امامت، اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم سے بڑھ کر عزیز تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو دشمنان دین کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کا تو انتظام نہ کر سکا، لیکن ائمہ کی ولایت و امامت کو قرآن کے پیٹ میں بھر کر اس کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔

ہفتم : جناب ابو الحسن شریف کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعوں کی

باطنی تاویلات بھی در حقیقت ان کے عقیدۂ تحریف قرآن پر مبنی ہیں، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی ہوتی، اور اس کو منافقوں اور بددینوں کی دستبرد اور ردو بدل سے محفوظ رکھنے کا انتظام فرمایا ہوتا تو امامت کے مضامین کو قرآن کے پیٹ (بطن) میں بھرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس خطرہ کو محسوس کر لیا تھا کہ دشمنان دین اس کی کتاب مقدس کا حلیہ بگاڑ دیں گے لہٰذا اس نے مضامین ولایت کو قرآن کے پیٹ (بطن) میں بھر دینے کا انتظام فرما دیا، اور شیعہ راویوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ اماموں کے نام پر جھوٹی روایات تصنیف کر کے قرآن کے پیٹ میں سے ان مضامین کو (جو خالص کفر و زندقہ ہیں) اخذ کریں۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔

مندرجہ بالا فوائد سے معلوم ہوا کہ ان باطنی روایات کے تصنیف کرنے والے در حقیقت باطنی زندیق تھے۔ جو نہ خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے قائل تھے، نہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اطہار سے عقیدت و محبت تھی، نہ وہ دین اسلام کو برحق سمجھتے تھے۔ ولایت و امامت کے نعرہ کی آڑ میں ان کا ایک ہی مقصد تھا، یعنی دین اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنا، اس کے لئے انہوں نے عقیدۂ امامت و ولایت تصنیف کیا، اور پھر ائمہ اطہار کے نام پر حضرات صحابہ کرام کو بدنام کرنے کے لئے انہوں نے ہزاروں روایات گھڑ کر حاملین قرآن کے کافر و منافق اور دشمنان آل بیت ہونے کے افسانے تراشے۔ دو ہزار سے زائد روایات اس مضمون کی گھڑ لیں کہ قرآن میں ان دشمنان دین نے تحریف کر ڈالی، اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی ان تمام مساعی مذمومہ کے باوجود نہ مسلمانوں کے ایمان بالقرآن میں تزلزل آیا، اور نہ اکابر صحابہؓ سے ان کی محبت و عقیدت میں کوئی فرق آیا، بلکہ مسلمانوں نے ان کے خود تراشیدہ افسانوں کو گوز شتر سمجھا تب انہوں نے قرآن کی "باطنی تاویل" کا راستہ اپنایا، اور اس کے لئے روایات کے دفاتر تصنیف کر ڈالے۔ گویا "تاویل باطنی" سے بھی در حقیقت عداوت قرآن کا اظہار مقصود تھا۔ کیونکہ جب قرآن کی باطنی تاویل کے ذریعہ یہ سمجھایا جائے کہ حاملین قرآن کافر تھے، منافق تھے، مرتد تھے، خدا و رسول کے دشمن تھے، تو ان کے ذریعہ جو قرآن امت کو پہنچا اس کا کیا اعتبار

رہ؟ نعوذ باللہ استغفر اللہ۔

اب بطور مثال شیعوں کی اس "باطنی تاویل" کے چند نمونے پیش کرتا ہوں، جن سے واضح ہوگا کہ خالص کفریہ عقائد کو کس طرح قرآن کریم میں ٹھونسنے کی جسارت کی گئی ہے۔

"مرآۃ الانوار" سے باطنی تاویل کے چند نمونے

جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں علامہ ابوالحسن شریف کی کتاب "مرآۃ الانوار" بطور خاص "باطنی تاویل" کے موضوع پر لکھی گئی ہے، اور موصوف نے شیعوں کی ان باطنی تاویلات کا خاصا ذخیرہ اس میں جمع کر دیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید قرآن کریم کی ایک آیت کو بھی نہیں چھوڑا گیا جس کے پیٹ (بطن) میں تاویل کا نشتر نہ لگایا ہو، اور اس سے باطنی معنی نہ نکالے گئے ہوں۔

موصوف لکھتے ہیں:

> "احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد مقامات میں بطن قرآن کی رو سے حق تعالیٰ کے پاک نام "محمد" کا، الٰہ کا اور رب کا لفظ امام پر بولا گیا ہے۔"
> (صفحہ ۵۷)

یعنی قرآن کریم میں کئی آیات میں جہاں "اللہ"، "الٰہ" اور "رب" کا لفظ آیا ہے اس سے حضرت علیؓ مراد ہیں۔ اور اس کے ذیل میں موصوف نے اس کی بہت سی مثالیں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

۱۔۔۔ وقال اللّٰہ لاتتخذوا الٰہین اثنین انما ہو الٰہ واحد

(سورۃ النحل: ۵۱)

> ترجمہ: "اور کہا اللہ نے، مت پکڑو معبود دو، وہ معبود ایک ہی ہے۔"
> (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو امام نہ بناؤ، امام تو بس ایک ہی ہے۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۵۷)

گویا اس آیت میں "معبود" سے امام مراد ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

۲..... ءالٰہ مع اللّٰہ بل اکثرھم لا یعلمون

(سورۃ النمل: ۶۱)

ترجمہ: "کیا کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ کوئی نہیں، بہتوں کو ان میں سمجھ نہیں" (ترجمہ شیخ الہند)

آیت سے مراد یہ ہے کہ کیا ایک وقت میں امام ہدایت کے ساتھ امام ضلالت ہو سکتا ہے؟ (مرآۃ الانوار صفحہ ۵۷)

گویا اللہ سے امام مراد ہے۔

۳..... ومن الناس من یتخذ من دون اللّٰہ انداداً یحبونھم کحب اللّٰہ

(البقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ: "اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو، ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی" (ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے امام برحق کو چھوڑ کر فلاں اور فلاں (ابو بکرؓ و عمرؓ) کو امام بنا لیا۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۵۸)

یعنی آیت میں اللہ سے مراد علیؓ ہیں، انداد سے مراد ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں، اور الناس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں، جنھوں نے حضرت علیؓ کے بجائے حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کو خلیفہ بنا لیا۔ (نعوذ باللہ)۔

۴..... ھنالک الولایۃ للّٰہ الحق (الکہف: ۴۴)

ترجمہ: "وہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا" (ترجمہ شیخ الہند)

آیت میں ولایت سے ولایت علیؓ مراد ہے (مرآۃ الانوار صفحہ ۵۸)

یعنی آیت میں "اللہ برحق" حضرت علیؓ کو کہا گیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

۵..... ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً۔ (الکہف: ۱۱۰)

ترجمہ: "اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

یعنی ولایت آل محمدؐ کے ساتھ دوسروں کو امام نہ بنائے۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۵۸)

گویا "اپنے رب" سے مراد "امام" ہے۔ عبادت سے مراد ہے ان کی ولایت، اور بندگی میں شریک کرنے کا مطلب ہے کسی اور کو امام بنانا۔

۶..... وسقاہم ربہم شرابا طہورا (الدہر:۲۱)

ترجمہ: "اور پلائے گا ان کو ان کا رب، شراب جو پاک کرے دل کو۔" (ترجمہ شیخ الہند)

یہاں "ان کے رب" سے حضرت علیؓ مراد ہیں یعنی علیؓ شراب پلائیں گے۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۵۹)

۷..... وکان الکافر علی ربہ ظہیرا (الفرقان:۵۵)

ترجمہ: "اور کافر ہے اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا۔" (ترجمہ شیخ الہند)

آیت میں "اپنے رب" سے حضرت علیؓ مراد ہیں۔ اور "کافر" سے مراد وہ لوگ جنہوں نے علیؓ کے بجائے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۵۹)

۸..... قال اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا (الکہف:۸۷)

ترجمہ: "بولا (یعنی ذوالقرنین) جو کوئی ہوگا بے انصاف! سو ہم اس کو سزا دیں گے، پھر لوٹ جائے گا اپنے رب کے پاس، وہ عذاب دے گا اس کو برا عذاب۔"

"اپنے رب" سے مراد علیؓ ہیں (نعوذ باللہ) یعنی علیؓ اس کو عذاب دیں گے۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۵۹)

۹..... وانا لما سمعنا الہدیٰ آمنا بہ فمن یؤمن بربہ فلا یخاف بخسا ولا رہقا (الجن:۱۳)

ترجمہ: "اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اس کو مان لیا، سو جو کوئی یقین لائے گا اپنے رب پر سو وہ نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے۔" (ترجمہ شیخ الہند)

آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم مولا علیؓ پر ایمان لائے۔ سو جو کوئی اپنے مولا علیؓ کی ولایت پر ایمان لائے اس کو کسی نقصان اور زبردستی کا اندیشہ نہیں۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۹۸)

گویا اس آیت میں بھی "اپنے رب" سے حضرت علیؑ مراد ہیں اور "ہم اپنے رب پر ایمان لائے" سے مراد ہے حضرت علیؑ پر ایمان لانا۔ نعوذ باللہ۔

۱۰ وان المساجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احداً (الجن: ۱۸)

ترجمہ: "اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں، سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو۔" (ترجمہ شیخ الہند)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ امام، آلِ محمدؐ سے ہے، لہٰذا کسی اور کو امام نہ بناؤ۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۱۴۶)

گویا یہاں "اللہ" سے مراد امام ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

۱۱ ... انہم اتخذوا الشیاطین اولیاء من دون اللّٰہ۔ (الاعراف: ۳۰)

ترجمہ: "انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر۔" (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی انہوں نے امام برحق کو چھوڑ کر دوسروں کو امام بنا لیا۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۲۰۴)

گویا آیت شریفہ میں "اللہ" سے مراد ہے امام برحق، اور شیاطین سے مراد ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ (نعوذ باللہ)۔

۱۲ ... الذین یحملون العرش ومن حولہ۔ (المومن: ۷)

ترجمہ: "جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں۔" (ترجمہ شیخ الہند)

عرش سے مراد علم الٰہی ہے۔ اور عرش کے اٹھانے والے امام ہیں۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۱۴۳)

۱۳ ... واذا قیل لہم ارکعوا لا یرکعون (المرسلٰت: ۴۸)

ترجمہ: "اور جب کہیے ان کو کہ جھک جاؤ، نہیں جھکتے۔" (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی جب ان سے کہا جائے کہ علیؓ کو امام بناؤ تو نہیں بناتے۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۱۰۱)

۱۴۔۔۔ انا لما طغا الماء حملنکم فی الجاریۃ (الحاقۃ: ۱۱)

ترجمہ: "ہم نے، جس وقت پانی ابلا، لاد لیا تم کو چلتی کشتی میں۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

"چلتی کشتی" سے امیرالمومنینؓ اور ان کے اصحاب مراد ہیں۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۱۱۹)

۱۵۔۔۔ فکاین من قریۃ اھلکنھا وھی ظالمۃ فھی خاویۃ علی عروشھا وبئر معطلۃ وقصر مشید (الحج: ۴۴)

ترجمہ: "سو کتنی ہی بستیاں ہم نے غارت کر ڈالیں، اور وہ گنہگار تھیں، اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر، اور کتنے کنویں نکمے پڑے، اور کتنے محل گچ کاری کے۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

یہاں بئر معطلۃ (کتنے کنویں نکمے پڑے) سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۹۳)

حضرت علیؓ سے ناران کی دوستی کا کیا اچھا مظاہرہ ہے!

۱۶۔۔۔ وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (الذاریات: ۱۹)

ترجمہ: "اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

سائل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور محروم حضرت علیؓ ہیں (نعوذ باللہ)۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۱۳۰)

۱۷۔۔۔ واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض (النمل: ۸۵)

ترجمہ: "اور جب پڑ چکے گی ان پر بات، نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور زمین سے۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

یہاں "زمین کے جانور" سے مراد حضرت علیؓ ہیں (نعوذ باللہ استغفراللہ)

(مرآۃ الانوار صفحہ ۱۳۶)

۱۸... وانزلنا الیکم نوراً مبینا (الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ: "اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح" (ترجمہ شیخ الہند)

آیت میں "نور مبین" سے مراد علیؑ ہیں، اسی طرح جن جن آیات میں "نور" کا لفظ آیا ہے۔ اس سے "امام" یا "ولایت امام" مراد ہے۔ مثلاً:

الف: و یجعل لکم نوراً تمشون به (الحدید: ۲۸)

ترجمہ: "اور رکھ دے گا تم میں روشنی، جس کو لئے پھرو۔" (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی تمہارے لئے امام بنا دے گا جس کی تم اقتدا کرو گے۔

ب: ومن لم یجعل الله له نوراً فماله من نور (النور: ۴۰)

ترجمہ: "اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی، اس کے واسطے کہیں روشنی نہیں۔" (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی جس کا کوئی امام نہیں اس کے لئے قیامت کے دن کوئی امام نہیں ہوگا جس کی روشنی میں چلے۔

ج: نورهم یسعی بین ایدیهم و بایمانهم (التحریم: ۸)

ترجمہ: "ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے۔" (ترجمہ شیخ الہند)

یہاں نور سے مراد ائمہ ہیں، جو قیامت کے دن مومنین کے آگے اور داہنے چلیں گے۔

د: واتبعوا النور الذی انزل معه (الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: "اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس (نبیؐ) کے ساتھ اترا۔" (ترجمہ شیخ الہند)

یہاں بھی نور سے مراد علیؑ ہیں۔

الغرض ایسی تمام آیات جن میں نور کا لفظ آیا ہے اس سے "امام" اور "ولایت امام" مراد ہے۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۶)

۱۹... فیها انهار من ماء غیر آسن و انهار من لبن لم یتغیر طعمه و انهار

من خمر لذة للشاربین و انہار من عسل مصفی

(سورۃ محمد ۱۵)

ترجمہ: "اس میں نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں پھرا اور نہریں ہیں شراب کی، جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے، اور نہریں ہیں شہد کی، جھاگ اتارا ہوا۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

ان تمام نہروں سے "امام" مراد ہے۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۵)

۳۔..... وما جعلنا اصحاب النار الا ملائکۃ (المدثر: ۳۱)

ترجمہ: "اور ہم نے جہنم کا نگہبان تو بس فرشتوں کو بنایا ہے۔"

(ترجمہ فرمان علی)

یہاں "النار" (جہنم) سے مراد امام قائم ہے، "اصحاب النار" سے مراد شیعہ ہیں، اور فرشتوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم آل محمدؐ کے مالک ہیں۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۳)

یہ چند مثالیں شیعوں کی باطنی تاویلات کے دریائے مواج میں سے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کو کس بے دردی کے ساتھ مذموم عقائد پر ڈھالنے کی کوشش کی گئی، اور آیات کے سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے کس طرح قرآن کے معنی و مفہوم کو مسخ کیا گیا ہے۔

شیعوں کی "باطنی تاویل" کی تصویر نامکمل رہے گی اگر یہ نہ دکھایا جائے کہ قرآن کی باطنی تاویل کی آڑ میں خلفائے راشدین اور حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے خلاف کس طرح زہر اگلا گیا ہے؟ اس لئے چند نمونے اس کے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

۱..... سورۃ البینہ کی آیت ۶ میں کفار و مشرکین کا ذکر ہے۔ جس کے آخر میں ان کو "شرالبریۃ" (بدترین خلائق) فرمایا گیا ہے۔ شیعوں کی باطنی تاویل میں کہا گیا ہے کہ اس آیت کا مصداق اعدائے علیؓ اور غاصبین خلافت ہیں۔ (یعنی بزعم شیعہ خلفائے

راشدین" اور حضرات مہاجرین وانصار" مراد ہیں) کیونکہ یہ سب مرتد ہو گئے تھے، اور ان کا یہ فعل (حضرت علیؓ کو خلیفہ نہ بنانا) تمام کفار و مشرکین کے اعمال وافعال سے بدتر تھا۔ اس لئے یہ حضرات کفر میں تمام کفار سے بدتر تھے۔ نعوذ باللہ استغفراللہ۔
(مرآۃ الانوار صفحہ ۱۹۸)

۲..... قرآن کریم میں جہاں خمر، خنزیر اور لحم خنزیر کا ذکر آیا ہے باطنی تاویل کے لحاظ سے اس سے مراد اعدائے ائمہ ہیں یعنی، نعوذ باللہ، حضرات خلفائے راشدین" اور مہاجرین و انصار"۔
(مرآۃ الانوار ۱۳۸)

۳..... قرآن کریم میں جہاں شیطان، ابلیس، فرعون، ہامان کا ذکر آیا ہے، باطنی تاویل کی رو سے، اس سے مراد خلفائے راشدین" ہیں، خصوصاً خلیفہ ثانی"، کہ شیعہ عقیدے کے مطابق وہ ابلیس الابالسہ اور فرعون الفراعنہ تھے۔ نعوذ باللہ۔
(مرآۃ الانوار صفحہ ۱۸- ۲۰۳- ۲۴۳- ۳۲۱)

۴..... قرآن کریم میں جہاں کہیں زنا، فاحشہ، فواحش، منکر، بغی، میسر، انصاب، ازلام، اوثان، جبت وطاغوت، میتہ، دم اور لحم خنزیر کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ہے ائمہ جور، یعنی خلفائے راشدین" ۔ نعوذ باللہ۔
(مرآۃ الانوار صفحہ ۲۵۸)

۵..... قرآن کریم میں جہاں رات کے چھا جانے کا ذکر ہے اس سے مراد ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبض کیا جانا اور دشمنوں کا خلافت پر مسلط ہو جانا۔
(مرآۃ الانوار صفحہ ۲۹۵)

۶..... قرآن کریم میں جہاں ظلمت کا ذکر ہے اس سے مراد ہے ائمہ کے دشمن۔ یعنی خلفائے راشدین (ابو بکرؓ و عمرؓ) اور معاویہ، یزید اور بنو امیہ۔
(مرآۃ الانوار صفحہ ۲۲۸)

۷..... قرآن کریم میں ظلم اور ظالموں کا ذکر آیا ہے۔ باطنی تاویل کی رو سے اس سے مراد ہے خلیفہ اول، خلیفہ ثانی، بنو امیہ اور قاتلین حسینؓ اور ان سے صادر ہونے والے اعمال۔
(مرآۃ الانوار صفحہ ۲۲۸)

۸ ..... قرآن کریم میں جہاں کفر اور کافروں کا ذکر آیا ہے اس کی تاویل ہے رؤساء مخالفین، خصوصاً خلفائے ثلاثہ" ۔ کیونکہ ان کا کفر و انکار سب سے بڑھ کر تھا۔ اور امم سابقہ کے کفر کا جو ذکر قرآن میں آیا ہے وہ بھی از روئے تاویل، انکار ولایت کی وجہ سے تھا۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۳۰۸)

۹۔ قرآن کریم میں جہاں انداد کا ذکر آیا ہے (جن کو کافروں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا) اس سے مراد خلیفہ اول و ثانی ہیں، اور ان کو خلیفہ بنانے والے مشرک ہیں۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۰)

۱۰۔ قرآن کریم میں جہاں نفاق اور منافقین کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہے مخالفین اور ان کے رؤسا (یعنی حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم)۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۹)

۱۱۔ قرآن کریم میں جہاں مرتدین کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہے فلاں اور فلاں اور فلاں (یعنی خلفائے راشدین) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ولایت علیؓ کا انکار کرکے ایمان سے نکل گئے۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۱۵۸)

۱۲..... قرآن کریم میں آٹھ جگہ گوسالہ، سامری کا ذکر ہے، جس کی بنو اسرائیل نے پرستش کی تھی، باطنی تاویل کی رو سے عجل (گوسالہ) سے مراد ہیں ابو بکرؓ۔ سامری سے مراد ہیں حضرت عمرؓ اور گوسالہ کے پجاریوں سے مراد ہیں حضرات مہاجرین و انصار" جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت کی (نعوذ باللہ)۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۲۳۹)

۱۳ ..... قرآن کریم کی ایک آیت میں اس عورت کی مثال بیان ہوئی ہے جو سوت کات کر ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالتی تھی۔ (النحل: ۹۲) اس سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، جنہوں نے اپنے ایمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالا (نعوذ باللہ من الہفوات والہذیان)۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۸)

ان چند مثالوں سے واضح ہوا ہوگا کہ "تاویل باطنی" کی آڑ میں کیسی کیسی خرافات و کفریات کو قرآن کریم میں ٹھونسنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کس طرح حضرات

خلفائے راشدین اور مہاجرین و انصار" کو کافر و بے ایمان کہہ کر ان کے ذریعہ ملنے والے قرآن اور دین اسلام کی ایک ایک چیز کے خلاف زہر اگلا گیا ہے۔ شیعوں کی تمام تفاسیر (مثلاً تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر البرہان وغیرہ) اس قسم کی روایات سے بھری پڑی ہیں، لیکن اردو تراجم و تفسیر میں ان کا اظہار بہت کم ہوتا ہے تاکہ عام اہل سنت کو شیعوں کے "باطن" پر اطلاع نہ ہو، تاہم اردو تراجم میں بھی ایسی تاویلات کے نمونے سامنے آجاتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ چند مثالیں ترجمہ مقبول سے بھی پیش کر دی جائیں۔

ترجمہ مقبول سے تاویل باطنی کی چند مثالیں

۱۔ سورۃ فاتحہ آیت: ۶ ..... ایک روایت میں آیا ہے "الصراط المستقیم" سے ہم (ائمہ) مراد ہیں۔ قول مترجم الصراط المستقیم بظاہر تعداد میں چودہ حروف ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ چودہ کا جو راستہ ہے وہی صراط مستقیم ہے۔ (صفحہ ۲)

۲۔ سورۃ البقرہ آیت: ۱ ..... ذالک الکتب ..... تفسیر عیاشی میں ہے، جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں اور کتاب کا اطلاق انسان کامل پر کرنا اہل اللہ اور خواص اولیاء کے محاورے میں داخل ہے۔
(صفحہ ۳)

۳۔ سورۃ البقرہ آیت: ۸ ..... ومن الناس ..... اس سے مراد ہیں ابن ابی اور اس کے اصحاب یا اول و ثانی اور منافقین میں سے جو ان کے ہم سر ہیں۔ (شیعہ اصطلاح میں اول و ثانی سے مراد حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہوا کرتے ہیں)۔ (صفحہ ۳)

۴۔ سورۃ النساء آیت: ۱۵۱ ..... للکفرین ..... تفسیر قمی میں ہے کہ یہاں کافرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ کا اقرار کیا اور جناب امیر المومنین کا انکار۔

۵۔ سورۃ آل عمران: ۱۵۷ ..... فی سبیل اللہ ..... معانی الاخبار و تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں وارد ہے کہ سبیل اللہ سے مراد علی

اور ائمہ اولاد علی ہیں، جو شخص ان کی دوستی میں قتل ہو جائے وہ راہ خدا میں قتل ہوا اور جو شخص ان کی دوستی میں مر جائے تو وہ راہ خدا میں مرا۔ (ترجمہ مقبول ۔ صفحہ ۱۳۸)

۶۔ سورۃ التوبہ آیت: ۴۰ ..... لا تحزن ان اللّٰہ معنا ..... "کافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا غار میں جناب ابو بکر سے فرمارہے تھے چپ رہ بے شک اللہ میرے اور علی کے ساتھ ہے۔" (صفحہ ۳۸۳)

نیز سورۃ التوبہ آیت: ۴۰ ..... کلمۃ الذین کفروا السفلی ..... "تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ کلام ہے جو بڑے میاں کرتے تھے۔ تفسیر قمی میں بھی یہی ہے۔" ("بڑے میاں" سے مراد ہیں ۔۔ نعوذ باللہ ۔ ابو بکر صدیقؓ ..... ناقل) (صفحہ ۳۸۵)

۷۔ سورۃ الرعد آیت: ۲۸ ..... الذین آمنوا و تطمئن قلوبہم بذکر اللّٰہ ..... "تفسیر قمی میں ہے کہ اس آیت میں الذین آمنوا تو شیعہ ہیں اور ذکر اللہ امیر المومنین اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔" (صفحہ ۵۰۲)

۸۔ سورۃ ابراہیم آیت: ۲۲ ..... وقال الشیطن ..... "تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں وقال الشیطن آیا ہے وہیں علی مراد ہے۔" (اور "ثانی" سے مراد ہیں ۔۔ نعوذ باللہ ۔ حضرت عمرؓ ..... ناقل) (صفحہ ۵۱۲)

۹۔ سورۃ النحل آیت: ۸۳ ..... یعرفون نعمت اللّٰہ ..... "کافی میں امام جعفر صادق سے بروایت اپنے آباء واجداد کے منقول ہے کہ جب آیت انما ولیکم اللّٰہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ و یوتون الزکوۃ وھم راکعون (مائدہ ۔۔ ۵۵) نازل ہوئی تو اصحاب رسول خدا میں سے کچھ لوگ مسجد مدینہ میں جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے یہ کہنے لگے کہ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس پر انہی میں سے ایک بولا کہ اگر اس آیت کا ہم انکار کرتے ہیں، تو سارے ہی قرآن کے ہم منکر ٹھہرتے ہیں۔ اور اگر ایمان لاتے ہیں تو یہ ذلت ہے کہ اس حالت میں ابو طالب کا بیٹا

ہم پر مسلط ہو گا۔ اس پر اوروں نے کہا کہ یہ تو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ محمد اپنے قول میں سچا ہے لیکن نہ ہم کبھی اس کے دوستدار بنیں گے اور نہ کبھی علی کی اطاعت کریں گے۔ خواہ وہ اس بارے میں ہم کو کچھ ہی حکم دیا کرے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت اسی واقعہ پر نازل ہوئی۔" (کافی ..... صفحہ ۵۴۰)

۱۰۔ سورۃ نحل آیت: ۸۸ الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ ...... "تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت ان حضرات کی شان میں ہے۔ جو بعد جناب رسول خدا کافر ہو گئے تھے، اور راہ خدا سے یعنی حضرت امیرالمومنین علی ابن طالب کی اطاعت سے خود بھی باز رہے تھے اور دوسروں کو بھی روکا کرتے تھے۔" (صفحہ ۵۵۰)

۱۱۔ سورۃ طہٰ آیت ۱۲۴ ...... ومن اعرض عن ذکری ..... "کافی میں ہے خدا تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں منقول ہے کہ ذکری سے مراد ولایت علی بن ابی طالب ہے۔" (صفحہ ۴۳۸)

۱۲۔ اب ایک حوالہ تفسیر قمی کا بھی ملاحظہ فرمائیے:

سورۃ بقرہ: آیت ۲۶ ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقھا:
"امام ابو عبداللہ (جعفر صادقؑ) سے مروی ہے کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے امیرالمومنین کے لئے بیان فرمائی ہے۔ پس مچھر سے مراد (نعوذ باللہ) امیرالمومنین (حضرت علیؓ) ہیں اور ما فوقھا (یعنی مچھر سے بھی حقیر) سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔" (تفسیر قمی ..... صفحہ ۳۵، جلد ۱)

ان چند مثالوں سے اندازہ فرمائیے کہ یہ حضرات ائمہ کے نام سے روایات تصنیف کر کے قرآن کریم پر کیسی مشق تحریف کرتے تھے؟

ہمیں یقین ہے کہ یہ باطنی تاویل کی تمام غلط ساز روایات شیعہ راویوں نے تصنیف کر کے ائمہ اطہار کے نام منسوب کر دی ہیں، جس سے مقصود قرآن کریم کے حسین چہرے کو مسخ کرنا تھا۔ ان مقبولان الٰہی کا دامن ان خرافاتی روایات سے یکسر پاک ہے۔ لیکن شیعہ حضرات ان خرافاتی روایات کو "علوم ائمہ" اور "علوم اہل بیت" کا نام دیتے ہیں، اور فخریہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ان روایات

کی روشنی میں کی جائے۔ چنانچہ جناب سید نجم الحسن کراروی "ترجمہ فرمان علی" کے شروع میں "سرلفظ" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

ہمارے اصول کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ حضرات محمدؐ و آل محمدؐ کی تفسیر اور ان کے ارشادات کے تابع ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ ترجمہ جو ارشادات و توضیحات حضرات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں نہ کیا گیا ہو وہ تفسیر بالرائے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ حضرت رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: "من فسر برأیہ آیۃ من کتاب اللّٰہ فقد کفر" جس نے اپنی رائے سے قرآن مجید کی ایک آیت کی بھی تفسیر کی وہ کافر ہو گیا۔

(وسائل الشیعہ صفحہ ۳۷۶ بحوالہ تفسیر عیاشی۔ ترجمہ فرمان علی ص ۱)

اس طرز فکر پر سوائے "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھنے کے کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔

جناب اجتہادی صاحب کے چند لطائف

شیعوں کے عقیدہ تحریف کی بحث خاصی طویل ہو گئی۔ تاہم بے انصافی ہو گی اگر آنجناب کی تحریر کے "چند لطائف" سے ہم لطف اندوز نہ ہوں۔ اس لئے پہلے آنجناب کی پوری عبارت درج کرتا ہوں بعد ازاں اس کے لطائف ذکر کروں گا۔ آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"یہ قرآن علی حالہ آنحضرتؐ کے زمانے سے آج تک بلا تغیر و تبدل چلا آرہا ہے۔ البتہ ایک آدھ مقام پر کتابت کی غلطی علمائے اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی۔ بلکہ ہمارا عقیدہ تو اس بارے میں یہ ہے کہ خود رسول اللہؐ نے ہی اپنے زمانے میں اس پر اعراب اور نقطے وغیرہ بھی لگوا دیئے تھے۔ تاریخ جمع قرآن جس حد تک علمائے اسلام نے لکھی ہے اس سے تو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً "الاتقان" پڑھ کر کوئی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ رہا تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات تو یہ امر آپ جیسے عالم پر مخفی نہیں ہو گا کہ "الاتقان" اور "طبرانی" وغیرہ میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں اسی طرح شیعہ کتابوں میں بھی ایسی بہت سی روایات موجود ہیں۔ لیکن جس طرح علمائے اہل سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل نہیں

از اسلام ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک بھی یہ ملعون خارج از دین ہے۔ ہم اسی قرآن مجید کو اصلی اور الہامی قرآن تسلیم کرتے ہیں جو اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کوئی شیعہ عالم تحریف فی القرآن کا قائل نہیں ہوا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ چودہ صدیوں میں علمائے امامیہ نے جو تفاسیر لکھی ہیں جن کی تعداد ہزاروں میں ہے، سب اسی قرآن کی تفاسیر ہیں۔ اور ان تفاسیر میں جو متن قرآنی موجود ہے وہ وہی ہے جو ہمارے یہاں تلاوت کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ اس قرآن کے سوا کسی دوسرے قرآن کو مانتے تو اس قرآن کی تفاسیر لکھنے میں عمریں کیوں بسر کر دیتے، جس کو وہ مانتے ہی نہیں تھے؟ اسی طرح قرآن مجید کے اردو اور انگریزی ترجموں کا حال ہے آپ کوئی بھی ترجمہ اٹھا کر دیکھ لیں متن قرآنی وہی نظر آئے گا جو تلاوت کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ آپ کے دعوے کے مطابق کسی دوسرے قرآن کو مانتے تو اس کی تفاسیر بھی موجود ہوتیں اور ترجمے بھی، جبکہ ایک سطر بھی ایسی نہیں دکھائی جا سکتی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں ہمارا وہی عقیدہ ہے جو علمائے اہل سنت کا ہے۔ ایک امر کی طرف آپ کی توجہ اور مبذول کروا دوں۔ وہ یہ کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے الدرالمنثور میں ۱۱۴ سورتوں کی بجائے ۱۱۶ سورتوں کی تفسیر دی ہے یعنی دو مزید سورتیں درج کی ہیں جو کھلی ہوئی تحریف ہے، جبکہ علمائے شیعہ کے مصنفات میں ایسی کوئی چیز نہیں دکھائی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے اور ہدایت پر باقی رکھے۔"

اب مندرجہ بالا عبارت کے "لطائف" ملاحظہ فرمایئے:

پہلا لطیفہ:

"یہ قرآن علیٰ حالہٖ آنحضرتؐ کے زمانے سے آج تک بلا تغیر و تبدل چلا آرہا ہے۔"

گزشتہ مباحث سے عیاں ہے کہ آنجناب کا یہ دعویٰ خالص تقیہ اور کتمان ہے۔ کیا آپ اپنے اس دعویٰ پر کوئی عقلی دلیل اصول شیعہ کے مطابق پیش کر سکتے ہیں؟ کیا اس پر "امام معصوم" کا کوئی صریح قول پیش کر سکتے ہیں؟ کیا آپ اس

کی دو ہزار سے زائد روایات متواترہ و مستفیضہ کی کوئی تاویل کر سکتے ہیں؟ جن میں صراحتاً کہا گیا ہے کہ ظالموں نے قرآن میں تحریف کر کے اسے بدل ڈالا۔

دوسرا لطیفہ:

"بلکہ ہمارا عقیدہ تو اس باب میں یہ ہے کہ خود رسول اللہؐ نے ہی اپنے زمانے میں اس پر اعراب اور نقطے وغیرہ بھی لگوا دیئے تھے۔"

سبحان اللہ! ماشاء اللہ!! ائمہ پر تو خیر وحی نازل ہوتی ہوگی۔ لیکن کیا آنجناب پر بھی وحی کا نزول ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو آنجناب کا یہ عقیدہ کس حدیث میں آیا ہے؟ اور کس امام نے اس عقیدہ کی تصریح فرمائی ہے؟ اوپر کراروی صاحب کا قول نقل کر چکا ہوں کہ اعراب لگانا حجاج بن یوسف کی کارستانی ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔

تیسرا لطیفہ:

"البتہ ایک آدھ مقام پر کتابت کی غلطی علمائے اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی۔"

الحمد للہ! اہل سنت تو قرآن میں کتابت کی غلطی نہیں مانتے، بلکہ خط قرآن کو بھی توقیفی مانتے ہیں اور قرآن کریم کے رسم الخط کو بدلنا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ الغرض قرآن کریم کے کسی لفظ کے غلط ہونے کے عقیدے کو کفر سمجھتے ہیں۔ اگر کسی کتاب میں اس مضمون کی کوئی روایت مروی ہو تو قرآن کریم کو غلط کہنے کے بجائے خود اس روایت کو غلط اور راوی کا وہم بلکہ زنادقہ کی جعل سازی سمجھتے ہیں۔ البتہ قرآن کی غلطیاں نکالنا اور قرآن کریم کے حاملین و ناقلین کی عدالت کو مجروح کرنا حضرات شیعہ کا محبوب مشغلہ ہے اور اس کے لئے انہوں نے روایات کے دفاتر تصنیف کئے ہیں جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

ہاں! ابھی تو آنجناب نے لطیفۂ دوم میں فرمایا تھا کہ قرآن کے اعراب اور نقطے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں خود لگوائے تھے۔ اس کے باوجود قرآن کریم میں کتابت کی غلطی بھی تسلیم فرماتے ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب نہ ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے قرآن — نعوذ باللہ — غلط لکھوایا تھا؟ استغفر اللہ!

چوتھا لطیفہ:

"تاریخ جمع قرآن جس حد تک علمائے اسلام نے لکھی ہے اس سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔"

ماشاء اللہ! معصوم اماموں کی دو ہزار روایات، جو علمائے سبائیہ نے تصنیف کی ہیں اور جن میں کھل کر کہا گیا ہے کہ یہ قرآن غلط ہے، ان سے آنجناب کو شکوک و شبہات تو کجا؟ کبھی ادنیٰ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا ہوگا۔

الحمد للہ! تاریخ جمع قرآن سے ایک سلیم الفطرت کو کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر نعوذ باللہ تاریخ جمع قرآن سے شکوک و شبہات پیدا ہونے کی گنجائش ہوتی تو منصف بلکہ متعصب غیر مسلم بھی اس اقرار پر مجبور نہ ہوتے کہ یہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ (اس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے) لیکن جن لوگوں کے دل میں نفاق کا روگ پہلے سے موجود ہوان کو فزادھم اللہ مرضا کے سوا اور کیا حاصل ہوگا؟ اچھا، چلئے! فرض کر لیجئے کہ علمائے اسلام کی تاریخ جمع قرآن سے تو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، آنجناب اس کے مقابلہ میں ائمہ معصومین سے "تاریخ جمع قرآن" کا حوالہ دے دیجئے جس سے ادنیٰ وسوسہ بھی پیدا نہ ہو، کیا آپ نے ایسا کیا ہے؟ یا کر سکتے ہیں؟

پانچواں لطیفہ:

"تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات الاتقان اور المیزان وغیرہ میں بھی بہت ہیں۔ اسی طرح شیعہ کتابوں میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔"

پہلے گزر چکا ہے کہ:

۱۔ شیعہ کتابوں میں دو ہزار سے زائد متواتر روایات ہیں۔

۲۔ یہ روایات، روایات امامت سے جن پر شیعہ مذہب کا مدار ہے، کسی طرح کم نہیں۔

۳۔ یہ روایات قطعی طور پر تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں اور ان کا مفہوم ایسا واضح ہے کہ ان کا کوئی دوسرا مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔

۳۔ پھر اکابر علمائے امامیہ ان روایات پر دین وایمان رکھتے ہوئے قرآن کریم کو قطعی طور پر تحریف شدہ مانتے ہیں۔ جب علمائے امامیہ چاروں طرف سے راستہ بند پاتے ہیں تو خفت مٹانے کے لئے یہ الزام اہل سنت کی کتابوں پر بھی جڑ دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسی روایات نہ صحاح میں ہیں، نہ کسی معصوم کا قول ہیں، نہ تحریف پر صریح دلالت کرتی ہیں، نہ اہل سنت ان روایات کی بنا پر تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے علمائے امامیہ کا ضمیر خود بھی گواہی دیتا ہے کہ وہ اہل سنت کو یہ الزام دینے کے لئے محض فریب کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ چنانچہ آنجناب کو بھی معلوم ہے کہ آپ اہل سنت کی جن روایات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں بشرط صحت ان کا تعلق تحریف سے نہیں۔ بلکہ نسخ تلاوت یا اختلاف قراءت سے ہے۔ اس لئے آنجناب کاان کو "تحریف پر دلالت کرنے والی روایات" کہنا خالص تقیہ اور بہتان ہے۔ چونکہ آپ نے کسی خاص روایت کا نام نہیں لیا، اس لئے میں بھی اسی مجمل بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

چھٹا لطیفہ:

"جس طرح اہل سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل خارج از اسلام ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک بھی ایسا ملعون خارج از دین ہے۔"

شاباش! آفرین!! آج تک تو کسی شیعہ عالم کو اس کی جرأت نہ ہوئی تھی کہ تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے والوں پر کفر کا فتویٰ صادر کرے، ورنہ تمام عمائد شیعہ کو کافر قرار دینا پڑتا، جبکہ اہل سنت ہمیشہ سے "تحریف قرآن" کے عقیدہ کو کفر قرار دیتے رہے ہیں۔ لیجئے! سردست اہل سنت کا ایک حوالہ نقل کئے دیتا ہوں کہ "تحریف قرآن کا قائل خارج از اسلام ہے۔" حافظ ابن حزمؒ نے نصاریٰ کا یہ الزام نقل کیا ہے کہ:

"وأيضا فان الروافض يزعمون أن أصحاب نبيكم بدلوا القرآن واسقطوا منه وزادوا فيه"

(کتاب الفصل ص۷۵ ج۲)

ترجمہ: "نیز روافض دعویٰ کرتے ہیں کہ تمھارے نبیؐ کے اصحاب نے قرآن کو بدل دیا اور اس میں کمی بیشی کر دی۔"

اس کے جواب میں ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

"وأما قولهم في دعوى الروافض تبديل القرءات،

فإن الروافض ليسوا من المسلمين، إنما هي فرق حدث

أولها بعد موت النبي ﷺ بخمس وعشرين سنة، وكان

مبدأها إجابة من خذله الله تعالى لدعوة من كاد

الإسلام، وهي طائفة تجري مجرى اليهود والنصارى في

الكذب والكفر" (كتاب الفصل ص:۷۸ ج:۲)۔

ترجمہ: "رہا نصاریٰ کا یہ کہنا کہ روافض دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے قرآن کو تبدیل کر دیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روافض کا شمار مسلمانوں میں نہیں۔ یہ وہ فرقے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیس سال بعد پیدا ہوئے۔ اور ان کا آغاز اس شخص (یعنی ابن سبا) کی دعوت کو قبول کرنے کے نتیجہ میں ہوا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا راس ہونے کی وجہ سے مخذول وملعون کر دیا تھا۔ اور روافض کا یہ گروہ جھوٹ اور کفر میں یہود ونصاریٰ کی راہ پر گامزن ہے۔"

الحمد للہ! کہ اہل سنت کا فتویٰ تو اتنا واضح ہے کہ خود علمائے شیعہ بھی اس کو نقل کرنے پر مجبور ہیں، چنانچہ آنجناب نے خود اعتراف فرمایا ہے کہ "اہل سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل خارج از اسلام ہے۔" اور آپ سے پہلے امام الشیعہ مولانا حامد حسین نے بھی یہی اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "استقصاء الافحام" جلد اول کے صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں:

"مخفی نماند کہ اہل سنت آنرا قرآن کامل اعتقاد کنند ومعتقد نقصان آں را ناقص الایمان، بلکہ خارج از اسلام پندارند"

ترجمہ: "مخفی نہ رہے کہ جس کو اہل سنت "قرآن کامل" اعتقاد کرتے ہیں اور جو شخص اس کے نقصان کا قائل ہو اس کو ناقص الایمان بلکہ خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔"

اس عبارت میں جناب مولانا حامد حسین صاحب نے دو باتوں کا صاف صاف اقرار

کیا ہے۔ ایک یہ کہ اہل سنت کے عقیدہ میں یہ قرآن کامل ہے اور ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ دوم یہ کہ جو لوگ تحریف فی القرآن کے قائل ہیں وہ اہل سنت کے نزدیک خارج از اسلام ہیں۔

اگر آنجناب اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آپ بھی اپنے متقدمین علمائے امامیہ کا فتویٰ نقل کر دیجئے کہ جو لوگ تحریف قرآن کے قائل ہیں، وہ سب کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ آپ کے چار بزرگ از راہ تقیہ تحریف قرآن کے منکر ہوئے ہیں۔ لیکن آج تک ان چاروں سمیت کسی شیعہ عالم کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ تحریف قرآن کے قائلین کے خلاف فتویٰ تکفیر جاری کرنے کی جرأت کرے؟ اگر آنجناب اس مضمون کا ایک فتویٰ جاری کر دیں اور دیگر مجتہدین زمانہ کی تصدیقات بھی اس پر ثبت کرا دیں کہ "وہ تمام لوگ جو تحریف فی القرآن کے قائل ہوئے ہیں سب کافر و مرتد اور زندیق تھے" تو آنجناب شیعہ مذہب پر بڑا احسان کریں گے۔ پھر ہم بھی دیکھیں گے کہ اس فتویٰ کے بعد شیعہ مذہب میں کیا باقی رہ جاتا ہے اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے (اور ہرگز نہیں کر سکیں گے) تو میں گزارش کروں گا کہ تقیہ چھوڑ کر اس مذہب سے توبہ کر لیجئے۔ واللہ الموفق۔

ساتواں لطیفہ:

"ابتدائے اسلام سے آج تک کوئی شیعہ عالم تحریف فی القرآن کا قائل نہیں ہوا۔"

یا سبحان اللہ! گزشتہ ابحاث میں شیعہ مذہب کی مستند کتابوں کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں کہ ابو الائمہ سے گیارہویں امام تک، شیعہ روایات کے مطابق تمام ائمہ یہی شکوہ کرتے آئے ہیں کہ ظالموں اور غاصبوں نے قرآن میں تحریف کر دی، ادھر عبداللہ بن سبا سے لے کر آج تک کے بڑے بڑے شیعہ مجتہدین بھی "خلفائے راشدین" کے مطاعن میں تحریف فی القرآن کو نمایاں طور پر ذکر کرتے آتے ہیں۔ ان تمام شیعوں کا تحریف فی القرآن کا قائل ہونا خود ان کی اپنی کتابوں میں درج ہے، اس کے باوجود آنجناب کا یہ کہنا کہ کوئی شیعہ کبھی تحریف فی القرآن کا قائل ہی نہیں ہوا دہر کے

رفت آفتاب کو جھٹلانے کے ہم معنی ہے۔ اگر کوئی شخص کھلی آنکھوں آفتاب نیمروز کا انکار کر دے تو اس کو کس دلیل سے قائل کیا جائے؟ بہرحال گزشتہ مباحث میں اکابر شیعہ کے نام بھی ذکر کر چکا ہوں جو ڈنکے کی چوٹ پر تحریف قرآن کے قائل تھے اور ان کی عبارتیں بھی نقل کر چکا ہوں ان کو پڑھ کر اہل بصیرت خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ آنجناب کا یہ فقرہ کس قدر خلاف واقعہ اور کیسا شاندار تقیہ ہے جو شیعہ مذہب میں اعلیٰ درجے کی عبادت ہے، اور ائمہ معصومین نے جس کو اپنا دین و ایمان بتایا ہے۔

آٹھواں لطیفہ:

> "چودہ صدیوں سے علمائے شیعہ اسی قرآن کو پڑھ رہے ہیں اور اس کی تفسیریں لکھ رہے ہیں۔ اگر شیعہ اس قرآن کے علاوہ کسی اور قرآن کو مانتے تو اس قرآن کی تفسیریں کیوں لکھتے؟ اصل قرآن کی تلاوت و تفسیر کیوں نہ کرتے؟"

ماشاء اللہ! شیعوں کے ایمان بالقرآن کی کیا زبردست دلیل پیش فرمائی؟ جان من! شیعوں کا "قرآن موجود" کی تلاوت کرنا اور اس کی تفسیریں لکھنا ان کے ایمان بالقرآن کی دلیل نہیں، بلکہ ان کی بے بسی اور مجبوری ہے کیونکہ:

اولاً: ان کے "امام غائب" نے ان پر یہ ظلم ڈھایا کہ خود تو ڈر کے مارے غار میں روپوش ہوئے ہی تھے، جاتے جاتے اصل قرآن کو بھی غائب کر گئے۔ اب شیعوں کے پاس اصل قرآن ہے کہاں؟ کہ بے چارے اس کی تلاوت کیا کریں اور اس کی تفسیریں لکھا کریں؟ ناچار ان کو اسی قرآن کی تلاوت کرنا پڑی جس کو "مصحف عثمانی" کہا کرتے ہیں۔ شیعہ صاحبان لوگوں کو بتاتے تھے کہ ہمارے مذہب کا مدار "ثقلین" پر ہے، ایک قرآن صامت، دوسرا قرآن ناطق، یعنی امام۔ لیکن شیعوں کی بدقسمتی یہ کہ یہ دونوں صفحہ ہستی سے ناپید ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ قرآن ناطق ہے، نہ قرآن صامت۔ اب بے چارے قرآن کے نام سے اسی قرآن کو، جو خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے ذریعہ امت کو ملا ہے، نہ پڑھیں تو کیا کریں؟ اگر اللہ تعالیٰ نے فہم و بصیرت عطا فرمائی ہوتی تو ان امور پر غور کر کے تائب ہو جاتے مگر مشکل یہ ہے کہ

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ثانیاً: شیعہ قرآن کو پڑھتے ضرور ہیں مگر اس کو غلط سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ مولوی مقبول احمد اور نجم الحسن کراروی کے حوالے سے امام کا قول نقل کر چکا ہوں کہ "قرآن کو غلط ہی پڑھو۔" جب شیعہ اپنے امام کے قول سے "مجبور" ہو کر قرآن کو غلط سمجھتے ہیں تو انصاف کیا جائے کہ ان کا قرآن کو پڑھنا اور اس کی تفسیریں لکھنا کیا ان کے ایمان بالقرآن کی دلیل ہو سکتا ہے؟

ثالثاً: شیعوں نے قرآن کریم کی جو تفسیریں لکھی ہیں (اگر ان کو تفسیر کہنا صحیح ہو) وہ خود اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ان کے لکھنے والوں کا قرآن کریم پر ایمان نہیں۔ بلکہ وہ قرآن کے تحریف شدہ ہونے کا اعلان و اقرار کر رہے ہیں۔ تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر صافی، تفسیر البرہان، ترجمہ مقبول اور ترجمہ فرمان علی کا حال آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کسی اور تفسیر کا نام لیجئے اور قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے۔

رابعاً: شیعہ مفسرین نے قرآن کریم کی "تحریف معنوی" میں جس جرأت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا بھی مختصر سا نقشہ پیش کر چکا ہوں، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا قرآن کریم کی تفسیریں لکھنا قرآن کریم سے عقیدت و محبت کی خاطر نہیں۔ بلکہ اپنے مذموم عقائد کو قرآن کریم میں ٹھونسنے کے لئے ہے۔ اس لئے یہ تفسیریں ان کے "ایمان بالقرآن" کی دلیل نہیں، بلکہ "من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار" کا مصداق ہیں۔ یعنی "جو شخص قرآن میں اپنی رائے ٹھونسے وہ دوزخ کو اپنا ٹھکانا بنائے۔"

خامساً: یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے لوگوں نے بھی قرآن کریم کی تفسیریں لکھی ہیں (اگر ان کو تفسیر کا نام دینا صحیح ہو) کیا ان کے اس طرز عمل کو ان کے "ایمان بالقرآن" کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! یہی حال شیعہ مفسرین کا بھی سمجھ لیا جائے۔

نواں لطیفہ: "حافظ سیوطی نے "در منثور" میں ۱۱۴ سورتوں کے بجائے ۱۱۶ سورتیں

کی تفسیر دی ہے۔ یعنی دو اضافی سورتیں درج کی ہیں، جو کھلی ہوئی تحریف ہے۔ علمائے شیعہ کی کتابوں میں یہ چیز نہیں دکھائی جا سکتی۔"

آنجناب کا یہ لطیفہ تو گزشتہ تمام لطائف سے بڑھا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں چند گزارشات گوش گزار کرتا ہوں :

اول : آنجناب نے حافظ سیوطیؒ کی "الاتقان" کے حوالے زیب رقم فرمائے ہیں۔ اسی الاتقان کی "۴۷ویں نوع قرآن کریم کے ناسخ و منسوخ" کے ذیل میں یہ عبارت نظر سامی سے گزری ہوگی :

"قال الحسین بن المنادی فی کتابہ الناسخ والمنسوخ: ومما رفع رسمہ من القرآن ولم یرفع من القلوب حفظہ سورتا القنوت فی الوتر، وتسمی سورتی الخلع والحفد"

(الاتقان ... صفحہ ۲۶، جلد ۲)

ترجمہ : "حسین بن المنادی اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں لکھتے ہیں کہ منجملہ ان چیزوں کے جن کی کتابت و تلاوت قرآن سے اٹھائی گئی، لیکن دلوں سے ان کی یادداشت نہیں اٹھائی گئی۔ دعائے قنوت کی دو سورتیں ہیں جو وتر میں پڑھی جاتی ہیں اور وہ "سورۃ الخلع" اور سورۃ الحفد "کہلاتی تھیں۔"

مطلب یہ کہ وتر کی دعائے قنوت دو سورتوں کی شکل میں نازل ہوئی تھی۔ اور دونوں سورتوں کو سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد کے نام سے مصاحف میں لکھا بھی گیا تھا۔ لیکن بعد میں ان کی کتابت و تلاوت منسوخ کر دی گئی اور ان کو مصاحف سے اٹھا لیا گیا۔

در منثور کے خاتمہ میں حافظ سیوطیؒ نے انہی دو منسوخ شدہ سورتوں کے بارے میں یہ عنوان قائم کیا ہے : " ذکر ما ورد فی سورۃ الخلع و سورۃ الحفد " یعنی "ان روایات کا ذکر جو ان دو منسوخ شدہ سورتوں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں" اور اس کے ذیل میں ان دو سورتوں کی تفسیر نہیں دی بلکہ ایسی روایات ذکر کی ہیں جن میں ان دعاؤں کا نماز وتر وغیرہ میں پڑھنا مذکور ہے۔ اب میں آنجناب ہی

کے فہم و انصاف کو منصف بناتا ہوں کہ کیا اس کا نام " تحریف " رکھنا شرعاً و عقلاً و عرفاً و اخلاقاً جائز ہے؟

میں آنجناب کے پانچویں لطیفے کے ذیل میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرات شیعہ کو جب اپنی خفت مٹانے کے لئے اہل سنت پر تحریف کا الزام لگانے کا شوق چراتا ہے تو وہ نسخ یا اختلاف قرأت کی روایات نقل کر کے اپنا دل خوش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنجناب نے بھی یہی کیا کہ حافظ سیوطیؒ تو ان دو سورتوں کے منسوخ الرسم والتلاوت ہونے کی تصریح کر رہے ہیں اور آنجناب ان پر تحریف کا الزام لگا رہے ہیں۔ انصاف کیجئے کہ کیا دین و دیانت اسی کا نام ہے۔

دوم: یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جب کہ ان روایات کی صحت و قطعیت کو تسلیم کر لیا جائے، حالانکہ یہ روایات اول تو اخبار آحاد ہیں۔ پھر ان میں سے اکثر و بیشتر مرسل، منقطع اور مجہول ہیں۔ جس سے یہ مفروضہ قطعی طور پر ثابت ہی نہیں ہوتا کہ یہ دو سورتیں بطور قرآن نازل بھی ہوئی تھیں، جن کی تلاوت بعد میں منسوخ کر دی گئی۔

چنانچہ حافظ سیوطیؒ نے مذکورہ بالا عبارت کے متصل لکھا ہے:

"تنبیہ: حکی القاضی أبو بکر فی الانتصار عن قوم إنکار هذا الضرب، لأن الأخبار فیه أخبار آحاد، ولا یجوز القطع علی إنزال القرآن ونسخه بأخبار آحاد، لا حجة فیها" (الاتقان ص: ۲۶ ج: ۲)۔

ترجمہ: " آگاہ کرنے کی ایک بات یہ ہے کہ قاضی ابوبکر نے اپنی کتاب " الانتصار " میں علماء کی ایک جماعت سے نسخ کی اس قسم کا انکار نقل کیا ہے۔ کیونکہ روایتیں اس بارے میں اخبار آحاد ہیں۔ اور جائز نہیں ہے یقین کرنا قرآن کے نازل ہونے، پھر منسوخ ہو جانے کا اخبار آحاد کی بنا پر، جو کسی طرح حجت نہیں ہو سکتیں۔"

حافظ سیوطیؒ کی اس عبارت کو پڑھ کر اپنے ضمیر سے راو انصاف طلب کیجئے کہ

آنجناب کا ان پر یہ الزام کہ وہ "در منثور" میں ۱۱۶ سورتوں کی تفسیر لکھ رہے ہیں، عقل و منطق کی میزان میں کتنا وزن رکھتا ہے؟

سوم: آنجناب فرماتے ہیں کہ "علمائے شیعہ کے مصنفات میں ایسی کوئی چیز نہیں دکھلائی جا سکتی۔" غالباً آنجناب کو علمائے شیعہ کے دفاتر کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا، ورنہ یہ دعویٰ آنجناب کی زبان قلم سے سرزد نہ ہوتا۔ میں آنجناب کو کسی طویل کتاب کے پڑھنے کی زحمت نہیں دوں گا، علامہ باقر مجلسی کے چھوٹے سے رسالہ "تذکرۃ الائمہ" کے مطالعہ کی فرمائش ضرور کروں گا۔ اس میں آنجناب کو "سورۃ النورین" اور "سورۃ الولایت" دو سورتوں کا پورا متن ملے گا، جن کے بارے میں مجلسی کا دعویٰ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مصحف امام سے ساقط کر دیا تھا۔ اسی میں یہ عبارت بھی ملے گی کہ امیر المومنین اور اہل بیت کی فضیلت کی آیات اور مذمت قریش اور مذمت منافقین کی آیات حضرت عثمانؓ نے مصحف امام سے نکال دیں۔ نیز یہ کہ سورۂ فرقان کی آیت: "لم اتخذ فلاناً خلیلاً" دراصل یوں تھی: "لم اتخذ ابابکر خلیلاً۔" حضرت عثمانؓ نے "ابابکر" کے لفظ کو "فلاناً" میں بدل دیا۔ اسی میں حضرت امام صادقؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ سورۂ الاحزاب بڑی طویل سورت تھی اور اس میں قریش کے لوگوں کے فضائح تھے۔ "ایشاں تحریف دادند و کم کردند" (جامعین قرآن نے اس میں تحریف کر دی اور اسے کم کر دیا)۔

اس بحث کے خاتمہ پر میں آنجناب کی اس دعا پر بصد اخلاص و نیاز آمین کہتا ہوں کہ: "اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے اور ہدایت پر باقی رکھے"۔ کریم آقا کے کرم سے کیا بعید ہے کہ وہ اس مخلصانہ دعا کو شرف قبول بخشیں۔

باب چہارم

اس باب میں آنجناب کے متفرق سوالات و مناقشات کا جواب لکھتا ہوں :

۱۔ حدیث " اصحابی کالنجوم "

آنجناب نے حافظ ابن حزم کی کتاب الاحکام کے حوالے سے حدیث " اصحابی کالنجوم " کی تضعیف نقل کی ہے۔ جواباً گزارش ہے کہ اس حدیث کا مضمون صحیح ہے اور اہل سنت کی کتابوں کے علاوہ اہل تشیع کی معتمد کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی بحار الانوار کی کتاب العلم کے " باب علل اختلاف الاخبار " کے ذیل میں لکھتے ہیں :

۱ ـ قال الشيخ الطبرسيّ في كتاب الاحتجاجات : روي عن الصادق عليه السلام : أنّ رسول الله صلى الله عليه وآله قال : ما وجدتم في كتاب الله عزّ وجلّ فالعمل به لازم ولا عذر لكم في تركه ، وما لم يكن في كتاب الله عزّ وجلّ وكانت فيه سنّة منّي[1] فلا عذر لكم في ترك سنّتي ، وما لم يكن فيه سنّة منّي فما قال أصحابي فقولوا به[2] فإنّما مثل أصحابي فيكم كمثل النجوم بأيّها اُخذ اهتدى[3] وبأيّ أقاويل أصحابي أخذتم اهتديتم ، واختلاف أصحابي لكم رحمة .

أقول : روى الصدوق في كتاب معاني الأخبار ، عن ابن الوليد ، عن الصفّار ، عن ابن الخشّاب ، عن ابن كلّوب ، عن إسحاق بن عمّار ، عن الصادق ، عن آبائه عليهم السلام إلى آخر ما نقل ورواه الصفّار في البصائر .

(بحار الانوار صفحہ ٢٢٠ جلد ٢)

ترجمہ: "شیخ طبرسیؒ کتاب الاحتجاج میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام صادقؒ علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کچھ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پاؤ اس پر عمل لازم ہے۔ اور اس کے چھوڑنے میں تمہارے لئے کوئی عذر نہیں۔ اور جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور میری سنت میں ہو اس کے چھوڑنے میں بھی تمہارے لئے کوئی عذر نہیں۔ اور جو میری سنت میں بھی نہ ہو تو جو کچھ میرے صحابہؓ نے فرمایا ہو اس پر عمل کرو۔ کیونکہ تم میں میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کو بھی پکڑا جائے راستہ مل جائے گا۔ اسی طرح میرے صحابہؓ میں سے جس کے قول کو بھی اختیار کر لو گے ہدایت پا لو گے اور میرے صحابہؓ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔"

"شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں اپنی سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد آخر تک نقل کیا ہے۔ اور اس حدیث کو شیخ محمد بن حسن الصفار نے بھی اپنی کتاب "بصائر الدرجات" میں روایت کیا ہے۔"

نیز علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار کی کتاب العلم " باب ثواب الهداية والتعليم، وفضلهما وفضل العلماء " کے ذیل میں " منية المريد " کے حوالے سے اسی مضمون کی ایک اور حدیث نبویؐ نقل کی ہے:

۱۸ ـ وقال ﷺ: إنّ مثل العلماء في الأرض كمثل النجوم في السماء، يهتدى بها في ظلمات البرّ والبحر، فاذا طمست أوشك أن تضلّ الهداة.

(بحار الانوار، صفحہ ۲۵، جلد ۲)

ترجمہ: "فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے: زمین میں علماء کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان میں ستارے، جن سے بر و بحر میں راہ پائی جاتی ہے۔ جب ستارے بے نور ہو جائیں تو راہ پانے والوں کے بھٹکنے کا اندیشہ قوی ہے۔"

۲ـ حدیث "اختلاف امتی رحمۃ"

میں نے "اختلاف امتی رحمۃ" کا حوالہ دیا تھا، آنجناب نے اس پر یہ مناقشہ کیا

کہ "یہ حدیث محدثین کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں، کما نقل المناوی عن السبکی، الخ۔"

جواباً گزارش ہے کہ جہاں سے آنجناب نے مناوی کی یہ عبارت نقل کی تھی، وہیں یہ عبارت بھی موجود تھی:

"نصر المقدسی فی الحجۃ والبیہقی فی الرسالۃ الأشعریۃ بغیر سند، وأوردہ الحلیمی والقاضی حسین وإمام الحرمین وغیرھم ولعلہ خرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل إلینا" (فیض القدیر صفحہ ۲۰۹، جلد ۱)

ترجمہ: "اس حدیث کو نصر مقدسی نے "الحجہ" میں اور بیہقی نے "رسالہ اشعریہ" میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور حلیمی، قاضی حسین، امام الحرمین اور دیگر حضرات نے بھی اس کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ شاید بعض حفاظ کی کتابوں میں اس کی تخریج کی گئی ہوگی جو ہم تک نہیں پہنچیں۔"

الغرض علامہ مناوی نے اس حدیث کے مضمون کو تسلیم کیا ہے اور اس سلسلہ میں متعدد اکابر کے نام ذکر کئے ہیں۔ علاوہ ازیں اوپر "اصحابی کالنجوم" کے ذیل میں شیعوں کی مستند کتابوں سے جو روایت نقل کرچکا ہوں، اس کا ایک ٹکڑا "اختلاف اصحابی لکم رحمۃ" بھی ہے۔ جس کا مضمون بعینہ یہی ہے۔

امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور حافظ عراقی نے تخریج احیاء میں اس کے لئے بیہقی کی مدخل کا حوالہ دیا ہے:

"ذکرہ البیہقی فی رسالتہ الأشعریۃ تعلیقا، وأسندہ فی المدخل من حدیث ابن عباس بإسنادہ ضعیف" (حاشیہ احیاء صفحہ ۲۰، جلد ۱)

ترجمہ: "اس حدیث کو بیہقی نے رسالہ اشعریہ میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور انہوں نے "المدخل" میں ابن عباسؓ کی حدیث سے اس کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند کمزور ہے۔"

حافظ شمس الدین سخاوی نے "المقاصد الحسنة" میں بیہقی کی سند بھی نقل کردی ہے اور پورا متن بھی جو حسب ذیل ہے:

حديث: اختلاف أمتي رحمة، البيهقي في المدخل من حديث سليمان بن أبي كريمة عن جويبر عن الضحاك عن ابن عباس، قال قال رسول الله ﷺ: «مهما أوتيتم من كتاب الله فالعمل به لا عذر لأحد في تركه، فإن لم يكن في كتاب الله فسنة مني ماضية، فإن لم تكن سنة مني فما قال أصحابي، إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء، فأيما أخذتم به اهتديتم، واختلاف أصحابي لكم رحمة» ومن هذا الوجه أخرجه الطبراني والديلمي في مسنده بلفظه سواء، وجويبر ضعيف جدًا والضحاك عن ابن عباس منقطع، وقد عزاه الزركشي إلى كتاب الحجة لنصر المقدسي مرفوعا من غير بيان لسنده ولا صحابيه وكذا عزاه العراقي لآدم بن أبي إياس في كتاب العلم والحكم بدون بيان بلفظ: اختلاف أصحابي رحمة لأمتي. قال: وهو مرسل ضعيف، وبهذا اللفظ ذكره البيهقي في رسالته الأشعرية بغير إسناد.

چونکہ حدیث کے الفاظ تقریباً وہی ہیں جو اوپر شیعہ کتابوں کے حوالے سے نقل کرچکا ہوں، اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ محدثین اہلسنت نے تو اس حدیث کو سند ضعیف کہا ہے لیکن علامہ مجلسی نے بحارالانوار کتاب العلم کے باب نمبر " آداب طلب العلم واحکامه " میں امام صادق کی زبان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

١٩ – مع، ج، ع: المظفر، عن الأسدي، عن صالح بن أبي حماد، عن أحمد ابن هلال، عن ابن أبي عمير، عن عبد المؤمن الأنصاري، قال: قلت لأبي عبدالله عليه السلام: إن قوماً يروون أن رسول الله صلى الله عليه وآله قال: اختلاف أمتي رحمة فقال: صدقوا.

(بحار الانوار صفحہ ۲۳۶ جلد ۱)

ترجمہ: "صدوق نے معانی الاخبار میں، طبرسی نے کتاب الاحتجاج میں اور صدوق نے علل الشرائع میں اپنی سند سے عبدالمومن انصاری سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اختلاف امتی رحمۃ۔" امام صادق نے فرمایا، "یہ لوگ ٹھیک روایت کرتے ہیں۔"

اس کے بعد امام سے اس کی تاویل نقل کی ہے، مگر مجھے تو اس سے غرض ہے کہ امام نے اس حدیث کی تصحیح و تصدیق فرمائی ہے۔ تاویل خواہ کچھ بھی ہو۔ تعجب ہے کہ آنجناب نے السبکی وغیرہ علمائے اہل سنت کی تقلید میں اس کو بے سند کہہ دیا۔ مگر اپنے امام معصوم کی مستند تصحیح و تصدیق کی کوئی پروا نہیں کی۔ "ان هذا لشیء عجاب"
رہا آپ کا ابن حزم کے حوالے سے یہ نقل کرنا کہ:

لو كان الاختلاف رحمة لكان الاتفاق سخطا،

وهذا ما لا يقوله مسلم، لأنه ليس اتفاق أو اختلاف.

ترجمہ: "اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق غضب ہوگا اور کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دو ہی صورتیں ہیں، یا اتفاق ہوگا یا اختلاف ہوگا۔ لہٰذا اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق غضب ہوگا۔"

(الاحکام فی اصول الاحکام ص ۱۴۳ ج ۵)

حافظ ابن حزم کا یہ شبہ ان کی عقلیت و ذکاوت کا شاہکار ہے۔ انہوں نے حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا، اول تو ہمارے نزدیک مفہوم مخالف حجت نہیں۔ علاوہ ازیں مفہوم مخالف کے قائلین کے نزدیک بھی ہر جگہ مفہوم مخالف سے استدلال جائز نہیں۔ حافظ ابن حزم اگر غور و تامل سے کام لیتے تو انہیں نظر آتا کہ یہاں مفہوم مخالف سے استدلال کی گنجائش نہیں، کیونکہ حدیث میں امت مرحومہ کی فضیلت کا

اظہار مقصود ہے کہ اس امت کا اتفاق تو اتفاق، اس کا اختلاف بھی رحمت ہے اور اس میں بھی حکمتِ الٰہیہ کارفرما ہے۔ امام دارمیؒ نے "باب اختلاف الفقہاء" میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے نقل کیا ہے کہ ان سے عرض کیا گیا کہ کاش! آپ لوگوں کو ایک بات پر جمع کردیتے، جواب میں حضرتؒ نے فرمایا:

ما يسرني أنهم لم يختلفوا، ثم كتب إلى الآفاق أو إلى الأمصار ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهاءهم

(سنن دارمی صفحہ ۲۲، جلد ۱، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

ترجمہ: "مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ لوگوں کے درمیان اختلاف نہ ہو۔ پھر شہروں میں تحریری فرمان جاری فرمایا کہ ہر قوم کو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے جس پر وہاں کے فقہاء جمع ہوں۔"

حافظ شمس الدین سخاویؒ "مقاصد حسنہ" میں لکھتے ہیں:

وفي المدخل له من حديث سفيان عن أفلح بن حميد عن القاسم بن محمد قال: اختلاف أصحاب محمد ﷺ رحمة لعباد الله، ومن حديث قتادة أن عمر بن عبد العزيز كان يقول: ما سرني لو أن أصحاب محمد ﷺ لم يختلفوا لأنهم لو لم يختلفوا لم يكن رخصة.

(مقاصد الحسنہ، صفحہ ۴۹)

ترجمہ: "بیہقی کی کتاب المدخل میں امام قاسم بن محمد کا قول نقل کیا ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف بندوں کے لئے رحمت ہے" نیز عمر بن عبدالعزیز کا قول نقل کیا ہے کہ "اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی کیونکہ اس صورت میں امت کے لئے رخصت و گنجائش نہ رہتی۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمدؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے اکابر اختلافِ امت کو رحمت قرار دے رہے ہیں، علم و فہم، طہارت و تقویٰ اور رموزِ دین سے واقفیت میں ان اکابر کا جو مرتبہ ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ غور فرمایئے کہ ان کے

مقابلہ میں حافظ ابن حزمؒ کے قول میں کتنا وزن رہ جاتا ہے؟
اس ضمن میں علامہ سخاویؒ نے "مقاصد حسنہ" میں ایک عجیب بات یہ نقل کی ہے:

ذکرہ الخطابي في غریب الحدیث مستطردا

"فقال: اعترض علی هذا الحدیث رجلان: أحدهما ماجن والآخر ملحد، وهما: إسحاق الموصلي وعمرو بن بحر الجاحظ وقالا: لو کان الاختلاف رحمة لکان الاتفاق عذابا، ثم تشاغل الخطابي برد کلامهما، ولم یشف في عزو الحدیث، لکنه أشعر بأن له أصلا عنده"

(مقاصد حسنہ .... صفحہ ۲۶)

ترجمہ: "اس حدیث کو امام خطابیؒ نے "غریب الحدیث" میں ضمناً ذکر کرکے کہا ہے کہ اس حدیث پر دو شخصوں نے اعتراض کیا۔ ایک تو مسخرہ ہے اور دوسرا ملحد۔ اور یہ دونوں اسحاق موصلی اور جاحظ ہیں۔ دونوں نے یہ کہا کہ اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق عذاب ہوگا۔ اس کے بعد امام خطابیؒ ان دونوں کی بات کے رد کرنے کے درپے ہوئے، مگر حدیث کی سند ذکر کرنے میں کوئی شافی بات نہیں کہی۔ تاہم یہ معلوم ہوا کہ امام خطابیؒ کے نزدیک اس حدیث کی اصل ہے۔"

میں نے یہ حوالہ یہ دکھانے کے لئے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا کس قماش کے لوگوں کا مشغلہ رہا ہے؟ بہرحال میں نے دونوں پہلو آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں ایک طرف صحیح اور مستند حوالوں کے ساتھ امام صادقؒ کا ارشاد کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور دوسری طرف اس حدیث پر ماجن اور ملحد قسم کے لوگوں کی تنقید اور طعن و تشنیع۔ اب یہ آنجناب کی صوابدید ہے کہ امام صادقؒ کی تصحیح کو قبول فرماتے ہیں یا ملحد و ماجن لوگوں کی تشنیع کو۔

۳۔ نظریاتی اختلاف

میں نے "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں لکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور شیخینؓ کے بابرکت دور میں امت میں نظریاتی اختلاف کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس کی ابتدا حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے آخر میں ہوئی۔ آنجناب نے اس کو "تجاہل عارفانہ" قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ مسئلہ خلافت سمیت، جس کی کارروائی سقیفہ بنو ساعدہ میں ہوئی، نیز شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد کے فقہی اور نظریاتی اختلافات پر آپ مطلع نہ ہوں۔"

اور پھر ان اختلافات کو ثابت کرنے کے لئے آنجناب نے چند کتابوں کا حوالہ دیا ہے مجھے افسوس ہے کہ آپ "نظریاتی اختلاف" کا مطلب ہی نہیں سمجھے، اس لئے فقہی اختلافات کو "نظریاتی اختلافات" کے ساتھ گڈمڈ کر دیا، حالانکہ میں نے پوری وضاحت اور صفائی سے لکھا تھا کہ:

"دوسری بات جس کا سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ امت میں دو قسم کے اختلافات ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں قسم کے اختلافات سے مطلع بھی کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں امت کو ہدایات بھی عطا فرمائیں، پہلی قسم کا اختلاف وہ ہے جو اجتہادی مسائل میں صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان رونما ہوا اور جو آج حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اختلاف کے نام سے مشہور ہے، یہ اختلاف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں بھی کبھی کبھی رونما ہو جاتا تھا۔"

آگے اس اختلاف کی تشریح کرتے ہوئے میں نے اسی کو رحمت قرار دیا تھا۔ اس کے بعد دوسری قسم کے اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

"دوسری قسم کا اختلاف "نظریاتی اختلاف" کہلاتا ہے۔ (اور یہی اختلاف آپ کے سوال کا موضوع ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کی بھی پیش گوئی فرمائی اور اس اختلاف میں حق و باطل کو جانچنے کا معیار بھی مقرر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے ... الخ"

اسی دوسری قسم کے اختلاف کے بارے میں میں نے لکھا کہ اس کا وجود دور نبویؐ اور دور شیخینؓ میں نہیں تھا بلکہ یہ عہد عثمانیؓ کے آخر میں پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ فقہی

اختلافات تو صحابہؓ کے دور میں بھی تھے لیکن عقائد و نظریات اور بدعات و اہواء کا اختلاف ان میں نہیں تھا۔ اس کا آغاز آخر دور عثمانیؓ میں ہوا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ "منہاج السنۃ" میں لکھتے ہیں:

لم یحدث فی خلافة عثمان رضی الله عنه بدعة ظاهرة، فلما قتل وتفرق الناس حدثت بدعتان متقابلتان، بدعة الخوارج المكفرين لعلي، وبدعة الرافضة المدعين لإمامته وعصمته أو نبوته أو إلاهيته۔

(منہاج السنۃ۔ صفحہ ۱۹۴، جلد ۳)

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوئی بدعت ظاہرہ پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی شہادت کے بعد جب لوگوں میں افتراق ہوا تو دو بدعتیں، جو باہم متقابل تھیں، پیدا ہوئیں۔ ایک خوارج کی بدعت، جو نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے تھے، دوسری رافضیوں کی بدعت، جو ان کی امامت، عصمت یا نبوت یا الوہیت کے قائل تھے۔"

شیخ الاسلامؒ کی عبارت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بدعت ظاہرہ پیدا نہیں ہوئی، مطلب یہ کہ بدعت رفض کی خفیہ تحریک عہد عثمانیؓ کے اواخر میں شروع ہو چکی تھی۔ لیکن اس کا علانیہ ظہور نہیں ہوا تھا، اس کا ظہور ان کی شہادت کے بعد ہوا۔

۳۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق اتقی تھے

میں نے شیعہ کے نظریہ امامت کی تردید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ شیعہ مذہب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ:

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز قریب ہیں اس لئے وہی آپ کی خلافت و جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ نظریہ بظاہر سادہ اور خوش نما ہونے کے باوجود اسلام کی دعوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ تعلیم کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ اسلام نے

نسلی امتیاز اور خاندانی غرور کے سارے بتوں کو پاش پاش کر کے عزت و شرافت اور سیادت و بزرگی کا مدار "تقویٰ" پر رکھا تھا۔ اور تقویٰ کی صفت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ حضرات صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں سب سے فائق اور سب کے سرتاج تھے، (چنانچہ قرآن مجید کی سورۃ واللیل میں انہی کو "الاتقیٰ" یعنی سب سے زیادہ متقی فرمایا گیا ہے) اس لئے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔" (اختلاف امت اور صراط مستقیم... صفحہ ۱۹)

آنجناب نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"آپ کی تحریر (صفحہ ۱۹) سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو بحیثیت خلیفہ کے انتخاب کرتے وقت صفت تقویٰ کو ملحوظ رکھا تھا اور نسبی امتیاز اور آنحضرتؐ سے قرب کو نظر انداز کر دیا تھا۔ حالانکہ تاریخ و حدیث کا ہر طالب علم اس امر سے واقف ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ کی سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کرتے وقت صرف دو ہی دلیلیں پیش کی تھیں۔ ایک تو قریش کی عمومی عزت اور نسلی امتیاز جسے تمام قبائل عرب تسلیم کرتے تھے اور دوسرے آنحضرتؐ سے قربت و دیرینہ تعلق۔ وہاں تقویٰ کی کوئی بحث نہیں تھی۔ اور نہ ہی اسے کسی مستند کتاب سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے متقی ہونے میں کلام نہیں، لیکن "اتقیٰ" کی جو بحث آپ نے اٹھائی ہے اور بحیثیت اصول کے جس طرح آپ نے اسے بیان کیا ہے وہ محل نظر ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابل اثبات ہے۔ یعنی سقیفہ بنی ساعدہ میں "مستحق اقتدار خلافت" کی بحث چھڑی تھی اور نہ اس اصول پر حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ یہ انتخاب انہیں اصول پر عمل میں آیا تھا جن کی آپ نے نفی کی ہے۔"

یہاں دو مقام ہیں، ایک یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ "الاتقیٰ" تھے۔ قرآن کریم میں "الاتقیٰ" انہی کے حق میں فرمایا گیا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی ان کو "خیر ھذہ الامۃ" سمجھتے تھے۔ دوم یہ کہ ان کے استخلاف کے موقع پر ان کی افضلیت کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔

مقام اول: سورۃ واللیل کی آیت کریمہ وسیجنبہا الاتقی میں "الاتقی" انہی کو فرمایا گیا ہے۔ اس پر قریباً تمام مفسرین کا اجماع ہے:

۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی" اپنے رسالہ " الحبل الوثیق فی نصرۃ الصدیق میں لکھتے ہیں:

"وقد توارد خلائق من المفسرین لا یحصون علی أنہا نزلت فی حق أبی بکر رضی اللہ عنہ، وکذا أصحاب الکتب المؤلفۃ فی المبہمات"

(الحاوی للفتاوی ... صفحہ ۳۲۸)

ترجمہ: "بے شمار مفسرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسی طرح جن حضرات نے "مبہمات" پر کتابیں لکھی ہیں انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے۔"

۲۔ تفسیر مظہری میں ہے: -

"لا تفاق المفسرین علی أن الآیۃ نزلت فی أبی بکر الصدیق فالغرض منہ توصیف الصدیق بکونہ اتقی الناس أجمعین غیر الأنبیاء" (تفسیر مظہری ..... صفحہ ۲۷۰، جلد ۱۰)

ترجمہ: "کیونکہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، پس آیت کا مدعا یہ بنتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو چھوڑ کر وہ باقی تمام انسانوں میں سب سے زیادہ متقی ہیں۔"

۳۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"وقد ذکر غیر واحد من المفسرین أن ھذہ الآیات نزلت فی أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ حتی أن بعضہم حکی الإجماع من المفسرین علی ذلک"

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۲۱، جلد ۴)

ترجمہ: "بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں، یہاں تک کہ بعض حضرات نے اس پر مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے۔"

۴۔ تفسیر زاد المسیر میں ہے:

(الاتقى) يعني: أبا بكر الصديق في قول جميع المفسرين" (تفسیر زاد المسیر ..... صفحہ ۱۵۲، جلد ۹)

ترجمہ: "الاتقی" سے تمام مفسرین کے قول میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔"

۵۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

"والأكثر أن السورة نزلت في أبي بكر رضي الله عنه، وروي ذلك عن ابن مسعود وابن عباس وعبد الله بن الزبير وغيرهم" (تفسیر قرطبی ..... صفحہ ۹۰، جلد ۲۰)

ترجمہ: "اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ سورہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ بات صحابہ کرام میں سے ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر حضرات سے مروی ہے۔"

۶۔ تفسیر ابو السعود میں ہے:

"والآيات نزلت في حق أبي بكر الصديق رضي الله عنه حين اشترى بلالا في جماعة كان يؤذيهم المشركون فاعتقهم". (تفسیر ابو السعود ص ۱۹۰ ج ۹)

ترجمہ: "یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔ جب انہوں نے حضرت بلالؓ اور ایک جماعت کو خرید کر لوجہ اللہ آزاد کر دیا، جن کو مشرکین ایذائیں دیتے تھے۔"

۷۔ تفسیر روح المعانی میں ہے :

"وهذه الآيات على ما سمعت نزلت في أبي بكر رضي الله عنه. فقد أخرج ابن أبي حاتم عن عروة أن أبا بكر الصديق رضي الله عنه اعتق سبعة كلهم يعذب في الله عز وجل بلال وعامر بن فهيرة والنهدية وابنتها وزنيرة وأم عيسى وأمة بني المؤمل وفيه نزلت ﴿وسيجنبها الاتقى﴾ إلى آخر السورة واستدل بذلك الإمام على أنه رضي الله عنه أفضل الأمة"

(تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۵۲، ج ۳۰)

ترجمہ: "اور یہ آیات، جیسا کہ تم سن چکے ہو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں... چنانچہ ابن ابی حاتم نے عروہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات افراد کو، جنہیں اللہ کی راہ میں جانے عذاب کیا جاتا تھا، خرید کر آزاد کر دیا۔ یعنی حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، نہدیہ، ان کی صاحب زادی، زنیرہ، ام عیسیٰ اور بنو مؤمل کی ایک لونڈی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں "وسیجنبها الاتقی" سے آخر سورۃ تک نازل ہوئی۔ اور امام رازیؒ نے اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ امت میں سب سے افضل تھے۔"

۸۔ امام رازیؒ نے اس آیت شریفہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا "افضل الخلق بعد الانبیاء" ہونا ثابت کیا ہے۔ ان کی تقریر طویل ہے، اس لئے صرف اس کے حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ اہل علم اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

الغرض اس آیت شریفہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "اتقیٰ" فرمایا ہے۔ اس آیت شریفہ اور دیگر بے شمار نصوص کی روشنی میں حضرات صحابہ کرام حضرت

صدیق اکبرؓ کو سب سے افضل جانتے تھے۔ چنانچہ جامع الاصول میں ہے:

٦٣٩٤- (خ د ت- عبد الله بن عمر رضي الله عنهما) قال: "كنا نخير بين الناس في زمان رسول الله ﷺ، نخير أبا بكر، ثم عمر، ثم عثمان" (أخرجه البخاري)

وله في رواية قال: "كنا زمن النبي ﷺ لا نعدل بأبي بكر أحداً، ثم عمر، ثم عثمان ثم نترك أصحاب رسول الله ﷺ، لا نفاضل بينهم، وأخرج أبو داود الثانية ولأبي داود كنا نقول ورسول الله ﷺ حي: أفضل أمة النبي ﷺ بعده: أبو بكر، ثم عمر، ثم عثمان. وفي رواية الترمذي: «كنا نقول ورسول الله ﷺ حي: أبو بكر، وعمر، وعثمان».

(جامع الأصول ج:٨ ص:٧٩)

ترجمہ: "بخاری، ابوداؤد، ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہؓ کرام کے درمیان ترجیح دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو ترجیح دیتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کو، پھر حضرت عثمانؓ کو۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

"اور بخاری کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کے، پھر حضرت عثمانؓ کے۔ پھر باقی صحابہؓ میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ امام ابوداؤد نے یہ دوسری روایت نقل کی ہے۔

"اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

آپ کی امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ۔ اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں (صحابہؓ کی ترتیب بیان کرتے ہوئے) کہا کرتے تھے (اول) ابوبکرؓ، (دوم) عمرؓ، (سوم) عثمانؓ۔"

دوسرا مقام بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی افضلیت کی بنا پر کیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرات انصارؓ سے فرمایا کہ قریش کے دو بزرگ تمہارے سامنے موجود ہیں، (یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح) ان سے بیعت کرلو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بل نبايعك أنت، فأنت سيدنا وخيرنا وأحبنا إلى رسول الله ﷺ (صحیح بخاری ج:۱، ص: ۵۱۸)۔

ترجمہ: "نہیں! بلکہ ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے افضل ہیں، اور ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔"

اور صحیح بخاری میں دوسری جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری خطبہ منقول ہے، جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استخلاف کا واقعہ مفصل بیان فرمایا۔ اسی میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انصارؓ سے فرمایا کہ ان دو بزرگوں میں سے جس کی چاہو بیعت کرلو، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

فلم أكره مما قال غيرها، كان والله إن أقدم فتضرب عنقي لا يقربني ذلك من إثم أحب إلي من أن أتأمر على قوم فيهم أبو بكر، اللهم إلا أن تسول لي نفسي عند الموت، لا أجده الآن. (صحیح بخاری... صفحہ:۱۰۱۰، جلد:۲)

ترجمہ: "حضرت ابوبکرؓ کی تقریر میں بس یہی ایک بات مجھے بری لگی۔ بخدا! آگے بڑھا کر میری گردن اڑادی جاتی، بشرطیکہ یہ چیز مجھے گناہ کی قریب نہ کرتی، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب تھا کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنوں،

جن میں ابوبکرؓ موجود ہوں۔ تا یہ کہ خدانخواستہ میرا نفس موت کے وقت مجھے (ابوبکرؓ سے افضلیت) کا خیال دلائے۔ جو اب تک میرے دل میں نہیں ہے۔"

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر کے آخر میں ان دو بزرگوں میں سے کسی ایک سے بیعت کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فواللہ ما بقی شیء کنت أحب أن أقوله إلا وقد قاله یومئذ غیر هذه الکلمة، فواللہ لأن أقتل ثم أحیا (ثم أقتل ثم أحیا) فی غیر معصیة أحب إلی من أن أکون أمیرا علی قوم فیهم أبو بکر، قال: ثم قلت: یا معشر الأنصار، یا معشر المسلمین! إن أولی الناس بأمر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من بعده ثانی اثنین إذ هما فی الغار أبو بکر السباق المبین، ثم أخذت بیده وبادرنی رجل من الأنصار فضرب علی یده قبل أن أضرب علی یده، ثم ضربت علی یده وتتابع الناس"

(مصنف ابن ابی شیبہ ۔۔ صفحہ ۵۶۶، جلد ۱۴)

ترجمہ: "پس بخدا! جتنی باتیں میں اس موقع پر کہنا چاہتا تھا وہ سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہہ ڈالیں۔ سوائے اس آخری بات کے۔ پس بخدا! مجھے قتل کر دیا جاتا، پھر زندہ کیا جاتا، پھر قتل کیا جاتا، پھر زندہ کیا جاتا۔ بغیر گناہ کے یہ مجھے زیادہ محبوب تھا اس بات سے کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر ہوتا جن میں ابوبکرؓ موجود ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ اے جماعت انصار! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی جانشینی کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو آپؐ کا رفیق غار تھا۔ یعنی ابوبکرؓ ہیں، جو واضح طور پر سبقت کرنے والے ہیں۔ پھر میں نے بیعت کے لئے ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور انصارؓ کے

ایک صاحب نے مجھ سے بیعت کر کے ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، اس سے قبل کہ میں ان کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔"

نیز نسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، مستدرک حاکم، سنن کبریٰ اور طبقات ابن سعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"قال: لما قبض رسول الله ﷺ قالت الأنصار: منا أمير ومنكم أمير، قال: فأتاهم عمر فقال: يا معاشر الأنصار! ألستم تعلمون أن رسول الله ﷺ أمر أبا بكر أن يصلي بالناس؟ قالوا: بلى، قال: فأيكم تطيب نفسه أن يتقدم أبا بكر، فقالوا: نعوذ بالله أن نتقدم أبا بكر"،

(نسائی ج:۱، ص:۱۲۶، مصنف ابن أبي شيبة ج:۱۴، ص:۵۶۷، مستدرك حاكم ج:۳، ص:۶۶، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۷۹)۔

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو انصار نے کہا کہ ایک امیر ہمارا ہوگا اور ایک تمہارا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اے جماعتِ انصار! کیا آپ حضرات کو علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم فرمایا تھا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں؟ انہوں نے کہا: بے شک! فرمایا: پھر تم میں سے کس کا جی چاہے گا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ سے آگے ہو؟ کہنے لگے: ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کے آگے ہوں۔"

نیز مصنف ابن ابی شیبہ اور طبقات ابن سعد میں امام محمد بن سیرینؒ کی روایت ہے:

"قال: لما توفي النبي ﷺ أتوا أبا عبيدة، فقال: أتأتوني وفيكم ثالث ثلاثة؟ قال أبو عون: قلت: لمحمد ما

ثالث ثلاثة؟ قال: ألم تر إلى تلك الآية ﴿إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾

(مصنف ابن أبي شيبة ج: ۱٤، ص: ٥٧٠،

طبقات ابن سعد ج: ۳، ص: ۱۸۲، واللفظ له)۔

ترجمہ: "جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو لوگ بیعت کے لئے ابوعبیدہؓ کے پاس آئے، انھوں نے فرمایا، تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں "تین میں سے تیسرا" موجود ہے؟ ابو عون کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرینؒ سے کہا کہ "تین میں سے تیسرا" کا کیا مطلب؟ فرمایا، تم نے اس آیت کو نہیں دیکھا: "جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب نبیؐ اپنے رفیق سے فرما رہے تھے، غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

مطلب یہ کہ غار میں یہ دونوں حضرات تھے۔ تیسرا ان کے ساتھ اللہ تھا، لہٰذا ابوبکرؓ "ثالث ثلاثہ" یعنی "تین میں سے تیسرے" ہوئے۔

ان تمام روایات سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے ان کے احق بالخلافۃ ہونے پر استدلال کیا، اور ان کا استخلاف ان کی افضلیت اور سوابق اسلامیہ و خدمات جلیلہ کے پیش نظر عمل میں آیا تھا، محض نسبی قرابت کی وجہ سے نہیں۔

۵۔ حضرت علیؓ کا ارشاد: خیر ھٰذہ الامۃ بعد نبیہا ابوبکر ثم عمر

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"صفحہ: ۱۰ پر آپ نے حضرت علیؓ کے جس خطبہ کا حوالہ دیا ہے اس کا کوئی "منبع" آپ نے بیان نہیں کیا۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے حضرت علیؓ سے یہ الفاظ کسی معتبر کتاب میں منقول نہیں ہیں۔ اگر آپ کتاب کا حوالہ اور اسناد بھی دیتے تو بہتر صورت ہوجاتی۔"

یہ خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے، جناب کی اطلاع

کے لئے چند حوالے نقل کئے دیتا ہوں۔ حافظ ابن کثیرؒ "البدایة والنهایة" میں لکھتے ہیں:

"وقد ثبت عنه بالتواتر أنه خطب بالكوفة في أيام خلافته ودار إمارته، فقال: أيها الناس! إن خير هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر، ثم عمر، ولو شئت أن أسمي الثالث سميت، وعنه أنه قال وهو نازل من المنبر: ثم عثمان ثم عثمان" (البداية والنهاية ج:۸، ص:۱۳)۔

ترجمہ: "اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں اور اپنے دارالخلافہ کوفہ میں خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ لوگو! بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ اور اگر میں تیسرے کا نام لینا چاہوں تو لے سکتا ہوں۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ منبر سے اترتے ہوئے فرمایا، پھر عثمانؓ، پھر عثمانؓ۔"

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ "منہاج السنة" میں اور حافظ شمس الدین الذہبی "المنتقیٰ" میں لکھتے ہیں:

"وقد تواتر عن أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه إنه قال: خير هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر، ثم عمر، وقد روي هذا عنه من طرق كثيرة، قيل إنها تبلغ ثمانين طريقا، وقد روى البخاري عنه في صحيحه .... عن محمد بن الحنفية قال قلت: لأبي: يا أبت من خير الناس بعد رسول الله ﷺ؟ فقال: يا بني أو ما تعرف؟ فقلت: لا فقال: أبو بكر، فقلت: ثم من؟ قال: عمر، وهذا يقوله لابنه بينه وبينه، ليس هو مما يجوز أن يقوله تقية، ويرويه عن أبيه خاصة،

وقاله علی المنبر" (منہاج السنۃ ج:۳، ص:۱۶۲، المنتقی ص:۳۶۱)۔

ترجمہ: "حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ۔" آپ کا یہ ارشاد بہت سی اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ اسانید اسّی کی تعداد کو پہنچتی ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں آپ کا یہ ارشاد آپ کے صاحبزادہ حضرت محمد بن حنفیہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا، ابا جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا، بیٹا! تم نہیں جانتے؟ میں نے کہا، نہیں! فرمایا، سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں۔ میں نے کہا، پھر ان کے بعد کون؟ فرمایا، عمرؓ۔

"اور یہ بات آپ اپنے صاحبزادے سے فرما رہے ہیں، جس میں تقیہ کی گنجائش نہیں اور صاحبزادہ ہی اس کو بطور خاص اپنے والد سے روایت کررہے ہیں۔ اور یہی بات آپ نے برسر منبر بھی ارشاد فرمائی۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "ازالۃ الخفا" میں لکھتے ہیں:

"اما بیان افضلیت شیخین پس از وے متواتر شدہ، مرفوعاً و موقوفاً۔ ہر چند ایں مسئلہ مذہب جمیع اہل حق است، اما کسی از صحابہ آں را مصرح تر و محکم تر چوں علی مرتضیٰؓ نیاوردہ۔" (ازالۃ الخفا... صفحہ ۶۲، جلد ۱)

ترجمہ: "رہا شیخینؓ کی افضلیت کو بیان کرنا، پس آپؓ سے یہ مضمون تواتر کے ساتھ وارد ہے۔ مرفوعاً اور موقوفاً بھی۔ ہر چند کہ یہ مسئلہ تمام اہل حق کا مذہب ہے۔ تاہم صحابہؓ میں سے کسی نے اس کو اتنی تصریح کے ساتھ اور ایسے محکم انداز میں بیان نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔"

اور چند سطر کے بعد لکھتے ہیں:

"و من مواترہ "خیر ھذہ الامۃ ابوبکر ثم عمر"، و ایں را جمعے کثیر روایت کردہ اند۔"

ترجمہ: "اور حضرت علیؓ کا یہ ارشاد کہ "اس امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ۔" اس کو ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔"

اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب نے اس حدیث کے متعدد طرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز اسی سلسلہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

اما استدلال بر خلافت صدیق از جہت تفویض امامت صلاۃ باو،

«وأخرج أبو عمر فی الاستیعاب عن الحسن البصری عن قیس بن عباد قال قال لی علی بن أبی طالب رضی الله عنه، أن رسول الله ﷺ مرض لیالی وأیاما ینادی بالصلوٰة فیقول مروا أبا بکر یصلی بالناس، فلما قبض رسول الله ﷺ نظرت فإذا الصلوٰة علم الإسلام وقوام الدین، فرضینا لدنیانا من رضی رسول الله ﷺ لدیننا، فبایعنا أبا بکر» (ازالۃ الخفاء۔ صفحہ ۶۸، جلد ۱)

ترجمہ: "رہا حضرت علیؓ کا حضرت صدیقؓ کی خلافت پر اس سے استدلال کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت ان کے سپرد فرمائی تھی، تو حافظ ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں حسن بصریؒ سے، انھوں نے قیس بن عباد سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن بیمار رہے۔ نماز کے لئے بلایا جاتا تو فرماتے کہ "ابوبکرؓ کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، تو میں نے غور کیا، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ نماز اسلام کا شعار اور دین کا مدار ہے۔ پس ہم نے اپنی دنیا کے لئے اس شخص کو پسند کرلیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا تھا۔"

حضرت شاہ صاحب ؒ نے "الاستیعاب" کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، اس کے لئے "الاستیعاب" بر حاشیہ "الاصابہ" صفحہ ۴۵۱، جلد ۲ کی مراجعت کی جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے "المطالب العالیہ" میں یہ حدیث مفصل نقل کی ہے۔ چونکہ یہ بہت سے فوائد پر مشتمل ہے اس لئے طویل ہونے کے باوجود یہاں پوری حدیث درج کرتا ہوں:

٤٤٥٨- الحسن يقول: لما تقدم علي البصرة في أمر طلحة وأصحابه

قام عبد الله بن الكواء وابن عباد فقالا: يا أمير المؤمنين! أخبرنا عن مسيرك هذا، أوصية أوصاك بها رسول الله ﷺ أم عهداً عهده عندك، أم رأياً رأيته حين تفرقت الأمة واختلفت كلمتها؟ فقال: ما أكون أول كاذب عليه، والله ما مات رسول الله ﷺ موت فجأة، ولا قتل قتلاً، ولقد مكث في مرضه كل ذلك يأتيه المؤذن، فيؤذنه بالصلاة، فيقول: مروا أبا بكر، فليصل بالناس، ولقد تركني وهو يرى مكاني، ولو عهد إلي شيئاً لقمت به. حتى عارضت في ذلك امرأة من نسائه، فقالت: إن أبا بكر رجل رقيق إذا قام مقامك لم يسمع الناس، فلو أمرت عمر أن يصلي بالناس، فقال لها: إنكن صواحب يوسف: فلما قبض رسول الله ﷺ نظر المسلمون في أمرهم، فإذا رسول الله ﷺ قد ولى أبا بكر أمر دينهم، فولوه أمر دنياهم: فبايعه المسلمون وبايعته معهم. فكنت أغزو إذا أغزاني، وآخذ إذا أعطاني، وكنت سوطاً

بين يديه في إقامة الحدود ، فلو كانت محاباة عند حضور موته ، لجعلها في ولده ، فأشار بعمر ، ولم يألُ ، فبايعه المسلمون وبايعته معهم ، فكنت أغزو إذا أغزاني ، وآخذ إذا أعطاني ، وكنت سوطاً بين يديه في إقامة الحدود ، فلو كانت محاباة عند حضور موته لجعلها في ولده ، وكره أن يتخير منا معشر قريش ، فيوليه أمر الأمة ، فلا تكون إساءة من بعده إلا لحقت عمر في قبره ، فاختار منا ستة أنا فيهم لنختار للأمة رجلاً ، فلما اجتمعنا وثب عبد الرحمن بن عوف فوهب لنا نصيبه منها على أن تعطيه مواثيقنا على أن يختار من الجماعة رجلاً ، فيوليه أمر الأمة ، فأعطيناه مواثيقنا ، فأخذ بيد عثمان فبايعه ، ولقد عرض في نفسي عند ذلك ، فلما نظرت في أمري فإذا عهدي قد سبق بيعتي ، فبايعت وسلمت ، فكنت أغزو إذا أغزاني وآخذ إذا أعطاني ، وكنت سوطاً بين يديه في إقامة الحدود ، فلما قتل عثمان ، نظرت في أمري ، فإذا الموثقة التي كانت في عنقي لأبي بكر وعمر قد انحلت ، وإذا العهد لعثمان قد وفيت به ، وأنا رجل من المسلمين ليس لأحد عندي دعوى ، ولا طلبة ، فوثب فيها من ليس مثلي (يعني معاوية) لا قرابته قرابتي ، ولا علمه كعلمي ، ولا سابقته كسابقتي ، وكنت أحق بها منه ، قالا : صدقت ، فأخبرنا عن قتالك هذين الرجلين

(يعنيان طلحة والزبير) صاحباك في الهجرة، وصاحباك في بيعة الرضوان، وصاحباك في المشورة، فقال: بايعاني بالمدينة، وخالفاني بالبصرة، ولو أن رجلا ممن بايع أبا بكر خلعه لقاتلناه، ولو أن رجلا ممن بايع عمر خلعه لقاتلناه. (لإسحاق). (المطالب العالیہ ص ۲۹۳ ج ۴)

ترجمہ: "حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور ان کے رفقاء کے مقابلہ میں بصرہ تشریف لائے تو عبداللہ بن الکواء اور قیس بن عباد نے کھڑے ہوکر کہا کہ اے امیرالمومنین! آپ ہمیں اپنی تشریف آوری کے بارے میں بتلایئے! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس کی وصیت فرمائی تھی؟ یا آپ سے اس بارے میں کوئی تاکید فرمائی تھی؟ یا یہ آپ کی ایک رائے ہے جو آپ نے امت کے اختلاف اور اس کے معاملہ کے متفرق ہوجانے کے وقت اختیار فرمائی؟ آپ نے فرمایا، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جھوٹ بولنے والا نہ بنوں گا۔ اللہ کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اچانک نہیں ہوئی تھی، نہ آپؐ کو قتل کیا گیا، بلکہ آپؐ اپنی بیماری میں کئی دن رہے، اس عرصہ میں موذن آپؐ کے پاس آتا، آپؐ کو نماز کی اطلاع دیتا، آپؐ فرماتے کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری موجودگی کو دیکھ رہے تھے، اس کے باوجود آپؐ نے مجھے چھوڑ دیا (اور حضرت ابوبکرؓ کو امام مقرر فرمایا) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ولی عہد بنایا ہوتا تو میں اس کام کو کرتا، اور آپ کی ازواج مطہراتؓ میں سے ایک بی بی نے آپؐ سے یہ گزارش بھی کی کہ ابوبکرؓ نرم دل آدمی ہیں، جب وہ آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکیں گے۔ اگر آپؐ حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمادیتے تو بہتر تھا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم ان زنان مصر کی طرح ہو، جنھوں نے یوسف علیہ السلام سے زلیخا کی سفارش کی تھی۔

"پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو مسلمانوں نے اپنے معاملے میں غور کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کو ان کے دین کا کام سپرد کر چکے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے دنیا کے امور بھی ان کے سپرد کر دیئے، پس مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے ساتھ میں نے بھی بیعت کر لی، پس جب حضرت ابو بکرؓ مجھے جہاد کے لئے بھیجتے تو میں جہاد میں جاتا۔ اور جب مجھے مال سے کچھ عطا کرتے تو میں ان کے عطیہ کو قبول کرتا، اور میں ان کے سامنے حدود قائم کرنے کے لئے کوڑا لے کر جاتا۔

"پھر اگر ان کو اپنی وفات کے وقت قرابت پروری کرنی ہوتی تو خلافت اپنی اولاد کے حوالے کر جاتے، لیکن انہوں نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانے کا طے کر دیا، اور انہوں نے امت کی خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ سے بیعت کر لی تو ان کے ساتھ میں نے بھی بیعت کی پس جب وہ مجھے جہاد پر بھیجتے تو میں جاتا اور جب مجھے عطا کرتے تو میں ان کے عطیہ کو قبول کرتا، اور ان کے سامنے حدود کے قائم کرنے میں کوڑا لئے جاتا۔ اب اگر حضرت عمرؓ کو موت کے وقت قرابت پروری کرنی ہوتی تو خلافت اپنی اولاد کے سپرد کر جاتے۔ مگر انہوں نے تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرمایا کہ وہ ہم گروہ قریش میں سے ایک آدمی کو نامزد کر کے امت کا معاملہ اس کے حوالے کر جائیں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بعد کوئی برائی ہو تو اس کا وبال حضرت عمرؓ کو ان کی قبر میں پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے ہم میں سے چھ آدمیوں کو، جن میں سے ایک میں بھی تھا منتخب کیا۔ ہم اپنے میں سے ایک کو امت کے لئے خلیفہ منتخب کر لیں۔ پھر جب ہم انتخاب خلیفہ کے لئے جمع ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پہل کرتے ہوئے کہا کہ وہ خلافت میں سے اپنا حصہ ہمیں دینے کے لئے تیار ہیں اس شرط پر کہ ہم ان سے یہ عہد کریں کہ وہ جماعت میں سے ایک صاحب کو منتخب کر کے امت کا معاملہ اس کے سپرد کر دیں گے۔ چنانچہ ہم نے ان سے معاہدہ کر لیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر ان سے بیعت کر لی، اس وقت میرے دل میں کچھ خیال سا پیدا ہوا،

لیکن میں نے غور کیا تو دیکھا کہ میرا معاملہ میری بیعت سے سبقت کر چکا ہے۔ لہٰذا میں نے بیعت کر لی اور ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ چنانچہ جب مجھے جہاد پر بھیجتے تو میں جاتا اور جب مجھے عطا کرتے تو میں قبول کرتا۔ اور ان کے سامنے حدود کے قائم کرنے میں کوڑا بن جاتا۔

"پھر جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا تو دیکھا کہ حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کی بیعت کا عہد و پیمان جو میری گردن میں تھا اس کی گرہ کھل چکی ہے، اور حضرت عثمانؓ کے لئے کیا گیا عہد و پیمان بھی پورا ہو چکا ہے۔ اور میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، کسی کا نہ مجھ پر کوئی دعویٰ ہے، اور نہ کوئی مطالبہ۔ اب اس میں وہ شخص کود پڑا ہے جو مجھ جیسا نہیں (یعنی حضرت معاویہؓ) نہ اس کی قرابت میری قرابت جیسی ہے، نہ اس کا علم میرے علم کے برابر ہے، نہ اس کے کارنامے میرے کارناموں جیسے ہیں، اس لئے میں اس خلافت کا اس سے زیادہ مستحق ہوں۔

"ان دونوں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ نے بجا ارشاد فرمایا، لیکن ہمیں ان دو صاحبوں کے بارے میں بتلایئے (یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ) وہ دونوں ہجرت میں بھی آپ کے ساتھی ہیں، بیعت رضوان میں بھی آپ کے ساتھ تھے، اور شوریٰ میں بھی آپ کے رفیق تھے۔

"فرمایا، ان دونوں صاحبوں نے مدینہ میں مجھ سے بیعت کی تھی اور بصرہ آ کر وہ میرے مخالف ہو گئے۔ اور اگر کوئی شخص، جس نے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت کی تھی، آپ کو خلافت سے معزول کرنا چاہتا تو ہم اس سے قتال کرتے اور اگر کوئی شخص حضرت عمرؓ سے بیعت کر کے آپ کو معزول کرنا چاہتا تو ہم اس سے بھی قتال کرتے۔ یہ مسند اسحاق بن راہویہ کی روایت ہے۔"

اس روایت کے حاشیہ میں لکھا ہے:

"امام بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام اسحاق بن راہویہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اور ابو داؤد و نسائی نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔"

۶۔ شیعہ کلمہ اور اذان

میں نے کلمہ شریف میں شیعوں کی پیوند کاری کی شکایت کرتے ہوئے لکھا تھا:

"آپ نے سنا ہو گا کہ شیعہ مذہب اسلام کے کلمہ پر راضی نہیں، بلکہ اس میں "علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفتہ بلافصل" کی پیوند کاری کرتا ہے۔ بتلایئے! جب اسلام کا کلمہ اور قرآن بھی شیعوں کے نزدیک لائق تسلیم

نہ ہو تو کس چیز کی کسر باقی رہ جاتی ہے؟"
آنجناب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سب سے آخر میں اس بات کی مختصراً وضاحت کروں کہ علمائے شیعہ کے نزدیک اگر کوئی کافر مسلمان ہونا چاہے تو اس کے لئے کلمہ پڑھنا ضروری ہے۔ جو یہ ہے: "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور بس، اس کے آگے اور کچھ نہیں۔ (اس کے لئے شیخ جعفر کاشف الغطا کی کتاب کشف الغطاء "باب الاحتکار" صفحہ ۳۹۸ کا حوالہ دینے کے بعد آپ لکھتے ہیں) آپ نے تو بعد بکثر اسلام ہی ہم سے چھین لیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ کلمہ ہے جو اسلام لانے کے لئے پڑھنا ضروری ہے۔"

اس ضمن میں چند گزارشات ہیں:

اول: شیخ جعفر کاشف الغطا کی تصریح کے مطابق اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا اقرار کافی ہے۔ لیکن آپ حضرات کے نزدیک شیعہ مذہب میں داخل ہونے کے لئے "علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلافصل" کی پیوندکاری لازم ہے۔ چنانچہ آپ حضرات نے پاکستان کے اسکولوں کی نویں اور دسویں جماعت کے نصاب اسلامیات میں اس کو باصرار و احتجاج داخل کرایا۔ کیا ایک غیر جانبدار شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہیں ہوگا کہ شیعہ مذہب اسلام سے ماورا کوئی دین ہے، جس میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمہ اسلام کافی نہیں، بلکہ "علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، وخلیفتہ بلافصل" کی پیوندکاری لازم ہے؟

خصوصاً اس نکتہ کو پیش نظر رکھیے کہ حضرات امامیہ کے نزدیک جس طرح "محمد رسول اللہ" کے منکر پر کفر کا فتویٰ ہے، اسی طرح "علی ولی اللہ" کا منکر بھی کافر ہے۔ مسئلہ امامت کے ذیل میں اس نکتہ کو کتب امامیہ کے حوالے سے نقل کرچکا ہوں۔ اگر شیعہ مذہب، مسلمان ہونے کے لئے کلمہ اسلام کو کافی سمجھتا تو "ولایت ائمہ" کے منکروں پر کفر کا فتویٰ کیوں دیتا؟

الغرض آپ حضرات کا باصرار و تکرار "علی ولی اللہ" کو سرکاری طور پر کلمہ شریف میں داخل کرانا اور اس شیعی کلمہ کے منکروں پر کفر کا فتویٰ جاری کرنا کیا اس امر کا صاف صاف اعلان نہیں کہ آپ حضرات کا کلمہ بھی مسلمانوں سے الگ ہے؟

دوم: آپ حضرات جن اضافی کلمات "علی ولی اللہ۔ الخ" اذان میں بھی اللہ اکبر پر دہراتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے شیخ صدوق ابو جعفر قمی نے "من لا یحضرہ الفقیہ" میں اس اضافہ کو ملعون مفوضہ کی من گھڑت بدعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ اذان کے کلمات پورے نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

وقال مصنف هذا الكتاب: هذا هو الأذان الصحيح لا يزاد فيه ولا ينقص منه والمفوضة (۲) لعنهم الله قد وضعوا أخباراً وزادوا في الأذان محمد وآل محمد خير البرية مرتين، وفي بعض رواياتهم بعد أشهد أن محمداً رسول الله، أشهد أن علياً ولي الله مرتين، ومنهم من روى بدل ذلك أشهد أن علياً أمير المؤمنين حقاً مرتين، ولا شك في أن علياً ولي الله وأنه أمير المؤمنين حقاً وأن محمداً وآله صلوات الله عليهم خير البرية، ولكن ليس ذلك في أصل الأذان، وإنما ذكرت ذلك ليعرف بهذه الزيادة المتهمون بالتفويض المدلسون أنفسهم في جملتنا.

ترجمہ: "مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ یہی صحیح اذان ہے، اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا، نہ اس میں کمی کی جائے گی۔ اور فرقہ مفوضہ نے ان پر اللہ کی لعنت ہو ۔ کچھ روایتیں گھڑی ہیں۔ اور انہوں نے اذان میں "محمد وآل محمد خیر البریہ" کے الفاظ دو مرتبہ بڑھائے ہیں۔ اور ان کی بعض روایات میں "اشہد ان محمداً رسول اللہ" کے بعد "اشہد ان علیاً ولی اللہ" (دو مرتبہ) کے الفاظ ہیں۔ اور بعض نے ان الفاظ کے بجائے "اشہد ان علیاً امیر المومنین" (دو مرتبہ) کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

"اور کوئی شک نہیں کہ علیؓ ولی اللہ ہیں، اور یہ کہ وہ واقعی امیر المومنین ہیں، اور یہ کہ محمدؐ و آل محمدؐ خیر البریہ ہیں، لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں۔ میں نے یہ اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اس زیادتی کے ذریعہ وہ لوگ پہچانے جائیں جن پر "تفویض" کی تہمت ہے اور جو اپنے عقیدے کو چھپا کر ہماری جماعت کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

ملاحظہ فرمایئے کہ آپ کے شیخ صدوق تاکید شدید فرماتے ہیں کہ اذان کے ماثور کلمات میں کمی بیشی نہ کی جائے اور یہ کہ "اشہد ان علیاً ولی اللہ" کے کلمات کا اضافہ بدبخت اور ملعون مفوضہ کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ لیکن آج کل آپ ہی ملعونوں کی

بدعت پر بھی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ میں اپنے کانوں سے سنتا ہوں کہ آپ حضرات اذان میں یہ کلمات بڑھاتے ہیں: " اشہد ان امیر المومنین، و امام المتقین، علیاً ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفتہ بلا فصل " اور غریب مؤذن ایک سانس میں ان الفاظ کو ادا نہیں کر پاتا اور اس طویل بدعتی عبارت کو ادا کرنے کے لئے اسے درمیان میں کئی جگہ سانس لینا پڑتا ہے۔ جب شیخ صدوق کے زمانے میں " اشہد ان علیاً ولی اللہ " کے الفاظ بدعت اور موجب لعنت تھے تو انصاف فرمایئے کہ ان طویل الفاظ کے بڑھانے سے یہ بدعت اور لعنت کتنے گنا بڑھ گئی ہوگی؟ کیا آپ کی جماعت میں کوئی دانشمند ایسا نہیں جو اس پر غور کرے؟ " الیس منکم رجل رشید؟ "

سوم: میں مسئلہ امامت کی بحث میں " رجال کشی " اور " بحار الانوار " کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ " ولایت علی " کے عقیدہ کا اظہار سب سے پہلے عبداللہ بن سبا ملعون نے کیا تھا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سعادت میں اور خلفائے راشدین" کے بابرکت زمانے میں " علی ولی اللہ " کے الفاظ " کلمۂ اسلام " میں شامل نہیں تھے۔ اسی طرح شیعہ اذان میں جو کلمات دہرائے جاتے ہیں، (اور جن کو شیخ صدوق نے مفوضہ لعنہم اللہ کی بدعت کہا ہے) وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان میں شامل تھے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک خلافت راشدہ کے دور میں، بلکہ شیخ صدوق کے زمانے تک خود شیعوں کی اذان میں بھی نہیں تھے۔ اب خود انصاف فرمایئے کہ کلمہ اور اذان میں ان الفاظ کا اضافہ کرنا، دین محمدیؐ کے علاوہ ایک نئے دین کی تصنیف نہیں تو اور کیا ہے؟ اس پر اگر میں شکایت کرتا ہوں کہ شیعہ مذہب اسلام کے کلمہ پر بھی راضی نہیں، تو آنجناب اپنی اصلاح کرنے کے بجائے الٹا مجھ پر خفا ہوتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آنجناب اسی ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

> " باقی رہا " علی ولی اللہ " تو یہ ایسی بات ہے جس کو علمائے اہلسنت بھی مانتے ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ اس آیت سے ماخوذ ہے: " انما ولیکم اللہ ورسولہ ... وھم راکعون " جو باتفاق مفسرین حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ مفتی محمد شفیع نے بھی اپنی تفسیر میں اس کو تسلیم کیا ہے۔ تو خداوند نے آیت کریمہ حضرت علی علیہ السلام ولی اللہ ہیں اور یہ آپ بھی مانتے ہوں گے، اس کا انکار تو آپ کر ہی نہیں سکتے۔"

آنجناب کی یہ مختصر سی عبارت چند در چند مغالطوں پر مشتمل ہے:

اول: یہ کہ "علی ولی اللہ" کو اہل سنت بھی مانتے ہیں۔" یہ محض مغالطہ ہے۔ اس لئے کہ شیعوں کے کلمہ اور اذان میں "علی ولی اللہ" کے ایک خاص معنی مراد ہیں، جس کی تفسیر "وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلافصل" کے الفاظ سے کی جاتی ہے۔ آنجناب کو معلوم ہے کہ اہل سنت "علی ولی اللہ" کے اس مفہوم کو نہ صرف غلط سمجھتے ہیں، بلکہ اس کو ابن سبائی طعون بدعت قرار دیتے ہیں اور اس عقیدہ کو ہدم اسلام کی سازش سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود آنجناب کا یہ فرمانا کہ "علی ولی اللہ" کے سبائی مفہوم کو اہل سنت بھی مانتے ہیں، محض مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اگر "علی ولی اللہ" سے یہ مراد ہے کہ حضرت علیؓ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پیارے ہیں، تب بھی اہل سنت کے نقطہ نظر سے یہ فقرہ غلط ہے۔ کیونکہ امت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تسلیمات) میں کروڑوں افراد "اولیاء اللہ" ہیں۔ اس میں حضرت علیؓ کی کیا تخصیص؟ اور کلمہ و اذان میں ان الفاظ کے بولنے کے کیا معنی؟ آنجناب کو علم ہے کہ اہل سنت کے نزدیک امت کے اولیاء اللہ میں سب سے افضل صحابہ کرامؓ ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ میں چار بزرگوار علی الترتیب افضل امت ہیں، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ لہٰذا امت کے اولیاء اللہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ چوتھے نمبر پر ہیں۔ پس "علی ولی اللہ" کا فقرہ اس مفہوم میں بھی عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آنجناب ان باتوں سے بے خبر نہیں، لیکن مجھے بے حد تعجب ہے کہ آنجناب جیسا فہیم اور سمجھدار آدمی بھی مغالطوں سے کام چلانے پر مجبور ہے۔

دوم: یہ کہ آنجناب کا قول کہ "یہ عقیدہ آیت شریفہ انما ولیکم اللہ ورسولہ ۔ وھم راکعون سے ماخوذ ہے" نہایت غلط ہے۔ اس آیت سے کوئی عاقل شیعوں کا عقیدہ "ولایت علیؓ" نہیں نکال سکتا، نہ آیت کے الفاظ سے یہ عقیدہ کشید کیا جا سکتا ہے، اور نہ سیاق و سباق ہی اس کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن آنجناب اس کو میرے سامنے اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ گویا میرے نزدیک یہ ایک مسلمہ چیز ہے۔ جس میں اختلاف رائے کی بھی گنجائش نہ ہو۔ فرمایئے ایک خالص وہمی چیز کو، جس کا واقعہ نفس الامر میں کوئی وجود ہی نہ ہو، ایک مسلمہ چیز کی حیثیت سے پیش کرنا مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟

سوم: آنجناب کا یہ ارشاد کہ "یہ آیت باتفاق مفسرین حضرت علیؓ کی شان میں نازل

ہوئی" دروغ بے فروغ ہے۔ حافظ ابن تیمیہ "منہاج السنۃ" میں لکھتے ہیں:

"قوله: قد اجمعوا أنها نزلت في علي من أعظم الدعاوى الكاذبة، بل أجمع أهل العلم بالنقل على أنها لم تنزل في علي بخصوصه، وأن عليا لم يتصدق بخاتمه في الصلوة، وأجمع أهل العلم بالحديث على أن القصة المروية في ذلك من الكذب الموضوع" (منہاج السنۃ ..... صفحہ ۳ جلد ۴)

ترجمہ: "شیخ حلی کا یہ دعویٰ کہ یہ آیت باتفاق مفسرین حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس کے برعکس اہل علم بالنقل کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت بطور خاص حضرت علیؓ کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔ اور یہ کہ حضرت علیؓ نے نماز کی حالت میں انگوٹھی صدقہ نہیں کی۔ اور اہل علم بالحدیث کا اجماع ہے کہ اس سلسلہ میں جو قصہ نقل کیا جاتا ہے وہ من گھڑت جھوٹ ہے۔"

حافظ شمس الدین الذہبی "المنتقی" میں لکھتے ہیں:

والجواب أن قولك أجمعوا إنها نزلت في علي من أعظم الدعاوى الكاذبة، بل أجمعوا على أنها لم تنزل في علي بخصوصه، وأن الخبر كاذب، وفي تفسير الثعلبي من الموضوعات ما لا يخفى، وكان حاطب ليل، وكذا تلميذه الواحدي". (المنتقی ص: ۴۱۹)

ترجمہ: "جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی، سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس کے برعکس ان کا اجماع اس پر ہے کہ یہ بطور خاص حضرت علیؓ کے حق میں نہیں نازل ہوئی، جو روایت تم نے نقل کی ہے یہ جھوٹی ہے۔ اور تفسیر ثعلبی میں ایسے جھوٹے قصے موجود ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں، اور یہ شخص حاطب لیل تھا، اسی طرح اس کا شاگرد واحدی بھی۔"

حافظ ابن کثیرؒ اس انگوٹھی کے قصہ کو طبرانی اور ابن عساکر کے حوالے سے نقل کرکے لکھتے ہیں:

"وھذا لا یصح بوجه من الوجوه لضعف أسانیده،

ولم ینزل فی علی شیء من القرآن بخصوصیته"

(البدایه والنهایه ... صفحہ ۳۵۷، جلد ۷)

ترجمہ: "یہ روایت کسی طریق سے بھی صحیح نہیں، کیونکہ اس کی تمام اسانید کمزور ہیں۔ اور حضرت علیؓ کے حق میں خصوصیت سے قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔"

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "ازالۃ الخفا" میں لکھتے ہیں:

"وسبب نزول و مصداق آیت صدیق اکبراست ..... نہ چنانکہ شیعہ گمان بردند و قصۂ موضوعہ روایت کنند"۔

(ازالۃ الخفا ... صفحہ ۳۰، جلد ۱)

ترجمہ: "اس آیت کا سبب نزول و مصداق حضرت صدیق اکبرؓ ہیں نہ جیسا کہ شیعہ گمان کرتے ہیں اور ایک من گھڑت قصہ روایت کرتے ہیں۔"

چہارم: آنجناب نے دعویٰ کیا ہے کہ "مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔" حالانکہ یہ دعویٰ صریح مغالطہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

"اس روایت کی سند میں علماء محدثین کو کلام ہے۔ لیکن روایت کو صحیح قرار دیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہو گا کہ مسلمانوں کی گہری دوستی کے لائق نماز و زکوٰۃ کے پابند عام مسلمان ہیں۔ اور ان میں خصوصیت کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس دوستی کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری صحیح حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" (رواہ احمد الترمذی) یعنی "میں جس کا دوست ہوں، تو علیؓ بھی اس کے دوست ہیں۔"

"ایک اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" یعنی "یا اللہ! آپ محبوب بنالیں اس شخص کو جو محبت رکھتا ہو علی مرتضیٰؓ سے اور دشمن قرار دیں اس شخص کو جو دشمنی کرے علی مرتضیٰؓ سے۔"

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس خاص شرف کے ساتھ غالباً اس لئے نوازا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آئندہ پیش آنے والا فتنہ منکشف ہو گیا تھا کہ کچھ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت و دشمنی

رکھیں گے ایمان کے مقابلہ پر علم بغاوت اٹھائیں گے، جیسا کہ خوارج کے فتنہ میں اس کا ظہور ہوا۔"

بہرحال آیت مذکورہ کا نزول خواہ اسی واقعہ کے متعلق ہوا ہو، مگر الفاظ آیت کے عام ہیں، جو تمام صحابہ کرامؓ اور سب مسلمانوں کو شامل ہیں۔ از روئے حکم کسی فرد کی خصوصیت نہیں، اسی لئے جب کسی نے حضرت امام باقرؒ سے پوچھا کہ اس آیت میں "الذین آمنوا" سے کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ بھی مومنین میں داخل ہونے کی حیثیت سے اس آیت کے مصداق ہیں۔"

(معارف القرآن صفحہ ۱۶۷، جلد ۳)

اس اقتباس سے واضح ہے کہ اول تو مفتی صاحبؒ اس قصہ کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

ثانیاً: بفرض تسلیم آیت کو عام اہل ایمان کے بارے میں قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کچھ خصوصیت ہے تو یہ کہ خوارج ان سے عداوت و دشمنی رکھتے ہیں، بلکہ ان کی تکفیر کر کے اپنا نامہ عمل سیاہ کرتے ہیں اس لئے اہل ایمان کو ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ سے بالخصوص دوستی رکھنی چاہئے، پس "ولی" کے معنی محبوب اور دوست کے ہیں، نہ کہ بزعم شیعہ "متولی امر خلافت" کے۔

ثالثاً: مفتی صاحبؒ تصریح کرتے ہیں کہ آیت کا حکم تمام صحابہؓ کو اور سب مسلمانوں کو شامل ہے، کسی فرد کی خصوصیت نہیں۔

رابعاً: حضرت مفتی صاحبؒ امام باقرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ تمام اہل ایمان کے بارے میں ہے، حضرت علیؓ بھی بحیثیت مومن ہونے کے اس آیت میں شامل ہیں۔ بطور خاص ان کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔

کیا ان تصریحات کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ بھی شیعوں کے کلمہ "علی ولی اللہ" کی تائید کر رہے ہیں؟

سبحانك اللّٰهمّ وبحمدك، أشهد أن لا إله إلا أنت، أستغفرك وأتوب إليك: سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ